تالیف

علی محمد محمد الصلابی

ترجمانی

و/لیث محمد مکی

تنقیح ونظرثانی

شمیم احمد خلیل السلفی

تالیف
ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی

ترجمانی
ڈاکٹر لیث محمد مکی

تنقیح ونظرثانی
شمیم احمد خلیل السلفی

ناشر
ندوۃ السنۃ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی
اٹوا بازار، سدھارتھ نگر، یوپی ۲۷۲۱۹۲

فہرست مضامین

پہلی فصل

حسن بن علی بن ابی طالب (ولادت سے خلافت تک)

دوسری فصل

بیعت، اہم اوصاف، کارنامے، اُمت کے اتحاد میں کردار

عرضِ ناشر

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ نگاری نہایت نازک اور اہم کام ہے کیونکہ یہ فن قوموں کی عظمت و رفعت کے اہرام تعمیر کرتا ہے، اُن کے حال و مستقبل اور منہج کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ جب تک کوئی قوم اپنے ماضی کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط نہ کرے، اپنے حال کی تعمیر اور مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے اس سے قوت حاصل نہ کرے وہ جہاں بانی کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اپنے پاؤں پر کھڑی رہ سکتی ہے۔ اگر ہم اپنی تاریخ کو بہ نظرِ عمیق دیکھیں تو ہمیں وہ دور انتہائی تابناک اور روشن نظر آئے گا جس میں نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زندگی بسر کی، اور یہی وہ پاکیزہ گروہ تھا جس نے اپنے کندھوں پر اسلام کے پیغام کو عام کرنے کی ذمہ داری اُٹھائی۔ یہی مقدس ہستیاں انبیائے کرام کے بعد اللہ کی پسندیدہ مخلوق ہیں۔

لیکن مسلمان قوم میں سے چند لوگوں نے اہل بیت سے اس قدر غلو آمیز محبت کیا کہ اہل بیت کے ساتھ عقیدت کا معاملہ مکمل طور پر اُلجھا کر رکھ دیا اور اہل بیت کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیں جو اصل واقعات اور تاریخ سے میل نہیں کھاتیں، انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان گھٹانے کی ناکام کوششیں کیں، انہیں اہل بیت، خاص کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد کا دشمن بنا کر لا کھڑا کیا، حالانکہ واقعہ بالکل برعکس ہے۔ صحیح تحقیق کے مطابق تاریخ صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسخ کرنے کے اس عمل کی ابتدا تیسری صدی کا نصف گزرنے کے بعد ہوئی جس کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے احوال اور اُن کی صحیح روایات میں ایسی کوئی بھی چیز نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے گھر والے صحابہ سے ناخوش یا وہ اُن سے ناراض تھے، جیسا کہ ایک خاص گروہ بہت سی غلط باتیں اُن کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ اس کے برعکس تمام مؤرخین اس خوشگوار حقیقت پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لختِ جگر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا اور اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما رکھ کر اپنے پیش رو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا ثبوت دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں منصب قضا قبول فرمایا، اور شیخین کریمین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مداحی فرمائی۔

اسلام کے دشمنوں نے (جو کہ اسلام کے نام لیوا ہیں) تاریخ میں وہ وہ جھوٹ لکھے ہیں جس کی مثال دوسرے کسی مذہب کے ماننے والوں میں نہیں ملتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام سے بڑھ کر روئے زمین پر نہ کوئی سچا اور صحیح مذہب تھا، نہ آج ہے اور نہ قیامت تک آئے گا۔ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پھول کی ہی بات کو لیجیے جن کا نام نامی

حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہے، جن کا کردار اسلامی تاریخ میں روشن ستاروں کی مانند ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا کردار مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح و مصالحت کی نبوی سنت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، آپ کے تفقیہہ اور اصلاح کے طریقۂ کار کو اُمت بھلا بیٹھی ہے جس کو از سر نو زندہ کرنے کی آج اشد ضرورت ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عظیم اصلاحی منصوبے کو اگر اُمت جاری رکھتی تو آج ہمارے اندر ہر قسم کے اختلافات کا نام ونشان مٹ چکا ہوتا، ہم اُمت واحدہ ہوتے اور مختلف ٹولیوں میں نہ بٹتے۔ قوموں کے عروج کے اہم اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ حال کو سدھارنے کے لیے ماضی سے آگاہ رہا جائے اور مستقبل پر نگاہ رکھی جائے۔ اس اُمت کا فرض تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس کردار کو ہمیشہ زندہ رکھتی جو مسلمانوں کے دو گروہوں میں اصلاح کرانے میں انہوں نے ادا کیا۔

آج اس دور میں جتنی ضرورت اس اصلاحی منصوبے کی پورے عالم اسلام کو ہے شاید کسی کو پڑے۔ تاریخ اُمت کا حافظہ ہوتی ہے، اس سے مستفید ہونا اہل علم کا شیوہ رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم معاملات سے متعلق اپنی نگاہیں کھلی رکھیں، تاکہ ہمیں دیر تک رونا نہ پڑے۔ آج اُمت پر اندھیروں کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ روشنی صرف اور صرف اسلام کے طریقۂ کار میں ہے۔ آج ہمیں اپنا چہرہ دیکھنے میں شرم محسوس ہوتی ہے۔ میری اس بات کی کوئی تصدیق کرنا چاہے تو اسلامی سال کے پہلے مہینے یعنی محرم الحرام اور ربیع الاوّل میں مشاہدہ کرسکتا ہے۔ اہل بیت تو سنت نبوی کا بہتا ہوا سرچشمہ تھے، اُن کا کوئی عمل اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں تھا۔ اللہ ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے اہل بیت اور اُن کے حقیقی ماننے والوں پر جنہوں نے آج تک قرآن وسنت اور اہل بیت کے گھرانے کا دامن نہیں چھوڑا، اس کی مثال آپ کے ہاتھوں میں سیرت حسن رضی اللہ عنہما پر لکھی گئی یہ کتاب بطورِ ثبوت موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے مؤلف ومترجم اور جملہ ان اصحاب کی جنہوں نے آج کے پرفتن دور میں اسلام کے ایک جلیل القدر فرزند کی سیرت کو اُجاگر کیا۔

بحمد اللہ تعالیٰ آج سیرت خلفائے راشدین کا پانچواں سلسلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، ترجمہ وتعبیر میں اگر کہیں کوئی غلطی اور کمی ہے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے، اس سے طابع وناشر کو مطلع کریں۔ بقیہ جو کچھ ہے وہ بس اللہ کا فضل اور کرم ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ ادارہ ندوۃ السنہ کی یہ علمی کاوشیں مزید آگے بڑھیں اور رب ذوالجلال کی بارگاہ میں انہیں شرفِ قبولیت ملے۔ (آمین)

ناشر

مقدمہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾

(آل عمران: ۱۰۲)

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: ۱)

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَقُولُوا۟ قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَٰلَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۷۰۔۷۱)

یا رب لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك و عظيم سلطانك وبك الحمد حتى ترضى، و لك الحمد إذا رضيت، ولك الحمد بعد الرضا.

اما بعد!

یہ کتاب عہد نبوت وخلافت راشدہ کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔اس سلسلے میں درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:

۱۔ السيرة النبوية، عرض وقائع و تحليل أحداث

۲۔ سيرة أبي بكر الصديق رضی اللہ عنہ

۳۔ سيرة أمير المومنين عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

٤۔ سيرة أمير المومنين عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

۵۔ سيرة أمير المومنين على بن أبي طالب رضی اللہ عنہ

میں نے اس کتاب کا نام "خامس الخلفاء الراشدين أمير المومنين الحسن بن على بن

ابـی طـالـب، شخصیته و عصره" رکھا ہے۔ یہ کتاب امیر المومنین حضرت حسن کی ولادت سے شہادت تک کو موضوع بحث بناتی ہے۔ کتاب کی ابتداء درج ذیل موضوعات سے ہوتی ہے:

- نام ونسب
- کنیت ولقب اور صفت
- منجانب رسول اللہ ﷺ آپ کا نام رکھا جانا، اور کانوں میں اذان دینا
- آپ کا سر مونڈا جانا اور آپ کا عقیقہ
- آپ کو دودھ پلانے والی اُم الفضل رضی اللہ عنہا۔
- آپ کی شادی، آپ کی بیویاں، اس سے متعلق روایتیں، اور ان روایتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ جس میں آیا ہے کہ آپ بہت زیادہ شادی کرنے والے اور طلاق دینے والے تھے۔

اسی طرح کتاب درج ذیل موضوعات سے بحث کرتی ہے:

- آپ کی اولاد، بھائی، بہنیں، چچا، پھوپھیاں، ماموں، خالائیں
- آپ کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، ان کی مہر، جہیز، رخصتی، شادی کی دعوت، طرز زندگی، زہد وصبر، رسول اللہ ﷺ کی ان سے محبت، ان کی سچائی اور دنیا وآخرت میں ان کی سرداری۔

نیز درج ذیل امور کتاب کے مشتملات میں سے ہیں:

- سیدہ فاطمہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے مابین علاقہ
- نبی ﷺ کی میراث- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات

اسی طرح کتاب میں بالتفصیل ان امور کو ذکر کیا ہے:

- اپنے نانا نبی ﷺ کے پاس حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ
- آپ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت وشفقت اور لاڈ پیار
- بچوں کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں طریقۂ نبوی سے ماخوذ سبق آموز پہلو جیسے ان کو بوسہ دینا، ان کے ساتھ رحمت وشفقت سے پیش آنا، ان سے لاڈ پیار کرنا، انھیں ہدیہ وتحفہ دینا، ان سے اچھی طرح ملنا، ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرنا، ان کے ساتھ کھیلنا۔

کتاب نے درج ذیل امور پر بھی گفتگو کی ہے:

- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے مشابہت والی حدیثیں۔

- حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا جنتیوں کا سردار ہونا۔
- آپ ﷺ کا قول "هما ريحانتاى من الدنيا"
- رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کے سامنے اس بات کا اعلان کہ حضرت حسن سید ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔

میں نے اس کتاب میں درج ذیل چیزوں کو ذکر کیا ہے:

- وہ حدیثیں جن کو حضرت حسن نے اپنے نانا رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔
- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا وصف
- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل، جیسے آیت تطہیر، حدیث کساء
- آیت تطہیر کے سلسلے میں اہل سنت وشیعہ کے مابین اختلاف کی بنیاد
- خیر القرون اور انھی کی راہ پر چلنے والے علما کے منہج پر آیت کی صحیح تفسیر
- حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے آیت مباہلہ اور نصاریٰ نجران کے وفد کا تعلق
- حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر خاندانی تربیت کا اثر
- آپ کی تربیت پر معاشرتی احوال کا اثر

اسی طرح میں نے اس کتاب میں درج ذیل امور پر بحث کی ہے:

- عہد صدیق میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ
- عہد صدیق میں رونما ہونے والے اہم واقعات جو آپ کی تہذیب وثقافت میں موثر رہے، اور آپ نے ان سے کیا کچھ سیکھا۔
- سی طرح حضرت عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے عہدوں میں نظام حکومت اور دیگر اسلامی امور میں حضرت حسن کا خلفائے راشدین کی فقہ کا احاطہ
- آپ کا خلفائے راشدین سے گہرا تعلق

میں نے کتاب میں درج ذیل امور کو ذکر کیا ہے:

- معرکہ جمل وصفین اور ان سے متعلق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا موقف
- میر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے لیے آپ کی وصیت
- امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا اپنے قاتل کے مثلہ کرنے سے روکنا

- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے والد کی شہادت کے بعد خطبہ
- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ردعمل۔
- حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت، بیعت میں آپ کی شرط۔
- آپ کی خلافت سے متعلق نصوص کا بطلان
- آپ کو امت نے معروف شورائی نظام کے مطابق منتخب کیا۔
- امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت
- آپ کی خلافت سے متعلق اہل سنت کا عقیدہ
- آپ کی خلافت حقیقت میں خلافت راشدہ تھی۔ آپ کی مدت حکومت خلافت راشدہ کی مدت کا تتمہ تھی اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ خلافت راشدہ تیس سال رہے گی پھر بادشاہت ہو جائے گی، جیسا کہ امام ترمذی نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْخَلَافَةُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَـلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ .)) ❶

''میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تیس سال پورے ہو جاتے ہیں، آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر اس وقت تک پورے تیس سال ہوتے ہیں، آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تھی، اس طرح کی پیشین گوئی نبوت کی واضح دلیل ہے۔'' ❷

اس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ ❸

امام احمد نے حدیث سفینہ کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

((اَلْخَلَافَةُ ثَـلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يَكُوْنُ بَعْدَ ذٰلِكَ الْمُلْكُ .)) ❹

---

❶ سنن الترمذی مع شرحها ، تحفة الاحوذی (٦/ ٣٩٥، ٣٩٧) حدیث حسن ہے۔
❷ البداية والنهاية (١١/ ١٣٤)
❸ مآثر الأنافة (١/ ١٠٥)، مرويات خلافة معاوية ، خالد الغيث ص: ١٥٥ .
❹ فضائل الصحابة (٢/ ٧٤٤) اس کی اسناد حسن ہے۔

''خلافت تیس سال رہے گی، پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔

امام ابوداؤد نے ان الفاظ میں روایت کی ہے:

((خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَشَاءُ أَوْ مُلْكَهُ مَنْ يَّشَاءُ.)) ❶

''خلافت نبویہ تیس سال ہوگی پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بادشاہت عطا کرے گا یا جسے چاہے گا اسے اس کا مالک بنا دے گا۔''

آپ ﷺ کے بعد تیس سالوں میں صرف خلفائے اربعہ اور حضرت حسن کی مدت پوری ہوتی ہے، اور بہت سارے اہل علم مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت کے چند مہینے خلافت راشدہ میں شامل ہیں اور اس کو مکمل کرنے والے ہیں۔

اس سلسلے میں بعض اہل علم کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا:

''تیس سالوں سے مراد چاروں خلفاء کی مدت خلافت اور وہ چند مہینے ہیں جن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کی گئی تھی، اور حدیث کے اس ٹکڑے میں "الخلافة ثلاثون سنة" خلافت سے مراد خلافت نبوت ہے، جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی صراحت آتی ہے:

((خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ بَعْدِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا.)) ❷

''خلافت نبوت میرے بعد تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہوگی۔''

۲۔ شرح الطحاویہ میں ابوالعز حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال تین مہینہ رہی، عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت ساڑھے دس سال رہی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال رہی، حضرت علی کی خلافت چار سال نو مہینے رہی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ مہینے رہی۔'' ❸

۳۔ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ہے:

---

❶ صحيح سنن ابی داؤد (۳/ ۷۷۹)، سنن ابی داؤد (۲/ ۵۱۵)

❷ شرح النووی علی صحيح مسلم (۱۲/ ۲۰۱)

❸ شرح الطحاوية (ص ۵۴۵)

''حضرت حسن کے خلفائے راشدین میں سے ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو میں نے "دلائل النبوۃ" میں رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ سفینہ کے طریق سے نقل کیا ہے: "اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً" (خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی) اور تیس سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر پورے ہوتے ہیں۔''❶

۴۔ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''آپ اپنے نانا رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق آخری خلیفہ راشد ہیں، آپ اپنے والد کے بعد اہل کوفہ کی بیعت سے خلیفہ ہوئے، اور چھ مہینہ چند دن اس حدیث کے مطابق خلیفۂ برحق اور سچے اور عادل امام رہے جس میں آپ کے نانا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً"❷ (خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی) اور وہ چھ مہینے تیس سال کا تکملہ ہیں۔''❸

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلفائے راشدین میں سے ہونے کے سلسلے میں یہ بعض اہل علم کے اقوال ہیں، چنانچہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی، اور وہ اس خلافت نبوت کا تکملہ تھی جس کے بارے میں آپ نے خبر دی ہے کہ اس کی مدت تیس سال ہوگی۔ ❹

اس کتاب میں میں نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب کچھ خطبے منسوب ہیں جو درست نہیں ہیں، اور بعض کتابوں کے بارے میں اہل علم کے اقوال کو ذکر کیا ہے، مثال کے طور پر ابوالفرج اصفہانی کی کتاب "الأغانی"

اس کتاب کا شمار ان کتابوں میں ہے جنھوں نے اسلام کے ابتدائی دور کی تاریخ کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے، یہ کتاب ادب، قصے کہانیوں، گانوں اور بے حیائی کی باتوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا علم و تاریخ اور فقہ سے کوئی تعلق نہیں، اہل ادب و تاریخ کے نزدیک اس کی گونج رہی ہے۔

اصفہانی کے غیر ثقہ، ضعیف اور نقل میں متہم ہونے کے سلسلے میں اہل علم کے اقوال کو ذکر کیا ہے اور واضح دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب علم و ادب اور تاریخ میں کسی طرح مرجع نہیں بن سکتی، ہماری تاریخ کے

---

❶ البدایة والنهایة (۱/ ۱۳٤)

❷ الصواعق المحرقة علی أهل الرفض والضلال والزندقة (۲/ ۳۹۷)

❸ عقیدة أهل السنة فی الصحابة (۲/ ۷٤۸)

❹ عقیدة أهل السنة فی الصحابة (۲/ ۷٤۸)

بگاڑنے میں اس کتاب کا بڑا رول رہا ہے، اس لیے اس سے دور رہنا لازم وضروری ہے۔ عہد صحابہ کی تاریخ کو بگاڑنے والی بہت ساری کتابیں ہیں اکثر کی سند اور متن غیر قابل قبول ہے، اس لیے کہ تبع تابعین کے عہد کے بعد ان کی تصنیف ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق گفتگو کے سلسلے میں ان کتابوں سے بچنا ضروری ہے، جو ان سے استفادہ کرنا چاہے اس پر لازم ہے کہ ان میں وارد اعتقادی مسائل، شرعی احکام اور صحابہ کرام سے متعلق باتوں کو قرآن و حدیث سے توثیق کرے، ان میں سے جو قرآن وصحیح احادیث کے موافق ہوں ان کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جو مخالف ہوں ان کو قطعاً نہ ذکر کیا جائے۔

"الأغاني" اور اس طرح کی دوسری کتابوں پر سنجیدہ تاریخی بحث میں کوئی ایسا شخص اعتماد نہیں کرسکتا جو علمی حقائق، موضوعیت اور غیر جانب داری کو پسند کرتا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اہم صفات اور ان کی معاشرتی زندگی کو ذکر کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ آپ نرالی قائدانہ شخصیت کے مالک تھے، آپ کے اندر ربانی قائد کے اوصاف موجود تھے، آپ دور بینی، حالات پر گہری نظر، جمہور کی قیادت کی صلاحیت، مقررہ منصوبوں کی تنفیذ کے لیے عزم مصمم جیسے اوصاف سے متصف تھے،'' آپ کا عظیم اصلاحی منصوبہ'' اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے ان اوصاف اور ان جیسے دوسرے اوصاف کو ذکر کیا ہے، جیسے:

- کتاب وسنت کا علم
- خشوع وخضوع سے بھرپور عبادت
- حکومت و دنیاوی امور سے بے رغبتی
- ہر قریب اور دور، چھوٹے اور بڑے، مالدار اور غریب پر دل کھول کر خرچ کرنا، چنانچہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا، دینا، مہمان نوازی کرنا، سخاوت سے کام لینا، آپ کے فطری اوصاف تھے۔

آپ ہی کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

إنـي لتطـربـنـي الـخـلال كريمة
طـرب الـغـريـب بـأوبة و تلاق

''گھر لوٹنے اور اہل وعیال سے ملاقات پر غریب الدیار کی خوشی کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کی عمدہ خصلتیں مجھے خوش کررہی ہیں۔''

و یھزُّنی ذکرُ المروءَۃ والندی

بین الشمائل ھِزَّۃَ المشتاق

''آپ کی مروت وسخاوت جیسی عادتوں کے تذکرے پر میں عاشق کے مانند جھومنے لگتا ہوں۔''

فاذا رُزِقتَ خلیفۃ محمودۃ

فقد اصطفاك مقسم الأرزاق

فالناس ھذا حظہ مال، و ذا

علم و ذاك مکارم الأخلاق

''لوگوں کے نصیبے مختلف ہوئے ہیں، کچھ کے نصیبہ میں مال، کچھ کے نصیبہ میں علم، اور کچھ کے نصیبہ میں اچھے اخلاق ہوتے ہیں۔''

آپ کے درج ذیل صفات پر بھی گفتگو کی ہے:

- آپ کی بردباری
- آپ کی خاکساری وتواضع
- آپ کی سرداری وسیادت

سیادت کے مفہوم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت کی روشنی میں واضح کیا ہے، اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ سیادت ظلم وزیادتی، خونریزی، اور دوسروں کی عزت ودولت کو برباد کر کے نہیں حاصل ہوتی، بلکہ سیادت اس کے اصولوں کی رعایت، بغض وحسد اور دشمنی کے ازالے سے حاصل ہوتی ہے، چنانچہ آپ کی مصالحت اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت نے آپ کو سیادت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔

میں نے کتاب میں درج ذیل موضوعات پر بھی بحث کی ہے:

- آپ کی اجتماعی زندگی
- آپ کی جانب سے باطل عقائد کی تردید
- لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھنا
- نبوی حسب ونسب پر آپ کی غیرت
- آپ کو تکلیف پہنچانے والے کے ساتھ آپ کا تعامل
- لوگوں کے ساتھ آپ کا حسن خلق

- بے ہودہ باتوں سے آپ کا اجتناب
- اسلامی معاشرے کے بڑے لوگوں کی جانب سے آپ کی تعریف
- آپ کے بہت سارے اقوال، خطبے اور مواعظ نیز ہم ان سے اپنی موجودہ زندگی میں کس طرح استفادہ کر سکتے ہیں۔

آپ کے اردگرد رہنے والی شخصیتوں کے لیے ایک بحث خاص کر دی ہے، ان میں سے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ آپ کے ہاتھوں پر پہلے بیعت کرنے والے ہیں۔ وہ اپنے زمانے کے دور اندیش لوگوں میں سے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی فوج کے اہم ترین سپہ سالاروں میں سے ہیں۔

ان میں سے عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما ہیں، وہ آپ کی فوج کی سپہ سالاروں میں سے اور آپ کے والد کے گورنروں میں سے ہیں، تاریخ کی بعض کتابوں نے جھوٹ اور بہتان تراشی کے ذریعے آپ کے کردار کو مشکوک کیا، اس لیے میں نے آپ کی شخصیت کو منتخب کر کے آپ کے مواقف کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔

انھی شخصیات میں سے عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ہیں، وہ آپ کے مستشار تھے، چنانچہ آپ نے انھیں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کے سلسلے میں مشورہ کیا تھا، اور انھوں نے آپ کی اس سلسلے میں ہمت افزائی کی تھی، ان شخصیتوں کی سیرت کے توسط سے اس زمانے کے صحیح احوال کی آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔

میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے، اور اس کو ایک عظیم اصلاحی منصوبہ قرار دیا ہے، اسی لیے میں نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے وہ منصوبہ کس طرح بنایا اور کس طرح اس کو نافذ کیا، مصالحت سے متعلق درج ذیل امور کو ذکر کیا ہے:

- مصالحت کے مختلف مراحل
- ہر مرحلے میں کیا پیش آیا؟
- مصالحت کے اہم اسباب، جیسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے آخرت کی ترجیح، مسلمانوں کے خون کی حفاظت، اتحاد امت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات وغیرہ جیسے اسباب۔
- حضرت حسن کے ان اقوال کی توضیح جو مصالحت کے اسباب میں سے تھے، اور مقاصد شریعت سے متعلق آپ کی گہرائی و گیرائی کا پتہ دیتے ہیں۔
- آپ کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین مصالحت کے شرائط اور اس کے نتائج۔
- حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو جانا، آپ کا ایک قوت سے بھرپور اقدام تھا:

کہ کوئی اور چیز جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے۔

- زندگی کے مختلف تصرفات و مواقف کے توسط سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عظمت کا ظہور، ان اہم تصرفات میں سے عظیم اصلاحی منصوبہ کی پلاننگ اور اس کی تنفیذ پر بے مثال قدرت، بہت سارے لوگ اصلاحی منصوبے اور نظریات رکھتے ہیں، لیکن انھیں لوگوں کے سامنے پیش کرنے اور ان کی تنفیذ سے قاصر رہتے ہیں۔

میں نے اس کتاب میں تاریخ کی بعض جھوٹی روایتوں کا پردہ فاش کیا ہے، بطور مثال بعض مورخین کا خیال ہے کہ اموی حکومت نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں تمام منبروں کے لیے یہ تعمیم جاری کردی تھی کہ وہاں سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا جائے، چنانچہ میں نے صحیح دلائل و براہین سے اس بہتان کا قلع قمع کیا ہے۔ مورخین نے بلا بحث و تمحیص، اور نقد و تحلیل کے اس چیز کو تسلیم کرلیا اور متاخرین کے نزدیک یہ چیز ان مسلمات میں سے ہوگئی جن میں مناقشہ کی گنجائش نہیں رہتی، یہ ایسا دعویٰ ہے جسے صحت نقل کی ضرورت ہے، اور جس کی سند کو جرح اور متن کو اعتراض سے خالی رہنا چاہیے، محققین کے نزدیک اس طرح کے دعووں میں کتنا وزن ہے ظاہر و باہر ہے۔ صحیح تاریخ تو یہ ثابت کرتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل بیت کا بڑا احترام تھا، اسی طرح تاریخ کی بعض کتابوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید پر تہمت لگائی ہے کہ انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا تھا، تو میں نے اس کی بھی حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سند اور متن دونوں اعتبار سے ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح آپ کے مدینہ میں قیام کرنے، امت کے اتحاد کے امام اور محور اور بلا مقابل وحدت امت کے قائد ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ شاعر کا قول ہے:

فـي روض فـاطـمـة فـمـا غـصـنـان لـم
يـنـجـبـهـمـا فـي الـنَّـيِّـران سـواهـا

''بطن فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی سے دونوں نونہالوں نے جنم لیا۔''

فـأمـيـر قـافـلـة الـجـهـاد و قـطـب دائـرة
الـوئـام و الاتـحـاد ابـنـاهـا

''چنانچہ ان کے دونوں بیٹے مجاہدین کے قافلہ سالار اور اتحاد و اتفاق کے محور ہیں۔''

حسـن الـذي صـان الـجـمـاعـة بعد مـا
أمـسـت تـفـرقـهـا يـحـلُّ عـراهـا

''امت کا شیرازہ بکھر رہا تھا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنھوں نے اسے بچایا۔''

ترك الإمامة ثم أصبح في الديار

إمام ألفتها و حسن عُلاها

''زمامِ حکومت کو چھوڑ دیا تو امت کے اتفاق واتحاد اور سربلندی کے امام ہو گئے۔''

کتاب میں درج ذیل موضوعات پر بھی بحث کی ہے:

- مصالحت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے تعلق
- آپ کے آخری ایام اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے آپ کی وصیت
- اللہ کی کائنات میں آپ کا غور وفکر کرنا۔
- اپنے نفس کا محاسبہ، پھر آپ کی شہادت اور مدینہ کی قبرستان بقیع میں آپ کی تدفین

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت یہ بتاتی ہے کہ قائد کے مستقبل کی پلاننگ کی کیا اہمیت ہوتی ہے؟ اسی کی روشنی میں اللہ کے سہارے وہ آگے بڑھتا ہے، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اصلاحی پلاننگ اور منصوبے کے مالک اور اس کی تنفیذ پر قادر تھے، اور اس سلسلے کے تمام مراحل، اسباب، شروط، نتائج، رکاوٹیں، ان رکاوٹوں سے نپٹنے کے طریقے آپ کے لیے واضح تھے۔ آپ نے اختلافات سے نپٹنے، مصالح ومفاسد، مقاصد شریعت، معاملات کو حل کرنے کے لیے باہمی بات چیت، اللہ کی رضا کے لیے خواہشات نفس اور اس کی خامیوں پر قابو پانے سے متعلق بہت واضح نقوش چھوڑتے ہیں، چنانچہ عالم اسلام کے حکمران خاندان، متحرک سیاسی پارٹیاں، موجود ادارے، اسلامی تحریکات، بامقصد جمعیات کو شدید ضرورت ہے اس بات کی کہ وہ اختلافات کو ختم کرنے، اتفاق واتحاد، خونریزی سے بچاؤ، اور سب کو اکٹھا کرنے سے متعلق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے تفقہ اور طریقۂ کار کو سمجھیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد ہیں، ان کی اقتداء اور ان کے تفقہ کی اہمیت کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری رہنمائی اپنے اس قول سے کی ہے:

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ .)) ❶

''تم میرے طریقۂ کار کو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقۂ کار کو لازم پکڑو۔''

بلاشبہ حقیقت کا متلاشی اس بات پر بہت تعجب کرے گا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا تفقہ اور ان کا طریقۂ کار امت کے حافظے سے بہت حد تک اوجھل رہا۔ اسی طرح اس بات پر بھی حیرت کرے گا کہ ہماری تہذیب وثقافت

❶ سنن ابی داود (٤/ ٢٠١) سنن الترمذی (٥/ ٤٤) حسن صحیح

میں آپ کے تفقہ اور عظیم اصلاحی منصوبے کا کوئی خاص اثر نہیں رہا۔ قوموں کے عروج کے اہم اسباب میں سے ہے کہ حاضر کو سدھارنے کے لیے ماضی سے آگاہ رہا جائے اور مستقبل پر نگاہ رکھی جائے۔

بلاشبہ تاریخ امت کا حافظہ، اس کے تجربات، علوم و معارف، اصول و مبادی اور کارناموں کا خزینہ ہوتی ہے، اس کے ماضی اور حال کے تشخص کی بنیاد ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی گہرائیاں ابھی تک لوگوں کے سامنے واضح نہیں ہوسکی ہیں۔ خلفائے راشدین کی ایک عظیم تابناک تاریخ رہی ہے۔ امت اسلامیہ کی تاریخ تمام قوموں اور ملکوں کی تاریخ پر فوقیت رکھتی ہے۔

ہمیں چاہیے کہ اس قدیم تابناک تاریخ سے مستفید ہوں۔ اس کے سبق آموز اور عبرت خیز، پہلوؤں کو واضح کریں، اس سے طریقہ ہائے کار کا استنباط کریں، اور اس کی روشنی میں دوسری تہذیبوں کو سمجھیں۔ تاریخی تسلسل، طریقۂ نبوی اور قرآنی قصوں کی روشنی میں امت اسلامیہ کی ایسی ترقی کے لیے منصوبہ سازی کریں جو دور حاضر سے ہم آہنگ ہو، تاکہ لوگوں کی رہنمائی میں امت اسلامیہ اپنا مثالی تہذیبی کردار ادا کرسکے اور آنے والی صدیوں میں دنیا کے سامنے یہ اچھی طرح ثابت ہوجائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے لایا ہوا دین اسلام نہ مٹا ہے اور نہ کبھی مٹے گا، اور قرآن کریم قیامت تک باقی رہنے والی کتاب ہدایت ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم معاملات سے متعلق اپنی نگاہوں کو کھلی رکھیں تاکہ ہمیں دیر تک رونا نہ پڑے۔

میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کروں۔ آپ کی زندگی امت کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ آپ ان ائمہ میں سے ہیں جن کا طریقۂ کار، اقوال و افعال آج لوگوں کے لیے اسوہ ہیں۔ آپ کی سیرت سے دین کی صحیح سمجھ، اسلامی جذبے اور ایمان کو تقویت ملتی ہے۔ آپ کی سیرت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اختلافات کے وقت ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ مصالح و مفاسد اور مقاصد شریعت کیا ہیں۔ خواہشات نفس پر قابو کیسے پایا جاتا ہے۔ ہمارا قرآن کریم کے ساتھ تعامل کیسا ہو۔ کس طرح ہم طریقۂ نبوی کو اختیار کریں اور آپ کی اقتداء کریں۔

آپ کے اقوال و افعال کے توسط سے ہمارے دلوں میں اللہ کی جانب جھکاؤ گہرا ہوتا ہے پتہ چلتا ہے کہ ان مذکورہ علوم کا امت کی زندگی، ترقی اور مطلوبہ تہذیبی کردار ادا کرنے میں کتنا اثر ہوتا ہے۔

بنابریں میں اپنی وسعت کے مطابق آپ کی شخصیت اور کارناموں کو اجاگر کرنے میں بھرپور کوشش کی ہے۔ غلطی اور لغزش سے بچنے کا دعویٰ نہیں، صرف اللہ کی رضا اور ثواب مطلوب ہے، وہی اسے نفع بخش بنا سکتا ہے اور اسی سے اس سلسلے میں تعاون مطلوب ہے، بلاشبہ وہ اچھے ناموں والا اور دعاؤں کا سننے والا ہے۔

میں بفضلہٖ تعالیٰ خلفائے راشدین کی تاریخ کے سلسلے میں بتاریخ ۲۱ رصفر ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۸/۴/۲۰۰۴ء بوقت پونے دس بجے رات فارغ ہوا۔ اللہ ہی سے اس کام کی قبولیت و برکت اور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت کا خواستگار ہوں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ (فاطر : ۲)

''اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔''

اس کتاب کے ذریعے میں قارئین کے ہاتھوں میں خلفائے راشدین کی تاریخ کے سلسلے کی ایک کڑی رکھ رہا ہوں۔ مجھے اس میں کمال کا دعویٰ نہیں۔

شاعر کا قول ہے:

و مـا بهـا مـن خطـأ أو خـلـل
أذنـت فـي إصـلاحـه لـمـن فعل

''جو کچھ اس میں خلل اور غلطی ہے اس کی اصلاح کی میں ہر شخص کو اجازت دیتا ہوں۔''

لـكـن بشـرط الـعـلـم و الانصاف
فـذا و ذا مـن أجـمـل الأوصـاف

''لیکن وہ اصلاح علم اور انصاف جیسے اوصاف پر مبنی ہو۔''

والـلــه يهـدي سبـل الـسـلام
سبـحـانـه بـحبـلـه اعتصـامـي

''اور اللہ تعالیٰ سلامتی کی راہیں دکھا دیتا ہے، میں اسی کی رسی کو مضبوطی سے تھامتا ہوں۔''

اس عظیم احسان پر میں اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر گزار ہوں۔ میں اس سے اور اس کے اسماء و صفات کے حوالے سے دعا گو ہوں کہ وہ اس تاریخی سلسلے کو اپنی رضا کے لیے خالص اور اپنے بندوں کے لیے مفید بنائے، اور میرے ہر لکھے ہوئے حرف کا مجھے اجر عطا فرمائے، اور اسے میری نیکیوں کی میزان میں کر دے، اور ان تمام لوگوں کو اجر عطا کرے جنھوں نے اس کام کے مکمل کرنے میں اپنی حسب استطاعت وسائل سے میری مدد کی۔

قارئین کرام سے امید کرتا ہوں کہ مجھ کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ۝﴾

(النمل : ۱۹)

''تو وہ اس کی بات سے ہنستا ہوا مسکرایا اور اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں، جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور یہ کہ میں نیک عمل کروں، جسے تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔''

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ، سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ، اَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ اِلَيْكَ ، وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ .

اپنے رب کے عفو و مغفرت و رحمت و رضا کا محتاج

علي محمد محمد الصلاّبي

۲۱/صفر ۱۴۲۵ھ

پہلی فصل

حسن بن علی بن ابی طالب

(ولادت سے خلافت تک)

(۱)

نام، نسب، کنیت، صفت، خاندان عہد نبوت میں

ا۔ نام، نسب اور کنیت:

آپ ابومحمد حسن بن علی بن ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ہاشمی، قرشی، مدنی شہید ❶ ہیں۔آپ رسول اللہ ﷺ کے نواسے، جنتی نوجوانوں کے سردار، فاطمہ بنت محمد ﷺ کے لخت جگر، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے نورنظر، اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پوتے اور پانچویں خلیفۂ راشد ہیں۔

۲۔ آپ کی ولادت، نام، لقب اور بچوں کے نام رکھنے میں نبی کریم ﷺ کا طریقۂ کار:

آپ صحیح روایت کے مطابق رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ دوسرے قول کے مطابق شعبان میں، اور تیسرے قول کے مطابق اس کے بعد۔

لیث بن سعد کا قول ہے:

''حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے یہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش رمضان ۳ھ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شعبان ۴ھ میں ہوئی۔'' ❷

احمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم برقی کا قول ہے:

''حضرت حسن نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔'' ❸

ایسا ہی قول ابن سعد کا طبقات میں ہے۔ ❹

علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''جب حسن پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام حرب رکھا، نبی کریم ﷺ تشریف لائے، فرمایا: مجھے میرے بچے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ ہم نے کہا: حرب، تو آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ وہ حسن ہے، جب حسین کی ولادت ہوئی تو میں نے ان کا نام حرب رکھا، نبی کریم ﷺ تشریف

❶ سیر أعلام النبلاء (۳/ ۲٤٦)
❷ نسب قریش (۱/ ۲۳) الدوحة النبویة (ص ۷۱)
❸ الذریة الطاهرة للدولابی (ص ٦۹)
❹ الطبقات (۱/ ۲۲٦)

لائے فرمایا: مجھے میرے بچے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ ہم نے کہا: حرب۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ حسین ہے۔ جب تیسرے بچے کی پیدائش ہوئی تو میں نے اس کا نام رکھا حرب، تو آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ محسن ہے، پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کا نام ہارون کے لڑکوں شبر، شبیر، مشبر کے ناموں کی طرح رکھا ہے۔'' ❶

رسول اللہ ﷺ اس نومولود پر بہت خوش تھے اور لوگ بڑھ بڑھ کر والدین کو مبارک باد دے رہے تھے، سلف صالحین نومولود کے گھر والوں تک خوش خبری پہنچانے میں جلدی کرتے تھے۔ حسن بصری سے ایک لطیف تہنیت منقول ہے:

''بُوْرِكَ فِي الْمَوْهُوْبِ وَشَكَرْتَ أوَاهِبَ وَرُزِقْتَ بِرَّهٗ وَبَلَغَ أَشُدَّهٗ .''

''عطا کردہ نومولود میں اللہ برکت دے آپ عطا کرنے والے اللہ کا شکر ادا کریں، اللہ تعالیٰ اسے مطیع وفرمانبردار بنائے، اور وہ اپنی جوانی کو پہنچے۔''

یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ قبل از اسلام جنگ و جدال اور خونریزی پر دلالت کرنے والے ناموں سے ہٹ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا نام رکھا، چنانچہ ان کے لیے بہترین معانی والے ناموں کا انتخاب کیا۔ ❷ حضرت حسن کا وصف ''سید'' قرار پایا، انھیں یہ لقب ان کے نانا نبی کریم محمد ﷺ نے عطا کیا، جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے:

((اِنَّ اِبْنِیْ هٰذَا سَيِّدٌ ، وَلَعَلَّ اللّٰهُ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ .)) ❸

''میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔''

نبی کریم ﷺ کے اس طریقۂ کار سے زندگی کے ایک اہم اصول کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ اپنے بچوں کے اچھے اور خوبصورت نام رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، اس میں ماں اور باپ کی رہنمائی ہے کہ وہ عربی زبان اور شرعی نقطۂ نظر سے اچھے لفظ و معنی پر مشتمل نام کو چنیں، تاکہ وہ اچھا ہو، زبان سے ادا کرنے میں اچھا لگے، سننے میں گراں نہ ہو، اچھی صفت اور بہترین معنی کا حامل ہو، شریعت کی نظر میں حرام و مکروہ معانی سے خالی ہو۔ اس کے معنی ہیں کہ مسلمان باپ نام رکھنے سے پہلے اس کے لفظ اور معنی کی صحت پر اچھی طرح غور و فکر

---

❶ مسند احمد (۱/ ۹۸، ۱۱۸) صحیح ابن حبان (۱۵/ ٤۱۰) حدیث کی سند صحیح ہے۔

❷ الحسن بن علی و دوره السیاسی، فیتخان کردی (ص ۱٦)

❸ صحیح البخاری (۲/ ۳۰٦)

کرے، کسی صاحب علم وبصیرت سے مشورہ کرے، یہی اچھائی اور حکمت ودانائی کا طریقہ ہے۔

لوگوں کا مشہور قول ہے: ''والد پر لڑکے کا حق یہ ہے کہ وہ اس کے لیے بہترین ماں کا انتخاب کرے، اس کا اچھا سا نام رکھے، اس کو اچھا ادب سکھائے۔''

علما نے بیان کیا ہے کہ مشروع ناموں کے درجات ومراتب ہیں، چنانچہ وہ مستحب ہوتے ہیں، جائز ہوتے ہیں ان کی ترتیب درج ذیل ہیں:

ا۔ عبداللہ وعبدالرحمٰن جیسا نام رکھنا مستحب ہے، یہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین نام ہیں جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، ان ناموں کی خصوصیت ہے کہ وہ انسان کے رب کا بندہ ہونے، اس کے محتاج ہونے اور اس کے سامنے اس کی عاجزی وانکساری پر اچھی دلالت کرتے ہیں، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد ہے:

((إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ .)) [1]

''اللہ کے نزدیک محبوب ترین نام عبداللہ وعبدالرحمٰن ہیں۔''

اس لیے کہ یہ دونوں نام عبودیت کے وصف پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے اسمائے حسنیٰ کو چھوڑ کر "اللّٰہ" اور "الرحمن" ہی کی طرف عبودیت کی اضافت کی ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾ (الجن: ۱۹)

''اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں۔''

اور اس آیت میں ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ (الفرقان: ٦٣)

''اور اللہ کے بندے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اکٹھا اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۖ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ﴾

(الاسراء: ۱۱۰)

''کہہ دیجیے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہما کے بیٹے کا نام عبداللہ رکھا، اور صحابہ میں سے تین سو لوگوں کا نام

[1] صحیح مسلم (رقم ۲۱۳۲)

عبداللہ تھا، اور اسی بنا پر ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین کے پہلے مولود کا نام عبداللہ بن زبیر تھا۔ ❶

۲۔ نبیوں اور رسولوں کے ناموں پر نام رکھنا، اس لیے وہ بنو آدم کے سردار تھے، ان کے اعمال واخلاق سب سے عمدہ اور اچھے تھے، ان کے ناموں پر نام رکھنا ان کی اور ان کے اوصاف واحوال کی یاد دلاتا ہے، نیز ان کے ناموں پر نام رکھنے کے جواز پر علما کا اتفاق ہے۔ اور ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا مبارک اسوہ بھی ہے، اس لیے کہ آپ نے اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا تھا۔ نبیوں کے ناموں میں سب سے افضل ہمارے نبی محمد بن عبداللہ ﷺ کا نام ہے۔ ❷

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نیک وصالح مسلمانوں کے ناموں پر نام رکھنا، اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی باریک بیں نگاہ تھی، چنانچہ صحابی رسول زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنے نو بیٹوں کا نام شہدائے بدر رضی اللہ عنہم کے ناموں پر رکھا تھا، اور وہ عبداللہ، منذر، عروہ، حمزہ، جعفر، مصعب، عبیدہ اور خالد ہیں۔

۴۔ مطلوبہ شروط وآداب کے ساتھ پھر ایسے ناموں کی باری آتی ہے جو انسان کے سچے اوصاف ہوں، ان شروط وآداب کے پائے جانے پر مولود کا نام شرعی دائرے میں آجاتا ہے۔ ان شروط میں سے ہے کہ نام لغت وشریعت کی رو سے لفظاً ومعنیً اچھا ہو، اس شرط پر وہ نام خارج ہو جاتا ہے جو حرام اور ناپسندیدہ ہو لفظ کے اعتبار سے، یا معنی کے اعتبار، یا دونوں اعتبار سے، اگرچہ وہ عربی قواعد کی رو سے صحیح ہو، جیسے ایسا نام رکھنا جس میں مذمت اور گالی گلوچ کا معنی ہو، بلکہ ایسا نام رکھا جائے جو سچائی اور حقانیت کے معنی پر دلالت کرے ❸ اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے۔

درج ذیل صورتوں میں سے ہر صورت میں مولود کے نام رکھنے کو شریعت حرام قرار دیتی ہے:

۱۔ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسا ہر نام حرام ہے جس میں ''عبد'' کو غیر اللہ کی طرف مضاف کیا گیا ہو، جیسے عبدالرسول، عبدالنبی، عبدالحسین، عبدالامیر (مراد امیر المومنین علی بن ابو طالب ہیں)، عبدالصاحب وغیرہ، بنو آدم جس بھی مرتبے کو پہنچ جائیں وہ اللہ کے محتاج وخاکسار بندے ہی ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تنہا عبادت کی مستحق ہے، اس لیے غیر اللہ کی جانب ''عبد'' کی اضافت کے ساتھ نام رکھنا درست نہیں ہے۔

۲۔ کافروں کے خاص عجمی ناموں پر نام رکھنا، اپنے دین سے مطمئن مسلمان ایسے ناموں سے دور رہتا، ان

---

❶ تسمية المولود، بكر عبدالله ابو زيد، ص: ٣٣.

❷ تسمية المولود (ص ٣٥-٣٦)

❸ تسمية المولود (ص ٣٩)

سے نفرت کرتا اور ان کے کنارے بھی نہیں جاتا ہے، دور حاضر کا یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ یورپ وامریکہ وغیرہ کے کافر ناموں کو منتخب کیا جاتا ہے، یہ بہت بڑا گناہ اور دین بیزاری کی اہم دلیل ہے جیسے پطرس، جرجس، جارج، ڈیانا وغیرہ۔

ناموں کے بارے میں کافروں کی یہ تقلید صرف خواہش نفس اور کند ذہنی کا نتیجہ ہو تو وہ گناہ کبیرہ ہے۔ ❶ شیخ بکر بن عبداللہ ابوزید نے اپنی کتاب "تسمیة المولود" میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جسے مزید معلومات چاہیے وہ مذکورہ کتاب کی طرف رجوع کرے۔ ❷

۳۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے کانوں میں رسول اللہ ﷺ کا اذان دینا:

جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کے کانوں میں اذان دی، جیسا کہ ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ❸ اس کے فلسفہ اور حکمت کو بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

۱۔ اذان شعائر اسلام میں سے ہے۔

۲۔ دین اسلام کا اعلان ہے۔

۳۔ پھر ضروری ہے کہ یہ اذان خاص کر کے مولود کے کانوں میں کہی جائے۔

۴۔ اذان کی خاصیت ہے کہ شیطان اس سے بھاگتا ہے، اور شیطان بچے کو شروع ہی میں تکلیف پہنچاتا ہے، فرمان نبوی ہے:

((مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُوْلَدُ إِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا .)) ❹

''ہر مولود کو شیطان کچوکا لگاتا ہے، شیطان کے اس کچوکے سے وہ زور سے چیخ پڑتا ہے، سوائے مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے کے۔''

نیز فرمان نبوی ہے:

((إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ .)) ❺

---

❷ تسمیة المولود، بکر بن عبداللہ ابوزید (ص ۴۷) ❷ ایضاً

❸ سنن ابی داود (۵۱۰۵) سند ضعیف ہے، اس میں عاصم بن عبیداللہ ہیں، ابن معین نے ان کی تضعیف کی ہے، امام بخاری نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ الکاشف (۲۵۳۰)

❹ صحیح البخاری (۵/ ۱۹۶، رقم ۴۵۴۸) حجة اللہ البالغة (۲/ ۳۸۵)

❺ صحیح البخاری (۱/ ۱۷۰، رقم ۶۰۸)

''جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان ہوا خارج کرتے ہوئے بھاگتا ہے، تا کہ اذان نہ سنے۔''

نیز ابن قیم رحمہ اللہ اذان کی مزید حکمتوں کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

۱۔ یہ کہ انسان کے کانوں سے پہلی مرتبہ ایسے کلمات ٹکرائیں جو رب کی عظمت و کبریائی اور اس شہادت پر مشتمل ہوں جس کے ذریعے انسان دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے، گویا دنیا میں آتے ہی اسے اسلامی شعائر کی تلقین کی جا رہی ہے، جیسے دنیا سے جاتے ہوئے کلمہ توحید کی تلقین کی جاتی ہے۔

۲۔ اس کے دل و دماغ پر اذان کی تاثیر کا انکار نہیں کیا جا سکتا اگر چہ وہ اس وقت دوسرے فوائد سے نابلد ہوتا ہے اور وہ فوائد درج ذیل ہیں:

ا:......اذان کے کلمات سن کر شیطان کا بھاگنا، جب کہ شیطان مولود کی پیدائش تک گھات میں لگا رہتا ہے، اور من جانب اللہ مقدر آزمائش کے لیے اس سے قریب ہوتا ہے، لیکن وہ اس وقت ایسے کلمات سنتا ہے جو اسے کمزور کر دیتے اور اس کے ناراض ہو کر بھاگنے کا سبب بنتے ہیں۔

۲:......اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مولود کی اللہ، اس کے دین اسلام اور اس کی عبادت کی جانب دعوت، شیطان کی گمراہی کی جانب دعوت پر مقدم ہو، جیسے کہ انسانوں کی الٰہی فطرت مقدم ہے، شیطان بعد میں اس کو بگاڑنے اور اس اصلی فطرت سے منحرف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح کی اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ [1]

اس طرح ہمیں طریقۂ نبوی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مولود کے داہنے کان میں اذان، پھر بائیں کان میں تکبیر کہنا مستحب ہے، اس طرح توحید کے بعد سب سے اہم رکن نماز کی جانب دعوت اس کے کانوں سے پہلی مرتبہ ٹکراتی ہے۔ [2]

۴۔ مولود کی تحنیک:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا تو آپ ان کے لیے برکت کی دعا کرتے اور ان کی تحنیک کرتے۔ [3] اس لیے بدرجہ اولیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے برکت کی دعا کی ہوگی اور ان کی تحنیک کی ہوگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول (فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ) کی شرح کرتے ہوئے امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] منهج التربية النبوية للطفل محمد سويد، انھوں نے تحفة المودود لابن القيم (ص ٥٤) سے نقل کیا ہے۔

[2] موسوعة تربية الأجيال المسلمة، نصر العنقري (ص ٦٦)

[3] صحيح مسلم (١/ ٢٣٧، رقم ٢٨٦)

''یعنی ان پر ہاتھ پھیرتے اور ان کے لیے دعا کرتے، اور اصل برکت بھلائی کا وجود اور اس کی کثرت ہے۔''

اور ان کے قول "فَيُحَنِّكُهُمْ" کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اہل لغت کے قول کے مطابق تحنیک یہ ہے کہ کھجور یا اس جیسی کی چیز کو چبایا جائے پھر اس کو بچے کے تلوے پر چٹایا جائے۔'' ❶

اور تحنیک اگر ممکن ہو تو اذان کے فوراً بعد ہونی چاہیے۔ اور افضل یہ ہے کہ تحنیک کا کام کسی نیک آدمی کے ہاتھوں انجام پائے۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسوہ موجود ہے۔ وہ لوگ تحنیک کے لیے اپنے بچوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی پیش کرنے کے حریص تھے۔ تحنیک میں کھجور استعمال کی جائے، اگر نہ ملے تو کوئی میٹھی چیز، اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔ اس لیے کہ کھجور میں ماں کے دودھ کی طرح بہ وہ وٹامن موجود ہوتا ہے جس کی بچے کو ضرورت ہوتی ہے۔

۲۔ پیدا ہونے والے چھوٹے بچے میں چوسنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، جب کھجور استعمال کی جائے گی تو یہ صلاحیت بیدار ہو جائے گی اور بچہ اپنی زبان اور منہ کو حرکت دے گا، اس طرح اسے دودھ پینے کے لیے ماں کی چھاتی کو اپنے منہ میں لینے کی قدرت زیادہ ہو گی۔

۳۔ معدہ میٹھی چیزوں کو بڑی جلدی سے جذب کر لیتا ہے۔ اس لیے تحنیک معدے سے متعلق کسی پریشانی کا باعث نہیں ہوتی۔ ❷

قطر سے شائع ہونے والے مجلّہ "الأمة" کے عدد ۵۰ میں ڈاکٹر فاروق مسابل کا ایک مقالہ بعنوان "اهتمام الاسلام بتغذية الطفل" شائع ہوا ہے، اس میں وہ حدیث تحنیک پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تحنیک تمام اعتبار سے نبی کا ایک طبی معجزہ ہے۔ کوئی چودہ سو برس کے بعد اس کی حکمت و مصلحت کو جان سکے، طبی طور سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ چھوٹے بچے بالخصوص دودھ پینے والے اور ایسے بچے جو ابھی جلد پیدا ہوئے ہوں انھیں درج ذیل دو صورتوں میں موت کا زیادہ خطرہ رہتا ہے:

۱۔ اگر بھوک سے خون میں شکر کی مقدار کم ہو جائے۔

---

❶ شرح النووي على صحيح مسلم

❷ موسوعة تربية الأجيال المسلمة (ص ٦٨)

۲۔ جب ان کے جسم کا درجہ حرارت کم ہو اور وہ ٹھنڈے موسم سے دوچار ہوں۔'' ❶

۵۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سر مونڈانا:

جعفر بن محمد سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا سر ساتویں دن مونڈوایا اور ان کے بالوں کو تولا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی۔ ❷ اس باب کی حدیثیں مختلف طرق کو ملا کر صحیح ہیں۔ ❸

حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''چاندی صدقہ کرنے کا سبب کہ بچہ کا رحم مادر سے عالم وجود میں منتقل ہونا ایک ایسی نعمت ہے جس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ شکر کسی عوض کے ذریعے ادا کیا جائے اور چاندی کی تخصیص اس لیے ہے کہ سونا زیادہ مہنگا ہوتا ہے، صرف مالداروں کے پاس ہوتا ہے، اور مولود کے بال کے برابر دوسری چیزوں کی کوئی وقعت نہیں۔'' ❹

۶۔ عقیقہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی جانب سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا ❺ اور دوسری میں ہے کہ دو دو مینڈھے کا۔ ❻

ابورافع سے روایت ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، آپ کی والدہ نے آپ کی جانب سے دو مینڈھوں کا عقیقہ کرنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان کا عقیقہ نہ کرو، لیکن ان کا سر مونڈاؤ اور ان کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو انھوں نے ایسا ہی کیا۔'' ❼

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کی ذمہ داری چوں کہ خود اٹھائی تھی اس لیے انھیں اس سے روکا تھا، آپ کے روکنے کا مقصد عقیقہ کو بالکل ترک کر دینا نہیں تھا، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث بتلاتی ہے:

❶ منهج التربية النبوية (ص ٦٤)

❷ الطبقات، الطبقة الخامسة (١/ ٢٣١) اس کی سند مرسل ہے۔

❸ موسوعة تربية الاجيال (ص ٧٢)

❹ حجة الله البالغة (٢/ ٣٨٥)

❺ سنن ابی داود فی الاضاحی (رقم ٢٨٤١) اس کی سند میں ضعف ہے۔

❻ سنن النسائی (٧/ ١٦٦) باب کم یعق عن الجاریة، اس کی سند صحیح ہے۔

❼ مسند احمد (٦/ ٣٩٢) اس کی سند میں ضعف ہے۔

((عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ اِحْلِقِي رَأْسَهُ وَ تَصَدَّقِي بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا أَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ. خرجه الترمذي)) ❶

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایک بکری کا عقیقہ کیا اور فرمایا اے فاطمہ اس کا سر مونڈاؤ، اور اس کے بالوں کے وزن برابر چاندی صدقہ کرو۔ ہم نے وزن کیا، اس کا وزن ایک درہم، یا اس سے کم تھا، اس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے ان دونوں کی جانب سے عقیقہ کیا اور دایہ کو بکری کی ایک ران اور ایک دینار دیا۔ ❷

تطبیق کی صورت یہ ہے کہ عقیقہ رسول اللہ ﷺ نے کیا اور تقسیم کا کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے ساتویں دن آپ ﷺ نے دوخوبصورت بکروں کو ذبح کیا، دایہ کو ران دینے کا حکم دیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سر مونڈوایا بال کے وزن برابر چاندی صدقہ کرنے کے لیے کہا، پھر اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سر کو ''خلوق'' خوشبو سے لیپ دیا اور فرمایا: اے اسماء خون سے لیپنا جاہلیت کے کاموں سے ہے۔ ❸

عقیقہ کے بہت سارے فوائد میں سے بعض فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ عقیقہ مولود کی جانب سے اللہ کی بارگاہ میں ایک قربانی ہے، مولود کا عالم وجود میں آنا اللہ کی ایک نعمت ہے، جس کے شکریہ میں یہ قربانی پیش کی جاتی ہے، اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مستحب ہے کہ جسے توفیق ہو لڑکے کی جانب سے دو بکروں کا عقیقہ کرے، اس لیے کہ لوگوں کے نزدیک بچے بچیوں سے زیادہ مفید ہیں، اس لیے وہ اپنے عقیقہ میں شکریہ اور اہتمام کی زیادتی کے مستحق ہیں، عقیقہ کے حکم کا سبب یہ ہے کہ عرب بچوں کی جانب سے عقیقہ کرتے تھے، عقیقہ ان کے یہاں ایک لازمی امر تھا۔ اس میں بہت ساری ملی، معاشرتی اور نفسیاتی مصلحتیں تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو باقی رکھا، اس پر خود عمل کیا اور لوگوں کو ترغیب دلائی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے طریقوں میں تبدیلی کردی، چنانچہ بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''جاہلیت میں جب ہمارے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ہم اس کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتے، اور اس کے خون سے اس کے سر کو لیپ دیتے تھے، جب ہم حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو بچے کی پیدائش

---

❶ سنن الترمذی (رقم ۱۵۱۹) یہ حدیث حسن غریب ہے اس کی سند متصل نہیں ہے۔

❷ تحفة المودود لابن القیم (ص ۵۵)

❸ ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی لأبی العباس الطبری (ص ۲۰۷)

پر ایک بکری ذبح کرتے، اس کا سر مونڈواتے اور اس کے سر کو زعفران سے لیپ دیتے۔'' ❶

یہ رہا طریقۂ نبوی کہ جب آپ نے ایسی عادت دیکھی کہ اس میں لوگوں کی منفعت ہے، لیکن اس میں مولود کے سر کو خون سے لیپنے کا انحراف ہے، تو آپ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر اس کو مطلقاً مباح قرار نہیں دیا، اور ساتھ ہی ساتھ انحراف کی وجہ سے مطلقاً منع بھی نہیں کیا، بلکہ اس عادت میں لوگوں کی مصلحت ومنفعت کو باقی رکھا، اور جاہلیت کی عادت کو حرام قرار دیا۔ یہ ہے حکمت سے پر طریقۂ نبوی جو اہتمام اور غور وفکر کا مستحق ہے۔

۷۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا ختنہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی جانب سے عقیقہ کیا، اور ان کا ختنہ کر دیا ❷ اور محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ختنہ کرایا۔ ❸

ختنہ فطری امور میں سے ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فطری چیزیں پانچ ہیں: ختنہ، زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھ کاٹنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنا۔ ❹

ختنہ حنیفیت کی پہچان ہے، یہ قائم مقام اس رنگ دار پانی کے ہے جس کے ذریعے صلیب پرست نصاریٰ بچوں کو عیسائی بناتے ہیں، وہ اپنے زعم باطل کے مطابق جب اس رنگ دار پانی سے اپنے بچوں کو رنگتے ہیں تو وہ انھیں پاک کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اب وہ نصرانی ہوگئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حنفاء کے لیے حنیفیت کی پہچان مقرر کی اور اس کی علامت ختنہ کو قرار دیا۔ ❺ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴾ (البقرۃ: ۱۳۸)

''اللہ کا رنگ اختیار کرو، اور اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہوسکتا ہے؟ اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔''

مقصود یہ کہ اللہ کا رنگ وہ حنیفیت ہے جس نے دلوں پر اللہ کی معرفت ومحبت، اس کے اخلاص اور صرف اسی کی عبادت کا رنگ چڑھا دیا ہے، اور جسموں پر خصال فطرت (ختنہ، زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھ کاٹنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنا، کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، مسواک کرنا، استنجا کرنا) کا رنگ چڑھا دیا ہے، اس

---

❶ المستدرک للحاکم (۴/ ۲۸۸) یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور ذہبی نے اس کو برقرار رکھا ہے۔
❷ سنن البیھقی (۸/ ۳۲۴) اس کی سند ضعیف ہے۔
❸ صحیح البخاری (۷/ ۱۸۴، رقم ۶۲۹۷)
❹ صحیح مسلم (رقم ۲۵۷) ❺ صحیح مسلم (ص ۱۵۳)

طرح اللہ کی فطرت کا ظہور حنفاء کے قلوب وابدان پر ہوتا ہے۔ ❶

ختنہ کی فقہی حکمتوں کو بیان کرتے ہوئے امام خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ختنہ کا ذکر سنتوں میں کیا جاتا ہے لیکن بہت سارے علماء کے نزدیک یہ واجب ہے، اس لیے کہ یہ دین کا شعار ہے، اس سے مسلم وکافر کے مابین امتیاز ہوتا ہے، اگر غیر مختون مقتولین کے مابین کوئی مختون مل جائے تو اس پر جنازے کی نماز پڑھی جائے گی، اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جائے گا۔'' ❷

۸۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے والی خاتون ام الفضل رضی اللہ عنہا:

ام الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا آپ کا کوئی عضو میرے گھر میں ہے، یا کہا: میرے گھر میں ہے، تو آپ نے فرمایا: ان شاء اللہ فاطمہ کے یہاں ایک بچے کی پیدائش ہوگی تم اس کی دیکھ بھال کروگی۔ کہتی ہیں کہ میں ایک دن ان کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر پیشاب کردیا، میں نے انھیں پیٹھ پر مارا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہر جاؤ (اللہ تم پر رحم کرے) تم نے میرے بچے کو تکلیف پہنچائی ہے تو میں نے کہا: آپ مجھے اپنی لنگی دے دیں تاکہ میں اسے دھو دوں، آپ نے فرمایا: نہیں، اس پر پانی چھڑک دو، بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جاتا ہے اور بچی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے۔ ❸

ام الفضل رضی اللہ عنہا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں، ان کا نام لبابہ بنت حارث ہلالیہ ہے، وہی لبابہ کبری ہیں، ہجرت سے پہلے مشرف با سلام ہوئیں۔ ❹ ابن سعد کا قول ہے:

''ام الفضل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے ایمان لانے والی عورت ہیں۔'' ❺

انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثوں کی روایت کی ہے، اور ان سے ان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور تمام، ان کے مولیٰ عمیر بن حارث، ان کے لڑکے کے مولیٰ کریب، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن حارث بن نوفل رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔

---

❶ موسوعة تربية الأجيال (ص ١٠٥)

❷ منهج التربية النبوية للطفل، ص ٦٩.

❸ المستدرك (١/ ١٦٦) حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، بعض لوگوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

❹ الطبقات لابن سعد (٨/ ٢٧٧)

❺ الطبقات لابن سعد (٨/ ٢٧٧)

زبیر بن بکار وغیرہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کردہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے:

''چار بہنیں مومن ہیں، ام الفضل، اور میمونہ، (یہ ام الفضل کی سگی بہن ہیں) اور اسماء وسلمیٰ (یہ دونوں ان کی علاتی بہنیں ہیں) اور عمیس خثعمیہ کی بیٹیاں ہیں۔'' ❶

ام الفضل خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔ ❷ حضرت خالد کی والدہ لبابہ صغریٰ بنت حارث بلالیہ ہیں۔ ❸

ام الفضل رضی اللہ عنہا کی والدہ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ بڑے اچھے دامادوں والی تھیں، میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی سگی بہن ام الفضل لبابہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بہن سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، اور حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے ان کی سگی بہن اسماء رضی اللہ عنہا سے شادی کی، ان کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی۔ ❹ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ کثیر الاولاد تھیں، نبی کریم ﷺ ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ ❺ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ عرفہ کے دن لوگوں کو نبی ﷺ کے روزے کے بارے میں شک تھا۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس ایک پیالہ دودھ بھیجا، آپ نے عرفہ ہی میں اسے پیا تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ آپ روزے سے نہیں ہیں۔ ❻

ام الفضل رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے سنی ہوئی آخری چیز کو بیان کر رہی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مغرب میں سورہ مرسلات تلاوت کی تو انھوں نے کہا: اے میرے لاڈلے تم نے اس سورت کی تلاوت کر کے اس بات کی یاد دہانی کرا دی کہ آخری چیز جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی وہ یہ تھی کہ آپ مغرب میں اس سورت کی تلاوت کر رہے تھے۔ ❼

ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں باحیات تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اپنے شوہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پہلے وفات پائیں۔ ❽ ان کے بطن سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے درج ذیل چھ لڑکے پیدا ہوئے:

۱۔ فضل (انھی کے نام پر ان کی کنیت ام الفضل اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی کنیت ابوالفضل تھی)

---

❶ موسوعة عظماء حول الرسول، لخالد العك (٣/ ٢١٦٢)

❷ سيرة آل بيت النبي الأطهار لمجدي فتحي (ص ٣١)

❸ الاستيعاب رقم الترجمة (٦١٠)

❹ الاصابة في تمييز الصحابة: ٨/ ٤٥٠.

❺ الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ٤/ ١٩٠٨.

❻ صحيح البخاري، كتاب الحج، رقم: ١٦٦١.

❼ صحيح البخاري (رقم ٧٦٧)

❽ الاصابة في تمييز الصحابة: ٨/ ٤٥١.

۲،۳۔ اصحاب فقہ عبداللہ و عبیداللہ

۴۔ معبد

۵۔ قثم

۶۔ عبدالرحمٰن اور ام حبیبہ نامی ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

عبداللہ بن یزید ہلالی ام الفضل رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں:

ما ولدت نجيبة من فحل

بجبل نعلمه و سهل

''کسی علاقے میں کسی صاحب حسب ونسب عورت نے خاتم الرسل صاحب فضل''

كستة من بطن ام الفضل

أكرم بها من كهلة و كهل

''نبی مصطفیٰ ﷺ کے چچا عباس وام الفضل کے بطن سے پیدا ہونے والے چھ''بچوں کے مانند، بچوں کو نہیں جنا۔''

عم النبي المصطفى ذي الفضل

و خاتم الرسل و خير الرسل ❶

۹۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شادی، ان کی بیویاں، ان سے متعلق روایتیں:

مورخین نے آپ کی درج ذیل بیویوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ خولہ فزاریہ　　　۲۔ جعدہ بنت اشعث

۳۔ عائشہ خثعمیہ　　　۴۔ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمی

۵۔ ام بشر بنت ابومسعود انصاری　　　۶۔ ہند بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر

۷۔ ام عبداللہ بنت شلیل بن عبداللہ (یہ حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں)

۸۔ بنوثقیف کی ایک عورت　　　۹۔ بنوعمرو بن اہیم منقری کی ایک عورت

۱۰۔ بنوشیبان کی ایک عورت، ممکن ہے کہ تعداد اس سے کچھ زیادہ ہو۔ اس تعداد کا من گھڑت کثرت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، آپ کی بیویوں کے ستر، نوے، ڈھائی سو، تین سو یا اس سے زیادہ ہونے سے متعلق روایتیں شاذ ہیں اور یہ من گھڑت، موضوع اور جھوٹی ہیں۔

❶ الاستيعاب في معرفة الاصحاب (٤/ ١٩٠٨)

تعداد سے متعلق روایتیں:

۱۔ پہلی روایت کو ابن ابی الحدید وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ❶ یہ روایت علی بن عبداللہ بصری مدائنی متوفی ۲۲۵ھ سے ماخوذ ہے۔ اور وہ ایسے ضعفاء میں سے ہیں جن کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ان کی روایت کو درج نہیں کیا ہے۔ ❷ ابن عدی نے الکامل میں انھیں ضعیف قرار دیتے ہوئے کہا ہے: وہ قوی الحدیث نہیں ہیں، ان کی بہت کم روایتیں مستند ہیں۔ ❸

۲۔ دوسری روایت مرسل ہے، اور مرسل ضعیف کی قسموں میں سے ہے۔

۳،۴۔ تیسری اور چوتھی روایت کو ابوطالب مکی صاحب ''قوت القلوب'' نے ذکر کیا ہے، ان کی کتاب پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، بہرحال امیر المومنین حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیویوں کی کثرت ان سے مروی اور ماخوذ ہے، وہ زہد و وعظ اور قوت القلوب میں بہت ساری غلط چیزوں کو ذکر کرنے میں مشہور ہیں۔ ❹ اپنی کتاب میں بہت ساری بے بنیاد حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔ ❺

ان کی کتاب "قوت القلوب" میں مذکور ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ڈھائی سو، دوسرے قول کے مطابق تین سو عورتوں سے شادی کی اور یوں کہ انھوں نے ان عورتوں کو طلاق دے دی تھی اس لیے ان کے گھر والوں سے شرمندگی محسوس کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس چیز کو ناپسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے، بلاشبہ حسن طلاق دے دیتے ہیں اس لیے ان سے اپنی بچیوں کی شادی نہ کرو، قبیلۂ ہمدان کے ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اے امیر المومنین وہ جتنا چاہیں ہم ان سے اپنی بچیوں کی شادیاں کرتے رہیں گے، وہ جس کو چاہیں گے اسے رشتۂ زوجیت میں باقی رکھیں گے اور جسے چاہیں گے جدا کردیں گے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ خوش ہوئے اور کہا:

لو كنت بوابا على باب جنة
لقلت لهمدان ادخلوا بسلام

''اگر میں جنت کا دربان ہوتا تو قبیلہ ہمدان کے لوگوں سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔''

حضرت حسن رضی اللہ عنہ بسااوقات چار سے شادی کرتے اور چار کو طلاق دے دیتے۔ ❻

اس طرح کی روایتیں صحیح اور ثابت نہیں ہیں، اس لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

---

❶ حياة الإمام الحسن بن علي (٢/ ٤٤٥ - ٤٦٠)
❷ ميزان الاعتدال (٣/ ١٣٨)
❸ لسان الميزان (٤/ ٢٥٢)
❹ لسان الميزان (٥/ ٣٣٩)
❺ البداية والنهاية (١١/ ٣٤١)
❻ قوت القلوب (١/ ٢٤٦)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شادی سے متعلق بہت سارے قصے مروی ہیں جن کی سندوں میں بے حد ضعف پایا جاتا ہے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ا۔ ہذلی، ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ہند بنت سہیل بن عمرو ❶ عبدالرحمٰن بن عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں، وہ ان کے پہلے شوہر تھے، انھوں نے ان کو طلاق دی، ان کے بعد عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے شادی کی پھر طلاق دے دی، اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جا کر ان کو یزید بن معاویہ سے شادی کا پیغام دے دو۔ اسی اثناء میں ان سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی تو پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا: میں ہند بنت سہیل بن عمرو کو یزید بن معاویہ سے شادی کا پیغام دینے جا رہا ہوں۔ فرمایا: ان سے میرا تذکرہ کرنا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس آ کر پورا معاملہ بیان کیا، تو فرمایا: میرے سلسلے میں تمھاری کیا پسند ہے؟ کہا میں تمھارے لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پسند کرتا ہوں، چنانچہ انھی سے شادی ہوگئی۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: میری ایک امانت ان کے پاس ہے، چنانچہ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے پاس گئے۔ وہ ان کے سامنے بیٹھ گئیں، تو ابن عامر دل گرفتہ ہوگئے، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں تمھارے حق میں ان سے دستبردار نہ ہو جاؤں۔ میری رائے میں تم دونوں کے لیے دوبارہ شادی کو حلال کرنے والا مجھ سے بہتر تم نہ پاؤ گے۔ ❷ انھوں نے کہا: میری امانت کہاں ہے؟ چنانچہ انھوں نے دو صندوقچیاں نکالیں جن میں قیمتی جواہر تھے، چنانچہ انھوں نے ان کو کھولا، اور ایک میں سے ایک مٹھی لے لی، اور باقی ان کے پاس چھوڑ دیا، اس لیے وہ کہا کرتی تھیں: ان سب کے سردار حضرت حسن، ان میں سے سب سے سخی ابن عامر، اور ان میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عبدالرحمٰن بن عتاب تھے۔ ❸

اس قصے کی سند میں ہذلی ہیں، وہ اخباری اور متروک الحدیث ہیں۔ ذہبی کا قول ہے: ان کے ضعف پر اجماع ہے۔ ❹

---

❶ ہند بنت سہیل بن عمرو بن شمس، ان کے والد فتح مکہ کے سال اسلام لائے، وہ حفص بن عبد زمعہ کے پاس تھیں، ان کے بطن سے ان کے کچھ بچے پیدا ہوئے۔ پھر ان سے عبدالرحمٰن بن عتاب، پھر عبداللہ بن عامر، پھر حسن بن علی رضی اللہ عنہم نے شادی کی، ایسا ہی "نسب قریش" (ص ۴۲۰) میں ہے۔

❷ محلل: ایسا شخص جو کسی ایسی عورت سے شادی کرے جو اپنے پہلے شوہر کے لیے بائنہ ہو چکی ہو، اور شادی کا مقصد یہ ہو کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے، جیسا کہ حدیث ہے: "لعن الله المحلل والمحلل له" دیکھے ارواء الغليل (نمبر ١٨٩٧)

❸ الطبقات الكبرى، الطبقة الخامسة من الصحابة (١/ ٣٠٣)

❹ ديوان المتروكين والضعفاء (ص: ٣٥٢)

۲۔ حکیم بن حفص انصاری عیسیٰ بن ابو ہارون مزنی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر سے شادی کی جب کہ منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ انھیں چاہتے تھے، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دے دی، نتیجتاً حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق دے دی، منذر رضی اللہ عنہ نے انھیں شادی کا پیغام دیا، انھوں نے شادی سے انکار کر دیا اور کہا: تم مجھے بدنام کرتے رہو، عاصم بن عمر بن خطاب نے پیغام دیا، شادی ہوگئی۔ منذر نے ان تک بھی کچھ باتیں پہنچائیں انھوں نے بھی طلاق دے دی، پھر انھیں منذر نے پیغام نکاح دیا تو ان سے کہا گیا: تم ان سے شادی کرو تاکہ لوگ جان جائیں کہ وہ تم پر بہتان تراشی کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے ان سے شادی کر لی اور لوگ جان گئے کہ وہ ان پر جھوٹی تہمت لگاتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عمر سے کہا: چلو، منذر سے اجازت لے کر ان سے ملاقات کریں، چنانچہ وہ ملے تو وہ عاصم بن عمر کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ دیکھتی رہیں، اور ان سے زیادہ باتیں کرتی رہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے منذر سے کہا: ان کا ہاتھ تھام لو، انھوں نے ہاتھ تھام لیا، حضرت حسن اور عاصم اٹھے اور چلے گئے جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ انھیں چاہتے تھے، اور انھیں طلاق صرف منذر کی باتوں پر دیا تھا۔ ایک دن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابوعتیق کے بیٹے عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن (حفصہ ان کی پھوپھی تھیں) سے کہا: کیا آپ کو وادیٔ عقیق کی رغبت ہے؟ فرمایا: ہاں، چنانچہ دونوں نکلے، حفصہ کے گھر سے گزر ہوا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے، اور دونوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے پھر ان کے پاس سے نکلے، دوسری مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابوعتیق کے بیٹے سے کہا: کیا آپ کو وادیٔ عقیق کی رغبت ہے؟ تو انھوں نے کہا: میرے بھائی تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمھیں حفصہ کی رغبت ہے۔ ❶

اس حدیث کی سند میں ایسے لوگ ہیں جن کی سوانح جرح و تعدیل کی کتابوں میں موجود نہیں، اس کے متن کی نکارت اس کے ضعیف ہونے کے لیے کافی ہے۔ ❷

۳۔ حاتم بن اسماعیل نے ہمیں بتایا جعفر بن محمد سے روایت کرتے ہوئے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حسن شادی کرتے رہتے ہیں اور طلاق دیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ مجھے ڈر لگنے لگا کہ قبائل دشمنی نہ کرنے لگیں۔ ❸

یہ اثر مرسل ضعیف ہے۔ ❹ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی شادیوں کی کثیر تعداد سے متعلق تاریخی روایتیں سند

---

❶ الطبقات الکبریٰ ، الطبقة الخامسة من الصحابة (۱/ ۳۰۷)

❷ الطبقات الکبریٰ ، الطبقة الخامسة من الصحابة (۱/ ۳۰۵)

❸ الطبقات الکبریٰ ، الطبقة الخامسة من الصحابة (۱/ ۳۰۱)

❹ الطبقات الکبریٰ ، الطبقة الخامسة من الصحابة (۱/ ۳۰۱)

کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں، اس لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اور اس کثیر تعداد سے متعلق روایتوں کے من گھڑت ہونے کی تائید درج ذیل امور سے ہوتی ہے:

۱۔ یہ روایتیں اگر صحیح ہوتیں تو انھی کے مطابق حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بہت سی اولاد ہوتی، جب کہ بچے اور بچیوں کو ملا کر ان کی بائیس اولاد تھی، اور یہ تعداد اس زمانے کے اعتبار سے فطری تھی، اور شادیوں کی کثرت سے متعارض ہے، اس کثرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ ان روایتوں کے ضعیف اور موضوع ہونے پر یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھتے اور کہتے تھے: تم لوگ حسن سے اپنی بچیوں کی شادی نہ کیا کرو، وہ بہت زیادہ طلاق دینے والے ہیں، جیسا کہ صاحب قوت القلوب نے ذکر کیا ہے۔ ❶

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا منبر پر لوگوں کو ان کی شادی کرنے سے روکنا یا تو اس بنیاد پر ہوگا کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو ایسا کرنے سے روکا ہوگا، اور انھوں نے بات نہ مانی ہوگی، اس لیے مجبوراً اس بات کا اظہار کیا گو گا اور لوگوں کو ان سے شادی سے روکا، یا اس بنیاد پر ہوگا کہ انھوں نے شروع ہی سے اس سے روکا ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں اپنے والد کی ناپسندیدگی کا علم نہ ہوگا، اور دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔

پہلی بات اس لیے درست نہیں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے فرمانبردار تھے، ان کی نافرمانی اور مخالفت نہیں کرتے تھے اور دوسری بات اس لیے درست نہیں ہے کہ امیر المومنین کے لیے اچھی بات یہ تھی کہ اپنے بیٹے کو اپنی ناپسندیدگی سے آگاہ کرتے اور عام لوگوں کے سامنے منبر پر اس کا اعلان نہ کرتے کہ باپ اور بیٹے کے رشتوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔

معاً یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے روکنے کے کیا معنی؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کیسے اس کو انجام دیتے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس حدیث کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دشمنوں نے گھڑا ہے، تاکہ آپ کی بہترین سیرت کو بگاڑ کر رکھ دیں۔ ❷ امت کی تاریخ اور مصلحین کی سیرت کو بگاڑنے سے متعلق یہ جھوٹے راویوں کی عادت رہی ہے۔ یہیں سے علم جرح و تعدیل، روایتوں پر حکم لگانے، اور اس عظیم کارنامے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ جس کو علمائے حدیث نے اس طرح کی روایتوں کی خرابیوں کو بیان کرنے میں انجام دیا ہے۔

بنا بریں ہم ابتدائے اسلام کی تاریخ کی چھان بین کرنے والوں کو اس بات کی نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اس

❶ قوت القلوب (۲/ ۲٤٦)

❷ حیاۃ الإمام الحسن (۲/ ٤٥١)

طرح کی روایتوں کو جانچیں اور پرکھیں، تا کہ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر سکیں اور امت کے لیے اپنی ایک عظیم خدمت کو پیش کر سکیں۔ اور ان لوگوں کی طرح گڑھے میں نہ گریں جو ضعیف اور موضوع روایات پر اعتماد کرنے کی وجہ سے گڑھے میں گرے۔

۳۔ ان روایتوں کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی جب وفات ہوئی تو بہت ساری عورتیں ننگے پیر، کھلے سر آپ کے جنازے کے پیچھے نکل پڑیں، اور کہہ رہی تھیں: ہم سب حسن رضی اللہ عنہ کی بیویاں ہیں۔

اس روایت کا موضوع اور من گھڑت ہونا واضح ہے۔ عورتوں کے اس مجمع کے ننگے پاؤں، کھلے سر، لوگوں کے سامنے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیویاں ہونے کا اعلان کرتے ہوئے نکلنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر ان کے نکلنے کی وجہ رنج وغم کا اظہار تھا تو اس اعلان اور مردوں کے شانہ بہ شانہ بھیڑ میں چلنے کی وجہ کیا تھی؟ جب کہ عورتوں کو حجاب اور گھر سے بے پردہ نہ نکلنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ اور اس جیسے دوسرے آثار سند کے اعتبار سے صحیح اور ثابت نہیں ہیں۔

گزشتہ روایتوں کے مشابہ یہ روایت بھی ہے جس کو محمد بن سیرین نے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے شادی کی، تو ان کے پاس بطور مہر سو لونڈیوں کو بھیجا، اور ہر لونڈی کے ساتھ ایک ہزار درہم بھی تھا۔ ❶

یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنی ایک بیوی کو بطور مہر اتنا زیادہ مال دے دیں، یہ اسراف وفضول خرچی ہے جس سے اسلام میں منع کیا گیا ہے، اور مسنون مہر پر اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کا مقصد شادی کو آسان بنانا ہے، اور یہ کہ لوگوں کو اس سے متعلق پریشانی اور تنگی نہ لاحق ہو۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کے خلاف نہیں کر سکتے، اور نہ آپ کی شریعت کے منافی کوئی راہ اپنا سکتے ہیں، یہ اور اس طرح کی روایتیں موضوع ومن گھڑت ہیں اور بیویوں کی کثرت کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی تائید کرتی ہیں۔

بہر حال مذکورہ روایتوں کے علاوہ کوئی ایسی صحیح دلیل نہیں ملتی جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیویوں کی از حد کثرت کو ثابت کرے، مذکورہ روایتیں تنقید سے خالی نہیں ہیں اس لیے وہ اثبات کی دلیل نہیں ہو سکتیں۔ ❷

اس چیز کو جاننے کے لیے کہ دشمنان اسلام ضعیف و باطل روایات سے کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں، حضرت

---

❶ البداية والنهاية (١١/ ١٩٧)

❷ حياة الامام الحسن بن علي (٢/ ٤٥٢)

حسن رضی اللہ عنہ کی شادی سے متعلق مستشرق "لامنس" کا قول نقل کرتا ہوں، چنانچہ اس نے آپ پر بہتان تراشی کرتے ہوئے اور آپ کے حامیوں پر تنقید کرتے ہوئے آپ کی بیویوں کے بارے میں درج ذیل باتیں کہیں:

''اور جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جوانی ڈھل گئی، جوانی کے ایام کو شادی و طلاق میں ختم کر دیا، تو ان کی بیویوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی، انھی آزادانہ اخلاق کے باعث انھیں مِطْلاق (زیادہ طلاق دینے والے) کا لقب دیا گیا، اور انھی اخلاق کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت ساری مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑا، اسی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے فضول خرچ ہونے کا ثبوت دیا، چنانچہ انھوں نے اپنی ہر بیوی کے لیے گھر اور نوکر چاکر متعین کیا، اس طرح ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقر زدہ خلافت میں کس طرح مال کا ضیاع کرتے تھے۔'' ❶

انگریز مستشرق "لامنس" نے اپنے اس قول کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بہت زیادہ شادیاں کرنے والے اور طلاق دینے والے تھے، میں موضوع اور من گھڑت روایات پر اعتماد کیا ہے، نیز ایسی جھوٹی بہتان تراشیاں کیں جس کا کوئی قائل نہیں چنانچہ اس نے کہا:

۱۔ اپنے کثیر زواج و طلاق کے باعث انھوں نے اپنے والد کو سخت مخالفتوں سے دوچار کر دیا، جب کہ حضرت علی و حسن رضی اللہ عنہما کی سوانح لکھنے والے کسی شخص نے مستشرق "لامنس" کی من گھڑت سخت مخالفتوں کی جانب اشارہ نہیں کیا ہے۔

۲۔ اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی ہر بیوی کے لیے گھر اور نوکر چاکر متعین کیا تھا، جب کہ کسی مورخ نے ایسی بات نقل نہیں کی ہے، یہ کھلا جھوٹ اور محض افترا پردازی ہے۔

بلاشبہ عیسائی مشنریاں (جو اسلام کی باغی ہیں اور لگاتار اس پر حملے کر رہی ہیں) ایسے کرایہ کے اصحاب قلم کو آگے بڑھاتی ہیں تاکہ اسلام کو بدنام کیا جائے، اس کی صحیح تصویر کو مسخ کیا جائے اور اس کے اساطین جنھوں نے انسانیت کو صحیح راہ دکھائی اور دنیا میں تہذیب و تمدن کے میناروں کو بلند کیا ان کی قدروں کو گھٹا دیا جائے۔ ❷

۱۰۔ان کی اولاد:

آپ کی اولاد درج ذیل ہیں:

۱۔حسن ۲۔زید ۳۔طلحہ ۴۔قاسم

۵۔ابوبکر

---

❶ دائرة المعارف (۷/ ۴۰۰)

❷ حياة الامام الحسن بن علی (۲/ ۴۵۵)

۶۔عبداللہ (یہ لوگ کربلا میں اپنے چچا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید کر دیے گئے)

۷۔عمرو	۸۔عبدالرحمن	۹۔حسین	۱۰۔محمد
۱۱۔یعقوب	۱۲۔اسماعیل	۱۳۔حمزہ	۱۴۔جعفر
۱۵۔عقیل	۱۶۔ام حسین		

ان میں سے حسن وزید کی اولاد کا سلسلہ چلا چنانچہ حسن مثنیٰ کے پانچ لڑکے ہوئے۔ ان کی والدہ خولہ بنت فزار یہ ہیں۔ زید کے ایک لڑکے حسن بن زید ہوئے انھی سے اولاد کا سلسلہ دراز ہوا۔ زید کی والدہ ام بشر بنت ابومسعود انصاری بدری ہیں، زید کو ابوجعفر منصور کی جانب سے مدینہ کا گورنر بنایا گیا اور وہ سیدہ نفیسہ کے والد ہیں، ان کے لڑکے (۱) قاسم، (۲) اسماعیل، (۳) عبداللہ، (۴) ابراہیم، (۵) زید، (۶) اسحاق، (۷) اور علی ہیں۔ ❶

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی بعض اولاد

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی بعض اولاد کی مختصر سیرت درج ذیل ہے:

۱۔زید بن حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ:

ان کی والدہ ام بشر ہیں جو ابومسعود عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ خزرجی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ زید بن حسن کے ایک لڑکے محمد ہیں جنھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، ابوجعفر منصور کی جانب سے زید بن حسن کو مدینہ کا گورنر بنایا گیا، ان کی ماں ام ولد تھیں، نفیسہ بنت زید سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے شادی کی اور انھی کے پاس وفات پائیں۔ نفیسہ کی والدہ لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔

محمد بن عمر ہمیں خبر دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرحمن بن ابوالموال نے خبر دیتے ہوئے بتایا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ آپ کو دیکھتے اور آپ کے عظیم اخلاق سے خوش ہوتے اور کہتے: ان کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

محمد بن عمر ہمیں خبر دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن ابوعبیدہ خبر دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ زید بن حسن کی وفات کے دن میں اپنے والد کا ردیف بن کر سوار ہوا، مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر ابن ازہر کی وادی میں ان کی وفات ہوئی، چنانچہ انھیں مدینہ لے جایا گیا، ہم دو بلند پہاڑیوں کے درمیان راستے کے شروع ہی میں پہنچے تھے کہ اونٹ پر ایک چھوٹے خیمے سے زید بن حسن کا جنازہ نمودار ہوا، عبداللہ بن حسن اس کے آگے آگے چل رہے

❶ جمهرة انساب العرب لابن حزم (ص: ۹۳، ۹۸) و سير اعلام النبلاء (۳/ ۲۷۹) والدوحة النبوية الشريفة (ص: ۱۰۰)

تھے، اپنی چادر کو کمر پر باندھ رکھا تھا، آپ کی پیٹھ پر کوئی چیز نہیں تھی، میرے والد نے مجھ سے کہا: اے میرے لاڈلے اترو اور لگام تھام لو، اللہ کی قسم اگر میں سوار رہا اور عبداللہ پیدل چلتے رہے تو مجھے سکون نہیں مل سکتا چنانچہ میں گدھے پر سوار ہو گیا، میرے والد اتر گئے، پیدل چلے، چلتے رہے یہاں تک کہ زید کو بنو جدیلہ میں موجود ان کے مکان میں داخل کر دیا گیا، انھیں غسل دیا گیا، پھر انھیں چارپائی پر بقیع قبرستان تک لے جایا گیا۔ ❶

۲۔ حسن بن حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ:

ان کی والدہ خولہ بنت منظور فزاریہ ہیں، حسن بن حسن کے یہاں محمد پیدا ہوئے، ان کی والدہ رملہ بنت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ ہیں، عبداللہ بن حسن نے ابوجعفر منصور کے قید خانے میں وفات پائی اور ابراہیم بن حسن بھی اپنے بھائی کے ساتھ قید خانے میں جاں بحق ہوئے۔ زینب بنت حسن سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے شادی کی پھر انھیں طلاق دے دی اور ام کلثوم بنت حسن ان سب کی والدہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن ابوطالب ہیں، اور فاطمہ بنت حسین کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بنت عبیداللہ بن تیم ہیں۔ جعفر بن حسن، داؤد، فاطمہ، ام القاسم قسیمہ، ملیکہ، ان سب کی والدہ حبیبہ نامی آل ابوائیس کی فارسی ام ولد ہیں۔ ❷

حسن بن حسن کے طرز عمل میں سے یہ ہے کہ انھوں نے اہل بیت سے متعلق غور کرنے والوں میں سے ایک شخص سے کہا:

> ''تمھارا ناس ہو، اللہ کے لیے تم ہم سے محبت کرو، اگر ہم اللہ کی اطاعت کریں تو تم ہم سے محبت کرو، اور اگر اللہ کی نافرمانی کریں تو تم ہم سے دشمنی کرو، ان سے اس شخص نے کہا: بلاشبہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے قریبی اور اہل بیت میں سے ہو، فرمایا: تمھارا برا ہو، اگر اللہ تعالیٰ بغیر اطاعت کے صرف رسول کی قربت کے باعث کسی کو کچھ دیتا تو اس سے وہ شخص فائدہ اٹھاتا جو آپ سے ازروئے باپ اور ماں زیادہ قریب ہے۔ اللہ کی قسم میں بلاشبہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ ہم میں سے نافرمان کی سزا دوگنی کر دی جائے، میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ ہم میں سے فرماں بردار کو دوہرا اجر دیا جائے، تمھارا برا ہو تم اللہ سے ڈرو اور ہمارے بارے میں حق بات کہو، یہ چیز تمھاری چاہت میں زیادہ مؤثر ہے، اور ہم تمھاری جانب سے اس بات کو پسند کرتے ہیں، پھر فرمایا: اگر تمھاری اس بات کا تعلق اللہ کے دین سے ہے اور ہمارے آباء و اجداد نے ہمیں اس سے مطلع نہیں کیا اور نہ ہم کو اس کی ترغیب دلائی تو انھوں نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا، فرمایا کہ ان سے رافضی

❶ طبقات ابن سعد (۵/ ۳۱۸، ۳۱۹)

❷ سیرۃ آل بیت النبی الأطهار، لمجدی فتحی السید (ص: ۳۱۲)

نے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں کہا تھا:

((مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ.))

''جن کا میں مولیٰ تھا تو علی ان کے مولیٰ ہوں گے۔''

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم اگر اس حدیث سے آپ ﷺ کی مراد امارت وحکومت ہوتی تو جس طرح آپ نے نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور حج کے بارے میں لوگوں کو صاف صاف بتا دیا تھا اسی طرح اس کے بارے میں بھی لوگوں کو صاف صاف بتا دیتے، اور ان سے کہہ دیتے کہ میرے بعد یہ تمھارے حاکم ہوں گے، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے۔ اگر معاملہ حقیقت میں ویسے ہی ہوتا جیسے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس حکومت وخلافت کے لیے چنا ہے تو حضرت علی کی یہ بہت بڑی غلطی اور بہت بڑا جرم ہوتا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کو ترک کر دیا کہ وہ حکومت وخلافت کو آپ کے حکم کے مطابق اپنائیں یا لوگوں سے معذرت طلب کریں۔''[1]

اس طرح غلو ومبالغہ کو روکنے سے متعلق اہل بیت کا طرز عمل واضح ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ آپ کے بھائی اور بہنیں:

ا۔ حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

آپ ابوعبداللہ حسین بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما ہیں، رسول اللہ ﷺ کے نواسے، آپ کے ریحانہ اور محبوب اور فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر ہیں، آپ کی ولادت ۴ھ میں ہوئی، اور عراق کی سرزمین ''کربلا'' میں دس محرم ۶۱ھ کو شہادت پائی، اللہ آپ سے راضی ہو اور آپ کو راضی کرے۔[2]

آپ کے فضائل ومناقب میں بہت ساری حدیثیں وارد ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

ا: امام احمد اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ یعلی عامری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک دعوت میں گئے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قوم کے سامنے آئے، حضرت حسین رضی اللہ عنہما چند بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ آپ کو پکڑ لیں چنانچہ وہ یہاں وہاں بھاگنے لگے، رسول اللہ ﷺ ان کو ہنساتے رہے، یہاں تک کہ ان کو پکڑ لیا، ایک ہاتھ ان کی گدی کے نیچے اور دوسرا ان کی ٹھوڑی کے نیچے کیا اور ان کو بوسہ دیا، نیز فرمایا:

---

[1] طبقات ابن سعد (۵/ ۳۱۹، ۳۲۰)

[2] البداية والنهاية (۸/ ۱۵۲)۔ الاصابة (۱/ ۳۳۱-۳۳۴)

((حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، اَللّٰهُمَّ اَحِبَّ حُسَيْنًا ، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ .)) ❶

''حسین میرے ہیں اور میں حسین کا ہوں، اے اللہ تو اس سے محبت کر جو حسین سے محبت کرے، حسین نواسوں میں سے ایک نواسے ہیں۔''

اس روایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صریح فضیلت ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی محبت پر ابھارا ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ان کے اور قوم کے مابین رونما ہونے والے واقعات کا علم ہو گیا تھا۔ بنا بریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا خصوصیت سے ذکر کیا، ان کی محبت کو واجب اور ان کے ساتھ لڑائی کو حرام قرار دیا، چنانچہ فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ أَحِبَّ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا .))

''اے اللہ تو اس سے محبت کر جو حسین سے محبت کرے۔''

چنانچہ ان کی محبت محبت رسول تک پہنچاتی ہے اور محبت رسول اللہ کی محبت تک پہنچاتی ہے۔ ❷

ب: امام بخاری نے اپنی سند سے روایت کیا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عبید اللہ بن زیاد کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر پیش کیا گیا چنانچہ ایک طشت میں رکھ کر کریدنے لگا اور آپ کی خوبصورتی سے متعلق کوئی بات کہی تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، ان کا سر وسمہ سے رنگا ہوا تھا۔ ❸

ت: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے، فرمایا: جب عبید اللہ بن زیاد کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا تو ایک چھڑی سے آپ کے دانتوں کو کریدتے ہوئے کہا: بلاشبہ وہ خوبصورت تھے، تو میں نے کہا: اللہ کی قسم میں ضرور تم کو تکلیف پہنچاؤں گا، بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ کو چومتے ہوئے دیکھا ہے جہاں تمھاری چھڑی ہے، تو وہ باز آ گیا۔ ❹

۲۔ مُحَسِّن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ:

آپ کا تذکرہ صرف اس حدیث میں ملتا ہے جسے ہانی بن ہانی نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے

---

❶ فضائل الصحابة رقم (١٣٦١) اس کی سند حسن ہے۔

❷ تحفة الأحوذي (١٠/ ٢٧٩)

❸ صحيح البخاري ، رقم (٣٧٤٨) الوسمة: یمن میں پیدا ہونے والا پودا جسے بطور خضاب استعمال کیا جاتا ہے۔

❹ فضائل الصحابة (٢/ ٩٨٥) رقم (١١٩٧) اس کی سند حسن ہے۔

روایت کیا ہے، فرمایا: جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرے لاڈلے کو دکھاؤ، تم لوگوں نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا: میں نے اس کا نام ''حرب'' رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، وہ ''حسن'' ہے، جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے میرے لاڈلے کو دکھاؤ، تم لوگوں نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا: میں نے اس کا نام ''حرب'' رکھا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں وہ ''حسین'' ہیں۔ جب تیسرے بچے کی پیدائش ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا: مجھے میرے لاڈلے کو دکھاؤ، تم لوگوں نے اس کا کیا نام رکھا ہے، میں نے کہا: میں نے ان کا نام ''حرب'' رکھا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، وہ مُحَسِّن ہیں۔ پھر فرمایا: میں نے ان لوگوں کا نام ہارون علیہ السلام کے بچوں کے نام ''شبر'' و ''شُبَیر'' و ''مُشَبَّر'' کے وزن پر رکھا ہے۔ ❶

بظاہر آپ بچپن میں وفات پا گئے۔ ❷ اس صحیح حدیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ محسن عہد نبوی ہی میں وفات پا چکے تھے، اس سے جھوٹی روایات بیان کرنے والوں کا یہ زعم باطل ہوجاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مارا یہاں تک کہ آپ کا حمل ساقط ہوگیا۔

۳۔ام کلثوم بنت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما:

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے ان کے فضائل ومناقب کو ثابت کرتے ہوئے فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے پیدا ہونے والی اپنی بچی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ان سے کردی، نیز اس بات کا اظہار بھی مقصود تھا کہ ان کے مابین بڑے اچھے اور مبارک ومضبوط تعلقات ہیں جن سے حاسد دشمنان اسلام کے دل جل جاتے ہیں اور ان کی ناک خاک آلود ہوجاتی ہیں۔ ❸

ام کلثوم بنت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بطن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی جن کا نام ''رقیہ'' اور ایک لڑکا جن کا نام ''زید'' تھا پیدا ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات بنوعدی کے کچھ لوگوں کے مابین جھگڑا ہوا، زید بن عمر رضی اللہ عنہما ان کے پاس صلح کرانے کی غرض سے گئے، آپ کو ایسی چوٹ لگی کہ آپ کا سر پھٹ گیا اور فوراً وفات پا گئے، ان کے قتل پر ان کی ماں اس قدر غمگین ہوئیں کہ بے ہوش ہوگئیں اور فوراً انتقال کر گئیں۔ ایک ہی وقت میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے کو سپرد خاک کیا گیا، عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت حسن بن علی بن ابوطالب نے انھیں آگے بڑھایا اور خود ان کے پیچھے نماز ادا کی۔ ❹ ہم نے اپنی کتاب

---

❶ مسند احمد (۱/ ۹۸) اس کی سند صحیح ہے۔

❷ التبیین فی أنساب القرشیین لابن قدامة المقدسی (ص: ۱۳۳) ❸ الشیعة وأهل البیت (ص ۱۰۵)

❹ أسد الغابة (۷/ ۴۲۵)، ونساء أهل البیت، منصور رعبدالحکیم (ص: ۱۸۵).

''عمر بن خطاب'' میں ان کی سیرت کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

۴۔ زینب بنت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ:

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پیدا ہوئیں، بڑی ذہین وفطین تھیں، آپ کے والد نے اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی کردی، چنانچہ ان کے بطن سے ان کی بہت ساری اولاد پیدا ہوئیں، اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کے ساتھ تھیں، چنانچہ انھیں دمشق لے جایا گیا۔ ❶

۵۔ محمد بن حنفیہ:

آپ کی والدہ بنو حنیفہ کی لونڈی تھیں، ان کا نام خولہ بنت جعفر تھا، آپ بڑے ہی عالم، فاضل، متدین اور عبادت گزار تھے۔ معرکۂ جمل میں اپنے والد کا جھنڈا اٹھانے والے تھے، بڑے طاقتور اور صاحب حکمت تھے، آپ کے حکیمانہ کلام میں سے ہے:

۱...... ((لَيْسَ بِحَكِيْمٍ مَنْ لَمْ يُعَاشِرْ بِالْمَعْرُوْفِ مَنْ لَا يَجِدُ مِنْ مُعَاشَرَتِهِ بُدًّا حَتّٰى يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُ فَرَجًا وَ مَخْرَجًا .))

''وہ شخص عقل مند نہیں جو ایسے شخص کے ساتھ بھلائی کے ساتھ پیش نہ آئے جس کے ساتھ بھلائی کے ساتھ پیش آنا ضروری ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے چھٹکارے کی کوئی سبیل پیدا کردے۔''

۲...... ((إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْجَنَّةَ ثَمَنًا لِأَنْفُسِكُمْ فَلَا تَبِيْعُوْهَا بِغَيْرِهَا .))

''اللہ تعالیٰ نے جنت کو تمھاری جانوں کی قیمت قرار دیا ہے، اس لیے تم انھیں کسی اور چیز کے عوض نہ بیچو۔''

۳...... ((مَنْ كَرُمَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهُ لَمْ يَكُنْ لِلدُّنْيَا عِنْدَهُ قَدْرٌ .))

''جو کریم النفس ہوگا اس کے نزدیک دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔''

۴...... ((كُلُّ مَا لَا يُبْتَغٰى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ يَضْمَحِلُّ .))

''ہر وہ چیز جس سے اللہ کی رضا مقصود نہ ہو ختم ہو جاتی ہے۔''

آپ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ ❷

۱۲۔ آپ کے چچا اور پھوپھیاں:

۱۔ طالب بن ابوطالب:

غزوۂ بدر کے بعد بحالت شرک ان کی وفات ہوئی، ایک قول کے مطابق وہ گھر سے نکلے، پھر واپس نہیں

❶ الإصابة في تمييز الصحابة (۸/ ۱٦٧) ❷ التبيين في أنساب القرشيين (ص ۱۳٦)

لوٹے، کہاں گئے، ان کی کیا خبر رہی کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ وہ گمشدہ لوگوں میں سے ایک ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے تھے، چنانچہ ان کے آپ کی شان میں چند مدحیہ قصائد ہیں۔ مجبوراً غزوۂ بدر کے لیے نکلے تھے، غزوہ بدر کے لیے نکلتے وقت ان کے اور قریش کے مابین گفتگو ہوئی۔ ان لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم اے بنو ہاشم! تم اگرچہ ہمارے ساتھ چل رہے ہو لیکن تمھارا جھکاؤ محمد کی جانب ہے، چنانچہ طالب بن ابوطالب مکہ لوٹنے والوں کے ساتھ لوٹ گئے، نبی ﷺ کی تعریف میں قصیدہ کہا، جس میں بدر کے کنویں میں مدفون لوگوں کا رونا رویا ہے۔ ❶

۲۔ عقیل بن ابوطالب رضی اللہ عنہ:

آپ کی کنیت ابویزید ہے، آپ تاخیر سے فتح مکہ کے سال مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ایک قول کے مطابق آپ حدیبیہ کے بعد اسلام لائے، ۸ھ کی ابتداء میں ہجرت کی، معرکۂ بدر میں قید کر لیے گئے تھے، آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں فدیہ دے کر چھڑایا۔ صحیح بخاری میں کئی جگہوں پر ان کا تذکرہ ملتا ہے، غزوۂ موتہ میں شریک ہوئے، فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں آپ کا تذکرہ نہیں ملتا ہے، شاید آپ مریض تھے، اس جانب ابن سعد نے اشارہ کیا ہے، لیکن زبیر بن بکار نے اپنی سند سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ عقیل غزوۂ حنین میں مردانہ وار مقابلہ کرنے والوں میں سے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔ امام بخاری کی ''تاریخ اصغر'' میں سند صحیح سے وارد ہے کہ ان کی وفات واقعۂ حرہ سے پہلے یزید کی خلافت کے شروع میں ہوئی۔ ❷ آپ کی عمر ۹۳ سال تھی۔ ❸

۳۔ جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ:

آپ اسلام لانے والے سابقین اولین میں سے ہیں۔ محتاجوں سے محبت کرتے، ان کے ساتھ بیٹھتے، باہم ایک دوسرے کی خدمت کرتے اور آپس میں باتیں کرتے، حبشہ کی جانب ہجرت کی تو نجاشی اور اس کے ساتھی آپ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (آپ کے بارے میں اپنی کتاب "السیرة النبویة عرض وقائع و تحلیل أحداث" میں میں نے گفتگو کی ہے) سرزمین شام میں مؤتہ کی جنگ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ ❹

---

❶ الجوهرة فی نسب النبی و اصحابه من المرتضی للندوی (ص۲۳)

❷ الإصابة فی تمییز الصحابة (۲/ ٤٩٤)

❸ المرتضی للندوی (ص٢٤)

❹ المرتضی للندوی (ص٢٤)

۴۔ ام ہانی بنت ابو طالب رضی اللہ عنہا:

آپ نبی ﷺ کی چچا زاد بہن تھیں، ان کا نام فاختہ، دوسرے قول کے مطابق فاطمہ، تیسرے قول کے مطابق ہند تھا۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے، ہبیرہ بن عمرو بن عائذ مخزومی کی بیوی تھیں، ان کے بطن سے ہبیرہ کے لڑکے عمرو رضی اللہ عنہ تھے، انھی کے باعث ان کی کنیت ابوعمرو تھی، فتح مکہ کے موقع پر ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بنو مخزوم کے دو آدمیوں کو پناہ دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا:

((أَجَرْتُ مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِيْ .))

''اے ام ہانی جن کو تم نے پناہ دے دی میں نے انھیں پناہ دے دی۔''

نبی کریم ﷺ سے ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیثیں صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ ❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد زندہ رہیں۔ ❷

۵۔ جمانہ بنت ابو طالب رضی اللہ عنہا:

آپ عبداللہ بن ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کی والدہ ہیں، ابن سعد نے ان کا تذکرہ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی سوانح میں کیا ہے، اور ان کا علیحدہ تذکرہ نبی کریم ﷺ کی چچا زاد بہنوں کے باب میں کیا ہے، اور کہا ہے: ان کے بطن سے ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے بیٹے جعفر بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں خیبر سے آئے غلے میں سے تیس وسق غلہ دیا۔ ❸

۱۳۔ آپ کے ماموں اور خالائیں:

آپ کے تمام ماموں بچپن ہی میں وفات پا گئے، کوئی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچا، ان کے نام قاسم اور ابراہیم ہیں، زبیر بن بکار نے عبداللہ کا اضافہ کیا ہے، ان کا نام طیب اور طاہر بھی تھا اس لیے کہ وہ نبوت کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ ❹ یہی رائے اکثر علمائے انساب کی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ طیب اور طاہر الگ سے دو لڑکے ہیں، لیکن تمام علما کا اتفاق ہے کہ عبداللہ، طیب اور طاہر مکہ میں وفات پا چکے تھے۔ ❺

آپ ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے، وہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، جنھیں مصر کے حاکم مقوقس نے آپ ﷺ کو بطور ہدیہ اس وقت دیا تھا جب آپ نے اسے ۶ ھ میں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔

---

❶ المرتضى (ص ٢٥)
❷ الإصابة فى تمييز الصحابة (٩/ ٣١٧، ٣١٨)
❸ الإصابة (٤/ ٢٥٩، ٢٦٠)
❹ الدوحة النبوية الشريفة (ص ٣١)
❺ الاستيعاب (٤/ ٢٨١)

نبی کریم ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی، ایک قول کے مطابق ''قاسم'' آپ ﷺ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے، اورسب سے پہلے وفات بھی پائی، ان کی ولادت نبوت سے پہلے مکہ میں ہوئی، اوربچپن ہی میں وفات پاگئے، دوسرے قول کے مطابق سن تمیز تک زندہ رہے، بنا بریں کہا گیا ہے کہ اپنے پاؤں پر چلنے کی عمر تک زندہ رہے، ❶ اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ سواری پر سوار ہونے اور اونٹنی پر سفر کرنے کی عمر تک زندہ رہے۔ ❷

۱۴۔ آپ کی خالائیں

آپ کی خالائیں زینب، رقیہ، ام کلثوم رضی اللہ عنہن ہیں۔

۱۔ زینب بنت رسول اللہ ﷺ:

حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کی سب سے بڑی خالہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں، مشرف بہ اسلام ہوئیں، ہجرت کی، رسول اللہ ﷺ ان سے محبت کرتے تھے، آپ ﷺ کی بچیوں میں سے ان کی شادی سب سے پہلے ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، ابوالعاص بن ربیع، مال تجارت اور امانت میں مکہ کے گنے چنے لوگوں میں سے تھے، وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے، ان کی والدہ حضرت خدیجہ کی سگی بہن ہالہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں، حضرت خدیجہ نے نزول وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ان کی شادی (زینب سے) کردیں، رسول اللہ ﷺ ان کی بات مانتے تھے چنانچہ آپ نے ان کی شادی کردی، حضرت خدیجہ ان کو اپنے بچے کی طرح مانتی تھیں، جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا تو حضرت خدیجہ اور ان کی بچیاں مشرف بہ اسلام ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے سامنے اللہ کا حکم پیش کیا تو وہ سب ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہا: تم نے محمد (ﷺ) کو غموں سے چھٹکارا دے رکھا ہے، ان کی بچیوں کو واپس کرکے انھیں ان کے سلسلے میں مشغول کردو۔ ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے کہا: تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، ہم تمھاری قریش کی جس عورت سے چاہو گے شادی کردیں گے، جواباً انھوں نے کہا: اللہ کی قسم میں اپنی بیوی کو طلاق نہیں دوں گا، مجھے ان کے بدلے قریش کی کوئی عورت پسند نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے داماد کی تعریف کرتے تھے۔ ❸

ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ سرزمین شام کی جانب ان کے تجارتی سفر میں انھیں حضرت زینب کی یاد آئی تو انھوں نے کہا: ❹

---

❶ الدوحة النبوية الشريفة (ص ٣١) الذرية الطاهر للدولابی (ص ٤٢)

❷ الدوحة النبوية الشريفة (ص: ٣١).

❸ سيرة ابن هشام (٢/ ٢٩٦)

❹ طبقات ابن سعد (٨/ ٣٢)، مستدرك الحاكم (٤/ ٤٤).

ذكـــرت زيـــنــب لــمــا وركــت إرمــا
فـقـلـت ، سـقـيـا لشخص يسكن الحرما

''جب میں منزل کا پتہ دینے والے پتھروں پر لیٹا تو مجھے زینب کی یاد آئی اور میں نے کہا: حرم میں رہنے والی۔''

بـنـت الأمـيـن جـزاهـا الـلـه صـالـحـة
و كـل بـعـل سيثـنـي بـالـذي عـلـمـا ❶

''امین وحی کی نیک بچی کو اللہ سیراب کرے، انھیں جزائے خیر دے، ہر شوہر وہی تعریف کرتا ہے جسے وہ جانتا ہے۔''

۱...... **حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اپنے شوہر سے وفاداری:** ......جس طرح ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت زینب کی وفادار تھے، وہ بھی ایسے ہی تھیں، ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اسلام لانے سے انکار کر دیا وہ اسلام لانے کے باوجود اپنے شوہر ہی کے ساتھ رہیں، جب معرکۂ بدر پیش آیا تو ابوالعاص رضی اللہ عنہ کفار قریش کے ساتھ لڑنے گئے، قیدیوں کے ساتھ قید کر لیے گئے۔ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کے فدیہ میں مال بھیجا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے فدیہ میں مال بھیجا، جس میں ان کا وہ ہار تھا جسے حضرت خدیجہ نے انھیں دے کر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی کے موقع پر رخصت کیا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو آبدیدہ ہو گئے اور مسلمانوں سے کہا:

((إِنْ رَأَيْتُمْ أَنْ تُطْلِقُوْا لَهَا أَسِيْرَهَا وَتَرُدُّوْا عَلَيْهَا مَا لَهَا فَافْعَلُوْا .))

''اگر تمھاری رائے ہو کہ تم ان کے قیدی کو آزاد کر دو اور ان کا مال واپس کر دو تو ایسا کرو۔''

تو لوگوں نے کہا: ٹھیک ہے اے اللہ کے رسول! لوگوں نے انھیں آزاد کر دیا اور ان کا مال واپس کر دیا۔ ❷

ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ گفتگو کے مفہوم پر غور کریں، اس کی بہترین عبارت اور معیاری ادب کو دیکھیں تاکہ ہم اسے اپنی زندگی میں اپنا سکیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں بے دست و پا عورتوں میں سے تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر سے خفیہ عہد لے لیا تھا کہ وہ حضرت زینب کو ان کے پاس جانے دیں گے، چنانچہ انھوں نے اس عہد کو پورا کرتے ہوئے زینب کو جانے دیا، وہ مدینہ کے راستے میں سخت آزمائش سے دوچار ہوئیں۔ ❸

❶ الدوحة النبوية الشريفة (ص ٣١)　❷ سير اعلام النبلاء (٤٧٢)
❸ تاريخ الإسلام للذهبى ، المغازى (ص ٦٩)

ب: آپ کے شوہر کا اسلام اور ان کی امانت داری :...... جب اسلام کے باعث دونوں میں جدائی ہوئی تو ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ مکہ میں رہنے لگے، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں رہنے لگیں، فتح مکہ سے کچھ پہلے ابوالعاص (جو امین تھے) اپنے اور قریش کے چند لوگوں کے اموال کو لے کر بغرض تجارت ملک شام گئے، واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دستے سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ان کے پاس جو کچھ تھا ان لوگوں نے لے لیا، اور وہ ان کی دسترس سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے، جب دستہ مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ابوالعاص رضی اللہ عنہ رات میں آئے اور حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے، ان سے پناہ طلب کی، انھوں نے پناہ دے دی، وہ اپنے مال کی تلاش میں آئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھانے نکلے، لوگوں نے آپ کے پیچھے تکبیر پکار کر نماز شروع کردی، ایسے میں حضرت زینب نے عورتوں کے چبوترے سے بآواز بلند کہا: اے لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دے دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا: لوگو! جو کچھ میں نے سنا کیا تم لوگوں نے اسے سنا؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جو کچھ تم نے سنا اس کو سننے سے پہلے مجھے اس سلسلے میں کچھ علم نہیں ہے، بلاشبہ مسلمانوں کا ادنیٰ آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے۔ پھر آپ گھر لوٹے، اپنی بچی کے پاس گئے اور کہا: اے میری لاڈلی! انھیں عزت سے رکھو، خیال رہے کہ وہ تم سے ازدواجی تعلق نہ قائم کریں کہ تم ان کے لیے حلال نہیں ہو۔

مال چھیننے والے دستہ کے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا بھیجا اور کہا: ہمارے نزدیک اس شخص کی حیثیت کا تمھیں علم ہے، تم نے ان کا مال چھین لیا ہے، اگر تم احسان کرو اور ان کو ان کا مال واپس دے دو تو میں اسے پسند کروں گا، اور اگر تم انکار کرتے ہو تو یہ تمھارے لیے اللہ کی جانب سے مال غنیمت ہے، تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ہم انھیں واپس دے رہے ہیں، چنانچہ ان کو واپس دے دیا، ایک ڈول لا رہا ہے، دوسرا گھڑا اور لوٹا لا رہا ہے، تیسرا بہنگی ❶ لا رہا ہے۔ وہ مال لیے ہوئے مکہ پہنچے، قریش کے ہر صاحب مال کو اس کا مال واپس کردیا، پھر کہا: اے قریش کے لوگو! کیا میرے پاس تم میں سے کسی کا مال باقی رہ گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ایسا ہرگز نہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے، ہم نے آپ کو وفادار اور اچھا پایا۔ اس کے بعد انھوں نے کہا: میں کلمۂ توحید "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کا اعلان کر رہا ہوں۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام لانے سے یہ خوف مانع تھا کہ تم یہ گمان کرنے لگ جاتے کہ میں نے تمھارے اموال کو کھا جانے کا ارادہ کرلیا ہے، اب جب کہ اللہ نے ان اموال کو تم تک پہنچا دیا ہے اور میں ان سے بری الذمہ ہو چکا ہوں میں

❶ ایسی لکڑی جس کے دونوں سرے پر رسی لٹکتی ہے، ان پر بوجھ لاد کر لے جایا جاتا ہے۔

نے اسلام قبول کرلیا ہے، پھر نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے۔ ❶

عامر شعبی وغیرہ سے روایت ہے کہ ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ جب مشرکین کے اموال لیے ملک شام سے آرہے تھے ان سے کہا گیا: کیا تمھاری چاہت ہے کہ تم اسلام لے آؤ اور مشرکین کا یہ سب مال لے لو۔ ابوالعاص نے کہا: امانت میں خیانت سے اسلام کی ابتداء بہت بری بات ہے۔ ❷

ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے اقوال سے ہم امانت داری، غیر مسلموں تک سے حسن اخلاق سے پیش آنا جیسے اہم باتوں کو سیکھ سکتے ہیں، اس لیے مسلمان کو کسی بھی حالت میں امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔

جب ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے ان کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے پاس عقد قدیم کے ساتھ لوٹا دیا، عقد جدید نہیں کیا۔ ❸

حضرت زینب اور ان کے شوہر کے مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس جانے سے متعلق بہت ساری روایتیں وارد ہیں، لیکن تمام روایتیں رسول اللہ ﷺ کے لیے ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی وفاداری اور مکہ سے نکلتے ہوئے حضرت زینب کے حق میں مشرکین کی ایذا رسانی پر متفق ہیں۔ ❹

ج: **آپ کی وفات اور اولاد:** ...... عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ ایک شخص زینب بنت رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی کر رہا تھا، اسی اثناء میں قریش کے دو آدمی اس کے پاس پہنچے، اس سے لڑنے لگے، اسے مغلوب کر کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دھکیل دیا، وہ ایک چٹان پر گر پڑیں، ان کا حمل ساقط ہوگیا، بہت سارا خون بہ گیا، لوگ ان کو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے، بنو ہاشم کی عورتیں آئیں تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے حوالے کر دیا، اس کے بعد جب ہجرت کر کے آئیں تو ان کی تکلیف باقی تھی، اسی تکلیف میں ان کا انتقال ہوگیا، اس لیے لوگوں کے خیال میں آپ شہیدہ ہیں، ان کا انتقال ۸ھ کی ابتداء میں ہوا۔ ❺

رسول اللہ ﷺ کی دیکھ ریکھ میں ان کی تجہیز و تکفین ہوئی۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا کہ جب زینب بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا: تم انھیں طاق عدد یعنی تین یا پانچ مرتبہ نہلاؤ، پانچویں مرتبہ میں کافور کا استعمال کرو، جب غسل دے چکو تو مجھے بتلاؤ، کہتی ہیں کہ آپ نے ہم کو اپنا ازار دیا

---

❶ تاریخ الإسلام للذهبي، المغازي (ص ۷۰)
❷ دلائل النبوة للبيهقي (۱/ ۱۵٤)
❸ الدوحة النبوية الشريفة (ص ٤۱)
❹ الدوحة النبوية الشريفة (ص ٤۱)
❺ مجمع الزوائد للهيثمي (۹/ ۲۱٦)

اور کہا کہ ان کو اس میں لپیٹ دو۔ ❶

اس طرح ہم رسول اللہ ﷺ کی مصیبتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں، یہاں تک کہ ان کا اثر آپ کی بچیوں تک پہنچا، پھر بھی آپ بہ نیت ثواب صبر کرتے ہوئے دعوت کا کام انجام دیتے رہے، یہیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی سربلندی کا راستہ بڑا صبر آزما اور قربانیوں کا طالب ہے۔

حضرت زینب کے بطن سے ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی دو اولاد امامہ اور علی رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے۔ علی رضی اللہ عنہ کم عمری ہی میں انتقال کر گئے۔ دوسرے قول کے مطابق نبی کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ بلوغت کے قریب پہنچ چکے تھے، رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ میں داخل ہوئے تو وہ اونٹنی پر آپ کے ردیف تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک امامہ کی بڑی قدر و منزلت تھی، آپ نماز کی امامت کراتے ہوئے انھیں اپنے کندھے پر اٹھائے رہتے۔

ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھاتے ہوئے اس حال میں دیکھا کہ آپ اپنی نواسی امامہ بنت ابوالعاص کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے، جب جھکتے اتار دیتے، اور جب کھڑے ہوتے اٹھا لیتے۔ ❷

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نجاشی نے چند زیور نبی کریم ﷺ کو بطور ہدیہ دیے، اس میں حبشی نگینہ والی سونے کی انگوٹھی تھی، آپ نے اسے لے لیا، آپ کو اس کی چاہت نہیں تھی، اپنی نواسی امامہ بنت زینب کو دے دی اور کہا: اے لاڈلی! تم اس کو پہن لو۔ ❸

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچے، آپ یمنی مونگوں والا ہار لیے ہوئے تھے۔ فرمایا: میں اسے اپنے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ محبوب کو دوں گا، انھوں نے کہا: آپ اسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بچی (عائشہ) کو دیں گے، آپ نے اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو بلایا، اور ان کو اپنے ہاتھ سے ہار پہنا دیا۔ ❹ ان کی آنکھ میں کیچڑ تھا، آپ نے اسے اپنے ہاتھ سے صاف کر دیا۔

امامہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں، یہاں تک کہ ان کی خالہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی۔ ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ نے اپنی بچی کے بارے میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو وصی بنا دیا تھا، چنانچہ

---

❶ صحیح مسلم ، کتاب الجنائز (۲/ ۶۴۸)، طبقات ابن سعد (۸/ ۳۴)

❷ صحیح مسلم ، رقم(۵۴۳)

❸ مسند احمد (۶/ ۱۰۱ ، ۲۶۱) اس کی سند ضعیف ہے۔ الدوحۃ النبویۃ الشریفۃ (ص: ۴۳)

❹ طبقات ابن سعد (۸/ ۴۰)۔ الاستیعاب لابن عبدالبر (۴/ ۲۴۵)۔ الدوحۃ النبویۃ الشریفۃ (ص: ۴۳).

انھوں نے ان کی شادی علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے کردی۔ حضرت علی کی شہادت کے وقت وہ ان کے پاس تھیں، ان کے بعد مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی، انھی کے پاس وفات پائیں۔ امامہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور نہ ہی مغیرہ بن نوفل کی۔

دوسرے قول کے مطابق ان کے بطن سے مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ایک لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام یحیٰی تھا، ان کی وفات ہوگئی، اس طرح زینب رضی اللہ عنہا کی نسل آگے نہ بڑھ سکی۔

۲۔ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

آپ حضرت زینب کے بعد پیدا ہوئیں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۳ سال کی تھی، اپنی والدہ حضرت خدیجہ کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں، عتبہ بن ابی لہب نے ان کی شادی ہوگئی تھی، جب ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝﴾ کا نزول ہوا، تو ان سے ابولہب نے کہا کہ میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو طلاق نہ دے دے، انھوں نے خود اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ سے طلاق کا مطالبہ کیا اس وقت تک ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ عتبہ سے اس کی ماں ام جمیل (جسے قرآن نے ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ کہا ہے) نے کہا: اے عتبہ! تو رقیہ کو طلاق دے دے وہ بے دین ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس نے ان کو طلاق دے دی، اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی کرتے ہوئے اور عتبہ کی تذلیل کرتے ہوئے ان کو اس کی دسترس سے آزاد کردیا، پھر ان کی شادی مکہ میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، اور انہوں نے انھیں اپنے ساتھ لیے ہوئے حبشہ پھر مدینہ کی جانب ہجرت کی، چنانچہ انھیں دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا۔ ❶

غزوۂ بدر کے بعد مدینہ میں ان کی وفات ہوئی، ابن شہاب زہری سے مروی ہے، فرمایا: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے، وہ خسرہ کی بیماری میں مبتلا ہوگئی تھیں، حضرت زید بن حارثہ جنگ بدر کی خوشخبری دینے آئے تو حضرت عثمان حضرت رقیہ کی قبر پر تھے۔

ابوعمر ابن عبدالبر کا قول ہے، اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حصہ اور اجر مقرر کیا۔ ❷ حبشہ میں رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت عثمان کے لڑکے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی، انھی کے باعث ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی، دو سال کے ہوئے، دوسرے قول کے مطابق چھ سال کے ہوئے تو مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگ ماردی، نتیجتاً آپ کا چہرہ سوج گیا، بیمار ہوگئے، اور وفات پاگئے، دوسرے قول کے مطابق حضرت عثمان

❶ الدوحة النبوية الشريفة (ص: ٤٤)۔ تفسير القرطبي (٤/ ٢٤٢).

❷ الاستيعاب (٤/ ١٩٥٢)

کی ذات سے ان کے بطن میں قرار پانے والا حمل ساقط ہوگیا، پھر عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی، ان کے علاوہ ان کی وفات تک کسی اور بچے کی پیدائش نہیں ہوئی۔ ❶

طبقات میں ابن سعد کا قول ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان کے ساتھ سرزمین حبشہ کی جانب دوبارہ ہجرت کی، پہلی ہجرت میں ان کا ایک حمل ساقط ہوا، پھر اس کے بعد ان کے بطن سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی، انھی کے باعث حضرت عثمان کی کنیت زمانہ اسلام میں ابوعبداللہ تھی۔ ❷ اس طرح ان کی نسل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ ❸

۳۔ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تیسری خالہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، اپنی کنیت سے معروف تھیں، مصعب زبیری سے روایت کرتے ہوئے امام حاکم نے ان کا نام ''امیہ'' ذکر کیا ہے۔ وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عمر میں بڑی تھیں۔ ❹ ان سے عتیبہ بن ابولہب کی شادی ہوچکی تھی۔ وہ عتبہ کا بھائی تھا، جس کی شادی ان کی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہوچکی تھی، دونوں کی رخصتی نہیں ہوئی تھیں، اس کو اس کے ماں اور باپ نے حکم دیا کہ وہ ان کو طلاق دے دے، جس طرح اس کے بھائی کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بہن رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دے، وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: تم اپنے دین کے منکر ہوگئے ہو، میں نے تمھاری بچی کو طلاق دے دی، تمھارے اور میرے مابین کوئی محبت نہیں، پھر اس نے آپ ﷺ پر حملہ کردیا، آپ کی قمیص کو پھاڑ دیا، وہ ملک شام جارہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا إِنِّي أَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يُّسَلِّطَ عَلَيْكَ كَلْبًا مِنْ كِلَابِهِ .))

''میں اللہ سے اس بات کی دعا کررہا ہوں کہ وہ تم پر کسی کتے کو مسلط کردے۔''

چنانچہ وہ قریش کے تاجروں کے ساتھ ملک شام گیا، وہ لوگ مقام ''زرقاء'' میں ٹھہرے، اس رات ان کے پاس شیر پہنچا، عتیبہ کہنے لگا: ہائے میری بربادی، اللہ کی قسم محمد کی بددعا کے مطابق وہ مجھے کھا جانے والا ہے، کیا ابن ابی کبشہ مکہ میں ہوتے ہوئے مجھے قتل کرنے والا ہے، جب کہ میں ملک شام میں ہوں، لوگوں میں سے شیر نے اس پر حملہ کیا، اس کا سر پکڑ کر جبڑوں کے مابین دبا دیا اور مار ڈالا۔ ❺

---

❶ الذرية الطاهرة للدولابي (ص ٥٣)۔ الدوحة النبوية الشريفة (ص: ٤٥).

❷ طبقات ابن سعد (٨/ ٣٦) ❸ الدوحة النبوية الشريفة (ص ٤٥)

❹ الدوحة النبوية الشريفة (ص ٤٦)

❺ المعجم الكبير للطبراني (٢٢/ ٤٣٥، ٤٣٦) اس میں زہیر بن علاء ضعیف راوی ہیں۔ الذرية الطاهرة للدولابي (رقم: ٧٦)

جب عتیبہ بن ابولہب نے ان کو طلاق دے دی تو وہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہیں، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کی جانب ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ ❶

ا: ان کی شادی :......سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو داغ مفارقت دیا اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کو ان کے شوہر نے، حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہا: کیا تمھیں حفصہ کی چاہت ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہیں مانی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تمھیں اس سے بہتر کی چاہت ہے؟ میں حفصہ سے شادی کر لیتا ہوں، اور عثمان کی شادی ان سے بہتر ام کلثوم سے کر دیتا ہوں۔ ❷

ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ربیع الاول ۳ھ میں ہوئی، اور جمادی الاولیٰ میں ان کی رخصتی ہوئی۔❸ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بچی کے پاس آئے وہ حضرت عثمان کا سر دھلا رہی تھیں، آپ نے فرمایا: تم ابوعبداللہ کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ وہ مجھ سے اخلاق میں تمام صحابہ سے زیادہ مشابہ ہیں۔ ❹

ب: ان کی وفات :......ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ہی رہیں یہاں تک کہ شعبان ۹ھ میں وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی، ان کی قبر کے کنارے بیٹھے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا، کہتے ہیں میں نے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھا، آپ نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے رات میں ہم بستری نہ کی ہو؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔ آپ نے فرمایا: تم ان کی قبر میں اترو۔ ❺

انھیں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے غسل دیا، ان کے غسل میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا حاضر تھیں، اور انہوں نے ہی رسول اللہ ﷺ کے قول ((اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ .)) (انھیں تین یا پانچ یا اس سے زیادہ مرتبہ غسل دو) کو بیان کیا ہے۔ ❻

طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ علی بن ابوطالب، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور

---

❶ الدوحة النبوية الشريفة (ص ٤٦)

❷ المستدرك للحاكم (٤/ ٤٩) حدیث صحیح ہے۔

❸ سنن ابن ماجه رقم (١١٠) اس میں ضعف پایا جاتا ہے۔

❹ مجمع الزوائد و منبع الفوائد (٩/ ٨١) ہیثمی نے کہا: اس کی سند میں محمد بن عبداللہ ہیں جو مطلب سے روایت کرتے ہیں، میں انھیں نہیں جانتا ہوں بقیہ راوی ثقہ ہیں۔

❺ صحيح البخاری ، كتاب الجنائز (٣/ ٢٠٨ ، رقم ١٢٨٥)

❻ صحيح البخاری (رقم ١٣٥٣)

ابوطلحہ (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ ان کی قبر میں اترے، اور ان کو غسل دینے والیاں، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا ہیں۔ ❶

ج: ان کی اولاد:......علما کا اتفاق ہے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ❷

عجیب وغریب بات ہے کہ شیعہ نبی ﷺ کی بچیوں کے نسب کی صحت پر تنقید کرتے ہیں، اس کے باوجود قرآن کریم، حدیث نبوی، اور تاریخ اسلامی کی مخالفت کرتے ہوئے وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ انھیں نبی ﷺ سے محبت ہے، ان کی تردید کے لیے اللہ کا یہ قول کافی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ (الاحزاب: ۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

چنانچہ قرآن مجید نے آپ کی بچیوں کا تذکرہ صیغۂ جمع سے کیا ہے۔

---

❶ الطبقات (۸/ ۳۸، ۲۹)۔ الاستیعاب (رقم: ۳۰۶۳)۔

❷ طبقات ابن سعد (۸/ ۳۸)۔ الاستیعاب لابن عبدالبر (۴/ ۴۸۷)۔ الإصابة (۴/ ۴۸۹)۔ مجمع الزوائد (۹/ ۲۱۷)۔ عیون الأثر لابن سید الناس (۲/ ۳۸۰۔ الدوحة النبویة الشریفة (ص: ۴۹)۔

(۲)

حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی والدہ سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا

آپ ام المتقین، بنی آدم کے سردار رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، آپ کی والدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں، آپ کی کنیت دادی کے نام پر تھی۔ ❶ آپ کی ولادت بعثت سے پہلے نبی اللہ ﷺ کی ولادت کے پینتیس سال بعد ہوئی۔ ❷ جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی، ان کے بطن سے حضرت علی کے تین بچے حسن، حسین، محسن رضی اللہ عنہم اور دو بچیاں زینب، ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، ان کی وفات نبی کریم ﷺ کی وفات کے چھ مہینے بعد ہوئی رضی الله عنها و أرضاها. ❸

ا۔ ان کا مہر اور ان کے برتنے کے سامان:

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا پیغام رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے لگا، تو میری لونڈی نے مجھ سے کہا: تمھیں معلوم ہے کہ فاطمہ کی شادی کا پیغام رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے لگا ہے، میں نے کہا: نہیں، اس نے کہا: آنے لگا ہے تو آپ کو کوئی چیز مانع ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام لے کر جائیں اور آپ ﷺ آپ کی شادی کر دیں؟ میں نے کہا: کیا میرے پاس کچھ ہے جس کے عوض میں شادی کرلوں؟ اس نے کہا: آپ اگر رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں تو وہ آپ سے شادی کر دیں گے۔ فرماتے ہیں کہ وہ مجھے امید بندھاتی رہی، یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، میں آپ کے دائیں جانب چپ چاپ بیٹھ گیا، اللہ کی قسم مجھے آپ سے آپ کے رعب وجلال کے باعث گفتگو کی ہمت نہ ہوئی، آپ نے فرمایا: شاید تم فاطمہ کی شادی کا پیغام دینے آئے ہو، میں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: تمھارے پاس کچھ ہے جس کے عوض وہ تمھارے لیے حلال ہوجائے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ زرہ تم نے کیا کی جس کو دے کر میں نے تم کو مسلح کیا تھا؟

میں نے کہا: میرے پاس ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تمھاری اس سے شادی کر دی، تم اسے اس کے پاس بھیج دو، اس کے عوض وہ تمھارے لیے حلال ہوجائے گی، یہی فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا مہر تھا۔ ❹

---

❶ أسد الغابة (٥/ ٥٢٠) الإصابة (٤/ ٣٦٥)

❷ الطبقات لابن سعد (٨/ ٢٦)

❸ حلية الأولياء (٢/ ٣٩)۔ سير أعلام النبلاء (٢/ ١١٨).

❹ دلائل النبوة للبيهقي (٣/ ١٦٠) اس کی سند حسن ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو درج ذیل برتنے کا سامان دیا، چادر، گھڑا، اذخر بھرا چمڑے کا تکیہ۔ ❶

اس مبارک شادی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے تعاون کا تذکرہ شیعی روایات میں اس طرح آیا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنی زرہ کو لے کر بازار گیا، اسے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے چار سو درہم کے عوض بیچ دیا، جب میں نے ان سے درہم لے لیے، اور انھوں نے مجھ سے زرہ لے لی، تو انہوں نے فرمایا: اے ابوالحسن کیا میں زرہ کا تم سے زیادہ حقدار اور تم درہم کے مجھ سے زیادہ حقدار نہیں ہو؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: یہ زرہ میری جانب سے تم کو ہدیہ ہے۔ میں زرہ و دراہم لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ کے سامنے زرہ اور دراہم کو رکھ دیا، اور حضرت عثمان کے تعامل کا آپ سے تذکرہ کیا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر کی۔ ❷

۲۔ان کی رخصتی:

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی رخصتی میں شریک تھی، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ دروازہ کے پاس آئے اور فرمایا: اے ام ایمن میرے بھائی کو بلاؤ، انھوں نے کہا: وہ آپ کے بھائی ہیں، جب کہ آپ ان کی شادی کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اے ام ایمن۔ وہ کہتی ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، رسول اللہ ﷺ نے ان پر پانی چھڑکا اور ان کے حق میں دعا کی، پھر فرمایا: فاطمہ کو بلاؤ، وہ کہتی ہیں کہ وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں، ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم خاموش ہو جاؤ، میں نے تمھاری شادی اپنے اہل بیت میں سے سب سے زیادہ محبوب شخص سے کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر پانی چھڑکا، ان کے حق میں دعا کی، وہ کہتی ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے، اپنے سامنے ایک ہیولے کو دیکھا، فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: میں، آپ نے فرمایا: تم اسماء ہو؟ میں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: اسماء بنت عمیس ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: تم رسول اللہ ﷺ کی عزت افزائی کے لیے ان کی بچی کی رخصتی میں آئی ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے میرے حق میں دعا کی۔ ❸ اس واقعہ میں اعلیٰ معاشرتی قدروں میں سے جو چیز نمایاں ہے وہ مختلف معاشرتی امور میں معاشرہ کے لوگوں کا باہمی تعاون ہے۔

۳۔دعوت ولیمہ:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا پیغام دیا،

---

❶ مسند فاطمة الزهراء و ما ورد فی فضلها ، تحقیق: فواد أحمد زمرلی (ص ۱۸۹)

❷ کشف الغمة للأربلی (۱/ ۳۵۹) نقلًا من الشیعة و اهل البیت (ص ۱۳۷ ، ۱۳۸)۔

❸ فضائل الصحابة (۲/ ۹۵۵) رقم: ۳۴۲۔ اس کی سند صحیح ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شادی کی دعوت (ولیمہ) ضروری ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایک مینڈھا مہیا کروں گا، اور انصار کے کچھ لوگوں نے آپ کے لیے چند صاع مکئی مہیا کیے، رخصتی کی رات آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی میری ملاقات سے پہلے کچھ مت کرنا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے پانی طلب کیا، اس سے وضو کیا، پھر اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر انڈیل دیا اور فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا ، وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ فِيْ شِبْلِهِمَا .)) ❶

''اے اللہ! ان دونوں میں برکت عطا فرما، ان دونوں پر برکت نازل فرما، ان دونوں کی اولاد میں برکت عطا فرما۔''

۴۔ حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کا رہن سہن:

حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھے، پھر بھی ان کی زندگی زہد و تنگ حالی، صبر اور محنت والی زندگی تھی، ہناد عطاء سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، مجھے بتایا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: چند دن گزر گئے نہ ہمارے پاس کچھ تھا اور نہ ہی اللہ کے نبی ﷺ کے پاس، میں نکلا، راستے میں پڑا ایک دینار پایا، کچھ دیر رک کر اس کو لے لینے یا چھوڑ دینے سے متعلق سوچتا رہا، پھر اپنی پریشان حالی کے باعث اسے لے لیا، اور آٹے کے تاجروں کو دے کر آٹا خرید لیا، آٹا لیے ہوئے فاطمہ کے پاس آیا اور کہا: اس کو گوندھو، وہ گوندھنے لگیں، اور ان کی پریشان حالی کے باعث ان کے سینے کی ہڈی آٹے کے برتن کو چھو رہی تھی، پھر انھوں نے روٹی پکائی، میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر ماجرا بیان کیا، آپ نے فرمایا:

((كُلُوْا فَإِنَّهُ رِزْقٌ رَزَقَكُمُوْهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ .)) ❷

''کھاؤ، یہ ایسا رزق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمھیں عطا کیا ہے۔''

شعبی سے روایت ہے کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے فاطمہ بنت محمد ﷺ سے شادی کی۔ میرے اور ان کے لیے ایک مینڈھے کے چمڑے کے علاوہ کوئی اور چیز بچھانے کی نہ تھی، ہم اس پر رات میں سوتے، دن میں اس پر اپنے پانی لانے والے اونٹ کے لیے چارہ ڈالتے، ہماری خدمت کے لیے اس کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ ❸

مجاہد سے روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مدینہ میں میں ایک بار سخت بھوک سے دوچار ہوا، عوالی

---

❶ المعجم الکبیر للطبرانی (۱۱۵۳) فضائل الصحابۃ (۲/ ۸۵۸) اس کی سند صحیح ہے۔

❷ کنز العمال (۷/ ۳۲۸) ، المرتضی للندوی (ص ۴۱)

❸ کنز العمال (۷/ ۱۳۳) ، المرتضی للندوی (ص ۴۱)

مدینہ میں جا کر کام تلاش کرنے لگا، میں نے ایسی عورت کو دیکھا جس نے خشک مٹی جمع کر رکھی تھی، میرے خیال میں وہ اس کو بھگونا چاہتی تھی، میں اس کے پاس آیا اور اس سے ہر ڈول کے بدلے ایک چھوہارا طے کر لیا، سولہ ڈول پانی کھینچا، میرے دونوں ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، پھر میں نے پانی پیا، اس کے پاس آیا اور کہا: اتنا بس ہے، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دکھا کر سمیٹ لیے، اس نے مجھے سولہ چھوہارے گن کر دیا، میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ کو بتلایا، چنانچہ آپ نے بھی اسی میں سے کھایا۔ ❶

اس واقعے میں مدینہ میں حضرت حسن کے والد کی پریشان حالی کا ذکر ہے۔اس سے پریشانیوں کو برداشت کرنے کے لیے مشروع طرز عمل کا پتہ چلتا ہے، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حلال کمائی کے واسطے اپنے ہاتھوں کام کرنے کے لیے نکل پڑے، بیٹھ کر محسنین کے عطیات کا انتظار نہ کیا۔

اس واقعے سے قوت برداشت کا پتہ چلتا ہے، طاقت کو کمزور کر دینے والی سخت بھوک میں مبتلا ہونے کے باوجود مشقت سے بھرپور کام کو انجام دیا۔

اس واقعے سے احباب کے لیے وفاداری و ایثار کا پتہ چلتا ہے اس لیے کہ سخت بھوک اور مشقت سے بھرپور کام انجام دینے کے باوجود چھوہاروں کی اجرت کو بچا کر رکھا، یہاں تک نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوئی، تو آپ نے بھی ان کے ساتھ کھایا۔ ❷

اس واقعے سے سب سے زیادہ اہم سبق یہ ملتا ہے کہ انسان کی مادی محتاجی اور مالداری اللہ کی بندے سے محبت اور عدم محبت کا معیار نہیں ہے، حقیقی معیار اللہ کا تقویٰ ہے، اس معیار پر ہمیں لوگوں کو پرکھنا چاہیے۔

۵۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا زہد و صبر:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی والدہ کی زندگی بڑی ہی سادہ تھی، اس میں خوشحالی کے بجائے تنگ دستی نمایاں تھی، ❸ آنے والا واقعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی اور ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کی تصویر کشی کرتا ہے جب آپ ﷺ سے انھوں نے لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کو طلب کیا تھا۔

ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ کی قسم پانی مہیا کرتے کرتے میرا سینہ درد کرنے لگا ہے، فرمایا: اور اللہ نے آپ کے والد کے پاس لونڈیاں فراہم کر دی ہیں، جاؤ اور آپ ﷺ سے خادمہ کا مطالبہ کرو، وہ کہتی ہیں، چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں۔ چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئی، آپ نے فرمایا: اے میری لاڈلی بچی کس لیے آئی ہو؟ انھوں نے کہا: میں آپ سے سلام کرنے آئی

---

❶ صفۃ الصفوۃ (۱/ ۳۲۰)۔ الموسوعۃ الحدیثیۃ ، مسند احمد (۱۱۳۵) اس کی سند ضعیف ہے۔

❷ التاریخ الاسلامی للحمیدی (۱۹/ ۴۹، ۵۰)　　❸ معین السیرۃ للشامی (ص ۲۵۵)

ہوں، اور شرم کے مارے مطالبہ نہیں کیا، لوٹ گئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے کیا کیا؟ انھوں نے کہا: مارے شرم کے میں مطالبہ نہ کر سکی، چنانچہ ہم دونوں آئے، حضرت علی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم پانی مہیا کرتے کرتے میرا سینہ درد کرنے لگا ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ تک غلام اور لونڈیوں کو پہنچایا ہے اور فراخی عطا کی ہے، اس لیے آپ ہمیں ایک خادمہ دے دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصحاب صفہ کو بھوکا چھوڑ کر میں تمھیں خادمہ نہیں دے سکتا، میرے پاس ان کے لیے اخراجات نہیں ہیں، میں انھیں بیچوں گا اور ان کی قیمت ان پر خرچ کروں گا، دونوں لوٹ آئے، پھر ان دونوں کے پاس نبی کریم ﷺ تشریف لائے، دونوں اپنی چادر میں تھے، جب سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا، آپ کی تشریف آوری کے باعث تیزی سے نکل جانے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے فرمایا: ٹھہرو، پھر فرمایا: کیا میں تمھیں اس سے اچھی چیز نہ بتلا دوں جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے، دونوں نے کہا: ضرور بتلائیے آپ نے فرمایا: چند کلمات ہیں جنھیں جبریل علیہ السلام نے مجھے سکھلایا، تم دونوں ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللّٰه، دس مرتبہ الحمد لله، دس مرتبہ اللّٰه اکبر کہو، اور جب اپنے بستر پر لیٹو تو تینتیس مرتبہ سبحان اللّٰه، تینتیس مرتبہ الحمد لله، چونتیس مرتبہ اللّٰه اکبر کہو۔ ❶

اس واقعے میں اخلاقی قدروں کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اپنی حکومت کو لاحق اقتصادی مشکل کو کس طرح حل کیا، آپ نے امور کی ترتیب اولویت کی بنیاد پر دی۔ اصحاب صفہ کی بھوک دور کرنا سخت ضروری تھا، حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے لیے خادمہ کی ضرورت اصحاب صفہ کی ضرورت جیسی نہیں تھی، بنابریں آپ نے اصحاب صفہ کو ترجیح دی، اقتصادی مشکلات کو حل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت سارے وسائل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس نبوی تربیت کا اچھا خاصا اثر تھا، ایک زمانہ گزرنے کے بعد آپ خلیفۃ المسلمین ہوگئے، چنانچہ اسی نبوی تربیت کا نتیجہ تھا کہ زمین کے تمام خزانے آپ کے ہاتھ میں تھے، پھر بھی آپ کو دنیا اور اس کی چمک دمک سے کوئی رغبت نہیں تھی، وجہ یہ تھی کہ آپ کا دل و دماغ ذکر الٰہی سے معمور تھا۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ تعلیم پر برابر عمل کیا، اس کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اللہ کی قسم میں نے ان کلمات کو اس وقت سے ترک نہیں کیا جب سے آپ نے مجھے سکھایا، آپ کے ساتھیوں میں سے ایک نے پوچھا: صفین کی رات بھی ترک نہیں کیا، آپ نے فرمایا: صفین کی رات بھی نہیں۔'' ❷

---

❶ صحیح البخاری (رقم ٣٧٠٥)، صحیح مسلم (رقم ٢٧٢٧)۔ السیرۃ النبویۃ لصلابی (٢/ ٩٩)

❷ صحیح مسلم (٤/ ٢٠٩٢)

۲۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور ان سے متعلق آپ کی غیرت:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب سفر کرتے تو مدینہ میں سب سے آخری کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانا ہوتا، اور جب سفر سے واپس ہوتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ کے پاس جاتے۔ ❶

ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ سے واپس آتے یا سفر کرتے تو ابتداء مسجد سے کرتے، اس میں دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر حضرت فاطمہ کے پاس آتے، پھر اپنی بیویوں کے پاس آتے۔ ❷

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: اٹھنے بیٹھنے سے متعلق وقار و تمکنت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ مشابہ تھیں، جب وہ آپ کے پاس جاتیں، آپ کھڑے ہوتے، انھیں بوسہ دیتے، اور اپنی جگہ پر بٹھاتے، جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس جاتے تو وہ کھڑی ہوتیں، آپ کو بوسہ دیتیں، اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ ❸ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیتیں۔ ❹

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے اہل بیت میں سے میرے نزدیک محبوب ترین فاطمہ ہیں۔'' ❺

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنی چاہی تو آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ((فاطمة بضعة منى فمن أغضبها أغضبنى)) ''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو اسے ناراض کرے گا وہ مجھے ناراض کرے گا۔'' ❻

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلق حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ دونوں کے مابین محبت تھی، معاملہ ویسا نہیں تھا جیسا کہ خودغرض دعویٰ کرتے ہیں۔ ❼

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا: بنو ہاشم بن

---

❶ مسند احمد (۵/ ۲۷۵)۔ الدوحة النبوية (ص ۵۶)

❷ الاستيعاب (۴/ ۳۷۶) اس کی سند میں ابوفروہ رہاوی ضعیف راوی ہیں۔

❸ صحيح مسلم (رقم: ۳۴۵۰)۔ صحيح سنن ابى داود (رقم ۵۲۱۷)

❹ سنن ابى داود (رقم ۵۲۱۷)۔ صحيح سنن ابى داؤد للالبانى (۳/ ۹۷۹)

❺ مسند الطيالسى (۲/ ۲۵) حدیث حسن صحیح ہے۔

❻ صحيح البخارى (رقم: ۴۱۷۳)

❼ أسمى المطالب فى سيرة امير المومنين على بن ابى طالب (۱/ ۱۳۶)

مغیرہ کے مجھ سے اس بات کی اجازت طلب کرنے پر کہ وہ اپنی بچی کی شادی علی بن ابی طالب سے کردیں، میں نے تین بار کہا کہ میں اجازت نہیں دے سکتا، علی بن ابوطالب چاہیں تو میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی بچی سے شادی کر سکتے ہیں، بلاشبہ میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ ❶

امام ترمذی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کا تذکرہ کیا، یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا:

((إِنَّمَا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ يُؤْذِيْنِيْ مَا آذَاهَا وَيُتْعِبُنِيْ مَا أَتْعَبَهَا .)) ❷

''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، اس کی تکلیف میری تکلیف ہے، اس کی پریشانی میری پریشانی ہے۔''

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب سے متعلق حاکم کی روایت کردہ یہ حدیث ہے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عورتوں میں سے محبوب ترین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ ❸

یہ حدیث صحیح بخاری میں وارد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض نہیں ہے، اس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، لوگوں میں سے کون آپ کے نزدیک محبوب ترین ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ، پوچھا گیا مردوں میں سے؟ آپ نے فرمایا: ان کے والد۔ ❹

اس حدیث کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ کی خاندان کی عورتوں میں سے محبوب ترین حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی سلسلے میں ابن العربی اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لوگوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین ابوبکر رضی اللہ عنہ، ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، خاندان کی عورتوں میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اس ترتیب سے حدیثوں کے مابین تعارض ختم ہو کر تطبیق ہو جاتی ہے۔'' ❺

۷۔ ان کی راست بازی:

امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی ہے کہ وہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتیں

---

❶ صحیح البخاری (رقم ٥٢٣٠)
❷ فضائل الصحابة (٢/ ٧٥٦، رقم ١٣٢٧) اس کی سند صحیح ہے۔
❸ المستدرك ، كتاب معرفة (٣/ ١٥٥) اس کی سند صحیح ہے۔
❹ صحیح البخاری (رقم: ٤٣٥٨)
❺ عارضة الاحوذی (١٣/ ٢٤٧، ٢٤٨)۔ العقيدة فی أهل البيت (ص ١٣٧)

تو کہتیں: میں نے ان کے والد کے علاوہ کسی کو ان سے زیادہ راست باز نہیں دیکھا۔ ❶

اس حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی واضح فضیلت بیان کی گئی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس میں اور سابقہ حدیث میں انھیں ہیئت، طور طریقہ، وقار و تمکنت اور راست بازی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ قرار دیا ہے۔ ❷

۸۔ دنیا و آخرت میں ان کی سرداری:

صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیثیں دنیا و آخرت میں ان کی سرداری کو واضح کرتی ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی عورتوں میں مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور فرعون کی بیوی آسیہ تمھارے لیے کافی ہیں۔ ❸

امام حاکم نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ جنتیوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔ ❹

اور امام بخاری رحمہ اللہ باب باندھتے ہوئے کہتے ہیں: "باب مناقب فاطمة" پھر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((فاطمة سيدة نساء اهل الجنة .)) ❺

''حضرت فاطمہ جنتیوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔''

۹۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں حضرت فاطمہ اور عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث طلب کر رہے تھے، اس وقت وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فدک والی زمین اور خیبر کے حصے کا مطالبہ کر رہے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے: ہماری میراث تقسیم نہیں کی جائے گی، جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ کر جائیں گے صدقہ ہوگا، ہاں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے کھائیں گے۔ ❻

دوسری روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے میں اس پر عمل کو

---

❶ المستدرك (٣/ ١٦٠، ١٦١)

❷ العقيدة في اهل البيت (ص ١٣٦)

❸ فضائل الصحابة (٢/ ٧٥٥، رقم ١٣٢٥) علامہ البانی نے مشکوۃ المصابیح (٣/ ٧٤٥) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

❹ فضائل الصحابة (٢/ ٧٥٥) (رقم ١٣٣٢) اس کی سند حسن لغیرہ ہے۔

❺ صحيح البخاري، كتاب فضائل الصحابة (٤/ ٢٥٢)

❻ صحيح البخاري (رقم ٦٧٢٦)

ترک نہیں کرسکتا، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے آپ کا کوئی حکم ترک کردیا تو میں بھٹک جاؤں گا۔ ❶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنا چاہا، تاکہ ان کے توسط سے ان سے وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی میراث کا مطالبہ کریں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: ہماری میراث تقسیم نہیں ہوگی، جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑیں گے صدقہ ہوگا۔ ❷

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے ورثاء ہماری میراث کا ایک دینار بھی تقسیم نہیں کریں گے، ازواج کے نفقہ اور اپنے خادم کے خرچ کے بعد جو کچھ میں چھوڑ کر جاؤں گا صدقہ ہوگا۔ ❸

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ تعامل قول رسول ﷺ کی بجاآوری کی بناء پر تھا، اسی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ کرتے تھے میں اس پر عمل کو ترک نہیں کرسکتا۔ ❹ نیز فرمایا: جس کام کو میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے اسے میں کروں گا۔ ❺

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حدیث سے استدلال اور معاملے کی وضاحت کر دینے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے اپنے نزاع کو ترک کردیا۔

اس واقعے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبول حق اور قول رسول ﷺ کو مان لینے کی صریح دلیل ہے، حق اور سچائی سے ہٹ کر شیعہ نے میراث نبی ﷺ سے متعلق بہت زیادہ غلو سے کام لیا ہے، ہم نے اپنی کتاب "اسمی المطالب فی سیرۃ أمیر المومنین علی بن أبی طالب"❻ میں ان کی دلیلوں کی قلعی کھول دی ہے، اور میراث سے متعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مابین جو کچھ ہوا اس کی حقیقت کو واضح کردیا ہے۔

۱۰۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رضا مندی کا اظہار:

یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئی تھیں، اور

❶ صحیح مسلم (رقم ۱۷۵۹)
❷ صحیح البخاری (رقم ٦٧٣)۔ صحیح مسلم (رقم ۱۷۵۸)
❸ صحیح البخاری (رقم ٦٧٢٩)
❹ صحیح مسلم رقم (۱۷۵۸)
❺ صحیح البخاری (٦٧٢٦)
❻ أسمی المطالب فی سیرۃ أمیر المومنین علی بن أبی طالب (۱/ ۱۹۹)

مرتے دم تک راضی تھیں، جیسا کہ امام بیہقی نے شعبی کی روایت ذکر کی ہے۔ کہتے ہیں جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے، اجازت چاہی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے فاطمہ ابوبکر صدیق تمھارے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، فرمایا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اجازت دے دوں؟ فرمایا: ہاں، چنانچہ انھوں نے اجازت دے دی، حضرت ابوبکر صدیق نے ان کے پاس پہنچ کر ان کی رضا مندی طلب کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم میں گھر بار، مال و دولت، اہل و عیال کو ترک کر کے اللہ و رسول اور تم اہل بیت کی رضا مندی کے لیے حاضر ہوا ہوں، وہ رضا مندی طلب کرتے رہے یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئیں۔ ❶ امام ابن کثیر کہتے ہیں: یہ سند عمدہ اور قوی ہے۔ واضح بات یہ ہے کہ عامر شعبی نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے یا اس سے سنا ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ ❷

اس حدیث سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراضی کے متعلق شیعوں کی تنقید ہوا ہو جاتی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شروع میں اگر ناراض تھیں تو بعد میں راضی ہو گئیں، اور رضا مندی کی حالت میں وفات ہوئی، ان سے سچی محبت کرنے والوں کو اس سے راضی ہی ہو جانا چاہیے جس سے وہ خود راضی ہو گئی تھیں۔ ❸

مذکورہ حدیث سے حضرت عائشہ کی یہ حدیث متعارض نہیں ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال کو کھائیں گے، اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ جیسا کچھ آپ کے زمانے میں تھا اس میں میں کچھ تبدیلی نہیں کر سکتا، اس میں جو کچھ آپ نے کیا وہی میں کروں گا، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا، اس وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں، ان سے قطع تعلق کر لیا اور وفات تک ان سے بات نہیں کی۔ ❹

اس لیے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم کے مطابق ہے، اور عامر شعبی والی حدیث میں علم کی زیادتی، ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے اور ان کی ان سے رضا مندی و گفتگو کا تذکرہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف نفی کا ہے اور عامر شعبی کا موقف اثبات کا ہے۔ علمائے اصول حدیث کے یہاں یہ بات طے ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے، اس لیے اثبات کا حصول نفی کرنے والے کے علم کے بغیر ممکن ہے، خصوصاً اس طرح کے مسئلے میں چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لیے جانا اتنا اہم معاملہ نہیں تھا جو

---

❶ السنن الکبری للبیهقی (٦/ ٣٠١)

❷ البدایة والنهایة (٥/ ٢٥٣)

❸ الانتصار للصحب و الآل (ص ٤٣٤)

❹ صحیح البخاري رقم (٤٢٤٠)، رقم(١٧٥)

لوگوں میں عام ہوتا اور تمام لوگ اس کو جان لیتے، یہ ایک معمولی واقعہ تھا جو وہاں سے غیر حاضر لوگوں پر مخفی رہ سکتا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ اس کے تذکرہ کی ضرورت نہ ہونے کے باعث اس کے نقل کرنے پر خاطر خواہ توجہ دی جائے۔

ساتھ ہی ساتھ علما نے ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس پوری مدت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قطع تعلق کا بالقصد ارادہ نہیں کیا تھا، ان کے جیسی شخصیت اس بات سے مبرا ہوگی اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قطع تعلق سے روکا ہے، ان کی عدم گفتگو کا سبب ضرورت کا فقدان تھا۔ ❶

صاحب "المفہم" قرطبی حضرت عائشہ کی سابقہ حدیث کی شرح میں کہتے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سانحہ اور گھر سے باہر نہ نکلنے کے باعث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہ کرسکیں، راوی نے اس کو قطع تعلق سے تعبیر کر دیا، ورنہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ .)) ❷

"کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔"

اور وہ حلال وحرام کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے بہت دور رہنے والی تھیں، اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر اور جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ ❸

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام چیزوں سے منقطع ہو کر اپنے والد کی وفات کے حادثہ جان کاہ کے غم و الم میں مشغول رہیں، اس حادثہ کی مصیبت کے مقابلے میں تمام مصیبتیں ہیچ تھیں، اسی طرح صاحب فراش بنا دینے والی اپنی بیماری کے باعث امت کے امور، ارتداد کی جنگوں وغیرہ میں ہر آن مشغول خلیفۃ المسلمین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے کو کون کہے؟ کسی بھی معاملے میں شرکت سے قاصر تھیں۔ اسی طرح انھیں اپنے ابا جان سے جا ملنے کا علم تھا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجانب اللہ انھیں بتا دیا تھا کہ وہی آپ کے اہل میں سے سب سے پہلے آپ سے جاملیں گی۔ ❹

جسے اس طرح کا علم ہوگا، اسے دنیا سے کوئی مطلب نہیں ہوگا۔ عینی کا نقل کردہ مہلب کا کیا ہی عمدہ قول ہے: کسی نے اس بات کی روایت نہیں کی ہے کہ وہ دونوں اکٹھے ہوئے ہوں اور سلام نہ کیا ہو، حقیقت یہ ہے کہ وہ

---

❶ الانتصار للصحب والآل (ص ٤٣٤)

❷ صحيح البخاري (رقم ٦٠٧٧)

❸ المفهم (١٢/ ٧٣)

❹ صحيح مسلم (رقم ٢٤٥٠).

اپنے گھر سے نہیں نکلتی تھیں تو راوی نے اس کو قطع تعلق سے تعبیر کر دیا، ❶ جیسا کہ ابھی گزرا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ان سے ملاقات اور ان کی رضا مندی طلب کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے۔

۱۱۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات:

حضرت ابوبکر صدیق اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کے مابین تعلقات اس حد تک گہرے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہی مرض الموت میں فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی تھیں، دم نکلنے تک ان کے ساتھ رہیں، ان کے غسل اور آخری آرام گاہ تک بھیجنے میں برابر شریک رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بذات خود ان کی دیکھ بھال کرتے تھے اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اس سلسلے میں ان سے تعاون کرتی تھیں، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے تکفین و تدفین اور جنازے سے متعلق چند وصیتیں کی تھیں، چنانچہ اسماء رضی اللہ عنہا نے ان پر عمل کیا۔ ❷

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کہا: میرے نزدیک یہ چیز معیوب ہے کہ عورت کے جنازے پر کپڑا اس طرح ڈال دیا جائے کہ اس کے نیچے اس کے جسم کا پتہ چلے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر میں نے جو کچھ سرزمین حبشہ میں دیکھا ہے آپ کو بتلاتی ہوں، پھر چند تازہ ٹہنیاں منگائیں، انھیں جھکایا، اور ان پر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ بہت اچھی چیز ہے، اس سے عورتوں اور مردوں کے مابین تمیز ہو جائے گی۔ ❸

ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اسلام میں وہ پہلی شخصیت ہیں جن کی نعش کو ڈھانپا گیا، پھر زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں، ایک طرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شیعوں کے زعم کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برابر ملتے رہتے تھے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے حالات معلوم کرتے رہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچوں نمازیں مسجد نبوی میں ادا کرتے تھے، جب نماز سے فارغ ہوتے تو حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما ان سے کہتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر کا کیا حال ہے؟

دوسری طرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے ان کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے، اس لیے کہ وہی حقیقتاً ان کی تیمارداری اور دیکھ بھال کرنے والی تھیں، جس دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، مدینے کے تمام مرد اور عورتیں رو پڑیں، اور لوگ سوس باختہ ہو گئے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دلاسہ دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: اے ابوالحسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے جنازے کی نماز میں ہمارا انتظار کرنا۔ ❹

---

❶ أباطيل يجب أن تمحى من التاريخ (ص ١٠٨) ❷ الشيعة و اهل البيت (ص ٧٧)

❸ الاستيعاب (٤/ ٣٧٨) ❹ الشيعة و أهل البيت (ص ٧٧)۔ كتاب سليم بن قيس (ص ٢٥٥)

ان کی وفات تین رمضان ۱۱ھ کو منگل کی رات میں ہوئی، علی بن حسین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال مغرب وعشاء کے مابین ہوا، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم آئے، جب ان کے جنازے کو نماز کے لیے رکھا گیا، علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوبکر صدیق آگے بڑھیے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اور آپ اے ابوالحسن؟ کہا: ہاں اللہ کی قسم، آپ کے علاوہ کوئی دوسرا ان کے جنازے کی نماز نہیں پڑھائے گا، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی، انھیں رات میں دفن کیا گیا، ایک دوسری روایت میں وارد ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازے کی نماز پڑھائی اور چار مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ [1]

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق جنازے کی نماز حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور یہی راجح روایت ہے۔ [2]

بعض شیعی کتابوں میں پائی جانے والی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ وصیت کہ ایسے لوگ جنھوں نے ان کے اور ان کے والد کے دشمن ہونے کے باعث ان پر ظلم کیا اور ان کا حق نہیں دیا وہ ان کی قبر پر نہ جائیں، سراسر باطل ہے، یہ روایتیں صحیح نہیں بلکہ موضوع ومن گھڑت ہیں جیسا کہ "حیاۃ الامام الحسن بن علی رضی اللہ عنہما" کے مؤلف نے ذکر کیا ہے۔ [3]

[1] المختصر من كتاب الموافقة (ص ١٦٨) اس کی سند میں ضعف ہے۔

[2] صحيح مسلم (رقم ١٧٥٩)

[3] حياة الامام الحسن بن علي، لباقر القرشي (١/ ١٦٤)

(۳)

اپنے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت حسن رضی اللہ عنہما کا مقام ومرتبہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت بڑی عظیم تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں گود میں اٹھاتے، پیار کرتے، اپنے سینے پر چڑھنے دیتے، ان کے ساتھ کھیلتے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نبوی گود میں پروان چڑھے، انھیں بچپن سے نوجوانی تک مصطفوی دیکھ ریکھ اور عنایت نصیب ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت آپ کے چہرے مہرے سے ظاہر تھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑا مقام ومرتبہ اور عزت حاصل تھی، ایسا صرف نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ناتے نہیں بلکہ ان کی اچھی صفات، اعلیٰ اخلاق اور بہترین تواضع کے باعث تھا۔ ❶

درج ذیل بعض احادیث و واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ کا پتہ دیتے ہیں:

ا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفقت اور لاڈ و پیار:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔ ❷

۲۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کی پیٹھ پر کود کود کر چڑھتے، لوگ انھیں دور کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو ایسا کرنے دو، ان دونوں پر میرے ماں باپ قربان ہوں، جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے ان دونوں سے محبت کرنا چاہیے۔ ❸

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو تو اس سے اور ان لوگوں سے محبت کر جس سے یہ محبت کرتا ہے۔ ❹

---

❶ الحسن بن علی سیرته و دوره السیاسی والإداری ، فتیخان کردی (ص ٤٥)۔ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۷۲)

❷ سنن النسائی (رقم ۸۱٦۸)۔ احادیث بشأن السبطین (ص ۳۱۲) میں عثمان الخمیس نے اس حدیث کو حسن لذاتہ قرار دیا ہے۔

❸ احادیث بشأن السبطین (ص ۲۹۳) یہ حدیث حسن ہے۔

❹ مسند احمد (۲/ ۲٤۹، ۳۳۱) اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب بھی میں انہیں دیکھتا میری آنکھیں اشک بار ہو جاتیں۔ ❶

۴۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر دیکھا اور آپ فرما رہے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ .)) ❷

''اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو تو ان سے محبت کر۔''

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا: جس نے مجھ سے، ان دونوں سے، اور ان کے والدین سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میری برابری میں ہوگا۔ امام احمد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اور امام ترمذی کی نقل کردہ حدیث میں "کان معي في الجنة" کے الفاظ ہے اور اس پر حکم لگایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ ❸

۶۔ یعلی بن مرہ سے مروی ہے کہتے ہیں حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سبقت کی دوڑ لگاتے ہوئے آئے، ان میں سے ایک دوسرے سے پہلے پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کی گردن میں ڈال کر انھیں اپنے پیٹ سے چمٹا لیا، ان کو بوسہ دیا پھر ان کو بوسہ دیا اور فرمایا: میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، اس لیے لوگو! ان سے محبت کرو، بچے بخیلی و بزدلی کا باعث ہوتے ہیں۔ ❹

۷۔ اسرائیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے: جس نے حسن و حسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔ ❺

۸۔ زہیر بن اقمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ قبیلہ ازد کے ایک آدمی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن بن علی کے بارے میں کہتے ہوئے سنا ہے: جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ اس سے محبت کرے، تم میں سے حاضر غائب کو یہ بات پہنچا دے، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید نہ ہوتی تو میں تم سے بیان

---

❶ الدوحة النبوية الشريفة (ص ٧٤)

❷ صحيح مسلم (رقم ٢٤٢٢)

❸ مسند احمد (١/ ٧٧) سنن الترمذي (رقم ٣٧٣٤) سير أعلام النبلاء (٣/ ٢٥٤) اس میں حکم لگایا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور متن منکر ہے۔ الميزان الاعتدال (٣/ ١١٧)

❹ مسند احمد (٤/ ١٧٢) سنن ابن ماجه (رقم: ٣٦٦) الزوائد میں بوصیری نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ٣/ ٢٥٥.

❺ المسند (٥/ ٢٨٨)، تاريخ دمشق (١٤/ ٢٦)

نہ کرتا۔ ❶

۹۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے پکڑ کر اپنی ایک ران پر بٹھاتے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دوسری ران پر اور کہتے: اے اللہ! میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں تو بھی ان پر رحم فرما۔ ❷

۱۰۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں ''اقرع بن حابس نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ کو حضرت حسن یا حضرت حسین کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا اور کہا: آپ ان کو بوسہ دیتے ہیں، میرے دس لڑکے ہیں میں ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ ❸

۱۱۔ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن کی زبان یا ہونٹ چومتے تھے، اور ایسی زبان یا ہونٹ جسے رسول اللہ ﷺ نے چوما ہو عذاب میں مبتلا نہیں کی جائے گی۔ ❹

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس حدیث کو روایت کرنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے محبت کی دلیل ہے۔

۱۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ کے کسی راستے میں ان کی ملاقات حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ہوئی تو ان سے کہا: آپ پر میرے باپ قربان ہوں، آپ میرے لیے اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا دیں تاکہ میں اس جگہ کو بوسہ دے سکوں جہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ انھوں کپڑا اٹھایا تو انھوں نے ان کی ناف کو بوسہ دیا۔ ❺

۱۳۔ عکرمہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے، ایک آدمی نے کہا: اے بچے کیا ہی اچھی سواری ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا ہی اچھا ہے سوار ہونے والا۔ ❻

۱۴۔ ابوالزبیر جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، آپ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے بل زمین پر کھڑے تھے، حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کی پیٹھ پر سوار تھے، آپ ان کو لیے ہوئے گھر میں گھٹنوں کے بل چل رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

---

❶ المستدرك (۳/ ۱۷۳، ۱۷٤) سير أعلام النبلاء (۳/ ۲۵۳، ۲۵٤) اس کی سند صحیح ہے۔
❷ الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان (۱۵/ ٤۱۵)، ذخائر العقبى في مناقب ذوى القربى (ص ۲۱٦)
❸ صحيح مسلم (رقم ۲۳۱۸)
❹ مسند احمد (٤/ ۹۳) اس کی سند صحیح ہے، سير اعلام النبلاء (۳/ ۲۵۹)
❺ المستدرك (۳/ ۱٦۳) حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔
❻ الشريعة للآجرى (۵/ ۲۱٦۰) اس کی سند ضعیف ہے۔

((نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكُمَا وَنِعْمَ الْعِدْلَانِ أَنْتُمَا .)) ❶

''تمھارا اونٹ کیا ہی اچھا ہے، اور تم دونوں کیا ہی اچھے سوار ہو۔''

۱۵۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے، جب آپ حالت سجدہ میں ہوتے تو حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کی پیٹھ پر چڑھ جاتے، جب آپ سر اٹھاتے، انھیں زمین پر اتار دیتے، جب آپ پھر سجدہ کرتے تو وہ دونوں پھر چڑھ جاتے، یہاں تک کہ آپ اپنی نماز پوری کر لیتے۔ ❷

۱۶۔ ابن بریدہ اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیص پہنے آ رہے تھے اور لڑکھڑا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے، دونوں کو اٹھا لیا اور فرمایا: اللہ نے سچ فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (التغابن: ١٥)

''بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد آزمائش کی چیز ہیں۔''

میں نے ان دونوں بچوں کو آتے اور لڑکھڑاتے دیکھا تو صبر نہ کر سکا، اپنی گفتگو روک دیا، ان دونوں کو اٹھا لیا۔ ❸

۱۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں دن کے ایک حصے میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نکلا، ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہو رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار بنو قینقاع پہنچ کر لوٹ پڑے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے، پوچھا: کیا یہاں ننھا بچہ ہے؟ کیا یہاں ننھا بچہ ہے؟ آپ کی مراد حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے تھی، ہمارا خیال ہے کہ ان کی والدہ نے انھیں نہلانے اور خوشبوؤں کا ہار پہنانے کے لیے روک رکھا تھا، تھوڑی ہی دیر میں وہ دوڑتے ہوئے آئے، اور دونوں ایک دوسرے سے چمٹ گئے۔ ❹

۱۹۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کے سرخ خچر پر تھے، میں ان کے آگے آگے چلتا رہا، یہاں تک کہ میں نے انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمرے میں پہنچا دیا، یہ آپ کے آگے اور یہ آپ کے پیچھے تھے۔ ❺

اس سرچشمۂ ہدایت سے بچوں کے والد بچوں کے ساتھ محبت، ان پر لطف و کرم اور شفقت کو سیکھیں، ان

---

❶ الشریعة للآجری (٥/ ٢١٦) اس کی سند ضعیف ہے اس میں مسروح راوی ہے۔ المجروحین (٣/ ١٩)۔ المیزان (٤/ ٩٧)

❷ الشریعة للآجری (٥/ ٢١٦١)۔ اس کی سند ضعیف ہے، اس میں محمد بن عیسیٰ بن حیان المدائنی راوی ہے۔

❸ الشریعة للآجری (٥/ ٢١٦٢)

❹ صحیح مسلم (٤/ ١٨٨٢، ١٨٨٣)

❺ صحیح مسلم (رقم ٢٤٢٣)

حدیثوں میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، رحم و کرم اور لاڈ پیار کا تذکرہ ہے، ان میں مسلمانوں کے لیے نبوی رہنمائی ہے کہ کس طرح وہ بچوں کو تربیت دیں اور پروان چڑھائیں، ان میں اس اہم سوال کا جواب ہے کہ ہم بچوں کے جذبات کی تشکیل کس طرح کریں؟ ہم ان کے حقوق کس طرح ادا کریں کہ وہ مستقبل کے اچھے آدمی بن سکیں؟ ان احادیث نبویہ میں بہت ساری ایسی بنیادی باتوں کی جانب اشارہ ہے کہ جن کو اپنا کر ہم راہ راست اور روشن شاہرہ پر چل سکتے ہیں۔

ا:...... مہربانی پر مشتمل پہلی بنیاد: بچوں کو بوسہ دینا، ان کے ساتھ شفقت و رحمت سے پیش آنا:

بچوں کے جذبات واحسانات کو بیدار کرنے اور ان کی ناراضی اور غصے کو ختم کرنے میں بوسے کا اہم کردار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بوسہ بڑوں اور بچوں کے مابین محبت کی بنیادوں کو مضبوط بنانے میں اپنے گہرے ربط کا احساس دلاتا ہے۔ بوسہ چھوٹے بچے کے ساتھ دل لگاؤ اور چھوٹوں پر بڑوں کی شفقت کی دلیل ہوتا ہے، وہ ایسی چمکدار روشنی ہے جو بچے کے دل کو منور کرتی ہے، اس کے نفس کو تازگی دیتی ہے اس کے اردگرد موجود لوگوں سے اس کی انسیت میں اضافہ کر دیتی ہے، پھر بوسہ ہر حال میں بچوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ رہا ہے۔ [1]

بچوں کے ساتھ رحمت اور ان پر شفقت نبوی صفات میں سے، کا راستہ نیز رضائے الٰہی کے حصول کا سبب ہے۔

ب:...... دوسری بنیاد: بچوں کے ساتھ لاڈ پیار کرنا، ان کے ساتھ ہنسنا کھیلنا:

مذکورہ باتوں سے متعلق ہم نے چند حدیثوں کو ذکر کیا ہے، ان میں بچوں کے ساتھ لاڈ پیار سے متعلق نبوی طریقہ کے سبق آموز پہلو موجود ہیں، کبھی انھیں اٹھا کر، کبھی انھیں ہنسا کر وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی، چنانچہ اپنے بچوں سے لاڈ پیار کیا، انھیں ہنسایا، انھی کی طرح بچہ بن کر ان کے ساتھ کھیلے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((يَنْبَغِيْ لِلرَّجُلِ أَنْ يَكُوْنَ فِيْ أَهْلِهِ كَالصَّبِيِّ .))

''آدمی کو اپنے اہل وعیال میں بچے کی طرح رہنا چاہیے۔''

یعنی اپنے بچوں کے ساتھ لاڈ پیار کرتے، ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے، ہشاش بشاش اور مانوس رکھنے میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو کھلاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ اسی لاڈ پیار اور کھیل کود سے پیش آتے، ان میں یہ جذبہ صادق پیدا کرتے، ان پر ظلم وزیادتی، سختی اور ان کو حقوق سے محروم کرنے سے بہت دور رہتے۔ [2]

---

[1] منهج التربية الاسلامية للطفل (ص ١٧٩) [2] منهج التربية النبوية (ص ١٨٤)

ج:...... تیسری بنیاد: ہدیے اور تحفے:

عام طور پر لوگوں میں ہدیہ کی اچھی تاثیر ہوتی ہے، بچوں میں یہ چیز زیادہ ہی موثر ہوتی ہے۔ بچوں کے جذبات کو پروان چڑھانے، انھیں صحیح سمت دینے، ان کو مہذب بنانے میں رسول اللہ ﷺ نے اس اہم چیز کی تاثیر کو واضح کیا ہے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو ہدیہ دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نجاشی نے نبی کریم ﷺ کو کچھ زیور ہدیہ میں بھیجا، اس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی، اس کا نگینہ ملک حبش کا تھا، آپ نے قبول کرلیا، لیکن آپ کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، چنانچہ اسے اپنی صاحبزادی زینب کی بچی کو دے دیا اور کہا: اے لاڈلی بچی تو اسے پہن لے۔ ❶

د:...... چوتھی بنیاد: بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنا:

رسول اللہ ﷺ بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیر کر ان کے جذبات کو اجاگر کرتے، چنانچہ انھیں رحمت و شفقت، محبت و مودت کا احساس ہوتا، یہ ایسی چیز ہے جس سے بچوں کو اپنے وجود، بڑوں کی محبت اور اپنے ساتھ ان کے اہتمام کا احساس ہوتا ہے۔ مصعب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں عبداللہ بن ثعلبہ ہجرت کے چار سال پہلے پیدا ہوئے، فتح مکہ کے سال انھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا گیا، آپ نے ان کے چہرے پر ہاتھ پھیرا، انھیں برکت کی دعائیں دیں، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت وہ چودہ سال کے تھے۔ ❷

ھ:...... پانچویں بنیاد: بچوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ ملنا:

بچوں سے ملاقات ضروری ہے، ملاقات میں سب سے اہم ابتدائی لمحات ہوتے ہیں، اگر ملاقات اچھے ماحول میں ہو تو بچے اپنی بات جاری رکھ سکتے ہیں، متکلم کے ساتھ گفتگو، سوال و جواب کا دروازہ کھل سکتا ہے، بچے دل کھول کر اپنی باتیں کہہ سکتے ہیں، اپنی پریشانیوں کو بیان کر سکتے ہیں، اپنی تمناؤں کا اظہار کر سکتے ہیں۔ یہ سب اسی وقت ہوسکتا ہے جب بچوں سے خوشی، محبت اور لاڈ پیار کے ماحول میں ملا جائے۔ ❸

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر سے آتے تو اپنے خاندان کے بچوں سے ملاقات کرتے، ایک سفر سے آپ واپس آئے تو مجھے آپ کے پاس لے جایا گیا، آپ نے مجھے اپنے سامنے سوار کرلیا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دو بچوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے ایک کو لایا گیا تو آپ نے

---

❶ سنن ابن ماجه (رقم ٣٦٤٤)۔ الدوحة النبوية الشريفة (ص ٤٣)

❷ المستدرك للحاكم (٣/ ٣٧٩)

❸ منهج التربية النبوية للطفل (ص ١٨٥)

انھیں اپنے پیچھے سوار کرلیا، تو ہم تینوں مدینہ میں ایک سواری پر داخل ہوئے۔ ❶

و:......چھٹی بنیاد: بچوں کی خبر گیری اوران کے احول کی پرسش:

اکثر و بیشتر بچے اکیلے چلتے ہوئے راستہ بھول کر بھٹکتے رہتے ہیں، والدین اگر بچوں کا خاص خیال رکھتے ہوں تو وہ جلد ہی بچوں کے گم ہونے سے باخبر ہوجاتے ہیں، جلد ہی تلاش کرنا شروع کردیتے ہیں، اور پتہ لگا لیتے ہیں اوراس کے برعکس صورت حال میں نتیجہ بھی برعکس ہوتا ہے، تلاش کرنے میں جلدی کا بچوں کی نفسیات پر بڑا اچھا اثر پڑتا ہے، اس سلسلے میں تاخیر اس کے ڈر، تکلیف اور رونے میں زیادتی کا سبب ہوتی ہے، جیسے جیسے والدین میں سے کسی ایک کے پہنچنے میں تاخیر زیادہ ہوتی ہے اس کی نفسیاتی تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ جلدی کرتے اور اپنے صحابہ کو تعاون کرنے اور گلیوں میں منتشر ہوجانے کا حکم دیتے، تاکہ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا پتہ چلایا جاسکے۔ ❷

امام طبرانی نے سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، ام ایمن رضی اللہ عنہا آئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول! حسن وحسین گم ہوگئے ہیں۔ راوی حدیث کہتے ہیں یہ صبح کا وقت تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چلو میرے لاڈلوں کو تلاش کرو، ہر شخص کسی نہ کسی جانب نکل پڑا، میں رسول اللہ ﷺ کی جانب نکل پڑا، تھوڑی ہی دیر میں ایک پہاڑ کے دامن میں حسن وحسین رضی اللہ عنہما ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے پائے گئے۔ ایک زہریلا سانپ اپنی دُم پر کھڑا تھا، اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے، رسول اللہ ﷺ اس کی جانب لپکے، وہ رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے پلٹا اور بھاگ کر کسی بل میں گھس گیا، پھر آپ ان دونوں کے پاس آئے، انھیں ایک دوسرے سے الگ کیا، ان کے چہروں پر ہاتھ پھیرا اور کہا:

((بِأَبِيْ وَ أُمِّيْ أَنْتُمَا مَا أَكْرَمَكُمَا عَلَى اللّٰهِ .))

''تم دونوں پر میرے ماں باپ قربان ہوں، تم دونوں اللہ کے نزدیک کیا ہی معزز ہو۔''

پھر آپ نے ان میں ایک کو داہنے کندھے پر اور دوسرے کو بائیں کندھے پر اٹھالیا، میں نے کہا: تم دونوں کو مبارک ہو، تمھاری سواری کیا ہی خوب سواری ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور وہ دونوں کیا ہی اچھے سوار ہونے والے ہیں، اوران کے والد ان سے بھی اچھے ہیں۔ ❸

---

❶ صحيح مسلم (رقم ٢٣٢٨) سير اعلام النبلاء (٣/ ٤٥٨)

❷ منهج التربية النبوية للطفل (ص ١٨٦)

❸ معجم الطبراني (٣/ ٦٥، رقم ٢٦٧٧)، المجمع (٩/ ١٨٢) اس حدیث کی سند میں احمد بن راشد ہلالی ضعیف ہے۔ اسے ذہبی نے المغنی (١/ ٣٩) میں ضعیف کہا ہے۔

آپ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے خوف کو دیکھا کہ سانپ سے ڈر کر ایک دوسرے سے چمٹ گئے تھے، نیز اس خوف کو دور کرنے اور ایک کو دوسرے سے الگ کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد بازی بھی دیکھی، پھر آپ نے ان کے چہروں پر ہاتھ پھیرا، ان کے لیے دعائیں کیں، اپنے کندھوں پر اٹھا کر انھیں اعزاز بخشا، پھر ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

((وَنِعْمَ الرَّاكِبَانِ هُمَا .))

''اور وہ دونوں کیا ہی اچھے سوار ہونے والے ہیں۔''

یہ سب حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، دیکھ ریکھ اور اہتمام کی شدت کے باعث ہوا۔ ❶

ز:......ساتویں بنیاد: چھوٹوں اور بچوں کے ساتھ بڑوں کا کھیلنا:

جیسا کہ گزرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قائد و امیر ہوتے ہوئے حسن و حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھیلتے تھے تاکہ والدین اور بڑوں کو تربیت کا ڈھنگ بتائیں اور وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے اپنے بچوں کے ساتھ کھیلیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف حسن رضی اللہ عنہ کی ہمت افزائی کرتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حسن و حسین رضی اللہ عنہما ایک دوسرے سے بھڑ گئے، آپ کہنے لگے: شاباش حسن! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ بڑے کی مدد کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام کہہ رہے ہیں: اے حسین! دھر پکڑو۔ ❷

جعفر بن محمد اپنے والد سے ایک ضعیف حدیث روایت کرتے ہیں، آپ کے والد فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازوں کی جگہ بیٹھے ہوئے تھے، حسن و حسین رضی اللہ عنہما آئے اور لڑ پڑے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: شاباش حسن! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول کیا آپ حسین کے خلاف ابھار رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام کہہ رہے ہیں: شاباش حسین۔ ❸

حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف قسم کے کھیلوں کو آپ نے دیکھا، آپ نے ایسا اس لیے کیا تاکہ بچوں کے ساتھ مختلف کھیلوں کے تصور کی جانب آپ کی رہنمائی کریں، اسی طرح کھیل سے متعلق آپ نے ان دونوں کی تعریف کی تاکہ کھیل میں ان کی نفسیاتی معنویات میں اضافہ کریں تاکہ وہ بلا تھکن و مشقت پوری

---

❶ منهج التربية النبوية للطفل (ص ۱۸۷)

❷ سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲٦٦) اس کی سند حسن ہے۔

❸ سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۸٤) اس کی سند میں انقطاع ہے، اور یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

رغبت و چاہت سے کھیلتے رہیں اور یہ ان کے لیے بیک وقت جسمانی ونفسیاتی غذا کا کام دے۔ ❶ اسی طرح بچوں کے کھیل میں بہت سارے جسمانی، تربیتی، معاشرتی، اخلاقی، ذاتی اور طبی فوائد ہیں۔ ❷

۲۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت:

۱۔ ابوخالد سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ فرمایا: ہاں، آپ سے سب سے زیادہ مشابہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے۔ ❸

۲۔ عقبہ بن حارث سے مروی ہے کہتے ہیں: میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، آپ کا گزر حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس سے ہوا، آپ نے انھیں اپنے کندھوں پر اٹھا لیا پھر فرمایا: میرے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ کے بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ پر قربان ہوں، کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، چنانچہ وہ ہنسنے لگے۔ ❹

عقبہ بن حارث کی دوسری روایت میں ہے کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند دنوں بعد نماز عصر پڑھ کر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا، علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ چل رہے تھے، آپ کا گزر حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس سے ہوا، وہ چند بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، چنانچہ آپ نے انھیں اپنے کندھے پر اٹھاتے ہوئے فرمایا: میرے والد علی رضی اللہ عنہ کے مشابہ کے بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ پر قربان ہوں، اس پر علی رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے۔ ❺

بعض لوگوں کے جھوٹے دعوے کے برخلاف یہ حدیث ابوبکر صدیق اور علی رضی اللہ عنہما کے مابین محبت اور اچھے تعلقات کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔

۳۔ ہانی بن ہانی علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں: سینے سے لے کر سر تک حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ تھے، اور حسین رضی اللہ عنہ اس سے نیچے کے حصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ تھے۔ ❻

۴۔ عاصم بن کلیب سے مروی ہے کہتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقت میں مجھ

---

❶ منهج التربية النبوية للطفل (ص ۲۰۹ ۲۱۶)

❷ منهج التربية النبوية للطفل (ص ۲۱۶)

❸ الطبقات الكبرىٰ ، الطبقة الخامسة من الصحابة (۱/ ۲٤٥) صحيح بخاری (رقم ۳٥٤٤)

❹ صحيح بخاری (رقم ۳۷٥۰)

❺ الطبقات الكبرىٰ (۱/ ۲٤۷) اس کی سند صحیح ہے۔

❻ الطبقات الكبرىٰ (۱/ ۲٤۷) اس کی سند ضعیف ہے۔

کو دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری شکل نہیں اختیار کر سکتا، میرے والد کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بتایا کہ میں نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، فرمایا: کیا واقعی تم نے دیکھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم میں نے دیکھا ہے، فرمایا: تو تمھیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی یاد آئی؟ میں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم مجھے ان کی اور دائیں بائیں جھک کر ان کے چلنے کی یاد آئی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: وہ آپ ﷺ کے مشابہ تھے۔ ❶

۵۔ زبیر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ بہی سے مروی ہے کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے آپ کے خاندان میں سے کون لوگ مشابہ تھے، ان کا اہم تذکرہ کر رہے تھے، ہمارے پاس عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: میں تمھیں آپ کے خاندان میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہ اور آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کی خبر دے رہا ہوں، وہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے دیکھا ہے کہ آپ سجدے میں ہوتے اور وہ آکر آپ کی گردن یا پیٹھ پر سوار ہو جاتے، آپ انھیں اتارتے نہیں تا آنکہ وہ خود اتر جاتے، اور میں نے دیکھا ہے کہ آپ رکوع میں ہوتے وہ آتے تو آپ اپنے دونوں پاؤں کے درمیان کشادگی کر دیتے تاکہ وہ دوسری طرف نکل جائیں۔ ❷

۶۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ ❸ انھی سے مروی ہے کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا چہرہ نبی کریم ﷺ کے چہرے سے سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ ❹

۷۔ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ وہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے مرض الموت کے موقع پر آئیں اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ دونوں آپ کے بچے ہیں، انھیں کچھ ورثے میں عطا کر دیں، آپ نے فرمایا: حسن کے لیے میرا رعب و دبدبہ ہے اور سرداری ہے، اور حسین کے لیے میری جرأت و سخاوت ہے۔ ❺

۸۔ ابوملیکہ سے روایت ہے کہتے ہیں: فاطمہ رضی اللہ عنہا حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھا لیتیں اور کہتی تھیں: میرا لاڈلا بچہ علی رضی اللہ عنہ کے بجائے رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہے۔ ❻

---

❶ الطبقات الکبریٰ (۱/ ۲٤۸) اس کی سند حسن ہے۔

❷ الطبقات الکبریٰ (۱/ ۲٤۹) اس کی سند ضعیف ہے۔

❸ الصحیح المسند من فضائل الصحابة للعدوی (ص ۲٦۳)

❹ ذخائر ذوی القربی (ص ۲۲۱)

❺ الاحادیث الواردة بشأن السبطین (ص ۲۸۷) یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔

❻ مجمع الزوائد (۹/ ۱۷٦) یہ حدیث مرسل ہے اور اس میں زمعہ بن صالح لین الحدیث ہے۔

۹۔ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھنے والے جعفر بن ابو طالب، حسن بن علی، ابوسفیان بن حارث، قثم بن عباس، اور سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب رضی اللہ عنہم تھے۔ ❶

۱۰۔ ابو اسحاق سے مروی ہے کہ انھوں نے ہبیرہ بن مریم سے سنا کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے: جو گردن سے لے کر چہرے اور بال تک میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشابہ شخص کو دیکھنا پسند کرتا ہو وہ حسن بن علی کو دیکھے، اور جو گردن سے لے کر ٹخنے تک میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشابہ شخص کو دیکھنا پسند کرتا ہو وہ حسین بن علی کو دیکھے۔ ❷

۳۔ حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار:

۱۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میری والدہ نے مجھ سے پوچھا کتنے دن پہلے تمھاری نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہوئی ہے؟ میں نے انھیں جواب دیا: اتنے اور اتنے دن پہلے، کہتے ہیں کہ انھوں نے مجھے سخت سست اور برا بھلا کہا۔ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: بس رہنے دیں، میں نبی کریم ﷺ کے پاس جا رہا ہوں، آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھوں گا، پھر آپ کے ساتھ ہی رہوں گا، یہاں تک کہ آپ میرے اور آپ کے لیے مغفرت کی دعا کر دیں، کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ کے ساتھ مغرب پڑھی، عشاء پڑھ کر آپ نکلے، میں آپ کے پیچھے ہولیا، اسی اثنا میں آپ کے پاس ایک شخص آیا، آپ نے اس سے رازدارانہ گفتگو کی، پھر وہ چلا گیا، میں آپ کے پیچھے چلتا رہا، آپ نے میری آواز سنی، پوچھا: کون ہو؟ میں نے کہا: حذیفہ، فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ میں نے معاملہ بیان کر دیا تو آپ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

((غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِأُمِّكَ .))

''اللہ تعالیٰ تمھاری اور تمھاری ماں کی مغفرت فرمائے۔''

پھر فرمایا: تھوڑی دیر پہلے آنے والے کو تم نے دیکھا؟ کہتے ہیں، میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: وہ ایسا فرشتہ ہے جو اس سے پہلے روئے زمین پر نہیں آیا ہے، اس نے مجھ سے سلام کرنے کی اپنے رب سے اجازت مانگی ہے، وہ مجھے اس بات کی خوشخبری دے رہا تھا کہ حسن و حسین جنتی جوانوں کے اور فاطمہ جنتی عورتوں کے سردار ہیں۔ ❸

---

❶ التبيين في انساب القرشيين (ص ۱۰۲)

❷ الشريعة للآجری (۵/ ۲۱٤٦)

❸ مسند احمد (۵/ ۳۹۱)

۲۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسن وحسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔'' ❶

۳۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسن وحسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں، سوائے دو خالہ زاد بھائیوں عیسیٰ ویحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے۔'' ❷

عثمان خمیس نے اس حدیث کے طرق کا دراسہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث سولہ صحابیوں سے مروی ہے۔ ❸ مزید بتایا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں احمد بن حنبل سے پوچھا گیا تو آپ نے کہا کہ یہ صحیح ہے۔ ❹ ابن کثیر نے اس کو "البدایة والنهایة" میں ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: اس کی تمام سندوں میں ضعف ہے۔ ❺

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے، ان میں سے بعض بعض کو تقویت پہنچاتے ہیں۔'' ❻ اس کے بعد عثمان خمیس کہتے ہیں: ائمہ کے ان اقوال کے مابین تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ابن کثیر کے قول کے مطابق اس کی سندوں میں ضعف ہے، اور حافظ ذہبی کے قول کے مطابق بعض سندیں حسن اور بعض حسن لغیرہ ہیں، اس طرح بعض بعض کو تقویت پہنچاتی ہیں، نتیجتاً امام احمد کے قول کے مطابق صحیح لغیرہ ہے۔ ❼ واللہ اعلم

۴۔ وہ دونوں دنیا کے میرے لیے دو خوشبودار پھول ہیں:

ابونعیم سے مروی ہے کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے محرم کے بارے میں پوچھا گیا، شعبہ کہتے ہیں غالباً سوال مکھی کے قتل کے بارے میں تھا تو میں نے انھیں کہتے سنا: اہل عراق مکھی کے بارے میں پوچھتے ہیں، جب کہ انھوں نے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا ہے، اور فرمان نبوی ہے:

((هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا .)) ❽

''وہ دونوں میرے دنیا کے دو خوشبودار پھول ہیں۔''

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو بحالت نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر چڑھتے دیکھا ہے، آپ ہاتھوں سے ان کو تھامے رہتے، جب زمین پر پہنچتے چھوڑ دیتے، نماز سے فارغ ہو کر انھیں

❶ الاحادیث الواردة بشأن السبطین (ص ۱۸۲) یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔
❷ الشریعة للآجری (۵/ ۲۱۴۴) اس کی سند حسن ہے۔
❸ الاحادیث الواردة بشأن السبطین (ص ۲۱۱)
❹ السؤال، رقم (۱۲۴) المنتخب من العلل للخلال، لابن المقدسی
❺ البدایة والنهایة (۸/ ۲۰۸)
❻ سیر أعلام النبلاء (۳/ ۲۸۳)
❼ الاحادیث الواردة بشان السبطین (ص: ۲۱۲)
❽ صحیح البخاری (رقم ۳۷۵۳)

اپنی گود میں بٹھاتے، ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے، پھر کہتے:

((إِنَّ ابْنَيَّ هٰذَيْنِ رَيْحَانَتَا مِنَ الدُّنْيَا .))

''بلاشبہ میرے یہ دونوں بچے میرے دنیا کے دو خوشبودار پھول ہیں۔''

پھر لوگوں کی جانب متوجہ ہو کر کہتے: میرا یہ بچہ سردار ہے، مجھے امید ہے کہ آخری زمانے میں اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔ ❶

محمد بن حسین آجری کہتے ہیں: اس سے آپ کی مراد حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔ ❷

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے، جب سجدے کرتے تو حسن رضی اللہ عنہ آ کر آپ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے، جب آپ سجدے سے سر اٹھاتے، انھیں زمین پر آسانی سے اتار دیتے، جب دوبارہ سجدے کرتے تو پھر پیٹھ پر سوار ہو جاتے، جب آپ نماز سے فارغ ہوتے، انھیں اپنی گود میں بیٹھاتے، اور انھیں بوسہ دیتے، ایک شخص نے آپ سے کہا: آپ اس بچے کے ساتھ ایسا کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا:

((إِنَّهُمَا رَيْحَانَتَايَ وَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ .)) ❸

''وہ دونوں میرے دو خوشبودار پھول ہیں، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔''

۵۔ دنیا و آخرت میں ان کی سرداری:

رسول اللہ ﷺ نے بارہا بھرے مجمع میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے مقام و مرتبہ اور جلالت شان کا اعلان کیا ہے، حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا یہ قول متواتر روایتوں سے ثابت ہے:

((إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ .))

''بلاشبہ میرا یہ بچہ سردار ہے۔''

ابن عبدالبر کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیثیں بہ تواتر ثابت ہیں کہ آپ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا ہے:

((إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يُبْقِيَهُ حَتّٰى يُصْلِحَ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ .)) ❹

---

❶ صحيح ابن حبان (رقم ٦٩٦٤) ❷ الشريعة للآجري (ص ٢١٥٧)

❸ الشريعة للآجري (ص ٢١٥٧) اس کی سند حسن ہے۔

❹ مسند احمد (٥/ ٥١) اور صحیح بخاری میں اسی جیسی روایت ہے (٢٤٤/٣)

''میرا یہ بچہ سردار ہے، اللہ تعالیٰ اسے باقی رکھے گا تاآنکہ وہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرا دے گا۔''

اس حدیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ اس سلسلے میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

((وَأَنَّهُ رَيْحَانَتِيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَلَا أَسْوَدُ مِمَّنْ سَمَّاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَيِّدًا .)) ❶

''اور یہ کہ وہ میرے دنیا کے خوشبودار پھول ہیں اور جنھیں رسول اللہ ﷺ نے سردار کہا ہو اس سے بڑا کوئی سردار نہیں۔''

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر کہتے ہوئے سنا ہے، حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تھے، کبھی آپ ان کو دیکھتے کبھی لوگوں کو دیکھتے اور کہتے:

((إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهُ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ .)) ❷

''بلاشبہ میرا یہ بچہ سردار ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔''

اس حدیث میں حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے، نبی کریم ﷺ نے بتلایا کہ وہ سردار ہیں، ابن الاثیر کہتے ہیں:

ایک قول کے مطابق سید سے مراد بردبار ہے، اس لیے کہ آپ نے حدیث کے آخر میں فرمایا:

((وَاِنَّ اللّٰهَ يُصْلِحُ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ .)) ❸

''اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔''

تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی میں ہے:

''سرداری سب سے افضل شخص کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ سردار قوم کا سربراہ ہوتا ہے، اس کی جمع "سَادَةٌ" ہے، "السُّؤْدد" مادے سے مشتق ہے، ایک قول کے مطابق "سَوَادٌ" سے مشتق ہے، اس لیے کہ وہ سواد عظیم یعنی زیادہ لوگوں کی سربراہی کرتا ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا، "فِئَتَيْنِ" "فِئَةٌ" کی تثنیہ ہے، جو جماعت و گروہ

---

❶ الاستیعاب (۱/ ۳۷٤)

❷ صحیح البخاری ، فضائل الصحابة (رقم ۳۷٤٦)

❸ النهاية في غريب الحديث (۳/ ٤١٧)

کے معنی میں ہے۔'' ❶

اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے "فِـئَتَيْنِ" کی صفت "عَـظِيْمَتَيْنِ" ذکر کی ہے، اس لیے کہ اس وقت مسلمانوں کی دو جماعتیں تھیں، ایک جماعت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی، اور دوسری معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ، یہ ایک عظیم نبوی معجزہ تھا اس لیے کہ ویسے ہی ہوا جیسا کہ آپ نے بتلایا تھا۔

معاملہ اصل میں یہ ہے کہ جمعہ وسنیچر کی درمیانی شب میں عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا، آپ ۱۹؍رمضان ۴۰ھ کو وفات پا گئے اور اسی سال رمضان میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت لی گئی، آپ اس سلسلے میں سوچتے رہے اور دیکھا کہ لوگ دو گروہوں میں بٹے ہیں ایک گروہ ان کے ساتھ ہے، دوسرا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ، اور معاملہ سدھر نہیں رہا ہے، اور آپ کی نظر میں مسلمانوں کی اصلاح اور ان کے خون کی حفاظت اپنے حق سے افضل قرار پائی، بنا بریں آپ نے ۵؍ربیع الاول ۴۱ھ کو خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی، ایک دوسرے قول کے مطابق ربیع الثانی میں اور تیسرے قول کے مطابق جمادی الاولیٰ کے شروع میں، آپ کی خلافت چند دن کم چھ مہینہ رہی، اس سال کا نام ''عام الجماعۃ'' یعنی اجتماع و اتحاد کا سال ہے، اسی سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے خبر دی تھی۔

((لَعَلَّ اللّٰهُ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ .)) ❷

''امید کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔''

اس حدیث میں نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی فضیلت ہے، اس لیے کہ آپ نے خلافت حامیوں کی قلت، یا ذلت و رسوائی، یا کسی اور سبب کی بنا پر نہیں چھوڑی بلکہ اخروی اجر، مسلمانوں کے خون کی حفاظت، اور امت کی مصلحت کے پیش نظر چھوڑی تھی۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے، سلام کیا، ہم نے جواب دیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نہیں پہچانے، وہ چلے گئے، تو ہم نے کہا: اے ابو ہریرہ یہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) ہیں جنھوں نے ہم کو سلام کیا ہے، چنانچہ وہ اٹھے، دوڑ کر ان کے پاس پہنچے اور کہا: "یـــا سيـدي" اے میرے سردار، میں نے ان سے پوچھا: آپ "یـا سیدی" کہہ رہے ہیں؟ تو کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے: "إنه لسيد" ❸ بلاشبہ وہ سردار ہے۔

---

❶ تحفة الاحوذی (١/ ٢٧٧)

❷ فتح الباری (١٣/ ٦٦)

❸ مستدرك الحاكم (٣/ ١٦٩) اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ الطبرانی (رقم: ٢٥٩٦)

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: جو جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھنا پسند کرتا ہو وہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھے۔ ❶

جنت میں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی سرداری والی حدیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہے، ایسا اس لیے ہوا کہ آپ نے اس بات کا اعلان بار ہا اور بہت ساری مجلسوں میں کیا ہے، چنانچہ یہ حدیث عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ، عمر بن خطاب، علی بن ابوطالب، اسامہ بن زید، قرۃ بن ایاس، مالک بن حویرث، براء بن عازب اور ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ❷

۶۔ میں ہر شیطان، زہریلے جانور اور نظر بد سے اللہ کے کامل کلموں کی پناہ چاہتا ہوں:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے لیے پناہ کی دعا کرتے تھے اور کہتے تھے: تمھارے باپ یعنی ابراہیم علیہ السلام ان کلمات کے ذریعے سے اسماعیل واسحاق علیہما السلام کے لیے پناہ کی دعا کرتے تھے:

((أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّ هَامَّةٍ وَ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ.)) ❸

"میں ہر شیطان، زہریلے جانور اور نظر بد سے اللہ کے کامل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں۔"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے لیے پناہ کی دعا کرتے اور کہتے تھے:

((أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّ هَامَّةٍ وَّ مِنْ كُلِّ لَامَّةٍ.))

"میں تم دونوں کے لیے ہر شیطان، زہریلے جانور اور نظر بد سے اللہ کے کامل کلمات کی پناہ چاہتا ہوں۔"

اور کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام اسی طرح اسحاق واسماعیل علیہما السلام کے لیے پناہ کی دعا کرتے تھے۔ ❹

طب نبوی میں یہ بچوں کا منفرد علاج ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ علاج بچوں کے حفظان صحت کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے، اور ایسا آپ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا۔ ❺

❶ صحیح ابن حبان (۱۵/ ۴۲۱، ۴۲۲)
❷ یہ روایتیں مجمع الزوائد (۹/ ۱۸۳) اور المعجم الکبیر (۳/ ۲۴) میں ہیں۔
❸ صحیح البخاری (رقم ۳۳۷۱)
❹ سنن الترمذی (رقم ۲۰۶۰) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
❺ منهج التربية النبوية للطفل (ص ۲۴۸)

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بچوں کے لیے والدین کی دعاؤں کی اہمیت اور دوسرے اہم فوائد کا تذکرہ کیا ہے، جیسے ایک طرف بچوں اور والدین کے لیے آرام و اطمینان اور حفاظت و برکت مہیا کرنا ہے، تو دوسری طرف بحکم الٰہی بچوں سے حسد، شیطان اور زمین کے زہریلے جانوروں کی برائیوں کو دور کرنا ہے، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ نبوی فرمان کے مطابق دعائیں عبادت کا لب لباب ہوتی ہیں، نیز اس حدیث میں اس احساس کا تذکرہ ہے کہ بندہ حقیقت میں صرف اللہ کا محتاج ہے، اور اسی کی پناہ طلب کرتا ہے، اور یہ اسلام کا ایک اہم ترین مقصد ہے۔

۷۔ رسول اللہ ﷺ سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیثیں:

مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رضائے الٰہی تک پہنچانے والے علم کی اصل بنیادیں قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال اور تقریرات پر مشتمل آپ کی حدیثیں ہیں اور یہ حدیثیں نسلاً بعد نسل نقل و روایت ہی سے جانی جاتی ہیں، اہل علم اسماء الرجال کے ضبط اور معرفت کی جانب متوجہ ہوئے، ان کی سوانح اور حالات زندگی کو قلم بند کیا، تاکہ وہ دو اہم بنیادی چیزوں کا پتہ چلا سکیں، اور انھی کی روشنی میں ہر راوی کا مقام و مرتبہ متعین کر سکیں:

۱۔ عادل ہونا: اس سے مراد سیرت اور حالات زندگی کی اچھائی اور سدھار، فرائض کی ادائیگی، حرام کردہ چیزوں سے دوری، مروت سے مکمل طور پر آراستہ و پیراستہ ہونا ہے۔

۲۔ مروی حدیث کا ضبط و اتقان: اس سے مراد حدیث کو یاد کر کے، یا لکھ کر، یا دونوں طریقوں سے مکمل طور پر پورا پورا محفوظ کر لینا ہے۔

یہ مذکورہ حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر حدیث نبوی کے تمام نقل کرنے اور روایت کرنے والوں کو شامل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استثناء کا سبب یہ ہے کہ وہ پہلے حاملین علوم نبوت تھے، اور نبی کریم ﷺ کے خاص تربیت یافتہ تھے۔

ائمہ اہل بیت نے رسول اللہ ﷺ سے جو حدیثیں روایت کی ہیں، محدثین نے ان حدیثوں کے ان سے اخذ کرنے میں بڑا اہتمام کیا ہے، اس لیے کہ ان میں عدالت اور قوت حفظ موجود تھی۔ علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادے حسن و حسین رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابہ میں سے تھے، چنانچہ وہ جرح و تعدیل سے ماورا تھے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثوں کو بقی بن مخلد اندلسی متوفی ۲۷۶ھ نے اپنی ''مسند'' میں ذکر کیا ہے، ان کی تعداد ۵۸۶ ہے۔ [1] اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے انھیں ذکر کیا ہے، مکرر طرق کو شامل کر کے

[1] الدوحة النبوية الشريفة (ص ۱۳۹)۔ مقدمة مسند بقي بن مخلد (ص ۸۰)

ان کی تعداد ۸۱۹ ہے۔ ❶ ان کی حدیثوں کو اصحاب کتب ستہ امام بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی و ترمذی و ابن ماجہ رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے، ان کی تعداد ۳۲۲ ہے۔ ❷ ان میں سے بیس حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ امام بخاری نو اور امام مسلم پندرہ حدیثوں کو ذکر کرنے میں منفرد ہیں۔ یہ حدیثیں عقائد و احکام اور تفسیر وغیرہ پر مشتمل ہیں، غرض کہ زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق تمام موضوعات و مضامین کو یہ حدیثیں شامل ہیں۔ ❸

خلفائے راشدین میں سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ احادیث رسول کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے، اس کے اسباب میں سے بقیہ خلفاء سے بعد میں آپ کا وفات پانا، آپ سے روایت کرنے والوں کی کثرت، علم کے متلاشی بکثرت سوال کرنے والے تابعین کا منتشر ہونا، ایسے حادثات کا رونما ہونا جو بہت سارے امور میں روایت کے متقاضی تھے وغیرہ وغیرہ ہیں۔ چنانچہ انھیں آپ کی جانب سے جو روایتیں پہنچیں پوری امانت و دیانت سے نقل کیا۔ ❹ اس سے آپ کے صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ استفادہ کیا۔

حسن رضی اللہ عنہ کے نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ وہ ابھی چھوٹے تھے، چنانچہ صغار صحابہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کی طرح بہت سی حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر کے ذکر کیا ہے، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا، والد اور والدہ سے حدیثوں کو یاد کیا، اور ان سے ان کے صاحبزادے حسن بن حسن رضی اللہ عنہ، سوید بن غفلہ، ابوحوراء سعدی، شعبی، ہبیرہ بن بریم، اصبغ بن نباتہ اور مسیب بن نجبہ ❺ نے حدیثوں کو بیان کیا، بقی بن مخلد نے اپنی مسند میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ تیرہ حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔ ❻ اور امام احمد نے اپنی مسند میں دس حدیثوں کو ذکر کیا ہے، اور سنن اربعہ میں ان کی روایت کردہ چھ حدیثیں ہیں۔ ❼ ان حدیثوں میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ ابوحوراء حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دعا سکھلائی جس کو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں:

---

❶ مسند احمد (۱/ ۱٦٤)

❷ تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف للمزي (۷/ ۳٤٦)

❸ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۱٤۰)

❹ الدوحة النبوية الشريفة (ص ۱٤۰)

❺ سير أعلام النبلاء (۳/ ۲٤٦).

❻ تلقيح اهل الاثر في عيون التاريخ و السير لابن الجوزي (ص ۳٦۹)

❼ مسند احمد (۳/ ۱٦۷) تحقيق احمد شاكر، و مسند اهل البيت تحقيق عبدالله الليثي الانصاري (ص ۲٥)، الدوحة النبوية (ص ۱٤۳).

((اَللّٰهُمَّ اهْدِنِى فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِى فِيْمَنْ عَافَيْتَ ، وَتَوَلَّنِى فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِى فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِى شَرَّ مَا قَضَيْتَ ، فَإِنَّكَ تَقْضِى وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ .)) ❶

''اے اللہ! تو مجھے ہدایت دے ان میں داخل کر کے جن کو تو نے ہدایت دی، اور عافیت دے مجھے ان میں شامل کر کے جن کو تو نے عافیت دی، اور میری سرپرستی فرما ان لوگوں میں جن کی تو نے سرپرستی فرمائی اور برکت فرما میرے لیے ان چیزوں میں جو تو نے عطا کیں، اور بچا مجھے ان فیصلوں کے شر سے جو تو نے کیے، اس لیے کہ تو ہی فیصلے کرتا ہے اور تیرے فیصلے کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا، واقعہ یہ ہے کہ وہ ذلیل نہیں ہوسکتا جس کا تو دوست بن جائے، تو بہت با برکت ہے اے ہمارے رب! اور نہایت بلند ہے۔''

یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح اس بات کے حریص تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ کی محبت، اس کی عبودیت، صرف اسی کو پکارنے اور اسی سے تعلق رکھنے کی تعلیم دیں، حقیقت میں یہی وہ خالص توحید ہے جسے ہر مسلمان کی زندگی میں جلوہ گر ہونا چاہیے، اور اپنے بچوں کو اسی کی تربیت دینی چاہیے۔

۲۔ ہبیرہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ''حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کل تم سے ایسا آدمی جدا ہوا ہے جس کے علمی مقام سے پہلے کے لوگ آگے نہیں تھے اور نہ بعد کے لوگ اس تک پہنچیں گے، رسول اللہ ﷺ انھیں علمِ جہاد دے کر بھیجتے، جبریل علیہ السلام ان کے داہنے، میکائیل علیہ السلام ان کے بائیں ہوتے، وہ فتح حاصل کر کے لوٹتے تھے۔'' ❷

۳۔ عمرو بن حبشی سے مروی ہے کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کل تم سے ایسا شخص جدا ہوا ہے جس کے علمی مقام سے پہلے کے لوگ آگے نہ جا سکے، اور نہ بعد کے لوگ اس تک پہنچ سکے، اللہ کے رسول ﷺ انھیں علم جہاد دے کر بھیجتے تھے، تو وہ فتح مندی کے ساتھ لوٹتے تھے، آپ ﷺ کے عطا کردہ سات سو درہم کے علاوہ......جن کو اپنے گھر کی خادمہ کے لیے محفوظ رکھا تھا...... کچھ بھی دینار و درہم اپنے پیچھے نہیں چھوڑا۔ ❸

۴۔ محمد بن علی سے مروی ہے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا،

---

❶ مسند احمد (۳/ ۱٦۸) احمد شاکر کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔
❷ مسند احمد (۳/ ۱٦۷، ۱٦۸) اس کی سند صحیح ہے۔
❸ مسند احمد (۳/ ۱٦۷، ۱٦۸) اس کی سند صحیح ہے۔

لوگ کھڑے ہو گئے، وہ نہیں کھڑے ہوئے، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تم نے کیا کیا؟ رسول اللہ ﷺ تو یہودی کی تکلیف دہ بدبو کے باعث کھڑے ہوئے تھے۔ ❶

۵۔ ابوالحوراء سعدی سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ کو رسول اللہ ﷺ کی کون سی بات یاد ہے؟ فرمایا: مجھے یاد ہے کہ میں نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اسے لعاب سمیت نکال کر کھجوروں میں پھینک دیا، ایک شخص نے آپ سے کہا: اگر وہ اس کھجور کو کھا لیتے تو آپ کے لیے کوئی حرج کی بات نہ تھی تو آپ نے فرمایا: ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے: کھٹکنے والی چیزوں کو چھوڑ کر نہ کھٹکنے والی چیزوں کو اختیار کرو، سچائی اطمینان بخش ہے، اور جھوٹ کھٹکنے والی چیز ہے، فرماتے ہیں: آپ ہمیں یہ دعا سکھاتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ ، إِنَّهُ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ .))

اور کبھی کبھی فرمایا: ((تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ .)) ❷

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آل بیت کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے، صدقہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ فرض صدقہ جس کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔

۲۔ نفلی صدقہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ﴾ (التوبۃ: ۱۰۳)

''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں۔''

مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ ہے۔

اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دونوں طرح کے صدقے رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال نہیں تھے، فرض صدقہ جس طرح آپ ﷺ کے لیے حلال نہیں تھا، اسی طرح آپ کی آل کے لیے بھی حلال نہیں تھا، لیکن آل بیت کے لیے نفلی صدقہ کے حلال نہ ہونے میں اختلاف ہے، اس سلسلے میں امام شافعی کے دو قول ہیں، دونوں

❶ مسند احمد (۳/ ۱٦۷، ۱٦۹) انقطاع کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔

❷ مسند احمد (۳/ ۱٦۷، ۱٦۹) اس کی سند صحیح ہے، دعائے قنوت کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

میں سے صحیح تر قول حلال نہ ہونے کا ہے۔

آل بیت کے لیے زکوٰۃ وصدقہ حلال نہ ہونے کا سبب رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں واضح کیا ہے، جس میں آپ نے فرمایا:

((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِيْ لِآلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ .)) ❶

''آل محمد کے لیے صدقہ مناسب نہیں ہے، وہ تو لوگوں کی میل کچیل کو دور کرنے والی چیز ہے۔''

صحیح مسلم کی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں: "أوساخ الناس" کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کے نفوس اور اموال کی میل کچیل کو پاک کرنے والی چیز ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ (التوبة : ١٠٣)

''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک صاف کردیں۔''

گویا وہ صدقہ میل کچیل کو دھونے والی چیز ہے، یہ حدیث آل بیت کے مقام ومرتبہ کی بلندی اور ان کی طہارت وپاکیزگی کو واضح کرتی ہے۔ ❷

اسی لیے وہ لوگ نہ عہد نبوی میں صدقہ لیتے تھے نہ اس کے بعد ہی، وہ صرف مالِ غنیمت کے خمس میں سے اپنا حصہ لیتے تھے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى﴾

(الانفال : ٤١)

''جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو اس میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا۔''

"وَلِلرَّسُوْلِ" کی تفسیر میں مفسرین کہتے ہیں: خمس کا ایک حصہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قرابت داروں کو دیا جائے گا۔ زکوٰۃ کے سلسلے میں آل بیت کی تعیین میں علما کے دو اقوال ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے ایک قول کے مطابق آل بیت صرف بنو ہاشم ہیں، ان میں آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، اور آل حارث بن عبدالمطلب شامل ہیں، ان میں ابولہب شامل نہیں ہے، اس لیے اس کے بچوں کو صدقہ دینا جائز ہے، ایسا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو ہاشم کی عزت و

❶ صحیح مسلم (رقم ١٠٧٢)

❷ شرح النووی علی صحیح مسلم (٧/ ١٨٣، ١٨٧)

تکریم کی خاطر صدقہ ان کے لیے حرام قرار دیا اور عزت وتکریم اس لیے کہ انھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں میں نبی کریم ﷺ کی مدد کی۔ ابولہب رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی کا حریص تھا، اس لیے اس کے بچے اس تکریم کے مستحق نہ ہوئے۔ ❶ بعض علمائے حنابلہ کے قول کے مطابق ان میں آل ابولہب بھی شامل ہیں، اس لیے کہ وہ لوگ بھی ہاشم کی نسل سے ہیں۔ ❷ اور کیوں نہ داخل ہوں، ابولہب کے دونوں بیٹے عتبہ اور معتب فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے، ان کے اسلام سے نبی کریم ﷺ خوش ہوئے، ان کے لیے دعائیں کیں، وہ دونوں آپ کے ساتھ غزوۂ حنین و طائف میں شریک ہوئے، اہل نسب کے نزدیک انھوں نے اپنے پیچھے نسل بھی چھوڑی۔ ❸

۲۔ امام شافعی کی رائے میں آل بیت بنو ہاشم و بنو مطلب ہیں، ان کی مندرجہ ذیل دلیلیں ہیں:

"نبی کریم ﷺ نے خمس میں سے قرابت داروں کا حصہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو دیا، ان کے علاوہ قبائل قریش میں سے کسی کو نہیں دیا، جیسا کہ امام بخاری نے جبیر بن مطعم کی حدیث نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں: میں اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ نے خیبر کے خمس میں سے بنو عبدمطلب کو دیا اور ہمیں نظر انداز کر دیا جب کہ ہم اور وہ ایک ہی مرتبے میں ہیں، جواباً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں۔" ❹

حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ بنو مطلب قرابت داروں کے حصے میں بنو ہاشم کے ساتھ شریک ہیں، اور وہ سب آل رسول ہیں، چنانچہ یہ حدیث اس بات کی دلیل بنی کہ بنو مطلب بھی آل رسول میں سے ہیں، نیز یہ کہ زکوۃ ان کے لیے بھی حرام ہے، اور خمس کا یہ عطیہ ان پر حرام کردہ صدقہ کے عوض ہے۔ نتیجتاً زکوۃ کی حرمت کا حکم خمس کے مستحق ہونے کی طرح قرابت داروں سے متعلق ہوگا، اور اس حکم میں ہاشمی و مطلبی دونوں برابر ہوں گے۔ ❺

بنو مطلب کے بارے میں امام احمد کے دو قول منقول ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کے اس قول کے باعث ان کے لیے زکوۃ حرام ہوگی:

---

❶ شرح فتح القدیر لابن الهمام (۲/ ۲۷۲۔ ۲۷٤)، المنتقى للباجي (۲/ ۱٥۳)، نيل الأوطار (٤/ ۱۷۲)

❷ الانصاف للمرداوی (۳/ ۲٥٥۔ ۲٥٦)

❸ التبيين في أنساب القرشيين (ص ۱٤۳)

❹ صحيح البخاري، كتاب فرض الخمس، رقم (۳۱٤۰)

❺ معالم السنن للخطابي (۲/ ۷۱)، الأم للشافعي (۲/ ٦۹)، المجموع للنووي (٦/ ۲٤٤)، العقيدة في أهل البيت (ص ۱۸۱)

((إِنَّا وَبَنُو الْمُطَّلِبِ لَمْ نَفْتَرِقْ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَّ لَا إِسْلَامٍ إِنَّمَا نَحْنُ شَيْءٌ وَّاحِدٌ .)) ❶

''ہم اور بنو مطلب نہ زمانہ جاہلیت میں الگ ہوئے اور نہ زمانہ اسلام میں، ہم ایک ہی ہیں۔''

امام شافعی نے اپنی مسند میں ان لفظوں میں حدیث کو روایت کیا ہے:

((إِنَّمَا بَنُوْ هَاشِمٍ وَ بَنُوْ الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَّاحِدٌ وَ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ .)) ❷

''بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی ہیں اور آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے اس کو سمجھایا۔''

اس لیے بھی زکوٰۃ ان کے لیے حرام ہوگی کہ وہ خمس کے حصے کے بنو ہاشم کی طرح مستحق ہیں، تو انھی کی طرح ان کے لیے بھی زکوٰۃ حرام ہوگی۔

۲۔ امام ابوحنیفہ و امام مالک کے مذہب کے مطابق امام احمد کا دوسرا قول ہے کہ ان کے لیے زکوٰۃ لینی جائز ہے، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے عموم میں داخل ہیں:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ﴾ (التوبة: ٦٠)

''صدقات صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے۔''

لیکن نبی کریم ﷺ کے اس قول:

((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّ لَا لِآلِ مُحَمَّدٍ .)) ❸

''صدقہ نہ محمد (ﷺ) کے لیے حلال ہے اور نہ آل محمد کے لیے ہی۔''

سے بنو ہاشم خارج ہو جائیں گے اور زکوٰۃ لینے کی ممانعت انھی کے ساتھ خاص ہوگی۔ ❹

ان لوگوں کی رائے ہے کہ بنو مطلب کو بنو ہاشم پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ بنو ہاشم نبی کریم ﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔ باقی خمس کے حصے میں بنو مطلب کا بنو ہاشم کے ساتھ ہونا قربت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی، اور مدد زکوٰۃ کی ممانعت کی متقاضی نہیں ہے۔ ❺

خمس نہ دیے جانے کی صورت میں انھیں زکوٰۃ دینے سے متعلق فقہاء نے گفتگو کی ہے، جب مال فے یا غنیمت سے بیت المال خالی ہونے یا ظالموں کے ان پر غاصبانہ قبضہ کی وجہ سے انھیں خمس کا اپنا حصہ نہ ملے تو

---

❶ سنن أبي داود، كتاب الإمارة (رقم ٢٩٨٠)

❷ سنن النسائي (رقم ٤١٣٧)

❸ صحيح مسلم (رقم ١٠٧٢)

❹ العقيدة في اهل البيت (ص ١٨١)

❺ المغني لابن قدامة (٤/ ١١١، ١١٢)

بعض متقدمین و متاخرین علما کا قول ہے کہ انھیں زکوٰۃ دی جائے گی۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ ایسی حالت میں بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینی جائز ہے، اس لیے کہ اس کا عوض خمس انھیں نہیں ملا ہے، اور جب عوض خمس انھیں نہیں ملا تو وہ معوض عنہ زکوٰۃ کی جانب لوٹ جائیں گے۔ [1]

بعض مالکیہ کا قول ہے کہ وہ لوگ جب بیت المال سے ملنے والے اپنے حق سے محروم کر دیے گئے اور فقیر ہو گئے تو ان کے لیے زکوٰۃ لینا اور انھیں زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ [2] اس سلسلے میں ابوبکر ابہری [3] کہتے ہیں: ''ان کے لیے فرض اور نفلی صدقات حلال ہیں۔ [4] ابوسعید اصطخری شافعی کا قول ہے: جب خمس سے ملنے والے اپنے حق سے محروم کر دیے جائیں تو انھیں زکوٰۃ دینی جائز ہے، خمس کے حق کی وجہ سے ان کے لیے زکوٰۃ کی ممانعت تھی، جب وہ حق انھیں نہ ملے تو انھیں زکوٰۃ دینی واجب ہے۔ [5] ایسا اس حدیث:

((إِنَّ) لَكُمْ فِي خُمُسِ الْخُمُسِ مَا يَكْفِيكُمْ أَوْ يُغْنِيكُمْ .)) [6]

''خمس کا پانچواں حصہ تمھارے لیے کافی ہے یا تمھیں مستغنی کر دے گا۔''

کی وجہ سے ہے، چنانچہ زکوٰۃ سے استغنا خمس کے پانچویں حصے کی وجہ سے ہے، جب خمس معدوم ہوگا تو استغناء بھی معدوم ہوگا، اس طرح خمس ان کے استغناء اور ان کے لیے زکوٰۃ کی ممانعت کے لیے شرط ہے، جب شرط معدوم ہو جائے گی تو زکوٰۃ کی رکاوٹ بھی معدوم ہو جائے گی۔

بعض علمائے حنابلہ کا قول ہے:

''جب انھیں خمس نہ ملے تو ان کے لیے زکوٰۃ جائز ہو جائے گی، اس لیے کہ یہ حاجت و ضرورت کی صورتِ حال ہے۔'' [7]

اسی کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے۔ [8]

---

[1] حاشية ابن عابدين (٢/ ٩١)

[2] بلغة السالك (١/ ٢٣٢) حاشية الدسوقي (١/ ٤٥٢، ٢٥٣)

[3] وہ محمد بن عبداللہ بن محمد، ابوبکر تمیمی ہیں، عراق میں مالکیہ کے سردار تھے، ان کی وفات ۳۷۵ھ میں ہوئی، دیکھو شذرات الذهب (٣/ ٨٥، ٨٦)

[4] المنتقى للباجي (٢/ ١٥٣)

[5] المجموع للنووي (٦/ ٢٤٤-٢٤٦)

[6] تفسير ابن كثير (٢/ ٣١٣) ابن کثیر کہتے ہیں اس کی سند حسن ہے۔

[7] الإنصاف للمرداوي (٣/ ٢٥٥) و كشاف القناع للبهوتي (٢/ ٢٩١)

[8] الاختيارات (١٠٤) العقيدة في أهل البيت (ص ١٨٦)

۶۔ ربیعہ بن شیبان بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا: آپ کو رسول اللہ ﷺ کی کون سی بات یاد ہے؟ فرمایا: مجھے آپ نے صدقہ کے کمرے میں داخل کیا، وہاں سے میں نے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے منہ سے نکال پھینکو، یہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال ہے اور نہ اہل بیت میں سے کسی کے لیے۔'' [1]

۷۔ بریدہ بن ابو مریم ابوحوراء سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ہم حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس تھے، ان سے پوچھا گیا رسول اللہ ﷺ سے کون سی بات آپ نے سیکھی؟ تو کہا: میں آپ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ کا گزر صدقہ کی کھجوروں کے ایک ڈھیر کے پاس سے ہوا، میں نے ایک کھجور لے کر منہ میں ڈال لی، آپ نے میرے لعاب سمیت اس کھجور کو لے لیا، کچھ لوگوں نے کہا: اگر آپ چھوڑ دیتے تو آپ کے لیے کوئی حرج کی بات نہیں تھی، آپ نے فرمایا: ہم آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے، اور میں نے آپ سے پانچوں نمازوں کو سیکھا۔ [2]

۸۔ ایوب بن محمد سے مروی ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک جنازے کو دیکھا، ایک کھڑے ہو گئے، دوسرے بیٹھے رہے، کھڑے ہونے والے نے کہا: کیا ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ کھڑے نہیں ہوئے ہیں؟ اور جو بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا: کیوں نہیں، اور وہ بیٹھ گئے۔ [3]

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث

اپنے نانا ﷺ سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث میں سے یہ بعض حدیثیں ہیں:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا فتویٰ دینے والے صحابہ میں شمار ہوتا ہے، آپ کا تعلق مفتیان صحابہ کے تیسرے طبقہ سے ہے۔ محدثین کرام نے مفتیان صحابہ کو فتویٰ کی قلت وکثرت کے اعتبار سے تین طبقات میں تقسیم کیا ہے:

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ لوگ تین طرح کے تھے:

۱۔ بکثرت فتویٰ دینے والے

۲۔ اوسط درجہ کے فتویٰ دینے والے

۳۔ کم فتویٰ دینے والے

---

[1] مسند احمد (۳/ ۱۷۰) احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[2] مسند احمد (۳/ ۱۷۰) احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[3] مسند احمد (۳/ ۱۷۱) احمد شاکر کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے

ا:......بکثرت فتویٰ دینے والے:

جن صحابہ وصحابیات کے فتاویٰ محفوظ ہیں ان کی تعداد ایک سوتیس سے کچھ زائد ہے، ان میں سے بکثرت فتویٰ دینے والے سات تھے:

۱۔ عمر بن خطاب
۲۔ علی بن ابوطالب
۳۔ عبداللہ بن مسعود
۴۔ ام المومنین عائشہ
۵۔ زید بن ثابت
۶۔ عبداللہ بن عمر
۷۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم۔

ابومحمد ابن حزم کہتے ہیں:

''ممکن ہے کہ ہر ایک کے فتاویٰ کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔''

نیز کہتے ہیں:

''ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب بن امیر المومنین مامون نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاوی کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے، مذکور ابوبکر محمد حدیث و دیگر علوم کے ائمہ اسلام میں سے ایک ہیں۔''

ب:......اوسط درجہ کے فتویٰ دینے والے:

ابومحمد ابن حزم کہتے ہیں:

''اوسط درجہ کے فتویٰ دینے والوں میں سے ابوبکر صدیق، ام سلمہ، انس بن مالک، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عثمان بن عفان، عبداللہ بن عمرو بن عاص، اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم تھے۔''

ج:......کم فتویٰ دینے والے:

مذکورہ دونوں قسموں کے علاوہ جو صحابہ تھے وہ کم فتویٰ دینے والے تھے، ہر ایک سے ایک مسئلہ یا دو مسئلے یا اس سے کچھ زائد مسائل سے متعلق فتاویٰ منقول ہیں اور وہ ابوالدرداء، ابوالیسر، ابوسلمہ مخزومی، ابوعبیدہ بن جراح، علی بن ابوطالب کے دونوں صاحبزادے حسن و حسین، نعمان بن بشیر، ابی بن کعب، ابوایوب، ابوطلحہ، ابوذر، ام عطیہ، ام المومنین صفیہ، حفصہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ [1]

۸۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ نبوی صفات:

ا۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اپنے ماموں ہند بن ابوہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (امت کے لیے) برابر غمگین اور فکر مند رہتے تھے، آپ کو چین و سکون نہیں رہتا تھا، اکثر

[1] إعلام الموقعين (۱/ ۱۲-۱۳)، سیرۃ عائشہ، سلیمان الندوی (ص ۳۲۷)

خاموش رہتے بغیر ضرورت گفتگو نہ کرتے، پوری گفتگو آپ تصنع سے بچتے ہوئے پورا منہ کھول کر کرتے، آپ کی گفتگو بڑی جامع، حق و باطل کے مابین فیصل اور افراط وتفریط سے عاری ہوتی، آپ کی طبیعت واخلاق میں سختی نہیں تھی، چھوٹی سے چھوٹی نعمت کو بڑی سمجھتے، اس کی مذمت نہ کرتے، کھانے پینے کی چیزوں میں عیب نہ تلاش کرتے اور نہ ان کی تعریف کرتے، دنیا آپ کے غضب کا باعث نہ بنتی اور نہ ہی آپ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت تھی، جب حق کو پامال ہوتے دیکھتے تو ناراض ہوتے اور اہل حق کو بدلہ دلاتے، آپ اپنے نفس کے لیے نہ ناراض ہوتے اور نہ ہی اس کے لیے بدلہ لیتے، جب آپ اشارہ کرتے تو اپنی پوری ہتھیلی سے اشارہ کرتے اور جب تعجب کرتے تو اس کو پلٹ دیتے، جب گفتگو کرتے تو ہتھیلیوں کو ملا لیتے، اپنی داہنی ہتھیلی سے بائیں ہتھیلی پر مارتے، اپنے بائیں انگوٹھے کے نچلے حصہ کو داہنی ہتھیلی سے ملا لیتے، جب ناراض ہوتے تو مکمل اعراض کرتے، خوش ہوتے تو نگاہ نیچی کر لیتے، آپ کی اکثر و بیشتر ہنسی مسکراہٹ ہوتی، جب آپ مسکراتے تو اولے جیسے آپ کے صاف وشفاف دانت ظاہر ہوتے، آپ بذات خود اور دوسروں کی نگاہ میں بھاری بھرکم تھے، آپ کا چہرہ چودھویں رات کی طرح چمکتا تھا، آپ کے قدم اس طرح چکنے تھے کہ ان پر سے پانی پھسل جاتا تھا، جب آپ زمین سے اپنے پاؤں اٹھاتے تو مکمل طور سے اور آگے جھک کر اٹھاتے، آپ کی چال میں وقار وسنجیدگی اور تیزی ہوتی جب آپ چلتے تو گویا آپ کسی ڈھلان سے اتر رہے ہوں جب آپ کسی کی جانب متوجہ ہوتے تو مکمل طور سے متوجہ ہوتے، آپ کی نگاہ نیچی ہوتی، آسمان سے زیادہ آپ کی نگاہ زمین پر ہوتی، آپ اکثر و بیشتر کن انکھیوں سے دیکھتے، اپنے صحابہ کی قیادت کرتے، ہر ملاقاتی سے سلام کرنے میں پہل کرتے۔ [1]

۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی نبی کے اوصاف اس طرح وارد ہیں:

آپ نہ طبعی طور سے اور نہ ہی بہ تکلف بدزبان تھے، بازاروں میں چیخنے چلانے والے نہیں تھے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے کر عفو و درگزر سے کام لیتے، جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ آپ نے کسی کو قتل نہیں کیا، آپ نے نہ کسی خادم کو مارا اور نہ ہی کسی عورت کو، اپنے اوپر کیے گئے ظلم کا بدلہ نہیں لیا، الا یہ کہ اس کا تعلق اللہ کے محارم کی پامالی سے ہو، اللہ کے محارم کی پامالی پر آپ بہت ناراض ہوتے تھے، دو چیزوں میں اختیار کے وقت آپ نے آسان ہی کو منتخب کیا، آپ اپنے گھر میں ایک آدمی کی طرح ہوتے، کپڑوں سے جوں نکالتے، بکریوں کا دودھ دوہتے، اپنی خدمت خود کرتے، ضرورت پر بولتے، لوگوں کو متحد کرتے ان میں نفرت پیدا نہ کرتے، ہر جماعت کے معزز شخص کی تکریم کرتے اسے ان کا ذمہ دار مقرر کر دیتے، لوگوں سے آپ بچتے اور محتاط رہتے، ہر ایک سے

[1] مختارات من أدب العرب لأبي الحسن الندوي (ص ۱۳)

خندہ پیشانی اور حسن اخلاق سے ملتے، اپنے صحابہ کی خبر گیری کرتے اور ان کے احوال پوچھتے، اچھے کو اچھا جانتے اور اس کی ہمت افزائی کرتے، برے کو برا مانتے اور اس کی ہمت افزائی نہ کرتے، آپ اعتدال پسند تھے، آپ بے اعتنائی نہ برتتے کہ مبادا لوگ بھی بے اعتنائی نہ برتنے لگیں اور اکتا جائیں، آپ ہر صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہتے، نہ حق کو چھوڑتے اور نہ حق سے تجاوز کرتے، بہترین لوگ ہی آپ کے قریب ہوتے، آپ کے نزدیک لوگوں میں سے افضل وہی ہوتا جس کی خیر خواہی زیادہ ہوتی، بڑا مقام و مرتبہ والا وہی ہوتا جو دوسروں کا زیادہ غمگسار اور مددگار ہوتا، اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے، جب آپ کہیں جاتے جہاں جگہ پاتے بیٹھ جاتے اور ایسا کرنے کا حکم بھی دیتے، اپنے ساتھ ہر بیٹھنے والے پر آپ توجہ کرتے، کسی بیٹھنے والے کو دوسروں کے مقابلے میں اپنی بے عزتی کا احساس نہ ہوتا، جو آپ کے ساتھ بیٹھتا، یا کسی ضرورت کے سلسلے میں گفتگو کرتا تو آپ اس کے ساتھ رکے رہتے، یہاں تک کہ وہ خود چلا جائے، ضرورت مند کی یا تو ضرورت پوری کر دیتے یا بڑے ہی نرم لہجے کی گفتگو سے واپس کر دیتے، تمام لوگوں کو اپنی سادگی اور اچھے اخلاق کی لپیٹ میں لے لیا، اس طرح آپ ان کے لیے بہ منزلہ والد کے ہو گئے، اور تمام لوگ حق میں آپ کے نزدیک برابر ہو گے، آپ کی مجلس علم، حیا، صبر اور امانت کی مجلس ہوتی، اس میں نہ عورتوں پر بہتان تراشی کی جاتی اور نہ ہی ان کے عیوب کی تشہیر کی جاتی، آپ کے نزدیک سب برابر ہوتے، فضیلت صرف تقویٰ والوں کو حاصل ہوتی، سب متواضع ہوتے، چھوٹے بڑوں کا احترام کرتے، بڑے چھوٹوں پر شفقت کرتے، ضرورت مند کو ترجیح دیتے، اجنبی کی حفاظت کرتے۔ ❶

۳۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی شمائل ترمذی سے ماخوذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اس طرح وارد ہیں:

آپ ہمیشہ ہنس مکھ، اچھے اخلاق اور نرم گوشہ والے تھے، بدخلق، سخت دل، شور و ہنگامہ کرنے والے، بدکلام، عیب جو اور بخیل نہیں تھے، اَن چاہی چیزوں سے صرفِ نظر کرتے، نہ اس سے کسی کو مایوس کرتے اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی کو جواب دیتے، اپنے متعلق تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا:

۱۔ لڑائی جھگڑا ۲۔ بڑھک پن ۳۔ لایعنی بات۔

اور لوگوں سے متعلق تین چیزوں کو ترک کر دیا تھا:

۱۔ کسی کی مذمت نہ کرتے نہ عیب لگاتے۔

۲۔ کسی کی پوشیدہ برائیوں کے پیچھے نہ پڑتے۔

۳۔ وہی گفتگو کرتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔

جب آپ گفتگو کرتے تو حاضرین اپنے سروں کو جھکا لیتے، گویا ان کے سروں پر چڑیاں ہوں، آپ کی

❶ مختارات من أدب العرب لأبي الحسن الندوي (ص ١٥)

خاموشی کے وقت لوگ آپ کے پاس سلیقے سے باتیں کرتے، جب کوئی بات کرتا تو لوگ غور سے سنتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لے، آپ کے پاس ان کی بات ایسی ہی ہوتی جیسے ان کا پہلا شخص بول رہا ہو، جن باتوں پر لوگ ہنستے آپ بھی ہنستے، جن باتوں پر لوگ تعجب کرتے آپ بھی تعجب کرتے، آپ کے صحابہ کے بلائے ہوئے اجنبیوں کی سخت کلامی اور سوال کی سختی پر آپ صبر کرتے، آپ فرماتے: جب تم کسی حاجت مند کو دیکھو تو اس کی مدد کرو، آپ صرف سچی تعریف کرنے والوں کی تعریف قبول کرتے، کسی کو گفتگو سے نہ روکتے، یہاں تک کہ وہ حد سے تجاوز کرنے لگے تو اس کو یا تو روک دیتے یا اٹھ کر چلے جاتے، سب سے زیادہ سخی، سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے اچھی صحبت والے تھے، جو آپ کو دیکھتا مرعوب ہو جاتا، جو آپ کے ساتھ رہ کر آپ کو جان لیتا، آپ سے محبت کرنے لگتا، آپ کا وصف بیان کرنے والا کہتا: آپ ﷺ جیسا نہ آپ کے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد۔ ❶

۹۔ تطہیر کی آیت اور کساء والی حدیث:

آیت تطہیر یہ ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ ﴾

(الاحزاب: ۳۳)

''اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے۔''

کساء والی حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں: ایک دن صبح نبی کریم ﷺ نکلے، آپ پر ایسی چادر تھی جس میں کجاوہ کی تصویریں تھیں، آپ نے اس کے نیچے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو داخل کر کے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ ﴾

(الاحزاب: ۳۳)

''اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ حدیث کو روایت کرنا ان لوگوں کے جھوٹ کو واضح کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کو چھپایا ہے۔ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں جن کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ وہ

❶ مختارات من أدب العرب لأبي الحسن الندوي (ص ۱٦) شمائل ترمذی سے منقول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی کرتی تھیں اور وہی علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی فضیلت والی حدیث کو روایت کرتی ہیں۔ ❶ آیتوں میں پورا پورا خطاب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ہے، انھی سے ابتداء ہے اور انھی پر اختتام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۚ ﴾ (الاحزاب: ۲۸۔۳۴)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا اور زینت دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ دے دلا دوں اور تمھیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں، اور اگر تمھاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو (یقین مانو کہ) تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں، اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی (کا ارتکاب) کرے گی اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل (سی بات) ہے اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے اجر بھی دوہرا دیں گے اور اس کے لیے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے...... اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ لطیف اور خبردار ہے۔''

خطاب پورا کا پورا ازواج مطہرات سے ہے، انھی کے لیے امر، نہی، وعدے اور وعید ہیں، لیکن جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کی منفعت انھیں اور دیگر اہل بیت کو شامل ہے تو تطہیر کے مفعول کے لیے مذکر کی ضمیر

❶ حقبة من التاريخ (ص ۱۸۷)

"کـم" استعمال کی گئی، اس لیے کہ جب مذکر و مؤنث اکٹھا ہوں تو تغلیباً مذکر کی ضمیر ذکر کی جاتی ہے، ایسا اس لیے ہوا تاکہ آیت تطہیر تمام اہل بیت کو شامل ہو جائے، اس سلسلے میں دوسروں کے مقابلے میں علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو خصوصیت حاصل ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خصوصیت کے ساتھ دعا کی۔

اسی طرح اہل بیت میں علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے علاوہ بھی شامل ہیں، جیسا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کیا آپ کی ازواج مطہرات اہل بیت میں سے ہیں؟ فرمایا:

"آپ کے اہل بیت وہ ہیں جنھیں صدقہ سے محروم کیا گیا ہے، اور وہ آل علی، آل جعفر، آل عقیل، اور آل عباس ہیں۔" ❶

بعض اثنا عشری شیعہ علما نے آیت تطہیر جس میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو خطاب کیا ہے، کو قرآنی سیاق سے اس طرح کاٹنے کی کوشش کی ہے کہ ازواج مطہرات کو خطاب سے علیحدہ کر دیں، اسی کے ساتھ ساتھ حدیث کساء سے استدلال کیا ہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، کہتی ہیں: ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، آپ پر کالے بال کی ایسی چادر تھی جس پر کجاوہ کی تصویریں تھیں، حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے آپ نے انھیں اس میں داخل کر لیا، پھر حسین آئے اور اس میں داخل ہو گئے، پھر فاطمہ آئیں، انھیں بھی آپ نے داخل کر لیا، پھر علی آئے انھیں بھی داخل کر لیا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝﴾

اسی طرح انھوں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے نبی میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو، اور تم بہتری میں ہو۔ ❷

ان دونوں حدیثوں سے استدلال اس معنی کو ثابت کرنے کے لیے کیا ہے جس کے لیے اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ❸ شیعی علما کا خیال ہے کہ آیت تطہیر علی، فاطمہ، حسن، اور حسین رضی اللہ عنہم کے معصوم عن الخطا ہونے کی دلیل ہے، بلکہ بشری سہو و نسیان سے معصوم ہونے کی دلیل مانتے ہیں ❹ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما دوسرے امام معصوم ہیں۔

شیعہ امامیہ کے نزدیک امام کا معصوم ہونا امامت کی شرطوں میں سے اور ان کے اعتقادی ڈھانچے کے اولین اصول و مبادی میں سے ہے، اور اس کی ان کے نزدیک بڑی اہمیت ہے۔ شیعہ کے اپنے ائمہ کے بارے میں لامحدود صفات و صلاحیات کے اعتقاد کے نتیجے میں ان کا خیال ہے کہ امام کسی بھی شخص کے سامنے جواب دہ

❶ صحيح مسلم (رقم ١٠٧)
❷ سنن الترمذي، كتاب المناقب (رقم ٣٧٨٨)
❸ ثم أبصرت الحقيقة (ص ١٧٦)
❹ ثم أبصرت الحقيقة (ص ١٧٦)

نہیں ہوتا، اس کے کاموں میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، بلکہ اس بات پر ایمان ضروری ہے کہ اس کا ہر کام خیر کا ہے، اس میں شر کا امکان ہی نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے پاس ایسا علم ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے، چنانچہ ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ زندگی بھر معصوم ہوتے ہیں، صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے، ان سے کوئی برائی سرزد نہیں ہوتی، ان سے غلطی اور بھول چوک کا امکان نہیں ہے۔ [1] اس سلسلے میں ان کے شیخ ''مفید'' اجماع نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''ائمہ جو احکام کی تنفیذ، حدود کے قائم کرنے، شریعت کی حفاظت، اور لوگوں کو ٹھیک کرنے میں انبیاء علیہم السلام کے قائم مقام ہیں، انبیاء کی طرح معصوم ہیں، ان سے صغیرہ وکبیرہ گناہوں کا امکان نہیں ہے، دین کے کسی معاملے میں ان سے غلطی نہیں ہوسکتی، کوئی حکم بھول نہیں سکتے، تمام شیعہ امامیہ کا یہی عقیدہ ہے، انھیں چھوڑ کر جنھوں نے شذوذ کا راستہ اپنایا ہے، اور اس سلسلے کی روایتوں کے ظاہری پہلوؤں کو اختیار کیا ہے اور ان تاویلات کو ترک کردیا ہے جو اس کے ظنِ فاسد کے برخلاف ہیں۔'' [2]

اس سلسلے میں میں نے اپنی کتاب "سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب" میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ [3] مزید معلومات کے لیے اس کا مراجعہ کیا جائے۔

آیت تطہیر سے متعلق
شیعہ امامیہ کے استدلال کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ

ا:......ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث چند لفظوں کے ساتھ وارد ہے:

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدِيْ وَعَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ ، فَجَعَلْتُ لَهُمْ خَزِيْرَةً ، فَأَكَلُوْا وَنَامُوْا غَطَّى عَلَيْهِمْ عَبَاءَةً أَوْ قَطِيْفَةً ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِيْ أَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا .

وَفِيْ رِوَايَةٍ أُخْرَى: أَنَّهُ ﷺ أَجْلَسَهُمْ عَلَى كِسَاءٍ ثُمَّ أَخَذَ بِأَطْرَافِهِ الْأَرْبَعَةِ بِشِمَالِهِ

---

[1] درست عن الفرق، د. احمد جلی (ص ٢٠٣)

[2] اوائل المقالات للمفید (ص ٣٥)

[3] أسمى المطالب سيرة أمير المومنين علي بن ابي طالب (٢/ ٣٠٢)

فَضَمَّهُ فَوْقَ رُؤُوْسِهِمْ ، وَأَوْمَا بِيَدِهِ الْيُمْنٰى إِلَى رَبِّهِ فَقَالَ: هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِيْ فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا .))

''میرے پاس نبی کریم ﷺ، علی، فاطمہ، حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) تھے، میں نے ان کے لیے خزیرہ (قیمہ اور آٹے سے بنا کھانا) تیار کیا، ان لوگوں نے کھایا اور سو گئے، آپ نے ان پر چادر ڈالی اور کہا: اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، ان کی گندگی کو دور کردے اور انھیں پاک کردے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں ایک چادر پر بٹھایا، پھر اس کے چاروں کونوں کو اپنے بائیں ہاتھ سے ان کے سروں پر پکڑ لیا، اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے رب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، ان کی گندی کو دور کر دے اور انھیں پاک کردے۔''

یہ دونوں روایتیں اور امام مسلم کی روایت کردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ پانچوں آیت میں داخل ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے اس میں داخل نہیں ہیں۔ [1]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی کچھ روایتیں وارد ہیں جن میں اس طرح کے اضافے ہیں جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آیت کے مفہوم میں داخل نہ ہونے کی جانب اشارہ کرتے ہیں وہ سب ضعیف ہیں، لیکن درج ذیل روایت صحیح ہے:

جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نبی کریم ﷺ پر یہ آیت ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ نازل ہوئی، تو آپ نے فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا، انھیں ایک چادر اڑھادی، علی رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے انھیں بھی چادر اڑھادی، پھر فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِيْ فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا .))

''اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، ان کی گندگی کو دور کردے، اور انھیں پاک کردے۔''

ام سلمہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو اور تم بہتری میں ہو۔'' [2]

ایک دوسری بہت اہم روایت ہے جو اسنادِ حسن سے مروی ہے اور اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اہل کساء کے کساء سے نکلنے کے بعد ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس میں داخل ہوئی تھیں۔ [3] بعد میں داخل ہونے کا سبب یہ ہے کہ

---

[1] ثم أبصرت الحقيقة (ص ١٧٧)

[2] فضائل الصحابة (٢/ ٧٢٧، رقم ١٩٩٤) اس کی سند ضعیف اور اس کے دوسرے قوی طرق ہیں۔

[3] ثم أبصرت الحقيقة (ص ١٧٧)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی چادر میں داخل ہونا درست نہیں تھا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں اہل کساء کے نکلنے کے بعد داخل کیا۔

''شہر'' سے مروی ہے کہتے ہیں جب حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کی خبر آئی تو میں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اہل عراق پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا، کہہ رہی تھیں: انھوں نے انہیں شہید کر دیا، اللہ انھیں قتل کرے، ان کو دھوکہ دیا اور رسوا کیا، اللہ کی ان پر لعنت ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے پاس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک ہانڈی میں بصورت عصیدہ (گھی اور آٹے کا حلوہ) کھانا ایک طبق میں اٹھائے آئیں، اور آپ کے سامنے رکھ دیا، آپ نے ان سے پوچھا: تمھارے چچا زاد بھائی کہاں ہیں؟ کہا: وہ گھر میں ہیں، فرمایا: جاؤ انھیں بلاؤ اور ان کے دونوں بچوں کو بھی میرے پاس لے آؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ اپنے دونوں بچوں کو ہر ایک ایک ہاتھ میں پکڑے لے آئیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے آ رہے تھے، سب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، آپ نے ان دونوں کو اپنی گود میں بٹھایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دائیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بائیں بٹھایا، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: آپ نے خیبر کی بنی ہمارے سونے والی چادر کو کھینچا اور اس کو اس طرح سمیٹا کہ اس کے دونوں کناروں کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا اور دائیں ہاتھ کو آسمان کی جانب اٹھا کر فرمایا: اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، ان کی گندگی کو دور کر دے، اور انھیں پاک کر دے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، تم بھی چادر میں داخل ہو جاؤ، چنانچہ جب آپ اپنے چچا زاد بھائی علی، ان کے دونوں لڑکے اور اپنی صاحبزادی فاطمہ (رضی اللہ عنہم) کے حق میں دعا سے فارغ ہوئے تو میں چادر میں داخل ہوئی۔ ❶

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اہل بیت میں سے ہونے کی گواہی دی، اور انھیں دعا دینے کے بعد ان کو چادر میں داخل کیا۔ ❷

ب:...... آیت ہذا عصمت و امامت پر دلالت نہیں کرتی:

اس کی دلیل یہ ہے کہ ان آیات میں خطاب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ہے، انھی سے ابتداء ہے، انھی پر اختتام ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ

---

❶ فضائل الصحابة (۲/ ۸۵۲، رقم ۱۱۷۰) اس کی اسناد حسن ہے۔

❷ ثم أبصرت الحقيقة (ص ۱۷۸)

لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۞ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۞ وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۞ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۞ وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۞﴾ (الاحزاب: ۲۸۔۳۴)

''اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم زندگانی دنیا یا زینت دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ دے دلا دوں اور تمھیں اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں، اور اگر تمھاری مراد اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہے تو (یقین مانو کہ) تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں، اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی (کا ارتکاب) کرے گی اسے دوہرا دوہرا عذاب دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل (سی بات) ہے اور تم سے جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے اجر (بھی) دوہرا دیں گے، اور اس کے لیے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے، اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو، تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والیو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے، اور تمھارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ لطف کرنے والا خبردار ہے۔''

خطاب پورا کا پورا ازواج مطہرات سے ہے، انھی کے لیے امر، نہی، وعدے اور وعید ہیں، لیکن جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کی منفعت انھی اور دیگر اہل بیت کو شامل ہے تو ''یطھر'' کے مفعول کے لیے مذکر کی ضمیر ''کم'' استعمال کی گئی، اس لیے کہ مذکر و مؤنث اکٹھا ہوں تو تغلیباً مذکر کی ضمیر ذکر کی جاتی ہے، ایسا اس لیے ہوا کہ آیت تطہیر تمام اہل بیت کو شامل ہو جائے، اس سلسلے میں دوسروں کے مقابلے میں علی، فاطمہ، حسن، اور حسین رضی اللہ عنہم

کو خصوصیت حاصل ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے خصوصیت کے ساتھ دعا کی۔
اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ کسی شخص کی بیوی اس کے اہل بیت میں سے ہوتی ہے، ایسا استعمال عربی زبان میں عام طور سے ملتا ہے، ایک آدمی دوسرے آدمی سے پوچھتا ہے: "كَيْفَ اَهْلُكَ" تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ تمھاری بیوی بچے کیسے ہیں؟ اور جواب میں وہ کہتا ہے: هم بخير، وہ سب خیریت سے ہیں۔
نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ (هود: ۷۳)
"فرشتوں نے کہا: کیا تو اللہ کی قدرت سے تعجب کر رہی ہے؟ تم پر اے اس گھر کے لوگو! اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔"
اس آیت کی مخاطب بالاجماع ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی کی بیوی اس کے اہل بیت میں سے ہے۔[1]
اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بھی مخاطب موسیٰ علیہ السلام کی بیوی ہیں:
﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾
(القصص: ۲۹)
"جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی، اپنی بیوی سے کہنے لگے: ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے، بہت ممکن ہے کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں، یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں تاکہ تم سینک لو۔"
اور اللہ تعالیٰ کے قول:
﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۞ وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۞﴾ (مريم: ۵۴-۵۵)
"اس کتاب میں اسماعیل کا واقعہ بیان کرو، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا، اور رسول اور نبی بھی تھا، وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکوۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول بھی تھا۔"

---

[1] الإمامة والنص، فيصل نور (ص ۳۸٦)

اس میں اسماعیل علیہ السلام کی بیوی ان کے اہل بیت میں سے تھی جن کو وہ نماز کا حکم دیتے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طٰه: ۱۳۲)

''اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جما رہ۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی بیویاں کم از کم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس اعتبار سے کہ سورت مکی ہے آپ کے اہل میں شامل ہیں۔ ❶

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (یوسف: ۲۵)

''دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے یوسف کا کرتا پیچھے کی طرف کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور دروازے کے پاس ہی عورت کا شوہر دونوں کو مل گیا تو کہنے لگی: جو شخص تیری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے بس اس کی سزا یہی ہے کہ اسے قید کرلیا جائے اور کوئی دردناک سزا دی جائے۔''

اس الٰہی فرمان میں مخاطب عزیز مصر ہے اور "بأهلك" سے مراد "زوجتك" ہے اور یہ بہت واضح بات ہے۔ ❷

ج:......قرآن کی زبان میں "اِذْهَابُ الرِّجْسِ" (گندگی ختم کرنا) سے مراد معصوم ہونا نہیں ہے:

راغب اصفہانی اپنی کتاب "مفردات الفاظ القرآن" میں "رجس" کے مادہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الرجس" گندی چیز، رجل رجسی، و رجال ارجاس گندا آدمی، گندے لوگ۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ (المائدة: ۹۰) یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، اور شرعی اعتبار سے "رجس" شراب، جوا وغیرہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو "رجس" اس لیے کہا ہے کہ شرک سب سے قبیح چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ الإمامة والنص (ص ۳۹۱)

❷ الإمامة والنص (ص ۳۹۱)

﴿وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ﴾ (التوبة: ١٢٥)

''اور جن کے دلوں میں روگ ہے اس صورت نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی۔''

﴿وَ یَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ (یونس: ١٠٠)

''اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے۔''

آیت میں "الرجس" سے مراد گندا آدمی ہے یا عذاب، اور یہ اللہ کے اس قول کے مانند ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ مشرک نجس ہیں۔

الغرض "الرجس" کی اصل گندگی ہے، اسے بول کر شرک مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ کے قول میں ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ (الحج: ٣٠)

''تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔''

نیز اس سے حرام کردہ خبیث چیزیں مراد لی جاتی ہیں، جیسے کھانے پینے کی چیزیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ (الانعام: ١٤٥)

''آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیوں کہ وہ بالکل ناپاک ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ﴾ (المائدة: ٩٠)

''بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر، یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں۔''

یہ بات ثابت نہیں ہے کہ قرآن نے "الرجس" کا لفظ مطلق گناہ کے لیے استعمال کیا ہے، اس لیے "الرجس" کا خاتمہ معصوم ہونے کو ثابت نہیں کرتا۔ [1]

ز:... "الرجس" سے تطہیر کسی کے معصوم ہونے کو ثابت نہیں کرتی:

جس طرح "الرجس" سے انسان کے گناہ اور اجتہادی غلطیاں مراد نہیں ہیں، بلکہ اس سے مراد گندگی،

[1] ثم أبصرت الحقیقة (ص ١٨١)

بدبو، حسی و معنوی نجاستیں ہیں، اسی طرح "التطہیر" سے مراد عصمت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ صرف اہل بیت کی نہیں بلکہ ہر مومن کی تطہیر چاہتا ہے، اگرچہ اہل بیت تطہیر کے زیادہ حقدار ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ﴾

(المائدة: ٦)

"اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمھیں پاک کرنے کا اور تمھیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے۔"

نیز فرماتا ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (التوبة: ١٠٣)

"آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں۔"

نیز فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرة: ٢٢٢)

"اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اہلِ بیت کی تطہیر چاہتا ہے اسی طرح اس بات کی بھی خبر دی کہ وہ مومنین کی تطہیر چاہتا ہے، اگر تطہیر سے مراد معصوم ہونا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عام مومنین بھی معصوم ہوتے، اس لیے کہ آیتوں میں ان کی تطہیر کے ارادے کی تصریح ہے، اور مسجد قبا میں آنے جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (التوبه: ١٠٨)

"اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

جب کہ یہ لوگ بالاتفاق معصوم نہیں تھے۔

تین سو تیرہ بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾

(الانفال: ١١)

"اور وہ تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کردے، اور تم سے

شیطانی وسوسہ کو رفع کر دے۔''

اللہ تعالیٰ کے اس قول نے ان کے معصوم ہونے کو ثابت نہیں کیا ہے باوجودیکہ اہل بیت کے بارے میں اللہ کے قول ﴿لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ اور اہل بدر کے بارے میں اللہ کے قول ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾ کے مابین کوئی فرق نہیں ہے، "رجز" اور "رجس" دونوں کے قریب قریب ایک معنی ہیں، اور دونوں آیتوں میں "یطھرکم" ایک ہے، لیکن نفس پرست لوگوں نے دوسری آیت کو چھوڑ کر صرف پہلی آیت کو معصوم ہونے کی دلیل مانا ہے۔

عجیب بات ہے کہ شیعی علما اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور اسے اصحاب کساء کے ساتھ خاص کر دیتے ہیں، نیز اس میں ارادۂ تطہیر سے اصحاب کساء کے معصوم ہونے کو ثابت کرتے ہیں، لیکن اس وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ دوسری آیتیں بھی نازل ہوئی ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے اللہ کے ارادۂ تطہیر کا تذکرہ ہے، بلکہ ان کے مقابلے میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کرتے ہیں، پلٹ جانے کا الزام لگاتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تطہیر سے متعلق اپنے ارادے کی نص آیت سے تصریح کی ہے۔ [1]

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (النور: ٤٠)

''جسے اللہ تعالیٰ ہدایت کی روشنی عطا نہ کرے اسے ہدایت کی روشنی نہیں مل سکتی۔''

آیت میں وارد ارادہ شرعی ارادہ ہے نہ کہ کونی ارادہ:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ تمھاری گندگی کو ختم کر دے، علمائے اہل سنت ارادہ شرعیہ دینیہ اور ارادۂ قدریہ کونیہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ارادہ شرعیہ دینیہ: محبت اور پسندیدگی کے معنی کو شامل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ١٨٥)

''اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسانی کو پسند کرتا ہے، مشکل کو پسند نہیں کرتا۔''

نیز اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝﴾ (النساء: ٢٧-٢٨)

''اور اللہ پسند کرتا ہے کہ تمھاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیروکار ہیں وہ پسند کرتے

[1] ثم أبصرت الحقيقة (ص ١٨٢)

ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ، اللہ پسند کرتا ہے کہ تم سے تخفیف کرے کیوں کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔"

ارادہ قدریہ کونیہ:...... یہ ارادہ اس مشیت کے معنی میں ہے جو تمام موجودات کو شامل ہے، جیسے وہ ارادہ جو ان آیتوں میں وارد ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ (البقرة: ٢٥٣)

"لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ (هود: ٣٤)

"تمھیں میری خیرخواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، گو میں کتنی ہی تمھاری خیرخواہی کیوں نہ چاہوں، بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمھیں گمراہ کرنے کا ہو۔"

اس طرح گناہوں سے متعلق اللہ کا ارادہ، ارادہ کونیہ قدریہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو پسند نہیں کرتا، نہ ان پر راضی ہوتا ہے، اور نہ ان کا حکم دیتا ہے، بلکہ انھیں ناپسند کرتا ہے، ان پر ناراض ہوتا ہے، ان سے منع کرتا ہے۔ یہ تمام سلف اور ائمہ کرام کا قول ہے، چنانچہ وہ محبت و پسندیدگی کو مستلزم ارادۂ شرعیہ اور ناراضی و عدم محبت کو مستلزم ارادۂ قدریہ کونیہ کے مابین تفریق کرتے ہیں۔ ❶

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہ، حسن، حسین، علی، اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم سے گندگیوں کو ختم کر دیا ہے، اور اس آیت میں ارادہ، ارادۂ شرعیہ دینیہ ہے، اسی لیے حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو چادر سے ڈھانپ دیا تو ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِيْ اَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ .)) ❷

"اے اللہ یہ سب میرے اہل بیت ہیں، ان سے گندگی کو ختم کر دے۔"

ھ:...... آیت تطہیر اصحاب کساء کو شامل ہے، اس سے متعلق قول فیصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:

آیت تطہیر میں اگر اس بات کی دلیل ہوتی کہ تطہیر اہل کساء کو شامل ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کساء سے نہ ڈھانکتے اور نہ ان کے لیے یہ دعا کرتے:

((اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِيْ فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ .))

❶ وسطية اهل السنة بين الفرق، محمد ب عبدالله (ص ٣٨٧)

❷ سنن الترمذي كتاب مناقب اهل البيت، رقم (٣٧٨٧)

''اے اللہ یہ سب میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو ختم کر دے۔''

بلکہ اس میں اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے متعلق نازل ہوئی ہے، اور نبی کریم ﷺ نے چاہا کہ منجانب اللہ تطہیر کی یہ خبر اصحاب کساء کو شامل ہو جائے اس لیے آپ نے انھیں اکٹھا کیا، ان پر چادر اوڑھائی اور ان کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی [1] اور ان کی تطہیر کر دی جس طرح نص آیت سے ازواج مطہرات کی تطہیر کی تھی۔ [2]

و...... کچھ ایسی دلیلیں جو واضح کرتی ہیں کہ آیت امامت اور معصوم ہونے کی دلیل نہیں:

انھی دلیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے زعم باطل کے مطابق جو خصوصیات امیر المومنین علی، حسن، اور حسین رضی اللہ عنہم کے لیے ثابت ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی ثابت ہوں گی، جب کہ امامت کی خصوصیت عورتوں کے لیے ثابت نہیں ہو سکتی، اس لیے اگر یہ آیت امامت اور معصوم ہونے کی دلیل ہوتی تو آیت کے اوصاف سے متصف جتنے لوگ بھی ہوتے، سبھی امامت اور معصوم ہونے کے مستحق ہوتے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا انھیں کی طرح آیت کے اوصاف سے متصف ہیں، اس مذکورہ بات سے یہ چیز صراحتاً ثابت ہوئی کہ آیت سے مراد نہ تو امامت ہے اور نہ معصوم ہونا ہے۔

انھی دلیلوں میں سے ان کے اپنے فاسد عقیدے کے مطابق معصوم ائمہ میں سے نو کا خارج ہو جانا ہے، اس لیے کہ آیت ان کو شامل نہیں، آیت ان میں صرف تین علی بن ابی طالب، حسن بن علی، حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص ہے۔ [3]

۱۰۔ آیتِ مباہلہ اور نجران کے عیسائیوں کا وفد:

نجران کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ہم آپ لوگوں سے پہلے مسلمان ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((يَمْنَعُكُمْ مِنَ الْإِسْلَامِ ثَلَاثٌ: عِبَادَتُكُمُ الصَّلِيْبَ ، أَكْلُكُمُ الْخِنْزِيْرَ ، وَ زَعْمُكُمْ اَنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا .)) [4]

''تمھیں مسلمان ہونے سے تین چیزیں روکتی ہیں: تمھاری صلیب کی پرستش، تمھارا خنزیر کو کھانا اور

---

[1] ثم أبصرت الحقيقة (ص ۱۸۲)

[2] أسمى المطالب في سيرة علي بن أبي طالب (۲/ ۳۱٤)

[3] الإمامة والنص (ص ۳۸۷)

[4] زاد المعاد (۳/ ٦۳۳) اس کی سند میں ضعف ہے۔

تمھارا یہ فاسد عقیدہ کہ اللہ کا لڑکا ہے۔''
چنانچہ آپ کے اور ان کے مابین کافی مناقشہ و مناظرہ ہوا، نبی کریم ﷺ انھیں قرآن سناتے جاتے اور ٹھوس دلیلوں سے ان کے باطل افکار و خیالات کا قلع قمع کرتے جاتے، رسول اللہ ﷺ سے انھوں نے ایک بات یہ بھی کہی تھی: آپ کیوں ہمارے نبی کو برا بھلا کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے تھے؟ تو آپ نے فرمایا تھا: بالکل ٹھیک! وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کے کلمہ (کن سے پیدا ہونے والے) ہیں جسے مریم علیہا السلام کی طرف ڈال دیا تھا، اس پر وہ ناراض ہوگئے، اور کہنے لگے: کیا تم نے کبھی بغیر باپ کے کسی انسان کو دیکھا ہے، اگر تم سچے ہو تو اس کی کوئی مثال مجھے بتلاؤ؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں یہ آیات نازل کیں:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۝﴾ (آل عمران: ۵۹-۶۰)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ہو بہو آدم کی مثال ہے، جسے مٹی سے بنا کر کہا کہ ہو جا، پس وہ ہوگیا، تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے، خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔''

یہ آیت ان کے باطل افکار کا کام تمام کرنے والی دلیل ہے، اس میں ایک انوکھی چیز کی تشبیہ اس سے بھی زیادہ انوکھی چیز سے دی گئی ہے۔ ❶

جب ان کے ساتھ حکمت اور مواعظ حسنہ پر مبنی مباحثہ و مناقشہ سے کام نہ چلا تو آپ نے انھیں اس آیت پر عمل کرتے ہوئے مباہلہ کی دعوت دی: ❷

﴿فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝﴾

(آل عمران: ۶۱)

''اس لیے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں، پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔''

چنانچہ نبی کریم ﷺ نکلے، آپ کے ساتھ حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم تھے، آپ نے فرمایا: جب میں دعا کروں گا تو تم سب آمین کہنا۔ ❸ انھوں نے اپنے مابین مشورہ کیا۔ چوں کہ انھیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ برحق

❶ زاد المعاد (۳/ ۶۲۹-۶۳۸)
❷ السیرۃ النبویۃ لأبی شہبۃ (۳/ ۵۴۷)
❸ السیرۃ النبویہ لأبی شہبۃ (۲/ ۵۴۷)

نبی ہیں اور یہ بھی کہ جس قوم نے بھی کسی نبی سے مباہلہ کیا وہ ہلاک ہوئی ہے، اس لیے انھیں ہلاکت کا خوف لاحق ہوگیا اور مباہلہ سے انکار کردیا اور کہا: آپ ہمارے خلاف جو فیصلہ چاہیں کردیں، چنانچہ آپ نے ان کے ساتھ دو ہزار جوڑے کپڑوں پر صلح کی، ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں۔ ❶

اس طرح آیت کے نزول کا حقیقی مقصد اور مناسبت واضح ہوجاتی ہے اور یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی تخصیص کا شیعہ حضرات جو دعویٰ کرتے ہیں آیت کا اس سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں، میں نے اپنی کتاب "أسمی المطالب فی سیرة علی بن ابی طالب" ❷ میں ان کے اس زعم باطل کی تردید کی ہے، مزید تفصیل کے لیے اس کا مراجعہ کیا جائے۔

۱۱۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر خاندانی تربیت کا اثر:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نبوی خاندان میں پروان چڑھے، اپنے نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، والد علی رضی اللہ عنہ، والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زیر نگرانی پلے بڑھے، اپنے نانا اور والدین سے اسلامی تعلیمات کو سیکھا، اس تربیت نے ان کی ایسی مضبوط شخصیت کی تعمیر میں اپنا اہم کردار ادا کیا جس نے اسلام کے احکام اور تعلیمات کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، لوگ چاندی اور سونے کے معدن جیسے ہیں ان میں جو جاہلیت میں اچھے رہے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں۔ ❸

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا معدن تو بے نظیر ہے، آپ جاہلیت کے بجائے خاندانِ نبوت میں پروان چڑھے، اس لیے آپ کلمہ "سیــد" (سردار) کے پورے پورے مستحق ٹھہرے، آپ کو خاندان کی اصلیت اور خاندانی تربیت کا جو حصہ ملا وہ دوسرے کو نہیں مل سکا، چنانچہ آپ کے نانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کے والد علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کی والدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا ہیں، آپ کی نانی خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی تربیت کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبھائی، آپ نے ان کی براہ راست دیکھ ریکھ کی، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں ایک مربی باپ کے تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے اس آیت کا مفہوم خوب اچھی طرح سمجھا تھا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ ﴾ (التحريم: ٦)

---

❶ السيرة النبوية لأبي شهبة (٢/ ٥٤٧)

❷ أسمى المطالب في سيرة علي بن أبي طالب (٢/ ٣٣٤- ٣٣٦)

❸ صحيح البخاري (رقم ٣٣٨٣)

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جنھیں جو حکم اللہ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، بلکہ جو حکم دیا جائے بجا لاتے ہیں۔''

مربی باپ کے اوصاف

مربی باپ کے چند ضروری اوصاف درج ذیل ہیں:

۱۔تربیت کی اہمیت کا احساس، اس کا مکمل اہتمام کرنا، اس میں اخلاص سے کام لینا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی تعلیم و تربیت کا کما حقہ اہتمام کیا، اس میں بالکل مستعد رہے، ان کی مکمل طور سے نگہداشت کی، مقصد صرف اپنی اولاد کو اطاعت الٰہی و اطاعت نبوی کی تربیت دے کر اللہ کی خوشنودی، ثواب اور اس کا قرب حاصل کرنا تھا۔

۲۔بچوں کے سامنے ایک اچھا نمونہ پیش کرنا:

''نمونہ'' اگرچہ علی الاطلاق تربیت کا اہم ترین وسیلہ نہ ہو، پھر بھی اس کے اہم ترین وسائل میں سے ہے، ایسا اس لیے ہے کہ انسانی وجود ایسا طبعی اور فطری جذبہ و میلان ہوتا ہے جو انسان کو دوسرے کے نقش قدم پر چلنے اور اس کی نقالی پر اصرار کے ساتھ مجبور کرتا ہے، بالخصوص چھوٹے بچوں کو۔ [1]

ابن خلدون کا قول ہے: دوسرے کے نقش قدم پر چلنے اور اس کی نقالی کی ابتداء پانچویں یا چھٹے سال سے ہوتی ہے، اور بچپنے کے آخری مرحلے تک باقی رہتی ہے۔ [2]

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ایک عظیم نمونہ تھے، چنانچہ آپ کبار صحابہ اور خلفائے راشدین میں سے تھے، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما دل کی گہرائی سے اپنے والد اور والدہ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

۳۔امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ تربیت کے باب میں بڑے ہی نرم، مہربان اور رحم دل تھے:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ رحم دلی اور حلم و بردباری سے آراستہ تھے، حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی تربیت میں بڑے ہی نرم دل اور مہربان تھے، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک ان کے مقام و مرتبہ اور فضیلت کا پورا احساس تھا۔

---

[1] مسئولیۃ الأب، عدنان با حارث (ص ٦٥)

[2] مقدمۃ ابن خلدون نقلاً عن موسوعۃ تربیۃ الأجیال المسلمۃ، لنصر بن محمد العنقری (ص ٨٦)

۴۔بچوں کے مابین عدل وانصاف کو باقی رکھنا اوران کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ جس وقت دنیا سے کوچ کر رہے تھے، اپنے لوگوں سے جدا ہو رہے تھے اور موت بالکل قریب تھی ایسے میں آپ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے متعلق وصیت کی تھی، اس وصیت یہ اخلاق بالکل نمایاں نظر آتے ہیں، آپ نے اولاد کی تعلیم وتربیت میں قرآن کی ہدایات اور رہنمائی پر عمل کیا، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝﴾ (لقمان: ۱۳-۱۴)

''اور جب کہ لقمان نے وعظ کہتے ہوئے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرے پیارے بچے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا، بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے، ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا، اور اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کے شکر گزاری کر (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

خلاصہ یہ کہ قرآن نے تربیت اولاد سے متعلق انبیاء کی یاددہانی کی اہمیت دی ہے، اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی زندگی الٰہی اوامر کو بجالانے اور نواہی سے اجتناب میں گزری، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں اس طرح کے اہم اوصاف موجود تھے، جن سے آپ کو حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی تربیت میں کافی مدد ملی۔

۱۲۔حسن رضی اللہ عنہ کی تربیت میں معاشرتی حالات کی تاثیر:

لوگوں کو تیار کرنے اور ان کی شخصیتوں کی تعمیر میں معاشرے کے ماحول اور حالات کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ایسے ماحول میں زندگی گزاری جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور دورہ تھا اور اس منفرد معاشرے پر فضیلت، تقویٰ اور نیکی کا غلبہ تھا، لوگ طلب علم اور عمل بالکتاب والسنۃ کے خواہاں تھے، ان حالات نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنے معاشرے سے استفادہ اور اس کی اقتداء پر آمادہ کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مدینہ میں رہنے والے صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد تھی، آپ کی وفات کے بعد بھی ایک بڑی تعداد رہی، ایسا معاشرہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زندگی گزاری ہو، اسی میں آپ کے ہاتھوں خیر امت کی پہلی جماعت تربیت پائی ہو تو وہ ایک بے مثال و بے نظیر معاشرہ ہوگا۔ اس معاشرے نے وحی اور صاحب وحی کا مشاہدہ کیا، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومرافقت حاصل رہی، اسی مشاہدے اور صحبت کے

بہت سارے نفسیاتی اثرات، ایمانی نتائج اور تعلق باللہ کے فوائد رہے۔ [1]

چنانچہ یہ معاشرہ لوگوں کے لیے بڑا پرکشش رہا، ان کے قول و کردار پر اثر انداز ہوا، چنانچہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی تربیتی اور علمی شخصیت کی تعمیر میں اس معاشرہ کا بڑا ہی موثر کردار رہا۔

[1] الإمام الزهري (ص ٢٦)

(۴)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلفائے راشدین کے عہد میں

اوّلاً:......عہد صدیقی میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا مقام ومرتبہ

ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے نزدیک حسن وحسین رضی اللہ عنہما کا بڑا اونچا مقام تھا، سب ان سے محبت کرتے، خاص طریقے سے ان سے پیش آتے، ایک بار بعد نماز عصر ابوبکر وعلی رضی اللہ عنہما گزر رہے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو انھیں اپنی گردن پر اٹھا لیا اور کہا:

بــــأبــــي شبيــــه الــنبــي
لیــــس شبیهــــا بــــعــلــي

''میرے باپ تم پر قربان ہو، تم علی (رضی اللہ عنہ) کے بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو۔''

اور علی رضی اللہ عنہ مسکرا رہے تھے۔''[1]

حسن بن علی رضی اللہ عنہما ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت سے کافی متاثر رہے، یہاں تک کہ اپنے ایک بچے کا نام انھی کے نام پر رکھا، یہ آپ سے گہرے محبت اور آپ کی سیرت کی تفصیلی معرفت کا نتیجہ ہے، نیز حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اور وفات کے بعد آپ کے عہد سے بہت ساری باتیں سیکھیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

ا۔ وفات نبوی کے حادثے کی ہولناکی اور اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف:

ابن رجب کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مسلمان چند قسموں میں منقسم ہوگئے، کچھ دہشت زدہ تھے، ان کا حافظہ کام نہیں کر رہا تھا، کچھ بیٹھ گئے تو اٹھنے کی سکت نہ تھی، کچھ لوگوں نے تو آپ کی وفات کا بالکل انکار ہی کر دیا۔[2]

ابن اسحاق کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے مسلمانوں پر ایک بڑی مصیبت آن پڑی، مجھ تک پہنچی روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب مرتد ہونے لگے،

---

[1] نسب قریش (۱/ ۲۳) صحیح البخاری (۵/ ۹۳)
[2] لطائف المعارف (ص ۱۱٤)

یہودیت و عیسائیت اپنے پر پرزے پھیلانے لگیں، نفاق کا ظہور ہونے لگا، اور مسلمان اپنے نبی کے وفات پا جانے سے دوسرے ہی دن بھیگی بکریوں کے مانند ہو گئے۔ ❶

ابوبکر ابن العربی کا قول ہے: حالات بدل گئے...... نبی کریم ﷺ کی وفات کمر توڑ مصیبت تھی، علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیٹھ گئے، عثمان رضی اللہ عنہ پر خاموشی چھا گئی، عمر رضی اللہ عنہ پر ہذیانی کیفیت طاری ہوگئی اور کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے، آپ کو آپ کے رب نے مقررہ وعدے پر بلایا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بلایا تھا، آپ ضرور لوٹ کر آئیں گے اور (دین سے برگشتہ) لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے۔ ❷

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کی وفات کی خبر ملی تو مقام "سنح" میں اپنے گھر سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے، اترے، مسجد میں داخل ہوئے، لوگوں سے کوئی بات نہ کی، عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، رسول اللہ ﷺ کو چھوا، آپ پر چادر ڈال دی گئی تھی، چہرۂ مبارک کو کھولا، جھک کر بوسہ دیا، رونے لگے، اور فرمایا: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں طاری نہیں کرے گا، آپ پر جو موت طاری ہونی تھی ہو چکی۔ ❸ ابوبکر رضی اللہ عنہ نکلے جب کہ عمر رضی اللہ عنہ بول رہے تھے، فرمایا: اے عمر! بیٹھ جاؤ، وہ ناراض ہوتے اور بولتے جا رہے تھے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اما بعد! جو محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد ﷺ کی وفات ہو چکی ہے، اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، اس پر موت طاری نہیں ہو سکتی، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴾

(آل عمران: ۱۴۴)

"محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔ کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔"

چناں چہ لوگ ہچکیاں لیتے ہوئے رونے لگے۔

---

❶ سيرة ابن هشام (٤/ ٣٢٣)

❷ العواصم من القواصم (ص ٣٨)

❸ صحيح البخاري، كتاب المغازي (رقم ٤٤٥٢)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان مختصر کلمات اور قرآن سے دلیل پیش کرنے پر لوگوں کے ہوش و حواس درست ہوگئے، ان کا دماغ اچھی طرح کام کرنے لگا اور اچھی طرح سمجھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تنہا ہی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، اس پر موت طاری نہیں ہوسکتی، وہی تن تنہا عبادت کا مستحق ہے، اور محمد ﷺ کی وفات کے بعد بھی اسلام باقی رہنے والا ہے۔ ❶

اسی طرح ایک دوسری روایت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''اللہ کا دین باقی رہنے والا ہے، اللہ کا کلمہ پورا ہوکر رہے گا، اللہ تعالیٰ اپنی مدد کرنے والے کا مددگار ہے، اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے، اللہ کی کتاب ہمارے درمیان ہے، اس میں روشنی اور شفا ہے، اسی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی رہنمائی کی، اس میں حلال و حرام کی تمام تفصیلات ہیں، اللہ کی قسم جو بھی ہمارے خلاف آئے ہمیں اس کی پروا نہیں، اللہ کی تلواریں ابھی بے نیام ہیں، ہم نے انھیں رکھا نہیں ہے، ہم اپنی مخالفت کرنے والوں سے ضرور جہاد کریں گے، جیسا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں جہاد کیا، اس لیے جو بھی بغاوت کرے گا، وہ اپنے خلاف ہی بغاوت کرے گا۔'' ❷

محمد ﷺ کی وفات بہت بڑی مصیبت اور سخت آزمائش تھی، اسی اثنا میں اور اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت امت کے ایک بے مثال و بے نظیر قائد کے مانند ابھری۔ ❸

یقین آپ کے دل میں گھر کر چکا تھا، نتیجتاً تو حقیقتیں آپ میں پختہ ہوئی تھیں، آپ عبودیت، نبوت اور موت کی حقیقتوں کو اچھی طرح جان چکے تھے، ایسے مشکل موقع پر آپ کی حکمت عملی ظاہر ہوئی، لوگوں کو توحید کا درس دیتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ .))

''جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر موت طاری نہیں ہوگی۔''

لوگوں کے دلوں میں توحید تر و تازہ تھی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یاد دہانی سنتے ہی حق کی جانب لوٹ گئے۔ ❹

---

❶ استخلاف أبي بكر الصديق، جمال عبد الهادي، ص: ١٦٠

❷ دلائل النبوة للبيهقي (٧/ ٢١٧)

❸ أبو بكر رجل الدولة، مجدي حمدي، ص: ٢٥، ٢٦

❹ استخلاف أبي بكر الصديق (ص: ١٦٠)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم، گویا لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا ہے، جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو لوگوں نے ان سے اس آیت کو سیکھا، پھر ہر کوئی اس کی تلاوت کرتے سنا گیا۔ ❶

اس میں شک نہیں کہ یہ حادثہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے حافظے میں محفوظ ہوگیا اور آپ کی ثقافت ومعرفت کا حصہ بن گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر سات یا آٹھ سال کی تھی، یہ عمر کا ایسا مرحلہ ہوتا ہے جس میں بچپنے کی یادیں پختہ ہوتی ہیں، اس میں بچے کا حافظہ محفوظ کر لینے والے کیمرے کی طرح ہوتا ہے، جو اس کے حافظے تک بہت ساری تصویروں اور مشاہدات کو منتقل کرتا ہے، حسن رضی اللہ عنہ ذہین وفطین بچوں میں تھے، آپ میں یہ صلاحیت تھی کہ اس عہد کے حالات و واقعات کو اچھی طرح جان لیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کارہائے نمایاں، بلند مقاصد، معروف کارناموں اور اخلاقی قدروں کو سمجھ لیں، حسن رضی اللہ عنہ کی نفسیات پر یہ عظیم کارنامے اثر انداز ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت آپ کے دل میں رچ بس گئی، چنانچہ اپنے بچے کا نام انھی کے نام پر رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے حسن رضی اللہ عنہ نے جو سب سے اہم سبق سیکھا وہ یہ تھا کہ بقا شخصیتوں کے بجائے اصول و مبادی کے لیے ہے، اور صرف تعلق باللہ کو اہمیت حاصل ہے، اس لیے کہ اسی کی ذات باقی رہنے والی ہے، نفع بخش، ضرر رساں اور ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۔ سقیفۂ بنی ساعدہ (قبیلہ بنی ساعدہ کا چھپر)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی تو اسی دن بروز سوموار ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ کے انتخاب سے متعلق اپنے مابین مشورہ کیا۔ ❷ انصار قبیلۂ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گرد اکٹھے تھے، ادھر مہاجرین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلیفہ کے انتخاب کے لیے اکٹھے تھے۔ ❸ ایسے میں جب انھیں سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار کے اکٹھے ہونے کی خبر ملی تو بعض مہاجرین نے بعض سے کہا: چلو اپنے انصار بھائیوں کے پاس چلیں، انھیں بھی اس کا حق حاصل ہے۔ ❹ چنانچہ ہم چلے، سقیفہ بنی ساعدہ میں ان کے پاس پہنچے، ان کے مابین ایک شخص چادر اوڑھے ہوئے تھا، تو میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ ان لوگوں نے کہا: یہ سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) ہیں، میں نے کہا: انھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا کہ وہ بخار کی تکلیف میں مبتلا ہیں، ہم تھوڑی دیر بیٹھے، ان کے خطیب نے حمد و ثنا کے بعد کہا:

❶ صحیح البخاری (رقم ١٢٤١، ١٢٤٢)
❷ التاریخ الاسلامی (٩/ ٢١)
❸ عصر الخلافة الراشدة للعمری (ص ٤٠)
❹ عصر الخلافة الراشدة للعمری (ص ٤٠)

''امابعد! ہم اللہ کے انصار اور اسلام کی بڑی فوج ہیں، تم مہاجرین کی جماعت ایک چھوٹی قوم ہو، تم میں سے تھوڑے سے لوگ تیزی سے چل پڑے ہیں جو ہمیں ہماری اصل سے کاٹ دینا اور معاملے (خلافت) سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔''

اس کی خاموشی کے بعد میں نے گفتگو کرنی چاہی، میں نے اپنی من پسند تقریر تیار کر رکھی جسے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا، اور اس خطیب سے کچھ سختی سے نمٹنا چاہتا تھا، جب میں نے تقریر کرنی چاہی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھہرو! میں نے آپ کی ناراضی کو پسند نہیں کیا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقریر کی، آپ مجھ سے زیادہ بردبار اور سنجیدہ تھے، میں جو بھی کہنا چاہتا تھا آپ نے ویسی ہی یا اس سے بہتر باتیں کہیں اور چپ ہو گئے۔

تو ان کے خطیب نے کہا: آپ لوگوں نے اپنی جن بھلائیوں کا ذکر کیا ہے، آپ لوگ اس کے اہل ہیں، خلافت کا معاملہ قبیلۂ قریش ہی میں رہے گا، ان کا نسب اور قبیلہ عربوں میں سب سے اچھا ہے، میں نے تمہارے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کیا ہے، ان میں سے جس کے لیے چاہو بیعت کرلو، اس نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑا۔ ان کی یہ بات مجھے بری لگی، اللہ کی قسم میری گردن مار دی جائے اور اس میں میں کسی گناہ کا مرتکب نہ بنوں، یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایسی قوم کا امیر بن جاؤں جس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔

تو انصار کے شخص نے کہا:

((أنا جذيلها المحكك وعذيقها المرحب .)) ❶

''میں انصار میں صائب الرائے اور مدد کرنے کا اہل ہوں''

اے قریش کے لوگو! ہمارا ایک امیر ہو اور تمہارا ایک امیر ہو، چنانچہ شور وغوغا زیادہ ہو گیا، آوازیں بلند ہونے لگیں، مجھے اختلاف کا خدشہ لاحق ہوا تو میں نے کہا: اے ابوبکر صدیق آپ ہاتھ پھیلائیں، انھوں نے ہاتھ پھیلایا، چنانچہ میں نے اور مہاجرین نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر انصار نے بھی بیعت کر لی۔'' ❷

امام احمد کی ایک روایت میں ہے: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقریر کی، انصار سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے جتنی باتوں کا تذکرہ کیا تھا ان تمام باتوں کا انھوں نے اپنی تقریر میں تذکرہ کیا، فرمایا: مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ

❶ اس مثل کا لفظی ترجمہ یہ ہے: میں اس کا وہ تنا ہوں جس سے اونٹ کمر کھجلاتے ہیں اور وہ کھجور ہوں جس کے نیچے ٹیک لگی ہوتی ہے۔
❷ صحيح البخاري كتاب الحدود (رقم ٦٨٣٠)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: اگر لوگ ایک طرف جا رہے ہوں اور انصار دوسری طرف، تو میں انصار کے ساتھ جاؤں گا، اور اے سعد بن عبادہ تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تم بیٹھے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: اہل قریش اس خلافت کے والی ہیں، اچھے لوگ اچھے لوگوں کے تابع ہوں گے اور برے لوگ برے لوگوں کے، جواب میں سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ سچ کہتے ہیں، ہم لوگ وزیر ہیں اور آپ لوگ خلیفہ اور امیر ہیں۔ ❶

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امارت و خلافت کی خواہش نہیں تھی، آپ کی یہ بے رغبتی آپ کی اس تقریر سے واضح ہوتی ہے جس میں آپ نے خلافت کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''کسی وقت بھی مجھے امارت و خلافت کا لالچ نہیں تھا نہ رغبت، اور نہ سرا پا جہرا میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا کی تھی، لیکن فتنے کے خوف سے قبول کر لیا، خلافت میں مجھے آرام نہیں ہے، اللہ کے سہارے ہی میں نے اتنے عظیم کام کی ذمہ داری قبول کر لی ہے، میری خواہش تھی کہ جس میں خلافت کی سب سے زیادہ طاقت ہوتی وہ میری جگہ ہوتا۔'' ❷

آپ نے اپنی خلافت سے متعلق لوگوں کی ہر طرح مخالفت کی براءت طلب کرتے اور ان سے اس پر قسم کھانے کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''اے لوگو! میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جو شخص میری بیعت سے نادم ہو تو وہ کھڑا ہو جائے۔''

تو علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، آپ کے ہاتھ میں تلوار تھی، قریب ہو کر ایک پیر منبر پر رکھا دوسرا کنکریوں پر اور فرمایا: اللہ کی قسم نہ ہم آپ کو ہٹائیں گے اور نہ ہٹ جانے کا مطالبہ کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے آپ کو آگے بڑھایا ہے تو آپ کو کون پیچھے کر سکتا ہے۔'' ❸

یہی وہ حقائق ہیں جنھیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعے سے سیکھا تھا کہ وہ چیزیں جن کا تاریخ کہنے والے دعویٰ کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ خلافت کی بے رغبتی صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ میں رہی ہو، بلکہ یہ اس دور کا امتیاز تھا (اس سے متعلق نصوص کی تفصیل میری کتاب "الانشـراح و رفـع الـضيق بسيرة أبي بكر الصديق" میں موجود ہے، اس کا مراجعہ کیا جا سکتا ہے۔)

کہا جا سکتا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو بھی گفتگو ہوئی، اسی نقطے کے ارد گرد گھومتی ہے، اس بات کو بہتا یہ ثابت کرتی ہے کہ انصار اسلامی دعوت کے اچھے مستقبل کے حریص اور اس سلسلے میں قربانیوں کے لیے ہمیشہ تیار

---

❶ مسند احمد (۱/ ۵) یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔

❷ المستدرک (۳/ ۶۶) امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے، امام ذہبی نے اس کی تصدیق کی ہے۔

❸ الاعتذار فی العصر الراشدی (ص ۱۰۱) الریاض النضرۃ (۱/ ۲۱۶)

تھے، اس سے متعلق جب انھیں اطمینان حاصل ہو گیا تو بہت جلد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے تیار ہو گئے، جسے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھی اسباب کے باعث قبول کیا تھا۔

صحابہ کرام کا نقطۂ نظر ایسے بہت سارے مصنفین کی رائے کے خلاف ہے، جنھوں نے اپنی تصانیف میں صحیح علمی منہج اور تحقیق سے کام نہیں لیا ہے، بلکہ ان کی تحقیق اس زمانے کے امتیاز، انصار و غیر انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امیدوں اور خواہشات سے متعارض ہے۔ اگر سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع - ان کے زعم کے مطابق - ❶ مہاجرین اور انصار کے مابین اختلاف کا باعث ہوتا تو انصار وہاں کے رہنے والے اور تعداد و تیاری والے ہونے کے باوجود اس نتیجے کو کیسے قبول کر لیتے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مان لیتے، اور خلافت کی تائید و نصرت کا ان میں جذبہ نہ ہوتا تو اس کو پائیدار بنانے کے لیے کس طرح اس کی فوج میں شریک ہو کر بغرض جہاد مشرق و مغرب میں پھیل جاتے؟

خلافت کی سیاست کے نفاذ سے متعلق انصار کی حرص اور ان کا مرتدین سے مقابلہ آرائی کے لیے کوچ کرنا دونوں باتیں سچائی کو ظاہر کرتی ہیں اور یہ کہ دوسرے مسلمانوں کو کون کہے، خود انصار کا کوئی آدمی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے نہیں رہا، جن مورخین نے اپنے مقصد والی روایتوں میں انصار و مہاجرین کے مابین اختلاف کا تذکرہ کیا ہے ان کی باہمی اخوت ان کے اس خیال سے بالاتر ہے۔ ❷ ان مورخین کا گمان ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے مکر و فریب اور مخالفت کو دیکھا اس لیے آپ نفسیاتی طور پر اس سے متاثر رہے، جیسا کہ "حیاۃ الامام الحسن بن علی" کے مؤلف کا خیال ہے۔ ❸

جس حقیقت کو حسن بن علی رضی اللہ عنہ جانتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کسی طرح کی معمولی یا غیر معمولی مشکلات نہیں پیش آئیں، کوئی گروہ بندی وجود میں نہیں آئی کہ ہر گروہ کا ایک امیدوار ہوتا اور ہر ایک کو خلافت کا لالچ ہوتا، جیسا کہ موضوع روایات، ادب کی کتب، تاریخ کے جھوٹے واقعات پر اعتماد کرنے والے بعض مورخین کا زعم باطل ہے، کوئی ایسی صحیح روایت ثابت ہی نہیں ہے کہ وفات نبوی کے بعد حکومت پر قبضہ جمانے کے لیے ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم کے مابین محاذ آرائی ہوئی ہو۔ ❹ ان میں اللہ کی خشیت اور تقویٰ اس درجہ تھا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔

---

❶ الاسلام و اصول الحکم، محمد عمارۃ (ص ۱۱۷، ۱۲۰)

❷ الانصار فی العصر الراشدی۔

❸ حیاۃ الحسن بن علی، باقر شریف القرشی (۱/ ۱۲۳- ۱۳۹)

❹ استخلاف ابی بکر، جمال عبد الہادی (ص ۵۰، ۵۱، ۵۳)

حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عہد نبوی میں انھوں نے پانچوں نمازوں کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، مسجد نبوی میں آپ کا آنا جانا رہتا تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے اس بات کا مشاہدہ کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے آگے بڑھایا، انھیں اپنے نانا جان کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی بیعت کا علم تھا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا عقیدہ وہی تھا جو اہل سنت والجماعت کا تھا کہ ان کی خلافت ان کے فضل، کارناموں اور نماز کی امامت میں دیگر صحابہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپ کو آگے بڑھانے کی وجہ سے صحیح اور دستوری تھی۔

نماز کی امامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپ کو بڑھانے کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھ لیا اس لیے خلافت کے لیے آپ کو بڑھانے اور آپ کی متابعت پر اتفاق کر لیا، کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ انھیں کسی گمراہی پر متفق کرنے والا نہیں تھا، چنانچہ بہ رضا و رغبت انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، آپ کے مطیع ہو گئے، آپ کی خلافت پر کسی کو اعتراض نہیں تھا۔ ❶

سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کب انجام پائی؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن ہی، لوگوں کو ایک دن بھی بغیر جماعت کے رہنا پسند نہیں تھا۔ ❷ معتبر اہل علم کی ایک جماعت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تھے ❸ جیسے خطیب بغدادی، ❹ ابوالحسن اشعری، ❺ عبدالملک جوینی ❻، ابوبکر باقلانی۔ ❼

حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلافت راشدہ کی بنیادوں کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے اور یہ کہ اس کا قیام شوریٰ اور بیعت پر ہے، خلافت کے وجوب پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور اس بات پر بھی کہ مسلمانوں پر ایسے خلیفہ کی تعیین فرض ہے جو امت کے حالات کی دیکھ ریکھ کرے، مقررہ سزاؤں کو نافذ کرے، اسلامی دعوت کی نشر و اشاعت بذریعہ جہاد دین و امت کی حفاظت، شریعت کی تنفیذ، لوگوں کے حقوق کی حفاظت، مظالم کی رکاوٹ، اور ہر شخص کی لازمی ضرورتوں کو مہیا کرنے کے لیے کام کرے۔ ❽

---

❶ عقيدة اهل السنة والجماعة في الصحابة (٢/ ٥٥٠)

❷ تاريخ الطبري (٣/ ٢٠٧)

❸ عقيدة اهل السنة والجماعة في الصحابة (٢/ ٥٥٠)

❹ تاريخ بغداد (١٠/ ١٣٠، ١٣١)

❺ الإبانة عن اصول الديانة (ص ٦٦)

❻ كتاب الإرشاد (ص ٣٦١)

❼ الانصاف فيما يجب اعتقاده ولا يجوز الجهل به (ص ٦٥)

❽ الخلافة و الخلفاء الراشدون (ص ٦٦-٦٧)

سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا اس سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بہت ساری بنیادی باتوں کو سیکھا، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ امت کے قائد کا انتخاب کیا جائے گا۔

۲۔ بیعت قیادت کے دستوری ہونے اور انتخابی عمل کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔

۳۔ منصب خلافت پر وہی فائز ہوگا جس میں دین کی زیادہ پختگی اور امور خلافت کو انجام دینے کی زیادہ صلاحیت ہو، اس طرح خلیفہ کا انتخاب اسلامی شخصی اور اخلاقی بنیادوں پر ہوگا۔

۴۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو گفتگو ہوئی وہ مسلمانوں کے مابین بڑے ہی پُر امن ماحول میں ہوئی، کسی طرح کی افراتفری نہیں تھی نہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی بات تھی نہ سازشیں تھیں اور نہ اتفاق کو توڑنے کی کوئی بات، بلکہ فیصلہ کن نصوص کو تسلیم کیا گیا اس لیے کہ منافشہ میں شرعی نصوص ہی کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔ [1]

۳۔ دور صدیقی میں حکومت کے بعض خد و خال:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے طریقہ کار کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا، اسی لیے جب آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حکومت سے دستبردار ہوئے تو خلفائے راشدین کے طریق کار اور کتاب وسنت کے التزام کی شرط لگائی، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ دور صدیقی سے اچھی طرح واقف تھے، قیادت سنبھالنے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقریر کا شمار باوجود مختصر ہونے کے اہم ترین اسلامی تقریروں میں ہوتا ہے، آپ نے اس میں حاکم ومحکوم کے مابین تعامل سے متعلق عدل ورحم دلی کے اصولوں کا تذکرہ کیا ہے، اس بات پر زور دیا ہے کہ حاکم کی اطاعت اسی وقت کی جائے گی جب وہ اللہ ورسول کی اطاعت کرتا ہو، جہاد فی سبیل اللہ کا صراحت سے ذکر کیا ہے، اس لیے کہ امت کو معزز بنانے میں اس کی بڑی اہمیت ہے، برائیوں سے اجتناب پر زور دیا ہے، اس لیے کہ اسی کے ذریعے سے معاشرے کے فساد وبگاڑ کو روکا جا سکتا ہے۔ [2]

مذکورہ تقریر اور وفات نبوی کے بعد رونما ہونے والے حالات سے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے خلافت راشدہ کے ابتدائی دور میں نظام حکومت کے خد وخال کو پہچان لیا تھا، اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کتاب وسنت کو اعلیٰ دستوری حیثیت حاصل تھی، انھوں نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا:

((أَطِيْعُوْنِيْ مَا أَطَعْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَإِنْ عَصَيْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَلَا طَاعَةَ لِيْ

---

[1] دراسات فی عهد النبوة والخلافة الراشدة للشجاع (ص ۲۵۶)

[2] التاريخ الاسلامی (۹/ ۲۸)

عَلَيْكُمْ .)) ❶

''جب تک میں اللہ و رسول کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرو، اگر میں اللہ و رسول کا نافرمان ہو جاؤں تو میری اطاعت تم پر ضروری نہیں۔''

ب: امت کو حاکم کے مراقبہ اور محاسبہ کا حق حاصل ہے، آپ کی تقریر میں ہے:

((فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي .)) ❷

''جب تک میں اچھے کام کرتا رہوں میری مدد کرو، اور اگر غلط کرنے لگوں تو مجھے ٹھیک کرو۔''

ج: لوگوں کے مابین عدل و مساوات کے اصول کو اپنانا، آپ کی تقریر میں ہے:

((الضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِي حَتَّى أَرْجِعَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ حَتَّى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ .)) ❸

''تم میں ضعیف میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ مشیت الٰہی سے میں اسے اس کا حق واپس دلا سکوں، اور تم میں قوی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ مشیت الٰہی سے میں اس سے حق کو واپس لے سکوں۔''

د: حاکم و محکوم کے مابین تعامل کی بنیاد سچائی ہے، آپ کی تقریر میں ہے:

((الصِّدْقُ أَمَانَةٌ ، وَالْكَذِبُ خِيَانَةٌ .))

''سچائی امانت ہے، اور جھوٹ خیانت ہے۔''

خلفائے راشدین کے عہد میں سچائی ہی حاکم و محکوم کے مابین تعامل کی بنیاد تھی۔

ہ: جہاد کے التزام کا اعلان اور امت کو اس کے لیے تیار کرنا:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((وَمَا تَرَكَ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ إِلَّا خَذَلَهُمُ اللّٰهُ بِالذُّلِّ .)) ❹

''جس قوم نے بھی جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کیا اللہ تعالیٰ نے اسے رسوا کر دیا۔''

یہ وہی چیز تھی جسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے سمجھا تھا:

---

❶ البداية والنهاية (٦/ ٣٠٦)
❷ البداية والنهاية (٦/ ٣٠٥)
❸ البداية والنهاية (٦/ ٣٠٥)
❹ البداية والنهاية (٦/ ٣٠٥)

((إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ ، سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ .)) ❶

''جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے، گایوں بیلوں کی دُمیں تھام لو گے۔ کھیتی باڑی میں مست ومگن رہنے لگو گے، اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے تم اس وقت تک نجات وچھٹکارا نہ پاسکو گے جب تک اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ گے۔''

و: معاشرے کو زنا کاری سے پاک کرنا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جس قوم میں زنا کاری عام ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان پر عمومی مصیبت نازل کرتا ہے۔'' ❷

آپ رضی اللہ عنہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی یاد دہانی کر رہے ہیں:

((لم تظهر الفاحشة في قوم قط حتى يعلنوا بها، إلا فشا فيهم الطاعون و الأوجاع التي لم تكن مضت في أسلافهم الذين مضوا .)) ❸

''جس قوم میں زنا کاری علانیہ ہونے لگتی ہے وہ طاعون اور ایسی دوسری بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے جن کا وجود گزشتہ لوگوں میں نہیں تھا۔''

یہ وہ بعض مقاصد تھے جنھیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیعت عامہ کے بعد لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے بیان فرمایا تھا۔ اس خطاب میں آپ نے ملکی سیاست کا خاکہ پیش کیا، حاکم کی ذمہ داریوں کو متعین کیا، حاکم ومحکوم کے مابین تعلقات کو واضح کیا، اس طرح قوموں کی تربیت اور قیام حکومت کے اہم ترین اصول ومبادی کی وضاحت کی۔

۴۔ حسن رضی اللہ عنہ کے والد کی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت:

صحیح سند سے مروی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ علی وزبیر رضی اللہ عنہما نے شروع ہی میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کر لی تھی، میں نے اس کی تفصیلات اپنی کتاب "اسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب" ❹ میں ذکر کی ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی رائے میں ان کے والد کے کارنامے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعاون پر مبنی تھے، چنانچہ

---

❶ سنن ابی داود (رقم ۳٤٦۲) البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

❷ البداية والنهاية (ص ٦/ ۳۰۵)

❸ صحيح ابن ماجه للالباني ، رقم (۳۲۰۹)

❹ اسمى المطالب في سيرة امير المومنين علي بن ابي طالب .

امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کسی بھی وقت آپ سے جدا نہیں رہے، اجتماعی مواقع میں سے کسی موقع پر آپ سے الگ نہیں رہے، مسلمانوں کے مسائل نمٹانے اور مشورہ دینے میں آپ کے ساتھ رہے، آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے خیر خواہی کا مجموعہ تھے، اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کو آپ کے نزدیک ہر چیز پر ترجیح حاصل تھی۔

مسلمانوں کے اتحاد، خلافت کی بقا کے لیے حرص، اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تئیں مخلص ہونے کی واضح دلیل آپ کا وہ رویہ ہے جسے آپ نے اس وقت اپنایا جب ابوبکر رضی اللہ عنہ بذات خود ذوالقصہ کی جانب نکل کھڑے ہوئے اور مرتدین سے جہاد، اور ان کے خلاف فوجی نقل وحرکت کی قیادت کا پختہ ارادہ کیا، جب کہ اس میں خود کو اور اسلامی وجود کو خطرہ تھا۔ ❶

((فَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ لَمَّا بَرَزَ أَبُوْبَكْرٍ إِلَى ذِي الْقِصَّةِ وَاسْتَوَى عَلَى رَاحِلَتِهِ أَخَذَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ: اَقُوْلُ لَكَ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ لَمَّ سَيْفَكَ وَلَا تُفَجِّعْنَا بِنَفْسِكَ، وَارْجِعْ إِلَى الْمَدِيْنَةِ فَوَ اللّٰهِ لَئِنْ فُجِعْنَا بِكَ لَا يَكُوْنُ لِلْإِسْلَامِ نِظَامٌ فَرَجَعَ.)) ❷

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں جب ابوبکر رضی اللہ عنہ ذوالقصہ کی جانب نکل رہے تھے اور اپنی سواری پر سوار ہو چکے تو علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن کہی تھی، اپنی تلوار نیام میں کر لیجیے اور اپنی ذات سے ہمیں مصیبت میں نہ ڈالیں، آپ مدینہ واپس چلیں، اللہ کی قسم اگر آپ شہید ہو گئے تو کبھی اسلامی نظام قائم نہ ہوگا چنانچہ آپ واپس ہو گئے۔''

اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر علی رضی اللہ عنہ کو -نعوذ باللہ- شرح صدر حاصل نہیں تھا اور انھوں نے نہ چاہتے ہوئے بیعت کی تھی تو اس سنہرے موقع سے علی رضی اللہ عنہ فائدہ اٹھاتے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے، شاید وہ فوت ہو جائیں نتیجتاً ان سے چھٹکارا پا جائیں اور فضا ان کے لیے سازگار ہو جائے۔

اگر معاملہ اس سے بڑھ کر تھا کہ علی رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتے تھے اور ان سے چھٹکارا پانے کے حریص تھے تو کسی کے ذریعے سے ان کا قتل کرا دیتے جیسا کہ موقع پرست سیاسی لوگ اپنے حریفوں اور دشمنوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ❸

---

❶ المرتضی للندوی (ص ۹۷)

❷ البدایة والنهایة (٦/ ٣١٤، ٣١٥)

❸ المرتضی للندوی (ص ۹۷)

علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ مرتدین سے جہاد کیا جائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ جو کچھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے لیتے تھے اس میں سے اگر کچھ بھی آپ نے چھوڑ دیا تو آپ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اگر آپ ایسا کہتے ہیں تو میں ان سے ایک رسی کو روکنے پر بھی ضرور جہاد کروں گا۔ [1]

بلاشبہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف میں اپنے والد کے درج ذیل اقوال سن رکھے تھے:

''جو بھی مجھ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل قرار دے گا میں اس پر بہتان تراشی کی سزا جاری کروں گا۔'' [2]

''میں تمھیں بتلا رہا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے بہتر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔'' [3]

آپ کا یہ قول بہ تواتر مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے بہتر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ کا یہ قول اسی (۸۰) سے زیادہ طرق سے مروی ہے۔ [4]

صلہ بن زفر عبسی سے مروی ہے کہتے ہیں: جب علی رضی اللہ عنہ کے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوتا تو کہتے: تم لوگ سبقت کا تذکرہ کرتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب بھی کسی بھلے کام میں ہم ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں ہم سب پر سبقت لے جاتے۔ [5]

علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکموں کو بجالاتے تھے چنانچہ جب کفار کی ایک جماعت مدینہ آئی، اور دیکھا کہ سرکش باغیوں اور مرتدین کی بیخ کنی کرنے اور مختلف مقامات میں جہاد کے لیے ایک بڑی تعداد کے چلے جانے کے باعث مسلمان کم اور کمزور ہیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے اسلام اور مسلمانوں کے مرکز کے لیے خطرہ محسوس کیا تو آپ نے مدینہ کی پہرہ داری کا حکم دیا، پہرے داروں کو مدینہ کے راستوں پر مقرر کر دیا کہ وہ فوجیوں کو لے کر وہاں رات گزاریں، علی، زبیر، طلحہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو ان پہرے داروں کا سردار مقرر کیا، ان سے مطمئن ہونے تک وہ لوگ اسی حالت میں رہے۔ [6]

ان کے مابین تعامل، محبت اور مکمل ہم آہنگی کے باعث علی رضی اللہ عنہ - جب کہ آپ اہل بیت کے سردار اور

---

[1] المختصر من کتاب الموافقة بین اهل البیت و الصحابة، للزمخشری (ص ٤٨)
[2] فضائل الصحابة (١/ ٨٣) اس کی سند میں ضعف ہے۔
[3] مسند احمد (١/ ١٠٦، ١١٠، ١٢٧) تحقیق احمد شاکر
[4] منهاج السنة (٣/ ١٦٢)
[5] الطبرانی فی الأوسط (٧/ ٢٠٧، ٢٠٨) اس کی سند ضعیف ہے۔
[6] تاریخ الطبری (٤/ ٦٤)۔ الشیعة و اهل البیت (ص ٧١)

دونوں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے والد تھے- ہدایا اور تحائف کو قبول کرتے تھے، جیسا کہ باہمی محبت کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے، چنانچہ معرکۂ "عین التمر" میں ہاتھ آنے والی "صہباء" نامی لونڈی کو آپ نے قبول کیا، جس کے بطن سے آپ کی اولاد میں سے عمر و رقیہ ہیں۔ ❶

اسی طرح جنگ یمامہ میں قید ہونے والی خولہ بنت جعفر بن قیس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے حوالے کر دیا، انھی کے بطن سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے، جو حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے بعد آپ کی اولاد میں سب سے افضل ہیں۔ خولہ مرتدین کے قیدیوں میں سے تھیں۔ محمد انھی کے ذریعے سے جانے جاتے ہیں اور انھیں کی طرف منسوب ہو کر محمد بن حنفیہ کہلاتے ہیں۔ ❷

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت کے بارے میں امام جوینی کہتے ہیں: تمام کے تمام صحابہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کو قبول کرلیا، علی رضی اللہ عنہ آپ کے حکم کو بجا لانے والے تھے، آپ نے بھری مجلس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور غزوۂ بنوحنیفہ کے لیے چل پڑے۔ ❸

بہت ساری روایات میں وارد ہے کہ آپ نے اور آپ کی اولاد نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب سے مالی ہدایا، خمس اور اموال فے کو قبول کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آپ کے عہد خلافت میں خمس اور فے کے ذمہ دار اور بانٹنے والے تھے، یہ اموال انھی کے ہاتھوں میں تھے، پھر حسن، حسین، حسن بن حسن اور زید بن حسن رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں منتقل ہوتے رہے۔ ❹

حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پانچوں نمازیں ادا کرتے تھے، آپ کی امامت پر راضی تھے، لوگوں کے سامنے آپ کے ساتھ اپنی ہم آہنگی کا اظہار کرتے تھے۔ ❺

اپنے والد اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مابین اس طرح کے تعلقات کو حسن بن علی رضی اللہ عنہما جانتے تھے، ساتھ ہی ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے مابین ازدواجی رشتے بھی قائم ہوئے، اہل بیت نے اپنوں میں سے بعض کا نام ابوبکر رکھا، خلیفۂ راشد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل بیت کے ساتھ ان کے شایان شان دوستانہ اور عزت و احترام پر مبنی تعلقات تھے، یہ تعلقات دوطرفہ تھے، اور اتنے مضبوط تھے کہ قصہ گو حضرات جتنے بھی جھوٹے قصے اور کہانیاں گھڑ لیں ان میں دوری اور اختلاف کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما

---

❶ الطبقات (۳/ ۲۰) ❷ الطبقات (۳/ ۲۰)

❸ الارشاد للجوینی (ص ٤٢٨) اصول مذهب الشيعة للغفاری سے منقول ہے۔

❹ الشیعة و اهل البیت (ص ۷۲)

❺ الشیعة واهل البیت (ص ۷۲)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نانا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی تھیں۔ مخالفین جتنا بھی چلائیں، حاسدین جتنا بھی حسد کی آگ میں جلیں، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین لوگوں میں سے تھیں، یہ بالکل ثابت شدہ حقیقت ہے، ان کی پاکیزگی کی شہادت قرآن نے دی ہے بھلے مخالفین اور اہل باطل اس کا انکار کریں۔

اسی طرح اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا علی رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی، انھی کے بطن سے محمد پیدا ہوئے تھے جن کو آپ نے مصر کا گورنر بنایا تھا، اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو ان سے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی، ان کے بطن سے ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی جن کا نام آپ نے یحییٰ رکھا۔ ❶

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اہل بیت کی محبت و مودت کا نتیجہ تھا کہ ان لوگوں نے اپنے بچوں کا نام ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے اور ان کا احترام کرتے تھے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے کی پیدائش ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اور امام بننے کے بعد نہیں ہوئی تھی بلکہ آپ کی وفات کے بعد ہوئی تھی، اور علی رضی اللہ عنہ نے ان کا نام ابوبکر صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نیک فال لیتے ہوئے، اور وفات کے بعد بھی ان سے محبت اور وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے رکھا تھا، علی رضی اللہ عنہ سے پہلے بنو ہاشم میں کوئی ایسا نہیں تھا جس نے اپنے بیٹے کا یہ نام رکھا ہو۔

معاملہ یہیں تک محدود نہیں رہا کہ صرف علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تیمن، تبرک، محبت اور دوستی کا اظہار کیا ہو، بلکہ آپ کے بعد آپ کی اولاد بھی آپ کے نقش قدم پر چلی، چنانچہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابوبکر رکھا، یعقوبی اور مسعودی تک نے اس کا تذکرہ کیا ہے جب کہ وہ شیعہ مورخین میں سے ہیں۔ ❷ اس طرح اہل بیت اپنے بچوں کا نام ابوبکر رکھتے رہے، بلاشبہ ابوبکر صدیق اور علی رضی اللہ عنہما کے مابین مضبوط و مستحکم تعلقات کا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے دل و دماغ اور نفسیات پر گہرا اثر رہا جس کے نتیجے میں وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احترام کرتے اور آپ کی فضیلت اور اسلام میں آپ کے مقام و مرتبہ کے معترف تھے۔

۵۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو بھیجنا:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ان مشہور واقعات میں سے جن کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم عصروں کی تہذیب و ثقافت میں خاص تاثیر رہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کا بھیجنا ہے، اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو نافذ کرتے ہوئے اصرار کرنا ہے۔ بعض

---

❶ خلافة علي بن ابي طالب و ترتيب و تهذيب كتاب "البداية والنهاية" للسلمي (ص ۲۲)

❷ تاريخ اليعقوبي (۲/ ۲۲۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ لشکر نہ بھیجیں، چنانچہ ان لوگوں نے کہا:

”عام عرب سے سارے کے سارے مسلمان یہی ہیں، دوسرے لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، اس لیے مناسب نہیں ہے کہ آپ مسلمانوں کی جماعت کو اپنے سے دور کر دیں۔“ ❶

اسامہ رضی اللہ عنہ نے ”جرف“ میں واقع لشکر گاہ سے عمر رضی اللہ عنہ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اس بات کی اجازت طلب کرنے کے لیے بھیجا کہ وہ لوگوں کو لے کر واپس آ جائیں، چنانچہ انھوں نے کہا: میرے ساتھ مسلمانوں کی اکثریت اور اہم لوگ ہیں، مجھے خوف ہے کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ، ازواج مطہرات اور بچے ہوئے مسلمانوں کو اچک نہ لیں۔ ❷

ان سارے مشوروں سے آگاہ ہونے کے بعد آپ نے پہلی میٹنگ برخاست کرنے کا حکم دیا، پھر مسجد میں ایک عام میٹنگ کے لیے لوگوں کو بلایا۔ اس میٹنگ میں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مطالبہ کیا کہ وہ یہ بھول جائیں کہ کسی چیز کو جس کو رسول اللہ ﷺ نے مرتب کیا تھا اسے ختم کر دیا جائے گا اور انھیں صاف صاف بتا دیا کہ وہ اس پلان کو نافذ کریں گے چاہے اس کے نفاذ کا نتیجہ یہ ہو کہ مرتدین مدینہ پر قابض ہو جائیں، چنانچہ آپ تقریر کرنے کے لیے اٹھے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ❸

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے، اگر مجھے یقین ہو جائے کہ درندے مجھے اچک لیں گے تب بھی میں حکم نبوی کے مطابق لشکر اسامہ کو بھیجوں گا، اگر میں یہاں تنہا باقی رہ جاؤں تب بھی بھیجوں گا۔“ ❹

انصار کا مطالبہ تھا کہ لشکر کی ذمہ داری اسامہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ عمر والے کسی شخص کو سونپی جائے، چنانچہ اس سلسلے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنے کے لیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھیجا، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انصار کا مطالبہ اسامہ سے زیادہ عمر والے شخص کا ہے، یہ سنتے ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ کر کہا: اے خطاب کے بیٹے! تمھاری ماں تمھیں گم پائے، اسے اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مقرر کیا ہے اور تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں انھیں ہٹا دوں۔ ❺

پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چل کر ان کے پاس پہنچے، انھیں روانہ کیا، انھیں رخصت کرتے ہوئے ان کے ساتھ پیدل پیدل چلے، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ کی سواری کو لے جا رہے تھے، اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا:

---

❶ البدایۃ والنہایۃ (۶/ ۳۰۸) — ❷ الکامل لابن الاثیر (۲/ ۲۲۶)
❸ [illegible] (۱۸۳)
❹ تاریخ الطبری (۴/ ۴۵) — ❺ تاریخ الطبری (۴/ ۴۶)

بعض شیعہ نے ایک بے بنیاد حدیث گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کر دی ہے، ان کا کہنا ہے کہ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ سے پیچھے رہ جانے والوں کو رسول اللہ ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے، یہ حدیث منکر اور بے بنیاد ہے، ان لوگوں کا اس حدیث کو گھڑنا اور یہ کہنا کہ ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) لشکر اسامہ سے پیچھے رہ گئے تھے اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان دونوں کو ملعونوں کی اولین فہرست میں شامل کر دیں، اس حدیث کی شیعی اور سنی علما کے نزدیک سوائے ایک متروک مجہول طریق کے کوئی سند نہیں ہے۔

دروس وعبر

لشکر اسامہ کی روانگی کے واقعے سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور اس عہد کے نوجوانوں کو بہت سارے دروس وعبر حاصل ہوئے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

أ:...... حالات بدلتے رہتے ہیں، مشکلات اہل ایمان کو دین سے غافل نہیں کر سکتیں:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امت کو مشکلات ومصائب پر صبر کرنا سکھایا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کا درس دیا:

﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (الاعراف: ٥٦)

''بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔''

مسلمان کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ پریشانی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، مصیبت کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو اللہ کا یہ ثابت شدہ نظام ہے:

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝﴾ (انشراح: ٥-٦)

''یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔''

مسلمان کا معاملہ اس دنیا میں بڑا عجیب ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے، اس کا سب کچھ خیر ہے، اور یہ صرف مومن کی شان ہے، اسے اگر خوشی حاصل ہوئی اور اس پر شکر گزار ہوا تو اس کے لیے خیر وبھلائی ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچی اور اس پر صبر کیا تو اس کے لیے خیر وبھلائی۔''[1]

اس لیے پریشانیاں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں، مصیبتیں کتنی ہی سخت کیوں نہ ہوں، اہل ایمان کو دین سے غافل نہیں کر سکتیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دین سے غافل نہ کر سکی، اور مسلمانوں

[1] صحیح مسلم (٤/ ٢٢٩٥)

کے تاریک اور سخت ترین حالات میں بھی لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی امور کے اہتمام کا جو سبق سیکھا تھا وہ ہر چیز پر مقدم تھا، اور یہ چیز آپ کی وفات تک باقی رہی۔ ❶ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے بھی اس سبق کو سیکھا اور زندگی بھر اس پر کاربند رہے۔

ب:...... کسی ایک شخص سے دعوتی مشن کا وجود نہیں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہے:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے قصے سے یہ بھی سیکھا کہ دعوتی مشن کسی بھی صورت میں حتیٰ کہ مسلمانوں کے قائد، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جانے پر بھی نہیں رک سکتا، بیعت کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی تھی اس میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ اس دین کی خدمت کے لیے مسلسل اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔ ❷

ایک روایت میں آپ کا یہ قول وارد ہے:

((فَاتَّقُوا اللّٰهَ اَيُّهَا النَّاسُ وَاعْتَصِمُوْا بِدِيْنِكُمْ وَ تَوَكَّلُوْا عَلَى رَبِّكُمْ فَإِنَّ دِيْنَ اللّٰهِ قَائِمٌ ، وَإِنَّ كَلِمَةَ اللّٰهِ تَامَّةٌ ، وَ إِنَّ اللّٰهَ نَاصِرٌ مَنْ نَصَرَهُ ، وَمُعِزُّ دِيْنِهِ وَاللّٰهِ لَا نُبَالِيْ مَنْ أَجْلَبَ عَلَيْنَا مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ ، إِنَّ سُيُوْفَ اللّٰهِ لَمَسْلُوْلَةٌ وَمَا وَضَعْنَاهَا بَعْدُ ، وَلَنُجَاهِدَنَّ مَنْ خَالَفَنَا كَمَا جَاهَدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا يَبْغِيَنَّ أَحَدٌ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ .)) ❸

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو، دین کا دامن مضبوطی سے تھام لو، اپنے رب پر بھروسا کرو، اللہ کا دین قائم رہنے والا ہے، اللہ کی بات پوری ہو کر رہنے والی ہے، اللہ اس کا مددگار ہے، جو اس کے دین کی مدد کرتا ہے، وہ اپنے دین کو سرفراز کرنے والا ہے، ہمارے خلاف جو بھی صف آرا ہو ہمیں اس کی پروا نہیں ہم اللہ کے بندوں کی تلواریں بے نیام ہیں، جو بھی ہماری مخالفت کرے گا ہم اس سے ضرور جہاد کریں گے، جس طرح ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا تھا، جو بھی بغاوت کرے گا وہ اپنے نفس کے خلاف کرے گا۔''

لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے قصے سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے یہ سبق بھی سیکھا کہ تکالیف و آرام ہر حال میں حکم نبوی کو بجا لانا مسلمانوں پر واجب ہے، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ وہ فرامین

---

❶ قصة بعث أبي بكر جيش أسامة (ص ٢٤)

❷ قصة بعث أبي بكر جيش أسامة (ص ٢٧)

❸ البداية والنهاية (٥/ ٢١٣، ٢١٤)

نبوی پر سختی سے عمل پیرا رہنے والے ہیں، خوف کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو، خطرات کتنے سخت ہی کیوں نہ ہوں، آپ ان کو بجا لانے والے ہیں، چنانچہ اس موقع پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

((والذي نفس أبي بكر بيده لو ظننت أن السباع تخطفني لأنفذت بعث أسامة كما أمر به رسول الله ﷺ ولو لم يبق في القرى غيري لأنفذته.)) ❶

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے اگر مجھے یقین ہو جائے کہ درندے مجھے اچک لیں گے تب بھی حکم نبوی کے مطابق لشکر اسامہ کو بھیجوں گا، اگر میں یہاں تنہا باقی رہ جاؤں تب بھی بھیجوں گا۔"

اپنا یہ موقف آپ نے اس فرمان الٰہی کو [illegible] اپنایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ (الاحزاب: ۳۶)

"اور کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد رکھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔"

مسلمانوں کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی مدد اور عزت کو اتباع نبوی سے مربوط کر دیا ہے، چنانچہ جو نبی کی اطاعت کرے گا اسے مدد اور غلبہ حاصل ہوگا اور نافرمانی کرنے والے کے ہاتھ ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ نہ لگے گا، امت کی زندگی کا راز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع میں ہے۔ ❷

ج: مومنوں کے مابین اختلاف رونما ہونا اور کتاب و سنت سے اس کو حل کرنا:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اس قصے سے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ مومنوں کے درمیان اختلاف ہو سکتا ہے، چنانچہ ان مشکل حالات میں لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی سے متعلق رائیں مختلف ہو گئیں، ان کی امارت سے متعلق لوگوں کے اقوال مختلف ہو گئے، لیکن جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اختلاف کو لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی سے متعلق ثابت شدہ حکم نبوی کی روشنی میں حل کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ وہ حکم نبوی میں کسی طرح کوتاہی نہیں کریں گے۔ کسی نے اپنی رائے پر (اس کے فاسد اور باطل ہو جانے کا پتہ چل جانے کے بعد) اصرار نہیں کیا۔

اس طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے یہ درس بھی دیا کہ اکثریت کی رائے اگر نص شرعی کے مخالف ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، [illegible] کی رائے [illegible] کو رد کر دیا جائے، چنانچہ انھوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

❶ [illegible]

❷ [illegible] (ص ۳۲۷)

اجازت دیں، تو آپ دونوں میں سے کسی پر بھی راضی نہ ہوئے۔ بلکہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے سوار رہنے پر اصرار کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ پیدل چل کر لشکر کو یہ پیغام دے رہے تھے: مسلمانو! دیکھو میں ابوبکر خلیفۂ رسول ہونے کے باوجود اسامہ کو امیر تسلیم کرتے ہوئے پیدل چل رہا ہوں اور وہ سوار ہیں۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ضرورت کے پیش نظر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ وہ آپ کے ساتھ مدینہ ہی میں رہ جائیں، لیکن آپ نے اس کا حکم نہیں دیا، بلکہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں رہنے دیں، اس کے ذریعے سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر ماننے اور ان کا احترام کرنے کی عملی تصویر پیش کی۔ آپ کا یہ فعل لشکر کو اس بات کا پیغام دیتا ہے کہ وہ اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مانیں اور ان کے احکامات کو بجالائیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قول وعمل کے امتزاج کا جو اہتمام کیا اسلام اسی کا حکم دیتا ہے، اسی لیے جو لوگ اپنے کو بھلا کر دوسروں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرمایا ہے: [1]

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾

(البقرة: ٤٤)

''کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟''

ھ:......اسلام میں نوجوانوں کا مقام ومرتبہ:

اس قصے سے اسلام کی خدمت میں نوجوانوں کے عظیم مقام ومرتبہ کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ اس وقت لوگوں کی رائے میں سپر پاور سلطنت روم سے لڑنے کے لیے تیاری کی گئی، لشکر کا امیر رسول اللہ ﷺ نے ایک نوجوان صحابی اسامہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، اس وقت ان کی عمر بیس یا اٹھارہ سال تھی، لوگوں کی رائے مخالف ہونے کے باجود ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے منصب پر باقی رکھا، اللہ کے فضل سے یہ نوجوان قائد اپنی مہم سے مال غنیمت لیے فاتحانہ شان سے واپس ہوئے، اس میں نوجوانوں کو اسلام کی خدمت میں اپنے عظیم مقام ومرتبہ کو پہچاننے کی دعوت دی گئی ہے۔ [2] داعیوں اور تربیت کے ذمہ داروں کو اس جانب پوری توجہ دینی چاہیے، اور نوجوانوں کو مواقع فراہم کرنا چاہیے تاکہ دین کی خدمت میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔ یہ نبوی طریقہ امت میں حرکت ونشاط پیدا کرتا رہے گا، اور مسلمانوں کے تہذیبی کردار کو ادا کرنے کے لیے انھیں مختلف توانائیاں فراہم کرنے میں اپنا رول ادا کرتا رہے گا۔

[1] قصة بعث أبی بکر جیش أسامة (ص ٦٦)
[2] قصة بعث أبی بکر جیش أسامة (ص ٧٠)

و:......اسلام میں جہاد کے بہترین آداب:

لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کے قصے سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے جہاد کے بہترین آداب کو سیکھا، یہ آداب اس وصیت میں موجود ہیں جو وصیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر اسامہ کو رخصت کرتے ہوئے فرمائی تھی، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رخصت کرتے ہوئے کمانڈروں اور لشکروں کو وصیت کرتے تھے، اسی طریقے کو اپناتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی لشکروں کو وصیتیں کرتے تھے۔ ❶ مذکورہ وصیت سے اسلامی جہاد کے اصل مقصد (اسلام کی جانب دعوت دینا) کا پتہ چلتا ہے، جب قومیں اسلامی لشکر کو دیکھیں گی کہ وہ ان وصیتوں پر سختی سے کاربند ہے تو وہ بہ رضا و رغبت دین اسلام میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گی۔ ❷

ز:......اسلامی حکومت کی ہیبت میں لشکر اسامہ کا دخل:

شکر اسامہ مال غنیمت لیے فاتحانہ شان سے واپس آیا، اور رومیوں کو اس حد تک مرعوب کیا کہ ہرقل نے حمص میں پادریوں کو جمع کرنے کے بعد ان سے کہا: اسی بات سے میں نے تمہیں ڈرایا تھا، لیکن تم نے میری بات نہ مانی، عرب ایک مہینہ کی مسافت طے کر کے آئے، تم پر حملہ آور ہوئے اور بغیر کوئی زخم کھائے صحیح سالم واپس لوٹ گئے۔

اسی طرح شمال کے عرب قبائل پر اسلامی حکومت کی طاقت وقوت کا رعب و دبدبہ چھا گیا، اس لڑائی کا مسلمانوں کی زندگی اور ان کے خلاف انقلاب برپا کرنے کی سوچ رکھنے والے عربوں کی زندگی، نیز ان رومیوں کی زندگی میں بڑا اثر رہا، جن کے علاقے ان کی سرحدوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ ❸ اس لشکر نے اپنے کردار سے وہ کارنامہ انجام دیا جو اپنی قوت و طاقت سے انجام نہ دے سکا، چنانچہ مرتدین اقدام سے باز آ گئے، جو اکٹھے ہوئے تھے منتشر ہو گئے، جو لوگ مسلمانوں کے خلاف ہو جانے والے تھے وہ اس سے باز آ گئے، فوجوں اور اسلحہ سے پہلے رعب و دبدبہ نے اپنا کام کیا۔ ❹

بلاشبہ اس لشکر کو بھیجنا مسلمانوں کے لیے ایک نعمت سے کم نہ تھا، اس لیے کہ اس کی وجہ سے شمال میں مرتدین کا مورچہ نہایت کمزور ہو گیا، نتیجتاً مسلمانوں کے لیے اس فتح مورچے کو شکست دینا عراق میں دشمنوں کے مورچے کو شکست دینے سے زیادہ آسان ہو گیا۔

ان تمام باتوں سے اس بات کی تاکید اور تائید ہوتی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مشکل کا حل تلاش کرنے والوں

---

❶ قصة بعث أبي بكر جيش أسامة (ص ۸۰)

❷ تاريخ الدعوة إلى الإسلام (ص ۲٦۹)

❸ الصديق لهيكل باشا (ص ۱۰۷)

❹ عبقرية الصديق للعقاد (ص ۱۰۷)

میں سب سے زیادہ گہری نظر اور سمجھ والے تھے۔ ❶

واقعات بتلاتے ہیں کہ مشکلات سے نمٹنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلفائے راشدین سے کافی حد تک متاثر تھے، چنانچہ وہ اپنی خلافت میں سب سے اچھی سمجھ، گہری نظر رکھنے والے اور مسلمانوں کے اتحاد کے سب سے زیادہ حریص تھے۔

۷۔مرتدین سے جنگیں:

مرتدین کے خلاف جنگ کے سلسلے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے بالکل درست تھی، اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے لیے حالات بھی اسی رائے کا تقاضا کر رہے تھے، اس کے علاوہ کسی دوسری رائے میں ناکامی، نقصان، شکست اور جاہلیت کی جانب لوٹ جانے کے علاوہ کچھ نہ ہوتا، اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی، پھر مرتدین کے خلاف جنگ سے متعلق ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سخت موقف نہ ہوتا تو تاریخ بدل جاتی، تاریخ کا رخ مڑ جاتا، وقت کی رفتار پیچھے کی طرف مڑ جاتی، اور روئے زمین پر جاہلیت اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ لوٹ آتی۔ ❷

آپ کی شدید دینی غیرت اور اسلام کی صحیح سمجھ آپ کے اس قول سے واضح ہے:

((قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَ تَمَّ الدِّيْنُ أَيَنْتَقِصُ وَ أَنَا حَيٌّ .)) ❸

''وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، دین پورا ہو چکا ہے، کیا میں جیتے جی اس میں کمی آنے دوں گا؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف جنگ سے متعلق تمام صحابہ کی آراء کو سنا، اور اس بنا پر کہ آپ رائے کی پختگی اور قوت فیصلہ کے مالک تھے جنگ کا پختہ ارادہ کر لیا، اور صحیح رائے واضح ہو جانے کے بعد ایک لمحہ بھی تردد نہیں کیا، اور متردد نہ ہونا اس عظیم خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر کی جانی پہچانی عادت تھی۔ ❹

مسلمان آپ کی رائے پر مطمئن ہو گئے، آپ کی بات مان لی، اسے درست قرار دیا، اور آپ کا یہ قول:

((و الله لو منعوني عقالا كانوا يؤدونه إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعه .)) ❺

''اللہ کی قسم ایک رسی بھی جو وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو زکوۃ میں دیتے تھے اگر اس کو روک لیں گے تو میں ان سے قتال کروں گا۔''

❶ حركة الردة ، د. على العتوم (ص ۱٦٨)
❷ الشورى بين الأصالة و المعاصرة (ص ٨٦)
❸ المرتضى لأبي الحسن على الندوي (ص ۱۰) ، مشكاة المصابيح (رقم ٦٠٣٤) .
❹ الشورى بين الأصالة و المعاصرة (ص ٨٧)
❺ صحيح البخاري (رقم ٦٩٢٤)

تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو گیا، گردش ایام اسے مٹا نہ سکی، صدیوں کا امتداد اور زمانے کی رکاوٹیں ہم تک پہنچنے سے اسے روک نہ سکیں، مرتدین کے خلاف جنگ میں آپ نے سیاسی حکمت و دانائی سے کام لیا، علمی، اعلامی، جاسوسی، دعوتی اور نفسیاتی اسالیب پر مبنی حکیمانہ منصوبہ بندی کا استعمال کیا، فتحیاب فوجوں کو بھیجا جنھوں نے جزیرۃ العرب سے ارتداد کی تحریک کا قلع قمع کر دیا۔

حسن رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ قوموں سے متعلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تفقہ کو سیکھا، اسی طرح مرتدین کے خلاف جہاد سے متعلق غلبہ وقوت کے بعض فقہی جوانب کو بھی سیکھا، ان میں سے بعض اہم جوانب درج ذیل ہیں:

☆ جزیرۃ العرب میں حکومتی نظم ونسق قائم ہونا، بلاشبہ ارتدادی جنگیں، اس کے اسباب اور ان کا خاتمہ کرنے کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تفقہ، یہ تمام چیزیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ذہن میں گھر کر گئیں، اور سماع یا مشاہدے کے ذریعے سے آپ کی ثقافت کا حصہ بن گئیں۔ ❶

☆ اسی طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کے ہم عصروں کے ذہنوں میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خارجی سیاست کے خدوخال واضح تھے، آپ نے اسلامی حکومت کی خارجی سیاست کے اغراض ومقاصد کو متعین کر دیا تھا۔ ان میں سے بعض اہم مقاصد یہ ہیں:

- دوسری قوموں میں اسلامی حکومت کی ہیبت قائم کرنا۔
- مفتوح قوموں کے مابین عدل وانصاف قائم کرنا اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔
- مفتوح قوموں پر جبر واکراہ نہ کرنا۔
- قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جس جہاد کا حکم دیا ہے اسے باقی رکھنا۔

☆ اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جنگی منصوبہ بندی کے خدوخال حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ان کے ہم عصروں کے ادب وثقافت کا حصہ بن گئے تھے، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مشیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر جنگی منصوبہ کا خاکہ تیار کیا اور اسی کے مطابق عمل کیا اور یہ ٹھوس منصوبہ من جانب اللہ مسلمانوں کی مدد اور غلبہ کے اسباب میں سے اہم سبب رہا۔ اس خاکہ کی بعض اہم چیزیں یہ ہیں:

- دشمن کے علاقے جب تک مسلمانوں کے ماتحت نہ ہو جائیں ان میں دور تک نہ گھسا جائے۔
- تیاری کرنا اور قوتوں کو یکجا کرنا۔
- لشکروں کے لیے کمک بھیجنے کے کام کو منظم کرنا۔
- جنگ کا مقصد متعین کرنا۔

---

❶ الانشراح و رفع الضیق فی سیرۃ ابی بکر الصدیق۔

- جنگی تدبیروں کی تنفیذ کے مقامات کو افضلیت اہمیت دینا۔
- میدان جنگ سے ہٹ کر رہنا۔
- جنگ کے طریقوں کو ترقی یافتہ بنانا۔
- کمانڈروں کو پیغام رسانی اوران سے پیغام کے حصول کے ذرائع کی حفاظت۔

☆ خلیفہ کی زیرکی ❶ : چنانچہ ابتدائی فتوحات میں اسلامی جنگی منصوبوں میں زیرکی و چالاکی، فہم وفراست اور تدبیر والی عقل کے مالک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا امتیازی کردار رہا، جنگی منصوبہ بندی میں ان کی وسیع تر سمجھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لمبی صحبت معاون رہی، آپ نبوی تعلیم وتربیت کے فیض یافتہ تھے، چنانچہ آپ کو بہت سارے علوم اور مختلف تجربات حاصل تھے، وفات نبوی کے بعد خلافت کی ذمہ داریوں کو بہت اچھے ڈھنگ سے نبھایا، آپ کو بیدار بصیرت حاصل رہی، لشکروں کو قیمتی نصیحتوں سے نوازتے رہے، بروقت کمک بھیجتے رہے، جن سے مجاہدین کو مدد ملتی رہے، ان میں بلند ہمت اور حوصلہ پیدا ہوتا رہے۔ ❷ بلاشبہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی تربیت کتاب اللہ اور نبوی طریقے کی روشنی میں ہوئی۔ آپ نے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقوں کو اچھی طرح اپنایا، ان میں سرفہرست ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

ثانیاً:......عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں

عمر رضی اللہ عنہ اہل بیت کی بڑی قدر کرتے تھے، انھیں اپنے اہل خانہ اور بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے، اس سلسلے میں ان کے بہت سارے واقعات ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ا۔ آپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ اجازت کے حق دار ہیں:

حسین بن علی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن مجھ سے کہا: اے میرے لاڈلے کاش تم ہمارے پاس آتے رہتے، ایک دن میں آیا آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تنہائی میں تھے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ دروازے پر تھے، انھیں اجازت نہیں دی گئی، چنانچہ میں بھی لوٹ گیا بعد میں پھر ان کی مجھ سے ملاقات ہوئی، کہا: اے میرے لاڈلے میں تمھیں اپنے پاس آتا نہیں دیکھتا، میں نے کہا: میں آیا تھا، آپ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ تنہائی میں تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہما کو لوٹتے ہوئے دیکھا تو میں بھی لوٹ گیا، تو آپ نے فرمایا: تم عبداللہ بن عمر سے زیادہ اجازت کے حق دار ہو، ہمارے سروں میں جو بھی دینی سمجھ اور بصیرت ہے یہ اللہ کی پھر تم لوگوں کی دین ہے، اور

---

❶ الانشراح و رفع الضیق فی سیرۃ ابی بکر الصدیق

❷ تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ (ص ۳۲۶)

آپ نے اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھ دیا۔ ❶

۲۔ اللہ کی قسم جو جوڑے میں نے تمھیں پہنائے ہیں مجھے اچھے نہیں لگ رہے ہیں:

ابن سعد جعفر بن محمد باقر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، وہ علی بن حسین رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یمن سے کچھ جوڑے کپڑے آئے، آپ نے لوگوں کو پہنا دیے، لوگ جوڑوں میں واپس گئے، آپ قبر نبوی اور مسجد نبوی کے منبر کے مابین بیٹھے ہوئے تھے، لوگ آپ کے پاس آ آ کر سلام کرتے رہے، آپ کو دعائیں دیتے رہے، حسن و حسین رضی اللہ عنہما اپنی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گھر سے نکل کر لوگوں کے پاس سے گزرنے لگے، انھیں وہ جوڑے نہیں ملے تھے، عمر رضی اللہ عنہ چیں بہ جبیں ہوئے اور فرمایا: اللہ کی قسم جو جوڑے میں نے تمھیں پہنائے ہیں مجھے اچھے نہیں لگ رہے ہیں، لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین آپ نے اپنی رعایا ہی کو پہنایا ہے اور اچھا کیا ہے، تو آپ نے فرمایا: ان دونوں بچوں کی وجہ سے، یہ لوگوں کے پاس سے گزر رہے ہیں اور ان پر کوئی جوڑا نہیں، گویا جوڑے ان سے بڑھ کر رہے اور یہ ان سے کمتر رہے، چنانچہ آپ نے یمن کے گورنر کو لکھا کہ حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کے لیے دو جوڑے جلد از جلد بھیجو، چنانچہ دو جوڑے بھیجے گئے اور آپ نے انھیں پہنائے۔ ❷

۳۔ عطیات میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور بنو ہاشم کو مقدم رکھنا:

ابوجعفر سے مروی ہے کہ فتوحات کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا حصہ مقرر کرنے کا ارادہ کیا، بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکٹھا ہوئے، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اپنی ذات سے ابتدا کیجیے، آپ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم میں اس شخص سے ابتداء کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے قبیلے بنو ہاشم سے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ آپ نے عباس رضی اللہ عنہ کا حصہ مقرر کیا، پھر علی رضی اللہ عنہ کا، یہاں تک کہ پانچ قبائل کے درمیان ترتیب قائم کی، اور اخیر میں بنو عدی بن کعب تک پہنچے، ترتیب یوں رکھی گئی کہ بنو ہاشم میں جو لوگ بدر میں شریک تھے ان کے لیے عطیات مقرر کیے، پھر بنو امیہ کے لوگوں کے لیے جو بدر میں شریک ہوئے، پھر جو زیادہ قریب تھا اسے، پھر اسے جو اس سے زیادہ قریب تھا ان سب کے حصے دیے۔ ❸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت کی وجہ سے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے ان کے والد کا حصہ (جو اہل بدر کا حصہ تھا) مقرر کیا گیا، چنانچہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے پانچ ہزار درہم مقرر کیے۔ ❹

---

❶ المرتضى (ص ١١) كنز العمال (٧/ ١٠٥)، الإصابة (١/ ١٣٣)

❷ المرتضى ص ١١، الإصابة ١/ ١٠٦

❸ الخراج لأبي يوسف ص ٢٤-٢٥، المرتضى ص ١١٨

❹ تاريخ دمشق الكبير ١٤/ ٦

اس واقعہ سے عموماً اہل بیت سے اور خصوصاً حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے عمر رضی اللہ عنہ کی محبت کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے، اس لیے کہ عطیات کے سلسلے میں ان کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرتے ہوئے انھیں سادات صحابہ کے پہلے طبقے میں رکھا، یہ محض ان دونوں سے محبت اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ان دونوں کے مقام ومرتبہ کے احترام کا نتیجہ تھا۔

۴۔ وفات نبوی کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کا برتاؤ:

اسلم عدوی سے مروی ہے کہتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کی گئی، تو علی و زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر مشورہ کرتے، جب عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا پتہ چلا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، اور کہا: اے صاحبزادی رسول ﷺ آپ کے والد سے زیادہ دنیا میں کوئی بھی میرے نزدیک محبوب نہیں، اور ان سے مزید کچھ گفتگو کی، اور آپ کے والد کے بعد آپ سے زیادہ دنیا میں کوئی بھی میرے نزدیک محبوب نہیں، اس کے بعد علی و زبیر رضی اللہ عنہما فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انھوں نے کہا: آپ دونوں لوٹ جائیں، پھر وہ دونوں ان کے پاس لوٹ کر نہیں گئے، یہاں تک کہ دونوں نے بیعت کر لی۔ ❶

صحیح اور ثابت شدہ بات یہی ہے اور یہ بات اپنی سند کی صحت کے ساتھ ساتھ اس نسل کے مزاج اور اس کے لیے اللہ کے تزکیہ سے میل کھاتی ہے۔ شیعی راویوں نے جھوٹ اور بہتان گھڑ کر اس روایت میں شامل کر دیا ہے، اور کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمھارے پاس یہ لوگ آئے تو ان کے اس گھر میں ہوتے ہوئے اس گھر کو آگ لگا دوں گا، اس لیے کہ بیعت نہ کر کے ان لوگوں نے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر دیا ہے، پھر ان کے پاس سے چلے گئے، جب وہ دونوں ان کے پاس دوبارہ آئے تو ان سے کہا: تمھیں معلوم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے تھے، اور اس بات پر اللہ کی قسم کھائی ہے کہ اگر تم لوگ اس گھر میں دوبارہ آئے تو تمھارے اس میں ہوتے ہوئے وہ اس گھر کو ضرور جلا دیں گے، اور اللہ کی قسم وہ اپنی قسم کو سچ کر دکھائیں گے، اس لیے میرے پاس سے چلے جاؤ پھر لوٹ کے مت آنا، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، اور بیعت کے بعد ہی ان کے پاس دوبارہ آئے۔ ❷

عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ باطل قصہ ثابت نہیں ہے، اس بات کا دعویٰ کہ انھوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کو جلا دینے کا ارادہ کیا تھا سراسر جھوٹ ہے۔ طبری نے اپنی کتاب "دلائل الإمامة" ❸ میں طبری کی اس اور اسی طرح کی دوسری جھوٹی باتوں کو جابر جعفی سے نقل کیا ہے، جب کہ ذہبی کی "المیزان" ❹ اور ابن حجر کی

---

❶ المصنف لابن أبي شيبة ۱۴/ ۵۶۷ اس کی سند صحیح ہے۔

❷ عقائد الثلاثة و السبعين فرقة لأبي محمد اليمني ۱/ ۱۴۰

❸ دلائل الإمامة (ص ۲۶) نقلا عن عقائد الثلاثة و السبعين ۱/ ۱۴۰

❹ الميزان ۱/ ۳۷۹

"تہذیب التہذیب" ❶ کے مطابق وہ تمام محدثین کے نزدیک کذاب (بہت جھوٹا) ہے۔

بعض لوگوں کا یہ بھی زعم باطل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر مارا کہ "محسن" کی شکل میں جو حمل آپ کے بطن میں تھا ساقط ہوگیا، یہ ایسا جھوٹ ہے جس کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انھیں یہ بھی نہ معلوم ہوسکا کہ وہ لوگ حقیقت میں علی رضی اللہ عنہ کو اس طرح مطعون کر رہے ہیں کہ ان پر عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق خاموش رہنے اور بزدلی کا ثبوت دینے کی تہمت لگا رہے ہیں، جب کہ وہ بہادر ترین صحابہ کرام میں سے تھے۔ ❷

بعض عقل مند شیعہ نے اس ہذیان سرائی اور جھوٹ کی صحت کا انکار کیا ہے۔ ❸ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مسند امام احمد کی گزری ہوئی صحیح روایت کے مطابق "محسن" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پیدا ہوئے تھے۔

۵۔ ام کلثوم بنت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کی عمر رضی اللہ عنہ سے شادی:

اہل بیت کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی بناء پر ان سے عمر رضی اللہ عنہ کی جو محبت تھی دوسروں سے نہیں تھی، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے اعزاز اور ان کے حقوق کی رعایت کی وصیت کی تھی، اسی بناء پر عمر رضی اللہ عنہ نے علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح دیا، اور ان کی چاہت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم روئے زمین پر ان کے ساتھ میں سب سے اچھی رفاقت نبھاؤں گا تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بلاشبہ آپ ایسا کریں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ مہاجرین کے پاس آئے اور مارے خوشی کے کہنے لگے: مجھے شادی کی مبارکباد دیجیے۔ پھر ان سے اپنی شادی کا سبب بتایا کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ قیامت کے دن ہر رشتہ و نسب ختم ہوجائے گا سوائے میرے رشتے اور نسب کے، تو میں نے اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین رشتے کو پسند کیا۔ ❹

ابومعاذ اسماعیلی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس مبارک شادی سے متعلق اہل سنت و اہل تشیع کے مصادر و مراجع میں جو کچھ ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ام کلثوم بنت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما سے عمر رضی اللہ عنہ کی شادی ایک حقیقت ہے، چنانچہ میں نے اپنی کتاب "سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شخصیت و کارنامے" (طبع الفرقان ٹرسٹ)

❶ تہذیب التہذیب ۲/ ٤٧

❷ حقبة من التاریخ ص ٢٢٤

❸ مختصر التحفة الاثنی عشریة ص ٢٥٢

❹ المستدرک للحاکم ۳/ ۱٤۲، اس کی سند حسن ہے، امام ذہبی کہتے ہیں: منقطع ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد ۴/ ۲۷۳ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ طبرانی نے اس کو "الکبیر" اور "الاوسط" میں نقل کیا، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے حسن بن سہل کے اور بعض لوگوں نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

میں ان کی سیرت اور عہد فاروقی میں ان کی زندگی کے کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۔ مدائن کے اموالِ غنیمت:

جب ۱۶ھ میں مدائن فتح ہوا، وہاں سے اموالِ غنیمت آئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کو ایک ایک ہزار اور اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پانچ سو درہم دیے۔ ❶

اس واقعے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے تھے اور انھیں مقدم رکھتے تھے۔

☆ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تفقہ کا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر اثر:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت خلافت راشدہ کی نہج پر قائم ہوئی، مشکلات کے حل، نو پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد، اور حکومت کے اداروں کو ترقی دینے میں توفیق الٰہی کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عبقریت کا بڑا دخل رہا، آپ کی ثقافت اور آپ کے عہد کی ادبیات سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے متاثر ہونے میں آپ کے والد علی رضی اللہ عنہ کی عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے قربت معاون رہی، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ فاروقی حکومت کی مجلس شوریٰ کے نمایاں ممبر تھے، بلکہ وہی مستشار اول تھے، آپ کے فضل، تفقہ اور حکمت کے عمر رضی اللہ عنہ معترف تھے آپ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں آپ کے بارے میں ان کا قول ہے:

((أقضانا علي .)) ❷

''قضا اور فیصلوں میں ہم میں سے سب سے زیادہ اہل علی رضی اللہ عنہ ہیں۔''

عہد فاروقی میں حکومتی، مالی اور عدالتی امور میں علی رضی اللہ عنہ کے بہت سارے اجتہادات تھے، جن پر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا، آپ ان سے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں مشورہ کرتے، بیت المقدس اور مدائن کی فتح کے موقع پر، نہاوند کی جانب لشکر کشی اور اہل فارس سے جنگ کے موقع پر، رومیوں سے جنگ کے موقع پر، ہجری سال کی ابتدا کہاں سے ہو اس کی تعیین کے موقع پر، اس کے علاوہ بہت سارے مواقع پر آپ سے مشورہ کیا۔ ❸

علی رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر آپ کے خیر خواہ، مستشار، آپ سے محبت کرنے والے اور آپ کی فکر رکھنے والے تھے۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے، ان کے مابین دوطرفہ محبت والفت اور اعتماد تھا، اس کے باوجود دشمنانِ اسلام تاریخ کو مسخ کرنے میں لگے ہیں، اور اپنے مزاج و خیال کے مطابق بعض افسانے

---

❶ مقامات العلماء للغزالی ص ۱۶۱

❷ الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب ص ۱۱۰۲

❸ علی بن ابی طالب مستشار أمین للخلفاء الراشدین ص ۹۹

گھڑتے ہیں تا کہ خلفائے راشدین کے عہد کی تصویر کشی اس طرح کریں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے گھات میں لگا رہتا تھا تا کہ ان کا کام تمام کر دیں، ان کے معاملات پردوں کے پیچھے انجام پاتے تھے۔ ❶

عہد فاروقی کا گہرائی سے جائزہ لینے والا عمر و علی رضی اللہ عنہما کے مابین خصوصی تعلقات اور واضح وخوش گوار تعاون کا اچھی طرح پتہ چلا سکتا ہے، تمام مسائل ومشکلات میں علی رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے مستشار اول تھے، علی رضی اللہ عنہ کی ہر رائے کو عمر رضی اللہ عنہ نے انشراح صدر کے ساتھ نافذ کیا، علی رضی اللہ عنہ آپ کے تمام امور واحوال میں نہایت مخلص خیر خواہ تھے۔ ❷

بلاشبہ علی وعمر رضی اللہ عنہما کے مابین ان تعلقات کی حسن رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم عصروں پر تربیتی، علمی اور ثقافتی چھاپ تھی، عمر وعلی رضی اللہ عنہما کے مابین مضبوط تعلقات کی بہت ساری دلیلیں ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

☆ میرے بھائی اور میرے دوست نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے:

علی رضی اللہ عنہ عدن کا بنا ہوا کپڑا پہنے نکلے تو کہا:

''میرے بھائی، ساتھی اور گہرے دوست امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے۔'' ❸

ابوالسفر سے مروی ہے کہتے ہیں: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہ کپڑا پہنے ہوئے تھے جسے آپ بہ کثرت پہنا کرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا: اے امیر المومنین کیا آپ اس کپڑے کو زیادہ پہنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میرے ساتھی اور گہرے دوست عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے۔ آپ اللہ کے لیے مخلص رہے تو اللہ نے آپ کی خیر خواہی کی، پھر رو پڑے۔ ❹

س طرح کے واقعات کی روشنی میں حسن، علی واہل بیت اور عمر رضی اللہ عنہم کے مابین دوطرفہ محبت کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے۔

☆ شہادت کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ کا قول:

صحیح بخاری میں وارد ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کا جنازہ چارپائی پر رکھا گیا، تو جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے لوگ گھیرے ہوئے دعائیں کر رہے تھے، ایسی حالت میں ایک شخص نے میرا کندھا پکڑ کر مجھے حیرت میں ڈال دیا، وہ علی رضی اللہ عنہ تھے، عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے رحمت کی اور فرمایا: آپ نے اپنے پیچھے کسی ایسے شخص کو نہیں چھوڑا جس کے اعمال میرے نزدیک آپ کے اعمال سے زیادہ محبوب ہوں کہ اس طرح کے اعمال

❶ علی بن ابی طالب مستشار أمین للخلفاء الراشدین ص ۹۹

❷ فقه السیرة النبویة للبوطی ص ۵۲۹

❸ المختصر من کتاب الموافقة ص ۱۴۰

❹ المصنف لابن ابی شیبة ۱۲ / ۲۹

کر کے میں اللہ سے ملاقات کرنا چاہوں، اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ کر دے گا، مجھے یاد آتا ہے کہ میں اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنتا تھا:

((ذَهَبْتُ أَنَا وَ أَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَخَلْتُ أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ و خَرَجْتُ أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ .)) [1]

''میں، ابوبکر اور عمر گئے اور میں، ابوبکر اور عمر داخل ہوئے اور میں، ابوبکر اور عمر نکلے۔''

☆ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہرنا ناپسند کرتے تھے اس لیے میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں:

جب جنگ جمل سے علی رضی اللہ عنہ فارغ ہوئے، بصرہ آئے، عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ جانے لگیں تو ان کے ساتھ کچھ دور چل کر انھیں رخصت کیا، پھر بصرہ سے کوفہ گئے، وہاں آپ بروز سوموار ۱۲ر رجب ۳۶ھ کو پہنچے، آپ سے کہا گیا: آپ قصر ابیض میں ٹھہریں، آپ نے فرمایا: نہیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہرنا ناپسند کرتے تھے، اس لیے میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں، چنانچہ آپ مکانوں کے مابین کھلی جگہ میں ٹھہرے۔ اور جامع اعظم میں دو رکعت نماز پڑھی۔ [2]

☆ اہل بیت کی عمر رضی اللہ عنہ سے محبت:

عمر رضی اللہ عنہ سے اہل بیت کی محبت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کی شخصیت چوں کہ ان کے نزدیک محبوب و ہردل عزیز تھی، وہ لوگ آپ کے بہترین کارناموں، اچھے اخلاق اور اسلام کی نمایاں خدمات کا احترام کرتے تھے، نیز ان مضبوط دوستانہ تعلقات کا پاس ولحاظ رکھتے تھے جو آپ کو اہل بیت اور ان سے سسرالی رشتے سے جوڑتے تھے، انھی وجوہ واسباب کی بناء پر وہ لوگ اپنے بچوں کا نام آپ کے نام پر رکھتے تھے، چنانچہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے بچے کا نام آپ کے نام پر رکھا، ام حبیب بنت ربیعہ بکریہ کے بطن سے پیدا ہونے والے اپنے بیٹے کا نام آپ نے عمر رکھا۔ [3]

کتاب "الفصول" میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد کے تذکرے میں وارد ہے: اور تغلبیہ کے بطن سے عمر ہیں، وہ صہباء بنت ربیعہ ہیں، آپ ان قیدیوں میں سے تھیں جو "عین التمر" پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حملے کے نتیجے میں قید ہوئے تھے، مذکور عمر ۸۵ سال زندہ رہے، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آدھی وراثت کے حق دار بنے، ایسا اس لیے کہ آپ کے تمام سگے بھائی عبداللہ، جعفر، عثمان آپ سے پہلے حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید

---

[1] صحيح البخاری رقم ۳۶۸۵

[2] تاريخ الخلافة الراشدة ، محمد كنعان ص ۳۸۳

[3] تاريخ اليعقوبی ۲/ ۲۱۳ ، الشيعة واهل البيت ص ۱۳۳

کر دیے گئے چنانچہ آپ ان سب کے وارث ہوئے۔ ❶

عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کے سلسلے میں حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا۔ ❷

اسی طرح حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے بیٹے کا نام عمر رکھا، حسین رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے صاحبزادے علی زین العابدین نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام عمر رکھا۔ ❸

اہل بیت کے یہ ائمہ جو نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اس طرح عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اپنے سینوں میں چھپی محبت و دوستی کا اظہار آپ کی وفات کے کافی عرصہ بعد کرتے تھے، اس طرح اس نام نیز ابوبکر و عثمان (رضی اللہ عنہم) جیسے ناموں کا راہ حق پر چلنے والے اہل بیت میں رواج رہا، آج تک اہل سنت و جماعت کا یہی منہج ہے، اسی طرح ہاشمی خاندانوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین کے نام ملتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کا نام طلحہ، عبدالرحمن، عائشہ اور ام سلمہ رکھا، آج ہم شیعوں کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور اہل بیت کے ائمہ کی اقتداء کریں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے تھے، اور اپنے بعض بچوں اور بچیوں کا نام خلفائے راشدین اور امہات المومنین کے ناموں پر رکھتے تھے۔ ❹

☆ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کا قول:

حفص بن قیس سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن حسن سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا: مسح کرو، کیوں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مسح کیا، کہتے ہیں کہ میں نے کہا: میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ مسح کرتے ہیں؟ تو فرمایا: خاموش رہو، میں تم کو عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتا رہا ہوں، اور تم مجھ سے میری رائے پوچھ رہے ہو، عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے اور روئے زمین کے اور تمام لوگوں سے بہتر تھے، تو میں نے کہا: اے ابومحمد کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ یہ بطور تقیہ کہہ رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ سے (جب کہ ہم لوگ قبر نبوی اور منبر کے درمیان تھے) فرمایا:

''اے اللہ میرا یہی قول خلوت میں بھی ہے اور جلوت میں بھی، میرے بعد میرے خلاف کسی کی بات نہ سنی جائے، پھر فرمایا: کس کا یہ زعم باطل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ مظلوم و مقہور تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے

---

❶ الفصول المهمة ص ١٤٣، الشيعة و اهل البيت ص ١٣٣

❷ الشيعة و اهل البيت ص ١٣٣

❸ الشيعة واهل البيت ص ١٣٤

❹ اذهبوا فأنتم الرافضة، عبدالعزيز الزبيرى ص ٢٣٠

آپ کو ایک بات کا حکم دیا اور آپ اس حکم کو بجا نہیں لائے، علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص کے لیے یہ زعم باطل کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک بات کا حکم دیا اور آپ اس کو بجا نہیں لائے۔'' [1]

ثالثاً:......عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں

شروع ہی سے عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا اسلامی دعوت سے گہرا ربط رہا، حیات نبوی کی ہر چھوٹی بڑی بات سے آگاہ تھے، شیخین کے دور میں خلافت کے تمام احوال سے آپ کو آگاہی تھی، دوسرے لفظوں میں موجودہ اصطلاح کے مطابق آپ اسلامی حکومت کی تاسیس میں برابر شریک رہے۔

عثمان بن عفان اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت جس منہج پر ہوئی وہ منجانب اللہ نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید ہے، اور دوسری چیز جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر کافی مؤثر رہی اور آپ کی منجانب اللہ عطا کردہ صلاحیتوں کو جلا بخشی، آپ کی خوابیدہ طاقتوں کو ابھارا، آپ کو مہذب بنایا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نبوی مدرسہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی رہی، چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد مکہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے، آپ نبوی مدرسہ میں بشریت کے ہادی و رہنما سے مختلف علوم و معارف سیکھنے کے حریص تھے۔

جنگ بدر میں شریک نہ ہونے کا سبب آپ کی سستی یا راہِ فرار اختیار کرنا نہیں تھا جیسا کہ آپ پر تنقید کرنے والے بعض نفس پرستوں کا زعم باطل ہے، آپ کا ارادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا نہیں تھا، اس لیے کہ جنگ بدر میں شرکت کی بنا پر اہل بدر کو جو فضیلت حاصل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع ہے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغرض شرکت نکلے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سخت بیمار بیٹی ''رقیہ'' کی دیکھ ریکھ کے لیے آپ کو واپس کر دیا وہ اسی بیماری میں اللہ کو پیاری ہوگئیں، چنانچہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری ہی کے باعث شریک نہ ہو سکے، اور اسی اطاعت ہی کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا حصہ اور اجر و ثواب مقرر کیا اور مال غنیمت، فضیلت اور اجر و ثواب میں آپ کو صحابہ کرام کے ساتھ شریک کیا۔

طبری نے صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ کی بہت ساری خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ اس بات کی خصوصیت کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیعت کر رہے تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ غائب تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام قرار دیا گیا۔

---

[1] النہی عن سب الاصحاب و ما فیہ من الاثم و العقاب، لمحمد عبد الواحد المقدسی ص ۵۷

۲۔ اس بات کی خصوصیت کہ مکہ میں موجود قیدی مسلمانوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پہنچانے کے لیے آپ ہی کو مکلف کیا گیا، اور انھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام دے کر بھیجا تو طواف نہ کرنے میں ان کی رائے کی درستی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی۔ ❶

۳۔ فتح مکہ کے موقع پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے بارے میں آپ کی سفارش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کی۔ ❷

مدینہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی کے اہم واقعات میں سے رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کرنا، عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا وفات پا جانا ہے۔

حکومت کے قیام میں آپ کی اقتصادی ساجھے داریوں سے رومہ نامی کنویں کو بیس ہزار درہم میں خرید کر تمام مالداروں، غریبوں اور مسافروں کے لیے عام کر دینا، مسجد نبوی کی توسیع اور ''جیش عسرۃ'' پر بہت زیادہ خرچ کرنا ہے۔

دوسروں کے ساتھ آپ کی فضیلت میں بہت ساری حدیثیں وارد ہیں، اور کچھ حدیثیں صرف آپ کی فضیلت میں وارد ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کی خبر دی تھی جس میں آپ قتل کیے گئے۔ دور صدیقی میں آپ اہل شوریٰ اور ایسے صحابہ کرام میں سے تھے جن سے اہم امور میں مشورہ لیا جاتا تھا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک آپ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد دوسرے مقام پر تھے، عمر رضی اللہ عنہ ٹھوس موقف اور سختیوں میں مشہور تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ نرمی اور بہ اطمینان سوچنے سمجھنے میں مشہور تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ صدیقی خلافت کے وزیر اور عثمان رضی اللہ عنہ اس کے ناظم عمومی اور کاتبوں کے رئیس تھے، عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی آپ کا بڑا مقام و مرتبہ تھا، لوگ جب عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی بات پوچھنا چاہتے تو آپ عثمان اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجتے، عثمان رضی اللہ عنہ ردیف کے لقب سے جانے جاتے تھے، اور عربوں کے نزدیک یہ لقب امیر کے بعد دوسرے شخص کے لیے ہوتا تھا، جب یہ دونوں کوئی کام انجام نہ دے پاتے تو لوگ ان کے ساتھ تیسرے شخص عباس رضی اللہ عنہ کو لگا دیتے۔ ❸

دور عثمانی میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما عالم شباب میں تھے آپ عمر کے اس مرحلے میں تھے کہ تمام حالات کی آگاہی رکھیں، رونما ہونے والے واقعات، خلیفۂ راشد عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے اردگرد رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

---

❶ المناقب النضرۃ فی المناقب العشرۃ (ص ۴۹۰، ۴۹۱)

❷ أضواء البیان فی تاریخ القرآن ۔ لصابر ابوسلیمان ص ۷۹

❸ تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان للصلابی۔

سیاست سے سبق سیکھیں، چنانچہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے درج ذیل اہم اسباق کو سیکھا:

ا۔خلیفہ کی تعیین میں عمر رضی اللہ عنہ کا تفقہ:

آخری سانس تک عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو امت کے اتحاد اور اس کے مستقبل کی فکر تھی، جب کہ آپ شدید زخموں کی تکلیف میں مبتلا تھے، بلاشبہ یہ تاریخی لحات تھے، جو عمر فاروق کے پختہ ایمان، اخلاص اور ایثار کا پتہ دے رہے تھے۔ ❶

ان مشکل ترین لحات میں عمر رضی اللہ عنہ نے نئے خلیفہ کے انتخاب کی ایک نئی شکل ایجاد کی، یہ چیز اسلامی حکومت کی سیاست میں آپ کے تفقہ کی واضح دلیل و علامت ہے، آپ سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے کسی کے خلیفہ بنائے جانے کی تصریح نہیں کی تھی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ سے مشورہ کر کے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا، عمر رضی اللہ عنہ بسترِ مرگ پر تھے آپ سے خلیفہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا، آپ کچھ دیر تک غور وفکر کرتے رہے پھر فیصلہ کیا کہ حالات کے تقاضے کے مطابق ایک نیا طریقہ اپنایا جائے، جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو تمام لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور آپ کے زیادہ حق دار ہونے کے قائل تھے، اس لیے اختلاف کی گنجائش شاذ ونادر تھی، بالخصوص اس لیے بھی کہ قولاً وعملاً نبی کریم ﷺ نے امت کو اس جانب توجہ دلائی تھی کہ آپ ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تو آپ کو معلوم تھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات پر متفق تھے کہ آپ کے بعد خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے میں عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ قوی اور افضل ہیں، چنانچہ کبار صحابہ سے مشورہ کے بعد آپ کو خلیفہ مقرر کر دیا، کسی نے آپ کی رائے کی مخالفت نہیں کی، اس طرح عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اجماع منعقد ہو گیا۔ ❷

آپ نے خلیفہ کے انتخاب کے نئے طریقے میں ایک مخصوص تعداد کی مجلس شوریٰ بنائی اس میں چھ ایسے صحابہ تھے جو فرق مراتب کے ساتھ ذمہ داری سنبھالنے کے اہل تھے، آپ نے انھیں طریقہ انتخاب سے آگاہ کیا، مدت مقرر کی اور اس بات کی وضاحت کی کہ خلیفہ کے انتخاب کے لیے کتنے ووٹ چاہئیں۔ ووٹ برابر ہونے کی صورت میں مجلس شوریٰ میں حَکم مقرر کیا کہ ان کا ووٹ ترجیحی ہوگا، مجلس شوریٰ میں انتخاب کی کارروائیوں کی دیکھ ریکھ کے لیے، اجتماعی فیصلے کے مخالفین کو سزا دینے کے لیے، گڑبڑ کو روکنے کے لیے آپ نے ایک فوجی دستہ مقرر کیا، وہ دستہ اہل حل وعقد کی مجلس میں کسی کو جانے اور وہاں کی کارروائیوں کو سننے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ❸

---

❶ الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب للعاني ص ١٦١

❷ أوليات الفاروق للقرشي ص ١٢٢

❸ أوليات الفاروق ص ١٢٤

سابقہ اجمالی باتوں کی تفصیل یہ ہے:

أ:......مجلس شوریٰ کے لیے آپ کی مقرر کردہ تعداد اور ان کے نام:

ان کی تعداد چھ تھی، ان کے نام یہ ہیں: علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، زبیر بن عوام، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے تھے انھیں شاید آپ نے اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ وہ قبیلۂ بنو عدی کے تھے۔ ❶

عمر رضی اللہ عنہ اپنے اعزہ واقارب سے امارت وخلافت کو دور رکھنے کے حریص تھے جب کہ ان میں اس کی اہلیت رکھنے والے لوگ موجود تھے، اس لیے آپ نے اپنے قریبی سعید بن زید کا نام خلافت کے امیدواروں کی فہرست میں شامل نہیں کیا۔ ❷

ب:......خلیفہ کا طریقۂ انتخاب:

آپ نے اہل شوریٰ کو حکم دیا کہ ان میں سے کسی کے گھر میں وہ لوگ اکٹھے ہوں اور باہمی مشورہ کریں، ان کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی صرف مشیر کی حیثیت سے حاضر تھے، انھیں کوئی اور اختیار نہیں تھا، باہمی مشورہ کے موقع پر صہیب رومی رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کرتے تھے، آپ نے ان سے کہا: آپ ان تین دنوں میں امامت کے ذمہ دار ہوں گے تا آنکہ آپ چھ میں سے کسی کو امامت کا ذمہ دار بنا دیں اور جسے عمر رضی اللہ عنہ اس کی ذمہ داری دیں گے اسی کو خلافت کا ذمہ دار بنائیں گے۔ ❸ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اور ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو انتخابی کارروائیوں کا نگراں مقرر کیا۔ ❹

ت:......انتخاب یا مشاورت کی مدت:

عمر رضی اللہ عنہ نے تین دن کی مدت مقرر کی، یہ مدت کافی ہے۔ اگر مدت اس سے زیادہ ہوتو اختلافات کے وسیع ہونے کا خوف ہوگا، اسی لیے آپ نے فرمایا تھا:

''چوتھے دن تمہارا امیر مقرر ہوگا۔'' ❺

ث:......خلیفہ کے انتخاب کے لیے مطلوبہ ووٹوں کی تعداد:

ثقہ راویوں کی سند سے ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

---

❶ البدایۃ والنہایۃ ۱/ ۱۴۲　❷ الخلفاء الراشدون للخالدی ص ۹۸

❸ الخلافۃ والخلفاء الراشدون للبہنساوی ص ۲۱۳۔

❹ أشہر مشاہیر الاسلام فی الحرب والسیاسۃ ص ٦٤٨

❺ الطبقات لابن سعد ۳/ ۳٦٤

"آپ تین دن لوگوں کی امامت کرائیں، یہ لوگ کسی گھر میں اکٹھے ہوں، جب یہ لوگ کسی شخص پر اتفاق کر یں تو مخالفت کرنے والے کا سر قلم کر دو۔" ❶

ان لوگوں کے مخالفت کرنے اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے والے کو عمر رضی اللہ عنہ نے اسی قولِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے قتل کرنے کا حکم دیا تھا:

((مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ مِنْكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ.)) ❷

"تم اگر کسی شخص پر متفق ہو ایسی حالت میں کوئی آ کر تمھارے اندر اختلاف پیدا کرنا چاہے یا تمھاری جماعت کو منتشر کرنا چاہے تو اسے قتل کر دو۔"

کتب تاریخ میں جو یہ روایت آئی ہے کہ آپ نے انھیں اکٹھا ہونے اور باہمی مشورہ کرنے کا حکم دیا اور لوگوں کے سامنے یہ بات واضح کر دی کہ جب ان میں سے پانچ کسی شخص پر متفق ہو جائیں، ایک انکار کرے تو تلوار سے اس کی گردن مار دو، اور اگر چار کسی کو منتخب کر لیں، دو انکار کریں تو ان کی گردن مار دو۔ ❸ اس روایت کی سند صحیح نہیں ہے، یہ ان عجیب و غریب روایتوں میں سے ہے جنھیں رافضی شیعہ ابومخنف نے صحیح روایتوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرتوں کی مخالفت کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ چندہ صحابی ہیں اور ان فضائل اور مقام و مرتبہ کو جانتے ہوئے آپ ہی نے انھیں اس کام کے لیے منتخب کیا ہے۔ ❹

ابن سعد سے منقول ہے کہ "عمر رضی اللہ عنہ نے انصار سے کہا: ان لوگوں کو تین دن کے لیے کسی گھر میں داخل کر دو، اگر معاملے کو ٹھیک کر لیتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ ان کی گردن مار دو۔" ❺

یہ روایت منقطع ہے، اس کی سند میں سماک بن حرب نامی راوی ضعیف ہیں، آخری عمر میں ان کا حافظہ خراف ہو گیا تھا۔ ❻

ج:......اختلاف کی صورت میں فیصل:

آپ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ مجلس میں عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) بھی حاضر ہوں، انھیں کوئی اختیار نہیں ہوگا

---

❶ الطبقات لابن سعد ٣/ ٣٦٤
❷ صحيح مسلم ٣/ ١٤٨٠
❸ تاريخ الطبري ٥/ ٢٢٦
❹ مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري، د. يحيىٰ ص ١٧٥
❺ الطبقات لابن سعد ٣/ ٣٤٢
❻ مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري ص ١٧٦

سوائے اس کے کہ اگر تین کسی ایک کو منتخب کریں اور تین کسی دوسرے کو تو عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو حکم و فیصل بنائیں، فریقین میں سے جس فریق کے حق میں وہ فیصلہ کریں تو وہ اپنے میں سے کسی شخص کا انتخاب کرے، اگر لوگ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فیصلے کو ناپسند کریں تو اس فریق کے ساتھ ہو جاؤ جس میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہوں، ان کا وصف بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کیا ہی اچھی رائے والے اور عقلمند ہیں انھیں الٰہی حفاظت حاصل ہے، اس لیے ان کی بات مانو۔ ❶

ح:......اسلامی فوج کا ایک گروہ انتخاب کی نگرانی کرتا ہے اور گڑبڑ کو روکتا ہے:

عمر رضی اللہ عنہ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے ان سے کہا: اے ابوطلحہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے ذریعہ سے اسلام کو غلبہ عطا کیا، اس لیے انصار میں سے پچاس لوگوں کو منتخب کر لو، اور ان سے مطالبہ کرو کہ اپنے میں سے ایک آدمی کو (گروہ کا امیر) منتخب کر لیں ❷ اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے کہا: جب تم لوگ مجھے دفن کر دو تو ان لوگوں کو ایک گھر میں جمع کرو تاکہ وہ لوگ اپنے میں سے ایک آدمی کو (اپنے گروہ کا امیر) منتخب کر لیں۔

خ:......افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو ذمہ دار بنانے کا جواز:

شوریٰ کے فوائد میں سے افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو ذمہ دار بنانے کا جواز ہے، اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ میں چھ لوگوں کو شامل کیا جب کہ آپ کو معلوم تھا کہ ان میں سے بعض دوسرے سے افضل تھے۔ یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے گورنروں کی تعیین سے بھی معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ آپ اس میں صرف دینی فضیلت کی رعایت نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شرعی سیاست کی بصیرت اور غیر شرعی سیاست سے دوری کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ آپ نے معاویہ، مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو گورنر مقرر کیا جب کہ دین و علم میں ان لوگوں سے افضل لوگ موجود تھے، جیسے شام میں ابوالدرداء اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم۔ ❸

ش:......عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے طریق کار میں تعیین و عدم تعیین دونوں کو شامل رکھا:

عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ مشاورت کی تکمیل صرف چھ لوگوں سے نہیں ہو سکتی، بلکہ ضروری ہے کہ خلافت کا کون مستحق ہے اس سلسلے میں مدینہ والوں کی رائے لی جائے، اس لیے ان کے لیے تین دن کی مدت مقرر کی، تاکہ وہ باہمی مشورہ اور بحث و مباحثہ کر سکیں تاکہ آپ کے بعد خلیفہ کی خلافت پر دار الہجرہ مدینہ میں موجود اکثر لوگوں کا اتفاق ہو سکے، اس میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، اور مدینہ کے علاوہ دوسری جگہوں میں جو لوگ تھے وہ

---

❶ تاریخ الطبری ٥/ ٣٢٥

❷ تاریخ الطبری ٥/ ٣٢٥، تاریخ الطبری: ٥/ ٣٢٥.

❸ المدینة النبویة فجر الاسلام و العصر الراشدی ٢/ ٩١

مدینہ کے صحابہ کرام جس پر متفق ہو جائیں اس کو ماننے والے تھے۔۲۳ھ تک مدینہ منورہ صحابہ کرام خصوصاً کبار صحابہ کا گڑھ رہا، اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے پاس ہی رکھا اور مفتوحہ علاقوں کی جانب نہیں جانے دیا۔ ❶

ک:...... مجلس شوریٰ اعلیٰ ترین سیاسی کمیٹی تھی:

بلاشبہ عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اہل شوریٰ کو یہ ذمہ داری دی کہ اپنے میں سے خلیفہ منتخب کریں، اور یہ ایک اہم بات ہے کہ اہل شوریٰ میں سے کسی نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کی اس قرارداد کی مخالفت نہیں کی، اور دوسرے صحابہ میں سے بھی کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا، ہمارے پاس موجود نصوص اسی بات پر دلالت کرتے ہیں، چنانچہ ہمیں نہیں معلوم کہ اس زمانے میں کسی نے بھی کوئی دوسرا منصوبہ پیش کیا ہو، یا عمر رضی اللہ عنہ کے شورائی طریق کار کی آپ کی زندگی کے آخری اوقات میں یا آپ کی وفات کے بعد مخالفت کی گئی ہو، بلکہ تمام لوگوں نے اس طریق کار کو پسند کیا اور انھیں اسی میں مسلمانوں کی مصلحت نظر آئی۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اعلیٰ ترین سیاسی کمیٹی تشکیل دی جس کے ذمہ خلیفہ منتخب کرنا تھا، عمر رضی اللہ عنہ کی عبقریت کا مقرر کردہ یہ نیا دستوری نظام بالخصوص اس کا شورائی پہلو اسلام کے بنیادی اصول و مبادی سے متعارض نہیں تھا، اس لیے کہ نتیجے کے لحاظ سے اصل اعتبار اس عام بیعت کا تھا جو جامع مسجد میں انجام پذیر ہوئی۔

اس بناء پر بعض لوگوں کے ذہنوں میں جو یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو کس نے یہ حق دیا؟ اس طریق کار میں عمر رضی اللہ عنہ کی دلیل کیا ہے؟ وہ بے معنی ہیں۔

ہمیں یہ جان لینا کافی ہے کہ مسلمانوں نے اس طریق کار کو مانا، اسے پسند کیا، اس پر کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں کیا گیا، اس طرح ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اس کی صحت اور نفاذ پر اجماع (جو تشریع کے مصادر میں سے ہے) منعقد ہے۔ ❷

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد ہیں، ہمیں یہ بھی یقین کرنا چاہیے کہ مجلس شوریٰ اعلیٰ ترین سیاسی کمیٹی تھی جسے عہد خلافت راشدہ میں اسلامی نظام حکومت نے مقرر کیا تھا، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس کمیٹی میں عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے مقرر کردہ لوگوں میں وہ خصوصیات تھیں جو دوسرے لوگوں میں نہیں تھیں۔ یہ خصوصیات انھیں منجانب اللہ عطا ہوئی تھیں اور انھیں ان خصوصیات سے رسول اللہ ﷺ نے مطلع کیا تھا، چنانچہ مومنوں کا عقیدہ ہے کہ کوئی دوسرا مسلمان عشرۂ مبشرہ کے تقویٰ اور امانت کے درجہ کو نہیں پا سکتا۔

اس طرح عمر رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوئے، آپ نے مصیبت اور سکرات الموت کی پروا نہ کرتے ہوئے

❶ المدینة النبویة فجر الإسلام و العصر الراشدی ۲/ ۹۷.

❷ نظام الحکم فی الشریعة و التاریخ للقاسمی ۱/ ۲۲۷، ۲۲۸.

مسلمانوں کے معاملے کو اچھی طرح حل کیا، اور ایک نئے شورائی نظام کی بنیاد ڈالی، اس میں کوئی شک نہیں کہ شوریٰ کی اصل قرآن اور قولی وفعلی حدیثوں سے ثابت ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عمل رہا، اس لیے عمر رضی اللہ عنہ شوریٰ کی اصل کو نئے سرے سے وجود میں لانے والے نہیں تھے، آپ کا نیا کام خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ کار متعین کرنا اور شوریٰ کے لیے محدود عدد کی مجلس تشکیل دینا ہے، اس کام کو نہ تو رسول اللہ ﷺ نے انجام دیا اور نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی بلکہ اسے سب سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ نے انجام دیا، اور یہ بہت ہی اچھا کام تھا، اس لیے کہ اس وقت صحابہ کے حالات کے موافق یہ سب سے افضل طریق کار تھا۔ ❶

امورِ خلافت کے تفقہ میں یہ خوشگوار ترقی، سیاسی بصیرت اور حالات کے مطابق علمی اجتہادات، ان تمام چیزوں کا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی تعلیم وتربیت، ان کی وسعتِ فہمی اور بالغ نظری میں اہم کردار رہا، اسی بناء پر آپ نے بھی ایک اسلوب اختیار کیا، اور اختلاف وانتشار کے بعد امت کو متحد کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ نادر اور عبقری شخصیتیں بے بنیاد وجود میں نہیں آتیں۔ آپ کی شخصیت اسلامی تہذیب وثقافت کو پروان چڑھانے میں سابقہ لوگوں کی کوششوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ اور وسیع تجربات کا نتیجہ تھی۔

۲۔ مجلس شوریٰ کی کارروائیوں کو چلانے میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا منہج:

عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کے سلسلے میں مجلس شوریٰ کی کارروائیوں کو چلانے میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے منہج کو حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے بہت قریب سے دیکھا، یہ منہج درج ذیل نکات پر مشتمل تھا:

ا:...... مجلس شوریٰ کا مشاورت کے لیے اجتماع:

عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے فوراً بعد مجلس شوریٰ اور حکومت کی مجلس اعلیٰ کے ممبران ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہوئے، دوسرے قول کے مطابق ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہوئے تاکہ عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے سب سے اہم مسئلے میں کوئی فیصلہ لے سکیں، لوگوں نے گفتگو کی، تفصیل سے اپنی آراء کا اظہار کیا، اور توفیق الٰہی سے ایسے فیصلے پر پہنچے جسے عام وخاص تمام مسلمانوں نے پسند کیا۔ ❷

ب:...... عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دوسرے کے حق میں دستبردار ہونے کی دعوت دیتے ہیں:

جب اہل شوریٰ جمع ہوئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ لوگ اپنا معاملہ اپنے میں سے تین کے حوالے کر دیں، چنانچہ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنا معاملہ علی (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کرتا ہوں، طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

---

❶ أولیات الفاروق ص ۱۲۷

❷ عثمان بن عفان، لصادق عرجون ص ٦٢، ٦٣

میں اپنا معاملہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کرتا ہوں، سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنا معاملہ عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کرتا ہوں، اب امیدوار تین رہے:

۱۔ علی بن ابی طالب ۲۔ عثمان بن عفان

۳۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ دونوں حضرات میں سے جو بھی خلافت سے اپنی براءت ظاہر کرے ہم اسی کو خلافت دیں گے اور اللہ اس کا نگران ونگہبان ہوگا، اور اسلام کے حقوق کی ذمہ داری اس پر لازم ہوگی، آپ دونوں میں سے ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ اس کے خیال میں کون افضل ہے۔ اس پر علی و عثمان رضی اللہ عنہما چپ رہے تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: کیا آپ دونوں یہ معاملہ مجھے سونپ رہے ہیں، اللہ کی قسم آپ دونوں میں سے جو افضل ہوگا اس کے سلسلے میں کوتاہی نہیں کروں گا؟ دونوں نے کہا: ہاں۔ [1]

ج:..... عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو شوریٰ کی کارروائیوں کو چلانے کا اختیار سونپ دینا:

اتوار کی صبح چھ امیدواروں کے اجتماع کے ختم ہوتے ہی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ملاقاتوں اور مشوروں کا سلسلہ شروع کر دیا، چار محرم بدھ کی فجر تک پورے تین دن یہ سلسلہ جاری رہا، اسی وقت ان کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ مہلت ختم ہو رہی تھی۔ آپ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ابتداء کرتے ہوئے کہا: اگر میں آپ کے لیے بیعت نہ کروں تو آپ خلافت کا حقدار کس کو سمجھتے ہیں؟ تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس گئے، ان سے مشورہ کیا، مدینہ میں کبار صحابہ اور فوجوں کے قائدین میں سے جس سے بھی آپ کی ملاقات ہوتی، جو بھی مدینہ آتا ہر ایک سے آپ مشورہ کرتے، آپ نے پردوں کے پیچھے عورتوں سے مشورہ کیا، ان تمام نے اپنی رائے کا اظہار کیا، اس طرح آپ نے مدینہ کے عام مسلمانوں، بچوں اور غلاموں سے مشورہ کیا، وہ لوگ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حق میں مشورہ دے رہے تھے اور بعض لوگ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں۔

بدھ کی آدھی رات کو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے بھانجے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، دستک دی، مسور رضی اللہ عنہ کو سوتا پایا، دروازہ پیٹنے پر جاگے، تو ان سے کہا: تم سو رہے ہو، اللہ کی قسم میں ان تین راتوں میں اچھی طرح سو نہیں سکا ہوں، جاؤ زبیر و سعد (رضی اللہ عنہما) کو بلا لاؤ، وہ انھیں آپ کے پاس بلا کر لائے، آپ نے ان سے مشورہ کیا پھر مجھے بلایا کہا جاؤ علی (رضی اللہ عنہ) کو بلا لاؤ، میں انھیں بلا کر لایا، آدھی رات تک آپ ان سے تنہائی میں گفتگو کرتے رہے، پھر علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے چلے گئے، پھر آپ نے کہا: جاؤ عثمان (رضی اللہ عنہ) کو بلا لاؤ، انھیں بلا

[1] صحیح البخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی، رقم ۳۷۰۰

کرلایا، ان سے اذان فجر تک تنہائی میں گفتگو کرتے رہے۔ ❶

ح:...... عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اتفاق:

آخری ذی الحجہ ۲۳ھ مطابق ۶ رنومبر ۶۴۴ء کی صلاۃ فجر (جس کے امام صہیب رومی رضی اللہ عنہ تھے) کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ وہی عمامہ پہنے آئے جسے آپ کو رسول اللہ ﷺ نے پہنایا تھا، شوریٰ کے لوگ منبر کے پاس موجود تھے، آپ نے مدینہ میں موجود مہاجرین و انصار اور فوجوں کے قائدین کو بلوایا، ان میں سے امیر شام معاویہ، امیر حمص عمیر بن سعد، امیر مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم تھے، یہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس حج میں شریک تھے، اور آپ ہی کے ساتھ مدینہ آئے تھے۔ ❷

صحیح بخاری کی روایت میں ہے:

''جب لوگ صبح کی نماز پڑھ چکے، اور مجلس شوریٰ کے لوگ منبر کے پاس جمع ہو گئے تو مدینہ میں موجود مہاجرین و انصار کو اور فوجوں کے قائدین کو بلوایا، یہ لوگ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس حج میں شریک تھے، جب لوگ جمع ہو گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے فرمایا:

((أَمَّا بَعْدُ! يَا عَلِيُّ إِنِّيْ قَدْ نَظَرْتُ فِيْ أَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ أَرَهُمْ يَعْدِلُوْنَ بِعُثْمَانَ، فَلَا تَجْعَلَنَّ عَلٰى نَفْسِكَ سَبِيْلًا فَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ مُخَاطِبًا عُثْمَانَ: أُبَايِعُكَ عَلٰى سُنَّةِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ وَ الْخَلِيْفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ فَبَايَعَهُ النَّاسُ الْمُهَاجِرُوْنَ وَ الْأَنْصَارُ وَ أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ وَ الْمُسْلِمُوْنَ.)) ❸

''حمد وصلاۃ کے بعد، اے علی میں نے لوگوں کا جائزہ لیا ہے، وہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، اس لیے آپ اپنی ملامت کا راستہ نہ کھولیے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: میں اللہ و رسول ﷺ اور آپ کے بعد دونوں خلیفہ کے طریقے پر آپ کے لیے بیعت کر رہا ہوں، پھر مہاجرین وانصار، فوجوں کے قائدین اور عام مسلمانوں نے آپ کے لیے بیعت کی۔''

صاحب ''التمهيد و البيان'' کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے پہلے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ ❹

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الاحکام، رقم ۷۲۰۷

❷ شہید الدار ص ۳۷، بیعت کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ ❸ صحیح البخاری، کتاب الاحکام، رقم ۷۲۰۷

❹ التمهيد و البيان ص ۲۶

س:.....شوریٰ کے منصوبہ کی تنفیذ میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی:

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جس طریقے سے شوریٰ کے منصوبے کو نافذ کیا اس سے آپ کی عقل مندی، شرافت نفس اپنی ذاتی منفعت اور خاص مصلحت پر مسلمانوں کی عام مصلحت کو ترجیح دینے کا پتہ چلتا ہے، دنیا کے جس اعلیٰ ترین منصب کا انسان خواہش مند ہوتا ہے آپ نے اسے بہ رضا و رغبت ترک کر دیا تاکہ مسلمانوں کو متحد کر دیں، مسلمانوں کے حاکم و خلیفہ کو منتخب کرنے کے لیے شورائی نظام کو پہلی مرتبہ نافذ کیا، آپ نے غور و فکر، صبر، ٹھوس موقف اور حسن تدبیر سے کام لیا، جس کی بناء پر آپ اپنی عظیم ذمہ داری کو نبھانے میں کامیاب رہے۔

آپ نے درج ذیل کارروائیوں کو انجام دیا:

- ☆ عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے مقررہ مدت میں منعقد ہونے والی مجلس شوریٰ کی پہلی میٹنگ میں آپ نے اپنے پروگرام کو بالتفصیل بیان کر دیا، اس طرح آپ مجلس شوریٰ کے تمام ممبران کو اپنی رائے ظاہر کرنے پر آمادہ کر سکے، ان میں سے ہر ایک کی رائے جان کر آپ نے علیٰ وجہ البصیرت اپنی ذمہ داری کو نبھایا۔
- ☆ حقِ خلافت سے دستبردار ہو کر اپنے آپ کو الگ کر لیا تاکہ بدگمانیوں کو دور کر دیں اور پختہ اعتماد حاصل کر لیں۔
- ☆ مجلس شوریٰ کے ممبران میں سے ہر ممبر کی چاہت کے انجام پر غور کرنے لگے، ان کے ساتھ برابر تبادلۂ خیالات کرتے رہے، تاآنکہ قریب قریب جزوی انتخاب تک پہنچ گئے، جس میں عثمان رضی اللہ عنہ کو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا ووٹ حاصل ہو گیا، جس سے آپ کو محسوس ہوا کہ حاضر ممبران کی اکثریت انھی کے ساتھ ہے۔
- ☆ عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کی دوسرے کے بارے میں کیا رائے ہے یہ جاننے کی کوشش کی، اس لیے کہ یہ دونوں عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ امیدواروں میں زیادہ اہمیت کے حامل تھے، چنانچہ آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اگر ان دونوں میں سے کسی کو خلافت نہیں ملتی ہے تو اپنے ساتھی کے ہم پلہ کسی دوسرے کو نہیں سمجھتے۔
- ☆ مجلس شوریٰ سے ہٹ کر امت کے جو خاص اور اصحاب رائے لوگ تھے، ان کی رائے معلوم کرنے لگے، پھر عام اور کمزور لوگوں کی رائے لی تو آپ کو معلوم ہوا کہ اکثر لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہمسر کسی دوسرے کو نہیں سمجھتے، چنانچہ آپ نے اور عام لوگوں نے انھی کے لیے بیعت کی۔ [1]

حکومت کے اعلیٰ منصب سے کنارہ کش ہو کر، خلافت کی لالچ کو ترک کر کے اپنی بے نفسی کے اظہار، استقامت، امانت اور حکمت و دانائی کی بدولت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس آزمائش میں کامیاب رہے، مجلس

---

[1] عثمان بن عفان، لصادق عرجون ص ۷۰، ۷۱

شوریٰ کی پوری مہارت سے قیادت کی اور سب سے معزز عہدے سے الگ تھلگ رہے۔ ❶

امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بہترین کارناموں میں سے یہ ہے کہ شوریٰ کے وقت آپ نے اپنے آپ کو خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے سے الگ رکھا، اور اہل حل وعقد کی رائے کے مطابق امت کے لیے خلیفہ کو منتخب کیا، چنانچہ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں پوری امت کو تیار کرلیا، اگر آپ کو اس کی چاہت ہوتی تو خود خلیفہ بن جاتے، یا اپنے چچازاد بھائی اور سب سے قریبی شخص سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیتے۔'' ❷

اس طرح خلفائے راشدین کے عہد میں شوریٰ کی ایک نئی شکل وجود میں آئی اور وہ یہ کہ مجلس شوریٰ کے توسط سے خلیفہ منتخب کیا جائے، مجلس شوریٰ عام مشورہ کے بعد اپنے میں سے کسی ایک کی تعیین کرے، پھر عام بیعت لی جائے۔ ❸ یہی وہ باتیں ہیں جو شوریٰ میں پیش آئیں اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ان کا مشاہدہ کیا۔

ان شیعی باطل روایات کا کوئی اعتبار نہیں جو شوریٰ کے واقعہ میں داخل کردی گئی ہیں اور اسلامی تاریخ کی شبیہ کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، مستشرقین نے انھیں روایتوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا، بڑے پیانے پر اس کی نشر و اشاعت کی، انھیں سے انھی موجودہ مورخین و مفکرین کی اکثریت متاثر ہوئی اور روایات کی چھان بین نہیں کی، ان کی سند اور متن کی تحقیق نہیں کی، چنانچہ مسلمانوں کے مابین یہ روایتیں رواج پا گئیں۔

رافضی شیعی مورخین نے شوریٰ کے، اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنائے جانے کے واقعے کو بڑی اہمیت دی ہے اس میں بہت ساری باطل اور جھوٹی باتوں کو شامل کردیا ہے، ان میں سے بعض لوگوں نے خاص کتابیں تالیف کی ہیں۔ ابومخنف نے ''کتاب الشوریٰ'' تالیف کی، اسی طرح ابن عقدہ اور ابن بابویہ نے۔ ❹ شوریٰ، بیعت عثمان اور خلیفہ بنانے کی تاریخ کے سلسلے میں ابن سعد نے واقدی کے طریق سے نو روایتیں نقل کی ہیں۔ ❺ عبیداللہ بن موسیٰ کے طریق سے ایک روایت آئی ہے جس میں عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت، مجلس شوریٰ میں چھ ہی آدمیوں کی تعیین، خلیفہ بننے کی صورت میں علی وعثمان رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کو آپ کی وصیت، نیز اس سلسلے میں صہیب رضی اللہ عنہ کو آپ کی وصیت کا تذکرہ ہے۔ ❻

❶ مجلة البحوث الاسلامية، العدد (١٠) ص ٢٥٥

❷ سير أعلام النبلاء (١/ ٨٦)

❸ دراسات في عهد النبوة و الخلافة الراشدة ص ٢٧٨

❹ الذريعة إلى تصانيف الشيعة ١٤/ ٢٤٦

❺ الطبقات الكبرى ٣/ ٦٣، ٦٧

❻ مذكوره مرجع ٣/ ٣٤٠

بلاذری نے ابومخنف اور ہشام کلبی سے بیعتِ عثمان رضی اللہ عنہ اور شوریٰ کے تذکرہ کو نقل کیا ہے۔ ❶
ابن ابی الحدید نے احمد بن عبدالعزیز جوہری کے طریق سے شوریٰ کے بعض واقعات کو نقل کیا ہے ❷ اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اسے واقدی کی کتاب ''کتاب الشوریٰ'' سے نقل کیا ہے۔ ❸ شیعی روایتوں میں بہت ساری بے سروپا باتیں داخل کر دی گئی ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

☆ مسلمانوں کے معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طرفداری کی تہمت لگانا:

شیعی روایتوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مسلمانوں کے معاملے میں طرفداری کی تہمت لگائی ہے، اور اس کا تذکرہ کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اس بات پر رضا مند نہیں تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خلیفہ کا انتخاب کریں۔ چنانچہ ابومخنف، ہشام کلبی اور احمد جوہری سے مروی ہے کہ برابری کی صورت میں عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ترجیحی ووٹ کا حق دیا اور علی رضی اللہ عنہ کو یہ محسوس ہونے لگا کہ خلافت ان کے ہاتھوں سے جا رہی ہے اس لیے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کو سسرالی رشتہ کے سبب ترجیح دیں گے۔ ❹

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین کسی بھی خاندانی رابط کی نفی کرتے ہوئے کہا ہے: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نہ تو عثمان رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے نہ ہی چچا زاد بھائی ہی بلکہ ان کے قبیلے ہی سے نہیں تھے، عبدالرحمٰن قبیلۂ بنوزہرہ کے تھے، اور عثمان رضی اللہ عنہ قبیلۂ بنوامیہ کے، اور بنوہاشم کی جانب بنوزہرہ کا میلان بنوامیہ سے زیادہ تھا، بنوزہرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ننھیال تھا، انھی میں سے عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما تھے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هذا خالي فَلْيُرني امرؤ خاله .)) ❺

''یہ میرے ماموں ہیں، کوئی بھی مجھے ان کے جیسا اپنا ماموں دکھائے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو مہاجر و مہاجر کے مابین مواخات کرائی اور نہ ہی انصار و انصار کے مابین، آپ نے مہاجرین و انصار کے مابین مواخات کرائی، چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ و سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے مابین مواخات کرائی۔ ❻ اس سلسلے کی حدیث مشہور اور صحاح وغیرہ میں موجود ہے، اہل علم اس سے آگاہ ہیں۔ ❼

---

❶ أنساب الأشراف ٥/ ١٨، ١٩
❷ شرح نهج البلاغة ٩/ ٤٩، ٥٠، ٥٨
❸ شرح نهج البلاغة ٩/ ١٥، عثمان بن عفان للصلابي ص ١٣
❹ أثر التشيع على الروايات التاريخية ص ٣٢٢
❺ صحيح سنن الترمذي (٣/ ٢٢٠) رقم (٤٠١٨)
❻ صحيح البخاري كتاب مناقب الأنصار رقم ٣١١٠
❼ منهاج السنة النبوية ٦/ ٢٧١، ٢٧٢

شیعی روایتوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر سسرالی رشتہ کی وجہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں طرفداری کی تہمت لگائی، اوران میں ایک طرف اس بات کا خیال نہیں رکھا گیا کہ نسبی تعلق سسرالی تعلق سے مضبوط ہوتا ہے نیز دوسری طرف ان میں قرن اول کے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی خصوصیات کا خیال نہیں کیا گیا کہ ان کی بنیاد نہ تو نسبی رشتے پر ہوتی تھی اور نہ سسرالی رشتے پر ہی، عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان رضی اللہ عنہما کے مابین سسرالی رشتہ اس طرح تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ولید رضی اللہ عنہ کی بہن عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی۔ ❶

☆ اموی گروہ اور ہاشمی گروہ:

ابومخنف کی روایت اثناء بیعت میں بنوہاشم و بنوامیہ کے مابین رسہ کشی کی جانب اشارہ کرتی ہے، یہ غلط ہے کسی بھی صحیح یا ضعیف روایت میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ ❷

بعض مورخین شیعی روایات کے پیچھے چل پڑے ہیں اور انھی پر اپنے غلط تجزیات کی بنیاد رکھی ہے، چنانچہ انھوں نے نئے خلیفہ کی تعیین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مشورے کو قبائلی اختلاف کا رنگ دے دیا ہے اور یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ لوگ اموی اور ہاشمی دو گروہ میں بٹ گئے تھے، یہ کوشش سراسر غلط ہے، اور اس استنباط کی کوئی دلیل نہیں ہے، ایسی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس ماحول میں نہیں پائی جاسکتی جس میں ایک مہاجر اپنے والد، بھائی، چچا زاد بھائی اور قبیلہ والوں کے خلاف (اسلامی بنیادوں پر) ایک انصاری کے ساتھ ہو جاتا تھا، ایسی بات وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے، جو اپنے دین کی بقا کے لیے دنیا کی ہر چیز قربان کر دیتے تھے، یہ بات ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شایانِ شان نہیں تھی جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی۔

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مروی بہت سے واقعات بتلاتے ہیں کہ ان کا مقام اس سے کہیں بلند وبالا تھا کہ وہ اپنے معاملات کو حل کرنے میں اس تنگ نظری کا ثبوت دیں، معاملہ قبائلی یا خاندانی نمائندگی کا نہیں تھا بلکہ یہ لوگ اپنے اسلامی مقام و مرتبہ کے باعث شوریٰ کے ممبران تھے۔ ❸

☆ جھوٹ اور بہتان تراشی کی بنیاد پر حسن رضی اللہ عنہ کے والد کی جانب منسوب اقوال:

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن جریر وغیرہ جیسے بہت سارے مورخین کچھ مجہول لوگوں سے جو یہ باتیں روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا تھا "خدعتنی" تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے، اور

---

❶ الطبقات الکبریٰ ۳/ ۱۲۷

❷ مرویات أبي مخنف في تاریخ الطبری ص ۱۷۷، ۱۷۸

❸ الخلفاء الراشدون، أمین القضاة، ص ۷۸، ۷۹

تم نے انھیں خلیفہ اس لیے بنایا کہ وہ تمھارے سسرالی رشتہ دار ہیں، تم سے ہر دن اپنے معاملے میں مشورہ کرتے ہیں، اور یہ کہ علی رضی اللہ عنہ نے پس و پیش سے کام لیا یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾ (الفتح: ۱۰)

''جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں یقیناً اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جو شخص عہد شکنی کرے وہ اپنے نفس پر ہی عہد شکنی کرتا ہے اور جو شخص اس اقرار کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کیا ہے تو اسے عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا۔''

اس طرح کی دوسری باتیں بھی جو صحیح حدیثوں کے خلاف ہیں، وہ سب کی سب ناقابل قبول باتیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ثابت شدہ چیزیں ان چیزوں کے خلاف ہیں جن کا تصور بہت سارے شیعہ اور کم عقل واعظین رکھتے ہیں، جو صحیح ضعیف اور کھری وکھوٹی روایتوں کے مابین تمیز نہیں کر سکتے۔ واللہ الموفق للصواب۔ ❶

عہد نبوی نیز عہد خلافت راشدہ کی چھان بین سے جو اہم نتائج سامنے آئے انھی میں سے یہ نتیجہ بھی ہے کہ ان صحیح روایات کے ساتھ ساتھ جو تدین اور ایک دوسرے سے محبت کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سچی تصویر پیش کرتی ہیں ان کے بالکل متضاد روایتیں بھی ملتی ہیں، جھوٹے دشمنان اسلام، اسلام کی دشمنی میں ان کو پھیلانے کے حریص رہے ہیں، مستشرقین اور ان کے زلہ رباوں نے انھیں خوب رائج کیا، نادانی میں بعض علما بھی اس کے مرتکب ہو گئے۔

اس طرح کی روایتیں لازمی طور سے امت کو کمزور کرتی ہیں اور آنے والی نسلوں کو سلف صالحین میں لائق اقتدا نمونے کے فقدان کا احساس دلاتی ہیں، اس لیے اس امت کے باغیرت اہل قلم پر لازم ہے کہ وہ اس طرح کی سراسر جھوٹی روایتوں کو واضح کریں، اور ان کتابوں سے روکیں جو انھیں پھیلاتی اور رواج دیتی ہیں اور صحیح روایتوں کو بیان کریں، اور ان پر مشتمل کتابوں کو رواج دیں تاکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب سے دفاع کر سکیں اور اللہ کی رضا حاصل کر سکیں۔

۳۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی رائے:

خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی رائے وہی تھی جو تمام صحابہ کرام کی تھی، عمر بن

❶ البداية والنهاية ۷/ ۱۵۲

خطاب رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ کی خلافت کی صحت پر اجماع ہے، اس سلسلے میں کسی کو بھی اختلاف یا اعتراض نہیں تھا، سب نے اس کو تسلیم کیا تھا، ابوالحسن اشعری کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ اصحاب شوریٰ کے عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے سے ان کی خلافت ثابت ہو جاتی ہے، لوگوں نے آپ کو منتخب کیا، آپ کی خلافت کو پسند کیا، آپ کی انصاف پسندی اور فضیلت پر سب نے اتفاق کیا۔ ❶

خلافت کی ترتیب کے بارے میں اہل سنت و اہل حدیث کے عقیدے کو بیان کرتے ہوئے عثمان صابونی کہتے ہیں:

''وہ لوگ سب سے پہلے خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں، پھر خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے، پھر خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے، جس پر تمام اہل شوریٰ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق کیا اور اسے پسند کیا تا آنکہ آپ کو خلیفہ بنا دیا گیا۔'' ❷

۴۔ فتح افریقہ کے لیے جیش عبادلہ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی شرکت:

فتوحات کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ کا پرعزم و پختہ منصوبہ درج ذیل چیزوں پر مشتمل تھا:

۱۔ سرکش اہل فارس اور رومیوں کو زیر کرنا۔

۲۔ ان علاقوں میں اسلامی حکومت کا اعادہ۔

۳۔ ان علاقوں کے ماوراء علاقوں کو فتح کرنے کے لیے برابر جہاد کرتے رہنا تاکہ انھیں کمک نہ پہنچ سکے۔

۴۔ مستقل فوجی چھاؤنیاں تیار کرنا جن میں اسلامی علاقوں کی حفاظت کے لیے اسلامی لشکر تیار رہے۔

۵۔ اسلامی لشکر کی ضرورت کے پیش نظر بحری فوج تیار کرنا۔

عہد عثمانی میں اسلامی فوجی چھاؤنیاں بڑے صوبوں کی راجدھانیاں تھیں، عراق کی فوجی چھاؤنی کوفہ اور بصرہ تھی، شام کی فوجی چھاؤنی دمشق تھی، مصر کی فوجی چھاؤنی فسطاط تھی۔ ان فوجی چھاؤنیوں کی ذمہ داری اسلامی حکومت کی حفاظت، فتوحات کا سلسلہ جاری رکھنا، اسلام کی نشر و اشاعت تھیں، عہد عثمانی میں فتوحات کے مشہور سپہ سالاروں میں سے احنف بن قیس، سلیمان بن ربیعہ، عبدالرحمن بن ربیعہ اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

ان فتوحات سے مسلمانوں کو جو اسباق حاصل ہوئے ان میں سے چند یہ ہیں: مدد اور غلبہ عطا کرنے میں مومنوں سے اللہ کا کیا ہوا وعدہ سچ ثابت ہونا، جنگ و سیاست کی تدبیروں کا بتدریج ترقی کرنا، سمندری سفر اور سمندری جنگ کا وجود میں آنا، دشمنوں کی سراغ رسانی کر کے معلومات اکٹھا کرنا، دشمنوں کے مقابلے کے لیے

---

❶ الإبانة عن أصول الديانة ص ٦٨

❷ عقيدة السلف و أصحاب الحديث ضمن الرسائل المنيرية ١/ ١٣٩

اتحاد کا حریص ہونا وغیرہ۔

امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے جب افریقہ فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، چنانچہ ''ریاض النفوس'' میں ہے کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مصر کے لیے ان کے مقرر کردہ گورنر عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کا خط آیا:

''مسلمان افریقہ کی سرحدوں پر حملہ کرتے ہیں، اپنے دشمنوں سے مال غنیمت حاصل کرتے ہیں، وہ اسلامی حدود کے قریب ہیں۔''

اس کے بعد افریقہ کو فتح کرنے کے لیے اسلامی لشکر کو بھیجنے کے سلسلے میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے اپنی رغبت ظاہر کی، اس بارے میں ان کا قول ہے: اے ابن مخرمہ تمھاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: ان کو فتح کرنے کے لیے لشکر بھیج دیجیے، انھوں نے فرمایا: آج میں اکابر صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کروں گا، جس پر ان کا یا ان کی اکثریت کا اتفاق ہوگا وہی کروں گا، علی، طلحہ، زبیر، عباس رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگوں کا تذکرہ کر کے کہا کہ ان کے پاس جاؤ چنانچہ وہ ان میں سے ہر ایک سے مسجد میں تنہا تنہا ملے، پھر ابوالاعور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو بلایا، ان سے عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالاعور آپ افریقہ کی جانب لشکر کشی کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے: میں جب تک زندہ رہوں گا کسی مسلمان کو افریقیوں سے لڑنے نہیں بھیجوں گا، اس لیے میں آپ کو عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف کوئی دوسری رائے نہیں دوں گا۔ اس پر عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم ہم ان سے نہیں ڈرتے، وہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا پسند کریں گے، لڑیں گے نہیں۔ آپ کی اس رائے کی مخالفت ان کے علاوہ کسی اور نے نہ کی۔ پھر آپ نے لوگوں سے خطاب کیا، اور افریقہ کی جانب لشکر کشی کی ترغیب دلائی، چنانچہ عبداللہ بن زبیر، ابوذر غفاری، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر، حسن، حسین اور ان کے علاوہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نکل کھڑے ہوئے۔ [1]

افریقہ کی فتوحات میں مسلمانوں نے ہر طرح کی قربانیاں دیں، ان میں سے بہت سے شہید ہوئے، عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں افریقہ میں وفات پانے والوں میں سے مشہور شاعر ابوذویب ہذلی ہیں، انھی کا قول ہے:

و إذا الـمـنية أنشبـت أظـفـارهـا
ألـفـيـت كـل تـمـيـمة لا تـنـفـع

''اور جب موت آ پہنچے تو کوئی تعویذ نفع نہیں دے سکتا۔''

[1] رياض النفوس (١/ ٨، ٩)، الجهاد و القتال لهيكل ١/ ٥٥٦

وتجلدی للشامتین أریهم
أنی لریب الدهر لا أتضعضع

''برا کہنے والوں کی باتوں پر صبر کر، میں انھیں دکھلا دوں گا کہ میں گردش زمانہ سے نہیں گھبراتا۔''

دشمنوں پر بڑی فتح کے بعد حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی مبارک جماعت کے ساتھ دار الخلافہ واپس ہوئے، اسلامی حکومت کے وسیع ہونے اور دین اسلام کے پھیلنے پر ان کا دل شاداں وفرحاں تھا۔ ❶

۵۔ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ سے متعلق علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف:

قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنے کے بہت سارے اسباب تھے، جیسے مالداری اور معاشرے میں اس کی تاثیر، معاشرتی تبدیلی کی کیفیت، عثمان رضی اللہ عنہ کا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آنا، مدینہ سے کبار صحابہ کا نکل جانا، جاہلی عصبیت، حاسدوں کی سازش، عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف قابل مواخذہ چیزوں کی تعیین کے لیے پختہ تدبیر، لوگوں میں ہیجان برپا کرنے والے وسائل و اسالیب کا استعمال، فتنے برپا کرنے میں سبائیت کی تاثیر وغیرہ، میں نے اپنی کتاب ''تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان، شخصیته و عصره'' میں ان اسباب کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔

دشمنانِ اسلام نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے فتنہ میں لوگوں کو برانگیختہ کرنے والے وسائل و اسالیب کا استعمال کیا، جیسے افواہیں اڑانا، افواہ والی بات کو بکثرت بار بار دہرانا، لوگوں کے سامنے خلیفہ سے بحث ومباحثہ اور مناظرہ کرنا نیز انھیں مشتعل کرنا، گورنروں پر تنقید کرنا، عائشہ، علی، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب جھوٹے خطوط تیار کرنا، اس بات کا پروپیگنڈا کرنا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حقدار تھے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انھی کے لیے وصیت کی گئی تھی، بصرہ، کوفہ، مصر ہر جگہ سے چار گروہوں کو تیار کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے ہی سے تدبیر کی گئی تھی، اہل مدینہ کو اس دھوکے میں ڈال دیا کہ وہ لوگ صحابہ ہی کے بلانے پر آئے ہیں اور معاملات کو اس حد تک بڑھایا کہ قتل کی نوبت آ گئی۔ ❷

ان وسائل کے ساتھ ساتھ بہت سارے نعروں کا استعمال کیا گیا جیسے:

۱۔ اللہ اکبر پکارنا۔

۲۔ یہ کہ وہ مظالم کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔

---

❶ لیبیا من الفتح العربی حتی انتقال الخلافة الفاطمیة للدکتور صالح مصطفی ص ٤١، الشرف و التسامی بحرکة الفتح الاسلامی للصلابی ص ١٩

❷ دراسات فی عهد النبوة و الخلافة الراشدة ص ٤٠١

۳۔ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

۴۔ گورنروں کو بدلنے اور انھیں معزول کرنے کا مطالبہ، پھر مطالبہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہٹانے تک جا پہنچا، پھر انھیں مزید جرأت وہمت ہوئی اور جلد از جلد خلیفہ کے قتل کا مطالبہ کرنے لگے، بالخصوص انھیں جب یہ معلوم ہوا کہ دوسرے شہر والے خلیفہ کی مدد کے لیے آرہے ہیں تو خلیفہ کا ناطقہ بند کرنے کی گرمجوشی اور کسی بھی طریقے سے ان کو قتل کر دینے کی خواہش مزید بڑھ گئی۔ ❶

ان حوادث اور ان کے بعد جنگِ جمل و جنگ صفین وغیرہ کے حوادث کے پیچھے عبداللہ بن سبا کی قیادت میں سبائی تحریک کام کر رہی تھی۔ میں نے اپنی کتابوں "تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان" اور "أسمی المطالب فی سیرۃ علی بن أبي طالب" میں عبداللہ بن سبا کی حقیقت کو واشگاف کیا ہے، مزید معلومات کے لیے ان کا مراجعہ کیا جائے۔

میں نے اپنی کتاب "تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان" میں ان شبہات کا جائزہ لیا ہے جنھیں زبردستی تاریخِ عثمانی کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ میں نے ان کے جھوٹ اور بطلان کو واضح اور قطعی دلیلوں سے ثابت کیا ہے، بلا شبہ عثمان رضی اللہ عنہ وہ مظلوم خلیفہ ہیں جن پر ان کے اوائل دشمنوں نے تہمتیں لگائیں اور متأخرین نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

☆ فتنے کی ابتداء میں علی رضی اللہ عنہ کا موقف:

علی رضی اللہ عنہ خلیفہ کی اطاعت وفرماں برداری کرتے رہے، انھیں مشورے دیتے رہے، ان کی خیرخواہی کرتے رہے، خلیفۃ المسلمین عثمان رضی اللہ عنہ کی اطاعت وفرماں برداری اور سخت ہونے کے باوجود ان کے احکام کی بجا آوری کو بیان کرتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لَوْ سَيَّرَنِيْ عُثْمَانُ إِلٰى صِرَارٍ)) ❷

((لَسَمِعْتُ وَ أَطَعْتُ)) ❸

''اگر عثمان رضی اللہ عنہ مجھے (باغیوں کے مقابلے کے لیے) مقام صرار جانے کا حکم دیں تو میں بجا آوری کے لیے تیار ہوں۔''

عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے جب سرکشی کرنے والے ذوالمروہ میں پہنچے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے

---

❶ دراسات فی عهد النبوة و الخلافة الراشدة ص ٤٠٢

❷ صرار: وہ مقام جہاں باغی اکٹھے ہوئے تھے۔

❸ مصنف ابن أبي شيبة ١٥/ ٢٢٥۔ اس کی سند صحیح ہے۔

ان کے پاس علی رضی اللہ عنہ نیز ایک اور آدمی کو جس کا نام روایتوں میں مذکور نہیں ہے بھیجا، علی رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کر کے کہا: تمھیں اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کا وعدہ دیا جا رہا ہے، تم اپنی تمام ناراضیاں بھلا دو گے، چنانچہ وہ اس پر متفق ہو گئے۔ ❶ دوسری روایت کے مطابق ان لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ سے اور علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے دو تین بار زور آزمائی کی، پھر ان لوگوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، امیر المومنین کے قاصد تم پر کتاب اللہ کو پیش کر رہے ہیں، ❷ چنانچہ انھوں نے اسے قبول کر کے ان پانچ چیزوں پر صلح کر لی:

۱۔ جلاوطن کیے ہوئے کو واپس بلایا جائے۔

۲۔ محروم کو دیا جائے۔

۳۔ مال فے کو پورا پورا دیا جائے اور تقسیم میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔

۴۔ امین وقوی شخص کو گورنر بنایا جائے۔

۵۔ ابن عامر کو دوبارہ بصرہ کا گورنر بنایا جائے اور ابوموسیٰ کو کوفہ کا گورنر باقی رکھا جائے۔ ❸

اور ان چیزوں کو دستاویزی شکل میں لکھا گیا۔

اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر وفد کے ساتھ علیحدہ علیحدہ صلح کی، پھر وفود اپنے علاقوں کی جانب لوٹ گئے۔ ❹

اس صلح اور بہ حالت رضامندی تمام لوگوں کی واپسی سے فتنہ برپا کرنے والوں کو معلوم ہوا کہ ان کا منصوبہ ناکام ہو رہا ہے، ان کے گھٹیا مقاصد پر پانی پھر رہا ہے تو انھوں نے فتنے کو بھڑکانے اور زندہ کرنے کے لیے ایک دوسرا منصوبہ بنایا جو عثمان رضی اللہ عنہ اور لوگوں کے مابین ہونے والی مصالحت کو تار تار کر دے، درج ذیل باتوں سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے:

اہل مصر جب لوٹ رہے تھے تو ایک اونٹ سوار کو اپنے سامنے آتے اور جدا ہوتے کئی بار دیکھا، گویا اس کا مقصد تھا کہ مجھے پکڑ لو، چنانچہ ان لوگوں نے اسے پکڑ کر کہا: تمھارا کیا معاملہ ہے؟ کہا: مجھے امیر المومنین کی طرف سے گورنر کے پاس قاصد بنا کر بھیجا گیا ہے، انھوں نے خط کھولا تو اس میں ان کو پھانسی دینے، یا قتل کر دینے، یا ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹ دینے کا حکم تھا، تو وہ دوبارہ مدینہ لوٹ آئے۔ ❺

عثمان رضی اللہ عنہ نے مذکورہ خط کو لکھنے سے انکار کرتے ہوئے کہا: دو باتیں ہیں: یا تو تم دو مسلمانوں سے گواہی دلاؤ، یا میں اللہ کی قسم کھاؤں کہ نہ تو میں نے یہ خط لکھا نہ لکھایا ہے، اور نہ مجھے علم ہے، ایسا ہوتا ہے کہ کسی کی جانب

---

❶ تاریخ دمشق ترجمة عثمان ص ۳۲۸، تاریخ خلیفة ص ۱۶۹

❷ فتنة مقتل عثمان ۱/ ۱۲۹

❸ فتنة مقتل عثمان ۱/ ۱۲۹

❹ فتنة مقتل عثمان ۱/ ۳۲۹

❺ تاریخ الطبری ۵/ ۳۷۹

منسوب خط لکھ دیا جائے اور مہر لگا دی جائے، لیکن ان لوگوں نے اپنے خفیہ مقصد کے پیش نظر عثمان رضی اللہ عنہ کے سچا ہونے کے باوجود ان کی تصدیق نہیں کی۔ ❶

یہ خط جس کے بارے میں منحرف سرکش باغیوں کا خیال تھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے اور اس پر انھی کی مہر لگی ہے، اسے آپ کا غلام مصر کے گورنر ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ کے ایک اونٹ پر لے جا رہا تھا، اس میں ان باغیوں کے قتل کا حکم تھا، یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب سراسر جھوٹا اور جعلی خط تھا، اس کی بہت سی دلیلوں میں سے یہ ہے ❷ کہ عراقی جب عراق جا رہے تھے تو انھیں اس معاملے کا کیسے پتہ چل گیا، جب کہ ان کے اور مصریوں (جنھوں نے جھوٹے خط کو پکڑا تھا) کے مابین لمبی مسافت ہے، عراقی مشرق میں ہیں اور مصری مغرب میں، اس کے باوجود وہ سب کے سب ایک ہی وقت میں واپس آئے گویا ان کے مابین کوئی مقررہ وعدہ تھا، ایسا اسی وقت ہوسکتا ہے جب یہ جعلی خط تیار کرنے والے کسی اور سوار کو کرایہ پر لے کر عراقیوں کے پاس بھیج دیا ہوتا کہ وہ انھیں خبر دے کہ مصریوں نے ایک ایسا خط پکڑا ہے جس میں عثمان رضی اللہ عنہ منحرف مصریوں کو قتل کر دینے کا پیغام بھیج رہے تھے۔ اسی سے دلیل پکڑتے ہوئے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: اے کوفہ و بصرہ والو! تمھیں اس خط کا پتہ کیسے چلا جسے مصر والوں نے پکڑا تھا جب کہ تم کافی دور جا چکے تھے، پھر ہماری طرف لوٹ آئے، بلکہ علی رضی اللہ عنہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اللہ کی قسم اس معاملے کی سازش مدینہ ہی میں کی گئی تھی۔ ❸

یہ پہلا جعلی خط نہیں تھا جسے مجرموں نے تیار کیا تھا بلکہ امہات المومنین نیز علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب بہت سارے جعلی خطوط تیار کیے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی کہ انھوں نے لوگوں کو خط لکھ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کا حکم دیا ہے، چنانچہ وہ اس کا انکار کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''اللہ کی قسم یہاں بیٹھنے تک میں نے ان کے پاس کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔'' ❹

اعمش اس سلسلے میں کہتے ہیں:

''لوگوں کا خیال ہے کہ یہ خط ان کی جانب منسوب کر کے لکھا گیا تھا۔'' ❺

مدینہ آنے والے باغیوں کی علی رضی اللہ عنہ پر تہمت تھی کہ انھوں نے ان کے پاس خط لکھ کر مدینہ آنے کی دعوت دی ہے، چنانچہ ان کی تہمت کا انکار کرتے اور قسم کھاتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

---

❶ فتنة مقتل عثمان ۱/ ۱۳۲، البداية والنهاية ۷/ ۱۹۱

❷ تيسير الكريم المنان في سيرة عثمان بن عفان للصلابي ص ۴۱۰

❸ تاريخ الطبري ۵/ ۳۵۹ ❹ تحقيق مواقف الصحابة ۱/ ۳۳۴

❺ تاريخ خليفة بن خياط ص ۱۶۹

((وَ اللّٰهُ مَا كَتَبْتُ إِلَيْكُمْ كِتَابًا .)) ❶

''اللہ کی قسم میں نے تمھیں کوئی خط نہیں لکھا۔''

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب یہ بات منسوب کی گئی کہ انھوں نے لوگوں کو خط لکھ کر اپنے پاس آنے کا حکم اس لیے دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو بگاڑ دیا گیا ہے اور اسے چھوڑ دیا گیا ہے اور مدینہ میں جہاد دور سرحدوں کی حفاظت سے بہتر ہے۔ ❷

ابن کثیر رحمہ اللہ اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جھوٹی تہمت ہے، ان کی جانب منسوب جعلی خطوط لکھے گئے تھے، چنانچہ علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی جانب سے قاتلین عثمان خوارج کی طرف جعلی خطوط لکھے گئے، جن کا ان لوگوں نے انکار کیا ہے، اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب جعلی خط لکھا گیا نہ آپ نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ آپ کو اس کا علم تھا۔'' ❸

ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس بات کی تائید طبری اور خلیفہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ کبارِ صحابہ علی، عائشہ اور زبیر رضی اللہ عنہم نے بذات خود صحیح روایتوں کے مطابق ان جعلی خطوط کا انکار کیا ہے۔ ❹

جن مجرم ہاتھوں نے صحابہ کی جانب منسوب جھوٹے اور جعلی خطوط تیار کیے تھے انھی ہاتھوں ہی نے فتنوں کی آگ شروع سے آخر تک بھڑکائی تھی، اتنا لمبا چوڑا فساد پھیلایا تھا، انھوں نے ہی عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب جھوٹی باتوں کو گھڑا تھا اور پھیلایا تھا، اور لوگوں کو بار بار سنا کر ذہن میں بٹھایا تھا، تا آنکہ معمولی قسم کے لوگوں نے بھی ان باتوں کو قبول کر لیا، پھر انھوں نے ہی عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب یہ جعلی خط تیار کیا تاکہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے جائیں۔

اس سبائی یہودی سازش کا نشانہ صرف شہید ہونے والے عثمان رضی اللہ عنہ ہی نہ تھے بلکہ ان سے پہلے اس کا نشانہ بذات خود اسلام تھا، پھر محرف اور بگاڑی ہوئی تاریخ، اور اس تاریخ کو پڑھنے والی آئندہ نسلیں بھی اس حاسد نفس پرست، لالچی اور خبیث یہودی اور اس کے کارندوں کے نشانے پر تھیں۔

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اسلامی نسلیں اپنی صحیح تاریخ سے آگاہ ہو سکیں اور اپنی عظیم شخصیات کی سیرتوں کو جان سکیں؟ بلکہ عصر حاضر میں مسلمان اہل قلم کے لیے کیا وہ وقت نہیں آیا کہ وہ اللہ سے ڈریں اور تحقیق و تدقیق

---

❶ تحقیق مواقف الصحابة ۱/ ۳۳۵، البدایة والنهایة ۸/ ۱۹۱

❷ تحقیق مواقف الصحابة ۱/ ۳۳۵، البدایة والنهایة ۷/ ۱۷۵

❸ البدایة والنهایة ۷/ ۱۷۵

❹ تحقیق مواقف الصحابة ۱/ ۳۳۵

سے پہلے بے گناہوں کی تنقید و تنقیص کی جرأت نہ کریں تاکہ دوسروں کی طرح وہ بھی غلطی کے مرتکب نہ ہوں۔ ❶

☆ اثنائے محاصرہ میں علی و حسن رضی اللہ عنہما کا موقف:

عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ سخت کر دیا گیا تا آنکہ نماز کے لیے مسجد میں جانے سے روک دیا گیا، حکم نبوی کے مطابق آپ اس مصیبت پر صبر کرتے رہے، قضا و قدر پر ایمان رکھتے ہوئے اس مصیبت کا حل تلاش کرتے رہے، چنانچہ کبھی آپ لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے خون مسلم کی حرمت کو واضح کرتے اور یہ بتاتے کہ بغیر کسی شرعی سبب کے اس کا بہانا حلال نہیں ہے، کبھی لوگوں سے گفتگو کرتے، اپنے فضائل اور اسلام کے لیے اپنی جلیل القدر خدمات کا ذکر کرتے اور اس پر عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم میں سے بچے ہوئے لوگوں کو گواہ بناتے۔ ❷

گویا آپ یہ کہتے کہ جس کے فضائل اور اعمال یہ ہوں کیا ممکن ہے کہ وہ دنیا کا لالچی ہو اور اسے آخرت پر ترجیح دے؟ کیا یہ بات معقول ہو سکتی ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرے، امت کے جان و مال سے کھلواڑ کرے جب کہ وہ عنداللہ اس کے انجام سے واقف ہو؟ آپ کی تربیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ ریکھ میں ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ اور آپ جیسے افاضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ کیا تھا، جب آپ کی عمر ستر (۷۰) سال سے تجاوز کر کے اسی (۸۰) کے قریب پہنچ چکی تھی تو کیا آپ کا معاملہ ایسا ہو سکتا ہے؟

مدینہ پر باغیوں کا تسلط سخت ہو چکا تھا، تا آنکہ اکثر اوقات وہی لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ ❸ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اندازہ ہو گیا کہ معاملہ ان کی سوچ سے ہٹ کر ہے اور انھیں خوف لاحق ہو گیا کہ ایسا حادثہ رونما ہو سکتا ہے جس کا انجام اچھا نہ ہو اور انھیں یہ خبر پہنچی کہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو انھوں نے آپ کو اپنے دفاع کا اور مدینہ سے شورش پسندوں کو نکال دینے کا مشورہ دیا، لیکن اس خوف سے کہ آپ کے سبب کوئی خون بہے آپ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ ❹

عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیے بغیر کبار صحابہ نے اپنے بچوں کو بھیج دیا، ان میں حسن بن علی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم تھے، عثمان رضی اللہ عنہ حسن رضی اللہ عنہ سے بہت محبت کرتے اور ان کی عزت کرتے تھے، جب فتنے کی ابتداء ہو چکی اور عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا گیا تو آپ نے حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہوئے گھر لوٹ جانے کو کہا تاکہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ❺ عثمان رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے اسلامی بھائی کے بیٹے لوٹ جاؤ تا آنکہ

---

❶ عثمان بن عفان الخليفة الشاكر الصابر ص ۲۳۸، ۲۳۹

❷ خلافة علي بن أبي طالب، عبدالحميد علي ص ۸۵

❸ سير أعلام النبلاء ۳/ ۵۱۵

❹ فتنة مقتل عثمان ۱/ ۱۶۷. المسند (۱/ ۳۹۶)، احمد شاكر

منجانب اللہ جو ہونا ہو وہ ہو جائے۔ ❶

صحیح روایتوں میں ہے کہ جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں شہید کیا گیا اس دن اس گھر سے حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں لے جایا گیا۔ ❷ اسی طرح حسن رضی اللہ عنہ کے علاوہ عبداللہ بن زبیر، محمد بن حاطب، مروان بن حکم رضی اللہ عنہم بھی زخمی ہوئے، ان کے ساتھ حسین بن علی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم تھے۔ ❸

علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے سب سے زیادہ دفاع کرنے والوں میں سے تھے، مروان بن حکم نے اس کی شہادت دی ہے۔ ❺ ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا: میرے پاس پانچ سو زرہ پوش ہیں، آپ مجھے اجازت دیں میں لوگوں سے آپ کو بچاؤں گا، آپ نے کوئی ایسا کام انجام نہیں دیا ہے جس سے آپ کا خون حلال ہو جائے۔ تو آپ نے فرمایا: اللہ آپ کا بھلا کرے، مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے سبب کوئی خون بہے۔ ❻

متعدد روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اثنائے محاصرہ میں آپ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ متعاون رہے، انہی روایتوں میں سے یہ ہے کہ باغی عثمان رضی اللہ عنہ تک پانی نہیں پہنچنے دیتے تھے، قریب تھا کہ آپ کے اہل وعیال پیاس سے مر جائیں، علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس تین مشکیزے پانی بھیجا جو بمشکل آپ تک پہنچا، اس کے پہنچانے میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے چند غلام زخمی ہو گئے۔ ❼

حالات تیزی سے بدلتے رہے، شورش کرنے والے عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھ دوڑے اور آپ کو قتل کر دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کہ ان کی اکثریت مسجد میں تھی یہ جانکاہ خبر پہنچی تو ان کے ہوش ٹھکانے نہ رہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں سے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ کیسے قتل کر دیے گئے جب کہ تم دروازے پر تھے؟ حسن رضی اللہ عنہ کو تھپڑ رسید کیا جب کہ وہ زخمی تھے، ❽ حسین رضی اللہ عنہ کو سینے پر مارا، ابن زبیر و ابن طلحہ رضی اللہ عنہما کو سخت سست کہا اور ناراض ہو کر یہ کہتے ہوئے اپنے گھر چلے گئے:

---

❶ تاریخ المدینة لابن شبیة ٤/ ١٢٠٨
❷ الریاض النضرة نقلاً عن الحسن بن علی و دورہ السیاسی ص ٤٦
❸ الطبقات لابن سعد ٨/ ١٢٨، اس کی سند صحیح ہے۔
❹ تاریخ خلیفة ص ١٧٤
❺ تاریخ الاسلام للذھبی ص ٤٦٠ـ ٤٦١، اس کی سند قوی ہے۔
❻ تاریخ دمشق ص ٤٠٣
❼ أنساب الأشراف للبلاذری ٥/ ٧٦
❽ الآحاد و المثانی لابن أبی عاصم ١/ ١٢٥ نقلا من خلافة علی ص ٨١

((تَبًّا لَكُمْ سَائِرَ الدَّهْرِ ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكُمْ مِنْ دَمِهِ أَنْ يَكُوْنَ قَتَلْتُ أَوْ مَا لَأَتُ عَلٰى قَتْلِهِ)) ❶

''تمھاری مسلسل بربادی ہو، اے اللہ! میں تیرے حضور ان کے خون سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، نہ تو میں نے قتل کیا ہے اور نہ ہی ان کے قتل میں تعاون کیا ہے۔''

علی رضی اللہ عنہ کا موقف یہی رہا، خیر خواہی کرتے، مشورہ دیتے اور اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہے، اثنائے فتنہ میں آپ کا اچھی طرح ساتھ دیا، آپ کی جانب سے بھرپور دفاع کیا، کبھی آپ کو برا نہیں کہا، خلیفہ اور باغیوں کے مابین خلیج کو پاٹنے اور صلح کرانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن معاملہ آپ کے بس سے باہر تھا، اللہ کی مشیت تھی کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو شہادت نصیب ہوا، ❷ اور باغی گناہ کے مرتکب ہوں۔

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا انکار کرتے اور آپ کے خون سے براءت کا اظہار کرتے اور اپنی تقریروں وغیرہ میں قسم کھایا کرتے تھے کہ نہ تو انھوں نے قتل کیا نہ ہی قتل کا حکم دیا، نہ تو اس سلسلے میں تعاون کیا، اور نہ ہی اس پر راضی تھے۔ آپ کے متعلق یہ بات قطعی طریقوں سے ثابت ہے۔ ❸ اس کے برخلاف بعض لوگوں کا زعم باطل تھا کہ آپ قتل عثمان رضی اللہ عنہ پر راضی تھے۔ ❹

اس قتل سے متعلق بعض روایتوں کا ذکر کرنے کے بعد امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((فَأَمَّا الَّذِيْ ادّعته المبتدعة من معونة أمير المؤمنين على بن أبي طالب فإنه كذب و زور ، فقد تواترت الاخبار بخلافه .)) ❺

''بدعتیوں کی جانب سے اس قتل میں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے تعاون کا دعویٰ سراسر جھوٹا ہے، اس کے برخلاف روایتیں بہ تواتر وارد ہیں۔''

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''یہ سب کا سب جھوٹ اور علی رضی اللہ عنہ پر بہتان ہے، علی رضی اللہ عنہ نہ تو قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک رہے، نہ اس کا حکم دیا اور نہ ہی اس پر راضی تھے۔ ان سے یہ باتیں منقول ہیں اور وہ سچے اور نیک انسان ہیں۔'' ❻

---

❶ مصنف ابن أبي شيبة ١٥/ ٢٠٩ ، اس کی سند صحیح ہے۔
❷ خلافة علي بن أبي طالب ، علي عبدالحميد ص ٨٧ ❸ البداية و النهاية ٧/ ٢٠٢
❹ العقيدة في أهل البيت بين الإفراط و التفريط ص ١٢٩ ، حق اليقين ، عبدالحميد شبر ، ص ١٨٩
❺ مستدرك الحاكم (٣/ ١٠٣)
❻ منهاج السنة ٤/ ٤٠٦

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: اے اللہ! میں تیرے حضور قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ ❶

قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنے سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف کو بعض کتب تاریخ نے بگاڑ کر رکھ دیا ہے، ایسا ان روایتوں کے باعث ہوا جنھیں بہت سارے مورخین نے ذکر کیا ہے۔ تاریخ طبری وغیرہ میں ابومخنف، واقدی، ابن اعثم وغیرہ کی جو روایتیں اس فتنے کے حالات بیان کرتی ہیں ان کا مطالعہ کرنے والا یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس فتنے اور سازش کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے۔

ابومخنف شیعی میلان والا تھا اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کو متہم کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتا تھا کہ خلیفہ کی ہی غلطیاں زیادہ تھیں اسی لیے وہ اس کے مستحق ہوئے۔ اور اپنی روایتوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو عثمان رضی اللہ عنہ کا باغی اور آپ کے خلاف حملہ آور قرار دیتا تھا، واقدی کی بھی روایتیں ابومخنف کی روایتوں سے مختلف نہیں ہیں، ایسی بہت ساری روایتیں وارد ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تہمت لگائی گئی ہے کہ وہی لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کرنے والے تھے، انھی لوگوں نے فتنہ کو بڑھاوا دیا تھا، لوگوں کو برانگیختہ کیا تھا، جب کہ یہ سب سراسر جھوٹ ہے۔ ❷

ان ضعیف وموضوع روایتوں کے برخلاف بحمد اللہ کتب احادیث نے ان صحیح روایتوں کو محفوظ رکھا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عثمان رضی اللہ عنہ کے معاونین، آپ کا دفاع کرنے والے، آپ کے قتل سے بری، اور قتل کے بعد آپ کے خون کا مطالبہ کرنے والے تھے، اس طرح یہ بات بعید از قیاس ہو جاتی ہے کہ ان کا اس فتنہ کو برپا کرنے میں کوئی کردار تھا۔ ❸

تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہیں، جو اس کے خلاف کہتا ہے اس کی بات سراسر باطل ہے اس کی وہ کوئی صحیح دلیل نہیں دے سکتا، اسی لیے خلیفہ اپنی "تاریخ" میں عبدالاعلیٰ بن ہیثم کی روایت کو نقل کرتے ہیں، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں مہاجرین وانصار میں سے کوئی تھا؟ فرمایا: نہیں، وہ مصر کے اکھڑ لوگ تھے۔

امام نووی کہتے ہیں:

"قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں کوئی بھی صحابی شریک نہیں تھا، انھیں قبائل کے شورش پسند، بیوقوف، لچے اور لفنگوں نے قتل کیا، مصر ہی سے انھوں نے اپنا گروپ تیار کیا اور آپ کے قتل کا ارادہ کیا، موجود صحابہ

---

❶ العقیدة في أهل البیت (ص ۱۳۰)، اس کی سند حسن ہے۔ الطبقات الکبری (۳/ ۳)

❷ تحقیق مواقف الصحابة ۲/ ۱۴، ۱۸

❸ تحقیق مواقف الصحابة ۲/ ۱۴، ۱۸

کرام رضی اللہ عنہم ان کو روکنے سے قاصر رہے، چنانچہ انھوں نے آپ کا محاصرہ کرلیا تا آنکہ آپ کو قتل کر دیا گیا۔'' ❶

ان کے بارے میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ مختلف علاقوں کے شورش پسند تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ قبائل کے در بدر کردہ لوگ تھے۔'' ❷

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ فسادی، خوارج، گمراہ باغی اور سرکش تھے۔ ❸ امام ذہبی کہتے ہیں کہ وہ ظلم و جفا اور برائی کے سردار تھے۔ ❹ شذرات میں ابن عماد حنبلی کہتے ہیں کہ وہ قبائل کے اوباش اور گھٹیا لوگ تھے۔ ❺ محاصرہ سے لے کر ظالما خلیفہ کے قتل تک ان لوگوں کے تصرفات ان اوصاف پر دلالت کرتے ہیں، انھی کا کھانا پانی روکا جا رہا ہے، جنھوں نے اپنا ذاتی مال (کنواں خریدنے میں) خرچ کیا تھا جس سے سیرابی کے لیے مسلمانوں کو مفت پانی ملتا تھا۔ ❻ مسلمان جب بھی قحط سالی یا کسی دوسری پریشانی سے دوچار ہوتے وہی اپنا بہت سارا مال خرچ کرتے، لوگوں پر جب بھی کوئی مصیبت یا آفت آتی تو آپ ہمیشہ ان کی مدد کرتے تھے۔ ❼

علی رضی اللہ عنہ محاصرین کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے مذکورہ احوال کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

''لوگو! تمھارا یہ کام نہ تو مومنوں کا کام ہے اور نہ ہی کافروں کا، تم ان کا کھانا پانی مت روکو، اہل روم و فارس بھی قیدیوں کو کھانا پانی دیتے ہیں۔'' ❽

تاریخی واقعات اور صحیح روایات عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف برانگیختہ کرنے اور آپ کے خلاف فتنہ برپا کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بری قرار دیتی ہیں۔ ❾ تفصیل کے لیے میری کتاب "تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان" دیکھی جائے۔ ❿

---

❶ شهيد الدار عثمان بن عفان ص ۱۴۸

❷ شرح النووي على صحيح مسلم ۱۵/ ۱۴۸

❸ منهاج السنة ۳/ ۱۸۹-۲۰۶

❹ دول الإسلام للذهبي ۱/ ۱۲

❺ تحقيق مواقف الصحابة (۱/ ۴۸۲) شذرات الذهب ۱/ ۴۰

❻ تيسير الكريم المنان في سيرة عثمان بن عفان للصلابي ص ۴۵۰

❼ التمهيد والبيان ص ۴۲۴

❽ تاريخ الطبري ۵/ ۴۰۰

❾ تحقيق مواقف الصحابة ۲/ ۱۸

❿ ص ۴۵۱-۴۶۶

رابعاً:...... حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنے والد کے عہد میں

مختلف علاقوں اور قبائل سے آنے والے اوباش اور شرپسندوں (جن کے پیچھے یہودی کارندے تھے) کے ہاتھوں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت بطریقہ انتخاب پوری ہوئی، بروز جمعہ ۸ رذی الحجہ ۳۵ھ ❶ کو ظلماً آپ کو قتل کردیے جانے کے بعد مدینہ میں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کرلی، اس لیے کہ علی الاطلاق اس وقت آپ سے افضل کوئی نہیں تھا، عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد آپ نے اپنے لیے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی آپ کو اس کا لالچ تھا، اسی لیے مدینہ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار کے بعد ہی اور اس اندیشے کے پیش نظر آپ نے اسے قبول کرلیا تھا کہ کہیں فتنے اور نہ بڑھ جائیں، اس کے باوجود جنگ جمل و جنگ صفین جیسے فتنوں کے بعد (جنھیں حاقدین اسلام ابن سبا اور اس کے کارندوں نے برپا کیا تھا) بعض نادانوں کی تنقید سے نہ بچ سکے۔ بعض اہل علم نے علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنے کی کیفیت کو روایت کیا ہے۔ ❷ میں نے ان روایات کو بالتفصیل اپنی کتاب "اسمی المطالب فی سیرة أمیر المومنین علی بن أبي طالب" میں ذکر کیا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لیے علی رضی اللہ عنہ متعین تھے، اس لیے مہاجرین وانصار نے آپ کے لیے اسی بنا پر بیعت کرلی تھی کہ بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ سب سے افضل، سب سے پہلے اسلام لانے والے، سب سے زیادہ علم والے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی طور پر سب سے زیادہ قریب، سب سے بہادر، اللہ و رسول کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ فضیلتوں والے، سب سے افضل کارناموں والے، سب سے بلند مقام و مرتبہ والے، صورت و سیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، اس لیے کسی دوسرے کے بجائے وہی خلافت کے لیے مستحق تھے۔

مدینہ میں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاجماع آپ کی خلافت کے لیے بیعت کی تھی، اس لیے اس وقت آپ خلیفہ برحق تھے، تمام لوگوں پر آپ کی اطاعت واجب تھی، اور آپ کی مخالفت و بغاوت حرام تھی، بہت سارے اہل علم نے آپ کی خلافت پر اجماع نقل کیا ہے، ان میں سے ابن سعد ❸، ابن قدامہ ❹، ابوالحسن

---

❶ الطبقات الکبری لابن سعد (۳/ ۳۱)

❷ عقیدة اهل السنة فی الصحابة الکرام ۲/ ٦٧٧

❸ الطبقات الکبری ۳/ ۳۱

❹ منهاج القاصدین فی فضل الخلفاء الراشدین ص ۷۷، ۷۸ نقلاً عن عقیدة أهل السنة فی الصحابة (۲/ ٦٨٩)

اشعری ❶، ابونعیم اصفہانی ❷، ابومنصور بغدادی ❸، زہری ❹، عبدالملک جوینی ❺، ابوعبداللہ بن بطہ ❻، غزالی ❼، ابوبکر بن العربی ❽، ابن تیمیہ ❾ اور ابن حجر ❿ ہیں۔

اجماع سے متعلق مذکورہ اقوال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اپنے زمانے میں آپ کے خلافت کا زیادہ حقدار ہونے اور اس کے صحیح ہونے پر اجماع منعقد ہے، اس لیے کہ روئے زمین پر خلافت کا آپ سے زیادہ حقدار کوئی نہیں تھا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت برمحل اور مناسب وقت پر ملی۔

ا۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا کوفہ چلے جانا:

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کی مدینہ کے بعض صحابہ تائید نہیں کرتے تھے، اس کا پتہ اس وقت چلا جب آپ نے شام جانے کا ارادہ کیا تا کہ وہاں کے لوگوں سے ملیں اور دیکھیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کیا کرنے والے ہیں ⓫ آپ کی رائے تھی کہ اس مرحلے میں مدینہ میں وہ عناصر نہیں ہیں جو دوسرے شہروں میں ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ افراد و اموال عراق میں ہیں۔ ⓬ چنانچہ ابوایوب رضی اللہ عنہ کو جب اس کا علم ہوا تو خلیفہ سے کہا: اے امیر المومنین! کاش آپ یہیں رہتے اس لیے کہ یہ مضبوط قلعہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ہجرت ہے، اسی میں آپ کی قبر، آپ کا منبر اور اسلام کا سرچشمہ ہے، اگر عرب آپ کے لیے ٹھیک ٹھاک رہے تو آپ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے اور اگر کچھ لوگ آپ کے خلاف ہوگئے تو ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دینا، ان حالات میں اگر آپ مدینہ سے چلنے پر مجبور ہوگئے تو آپ چلے جانے پر معذور ہوں گے۔ چنانچہ خلیفہ نے ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مشورہ مان لیا، اور مدینہ ہی میں رہنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور دوسرے علاقوں کے لیے

---

❶ الإبانة عن أصول الديانة ص ٧٨، مقالات الإسلاميين (١/ ٣٤٦)

❷ كتاب الإمامة و الرد على الرافضة (ص ٣٦٠، ٣٦١)

❸ كتاب اصول الدين (ص ٢٨٦، ٢٨٧)

❹ الاعتقاد ص ١٩٣

❺ كتاب الإرشاد إلى قواطع الأدلة في اصول الاعتقاد (ص ٣٦٢، ٣٦٣)

❻ لوامع الأنوار البهيةللسفاريني ٢/ ٢٤٦، عقيدة أهل السنة (٢/ ٦٩٢)

❼ الاقتصاد في الاعتقاد ص ١٥٤

❽ العواصم من القواصم ص ١٤٢

❾ الوصية الكبرىٰ ص ٢٣

❿ فتح الباري ٧/ ٧٢

⓫ الثقات لابن حبان ٢/ ٢٨٣، الأنصار في العصر الراشدي (ص ١٦١)

⓬ الثقات لابن حبان ٢/ ٢٨٣، الأنصار في العصر الراشدي (ص ١٦١)

گورنروں کو بھیج دیا۔ ❶ لیکن بہت سی سیاسی تبدیلیوں کے پیش نظر آپ مدینہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور مدینہ سے نکل کر کوفہ جانے کا ارادہ کر لیا تا کہ اہل شام سے قریب رہیں۔ ❷

جب آپ نکلنے کی تیاری کر رہے تھے تو آپ کو عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بصرہ کی جانب خروج کی خبر ملی، چنانچہ آپ نے اہل مدینہ سے کوچ کرنے کا مطالبہ کیا، اور انھیں اپنی مدد کی دعوت دی، علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں کچھ بازاری قسم کے لوگوں کے باعث نیز ان کے ساتھ طریقۂ تعامل کے سبب کچھ اہل مدینہ کوچ کرنے سے کترا رہے تھے، بہت سارے اہل مدینہ کی رائے تھی کہ ابھی فتنہ باقی ہے اس لیے توقف ضروری ہے تا کہ معاملات مزید واضح ہو جائیں، وہ کہتے تھے اللہ کی قسم ہمیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے، اس معاملے میں ہمیں اشتباہ ہے، ہم رکے رہیں گے یہاں تک کہ معاملہ صاف اور واضح ہو جائے۔

طبری نے روایت کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سات سو آدمیوں کی فوج لے کر شام کی جانب نکل کھڑے ہوئے آپ کے ساتھ اہل بصرہ و کوفہ میں سے تیز طرار لوگ چھپے طور پر نکل پڑے۔ ❸

امیر المومنین کی دعوت قبول کرنے سے بہت سارے اہل مدینہ کے کترانے کی بہت ساری دلیلیں ہیں ان میں سے خلیفہ کے وہ خطبے ہیں جن میں آپ نے اس کترانے کی شکایت کی ہے۔ ❹

۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اپنے والد کو نصیحت:

امیر المومنین مدینہ سے نکلے، مقام ''ربذہ'' ❺ پہنچ کر اپنے ساتھیوں سمیت پڑاؤ ڈالا، آپ کے پاس بہت سارے مسلمان آئے جن کی تعداد دو سو تک تھی۔ ❻

مقام ''ربذہ'' میں آپ کے پاس آپ کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ روتے ہوئے گئے، مسلمانوں کے اختلاف و انتشار کے باعث آپ پر حزن و ملال نمایاں تھا، انھوں نے اپنے والد سے کہا: میں نے آپ کو بعض کام کرنے کے لیے کہا تو آپ نے میری باتیں نہ مانیں، آپ کسی دن کسی بیابان میں اس حال میں قتل کر دیے جائیں گے کہ آپ کا کوئی مددگار نہ ہوگا، تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ابھی تم بچے ہو، تم نے کن کاموں کو کرنے کے لیے کہا اور میں نے انکار کر دیا؟ کہا: جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا میں نے آپ کو مدینہ سے چلے جانے کے لیے کہا تا کہ ان کے

❶ الثقات لابن حبان ۲/ ۲۸۳، الأنصار في العصر الراشدي (ص ۱٦۱)
❷ استشهاد عثمان و وقعة الجمل ص ۱۸۳
❸ تاریخ الطبری ٥/ ٤٨١
❹ الطبقات (۲/ ۲۳۷)، الأنصار في العصر الراشدي (ص ۱٦۳)
❺ مدینہ سے دو سو چالیس کیلومیٹر پر واقع ہے۔
❻ أنساب الأشراف ۲/ ٤٥، خلافة علي بن أبي طالب ص ۱٤۳

قتل کے وقت آپ مدینہ میں نہ رہیں، پھر ان کے قتل کے دن کہا کہ جب تک تمام علاقوں اور عربوں کے وفود اور ہر جگہ کی بیعت نہیں آجاتی آپ بیعت نہ لیں، پھر جس وقت یہ دونوں لڑ رہے تھے میں نے آپ سے کہا کہ آپ گھر میں بیٹھے رہیے یہاں تک کہ وہ صلح کر لیں، اگر فساد برپا ہوتا بھی تو دوسروں کے ہاتھوں، آپ نے ان تمام کاموں میں میری بات نہ مانی، تو آپ نے فرمایا: اے میرے لختِ جگر، رہی تمھاری یہ بات کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرے کے وقت میں مدینہ سے نکل جاتا تو اللہ کی قسم انھی کی طرح ہمارا بھی محاصرہ کر لیا گیا تھا، تمھاری یہ بات کہ جب تک تمام علاقوں کی بیعت نہیں آجاتی آپ بیعت نہ لیں تو معاملہ دراصل مدینہ والوں کا معاملہ تھا، ہمیں یہ پسند نہیں تھا کہ معاملہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے، رہی تمھاری طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے خروج کے وقت کی بات تو یہ چیز مسلمانوں کو کمزور کر رہی تھی، اللہ کی قسم جب سے میں خلیفہ بنایا گیا ہوں اسی وقت سے میں مجبور و کمزور ہوں کسی مناسب صورتِ حال تک رسائی نہیں ہو پا رہی ہے، رہی تمھاری بات کہ اپنے گھر میں بیٹھے رہیے، تو اپنی ضروری ذمہ داریوں کے باعث میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں، یا تم مجھے کس حالت میں دیکھنا چاہتے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس بجو کے مانند ہو جاؤں جس کا گھیراؤ کر لیا گیا ہو اور "دَبَابِ دَبَابِ" ❶ کہہ کر اسے بلایا جا رہا ہو، جب میں اپنی ذمہ داریوں کو نہیں نبھاؤں گا تو کون نبھائے گا، اس لیے اے میرے لختِ جگر تم ان باتوں سے باز آجاؤ۔

اس واقعے سے اپنے بیٹے کے لیے امیر المومنین کے حسنِ تربیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح آپ نے کوئی دباؤ ڈالے بغیر انھیں اپنی بات کہنے دی۔ پھر امیر المومنین نے ہر اعتراض کا جواب دیا، اسی طرح اس سے حسن رضی اللہ عنہ کے رجحان کا پتہ چلتا ہے کہ بہر قیمت امن و امان برقرار رکھنا اور قوت کے استعمال سے دور رہنا چاہیے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ حق پر رہ کر اس مشکل مرحلے میں پختہ عزم والے تھے، کوئی بھی آپ کو اپنے پختہ عزم سے ہٹا نہ سکا، قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کی تنفیذ میں توقف کرنے والے تھے، انتظار کر رہے تھے کہ معاملہ ٹھیک ہو جائے پھر قاتلینِ عثمان کے بارے میں سوچیں، چنانچہ جب زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں نے ان پر قصاص قائم کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے معذرت کی کہ وہ لوگ کثیر تعداد میں ہیں، ان کی ایک معتد بہ طاقت ہے، آپ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ صبر سے کام لیں حالات درست ہو جائیں گے جب امن و امان بحال ہو جائے گا تو حقوق واپس لیے جائیں گے، ایسا اس لیے کہا کہ حالات مصلحتوں کے حصول کے موافق نہیں تھے، امیر المومنین نے دو برائیوں میں سے کمتر کو اختیار کرنے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ

❶ اس لفظ کو ایک بجو دوسرے بجو کو بلانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

سے ابھی چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کی جو میں دعوت دے رہا ہوں وہ جنگ اور اختلاف وانتشار کی برائی سے بہتر ہے۔ ❶

امیر المومنین کی رائے تھی کہ مصلحت کا تقاضا ہے کہ قصاص کو مؤخر کر دیا جائے چھوڑا نہ جائے، اس لیے آپ نے اسے مؤخر کر دیا، قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ انتظار کر رہے تھے کہ امن بحال ہو جائے، لوگ متحد ہو جائیں، آپ کے وارثین کی جانب سے قصاص کا مطالبہ کیا جائے، قصاص کے طلب کرنے والے اور قصاص جن سے مطلوب تھا دونوں فریق حاضر ہوں، دعویٰ اور جواب دعویٰ پیش ہو، دلیل پیش کی جائے اور عدالت میں فیصلہ کیا جائے۔ ❷

امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قصاص جب فتنہ اور اختلاف وانتشار کا باعث بنے تو امام کو اسے موخر کرنا جائز ہے۔ ❸ رہی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی کی بات جو لوگوں میں پھیلائی گئی تو امام طحاوی اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے ایسے سرکش خوارج تھے جن کی تعیین مشکل تھی اور ایسے بھی تھے جن کا قبیلہ ان کی مدد کر رہا تھا، اور ایسے بھی تھے کہ جن کے کیے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو سکی تھی، اور ایسے بھی تھے جو اپنے دلی نفاق کو ظاہر نہ کر سکے تھے۔'' ❹

بہر حال ان کے سلسلے میں آپ محتاط اور ان کے فعل سے براءت کا اظہار کرنے والے تھے، ان سے مستغنی ہونا بلکہ امکانی صورت میں ان سے قصاص لینا چاہتے تھے۔ اپنی کتاب "أسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب" میں میں نے اسے بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

۳۔ اہل کوفہ کو لشکر کشی پر آمادہ کرنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا مؤثر ہونا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بہ حیثیت خلیفہ اپنی تمام صلاحیتوں کو استعمال کرتے تھے، آپ میں پختہ عزم وحوصلہ تھا، کوئی آپ کو آپ کے عزم سے پھیر نہیں سکتا تھا، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے مقام ''ربذہ'' سے اہل کوفہ کو کوچ کرنے کا پیغام بھیجا، اپنی مدد کے لیے انھیں بلایا، آپ کے دونوں قاصد محمد بن ابوبکر صدیق اور محمد بن جعفر تھے، لیکن یہ دونوں اپنی مہم میں کامیاب نہ ہو سکے اس لیے کہ والیٔ کوفہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے انھیں کوچ کرنے اور بحالت فتنہ جنگ کرنے سے روک دیا، اور فتنے سے الگ رہنے سے متعلق آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں سن رکھی تھیں انھیں سنا دیں۔ ❺

---

❶ تاريخ الطبري ٥/ ٤٦٠　❷ تحقيق مواقف الصحابة ٢/ ١٥٦

❸ أحكام القرآن لابن العربي ٢/ ١٧١٨　❹ شرح الطحاوية (ص ٥٤٦)

❺ تاريخ الطبري ٥/ ٥١٤، مصنف ابن أبي شيبة ١٥/ ١٢۔ اس کی سند حسن ہے۔

اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے لوگوں پر مؤثر ہونے کے باعث وہ بھی اپنی مہم میں ناکام رہے، ❶ پھر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا وہ جلد واپس نہ آئے تو عمار بن یاسر اور حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو بھیجا، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کے بدلے قرظہ بن کعب کو والی مقرر کیا۔ ❷

اہل کوفہ کو مقتنع کرنے میں قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کا اہم کردار تھا، چنانچہ انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''میں تمھارا خیرخواہ اور تم پر مہربان ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تم صحیح راستے پر آ جاؤ، میں تم سے ایک سچی اور حقیقی بات کہہ رہا ہوں کہ ایک خلافت ضروری ہے جو لوگوں کو منظّم رکھے، ظالم کو روکے، مظلوم کی عزت کرے، یہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہے ہیں، کوچ کی دعوت میں وہ عدل و انصاف سے کام لے رہے ہیں، وہ اصلاح کی دعوت دے رہے ہیں، اس لیے کوچ کرو، اس معاملے سے تم اچھی طرح آگاہ و واقف رہو۔'' ❸

اس سلسلے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی کافی مؤثر رہے، چنانچہ لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! اپنے امیر کی پکار پر لبیک کہو، اپنے بھائیوں کی جانب چل پڑو، اس معاملے کے لیے کوچ کرنے والے ملیں گے، اللہ کی قسم! اگر کوچ کرنے والے صاحبِ عقل و دانش ہوں تو نتیجہ و انجام بہتر ہوگا، اس لیے آپ لوگ ہماری دعوت قبول کر لیں اور اپنی و ہماری مصیبت میں ہماری مدد کریں۔'' ❹

بہت سارے اہل کوفہ نے دعوت پر لبیک کہا، چھ سات ہزار کی تعداد میں عمار و حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کی جانب چل پڑے، پھر بصرہ سے قبیلۂ عبدالقیس کے دو ہزار آدمی ان کے ساتھ مل گئے، اس کے بعد دوسرے قبائل کے لوگ آپ کے پاس آتے رہے تا آنکہ جنگ کے وقت آپ کی فوج کی تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی۔ ❺

''ذی قار'' میں جب اہل کوفہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے ملے تو آپ نے ان سے کہا:

''اے اہلِ کوفہ تم عجم اور ان کے بادشاہوں کی شان و شوکت کے مالک ہو گئے، تم نے ان کی فوجوں کو تتر بتر کر دیا، تا آنکہ ان کا ورثہ تمھیں مل گیا، تم نے اپنی سلطنت کی اعانت کی، لوگ لوٹتے ہوئے

---

❶ سير أعلام النبلاء ٣/ ٤٨٦، خلافة علي بن أبي طالب (ص ٤٤) عبدالحميد

❷ فتح الباري ١٣/ ٢٥، التاريخ الصغير ١/ ١٠٩

❸ تاريخ الطبرى ٥/ ٥١٦ ❹ تاريخ الطبرى ٥/ ٥١٦

❺ مصنف عبدالرزاق ٥/ ٤٥٦، ٤٥٧

مال غنیمت حاصل کیے، میں نے تمھیں دعوت دی ہے کہ تم ہمارے ساتھ اہل بصرہ کو لے کر آؤ، اگر مخالفین لوٹ گئے تو ہم یہی چاہتے ہیں، اگر نہیں لوٹتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے اور ان سے الگ رہیں گے یہاں تک کہ وہ ہم پر ظلم کرنے لگیں، ہم ان شاء اللہ اصلاح کو فساد پر ترجیح دیں گے، اصل طاقت وقوت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔'' ❶

۴۔ صلح کی کوششیں:

علی رضی اللہ عنہ اس بات کے خواہاں تھے کہ یہ اختلاف وفتنہ پرامن طریقے سے ختم ہوجائے، مسلمانوں کو بھرپور مسلح ٹکراؤ اور جنگ کی برائی سے بچالیا جائے، یہی حال طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کا تھا، صلح کی کوششوں میں بہت سارے صحابہ اور کبار تابعین شریک رہے، سب سے مشہور کوشش قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی تھی، انھوں نے طلحہ، زبیر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے گفتگو کی، وہ سب ان کی رائے سے متاثر ہوئے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قاتلین عثمان کے معاملے میں قعقاع رضی اللہ عنہ کی رائے پوچھی، تو انھوں نے کہا: اس معاملے کا علاج پرسکون ہونے میں ہے، قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے میں توقف ضروری ہے، اگر آپ لوگ علی رضی اللہ عنہ کی بات مان لیتے اور ان کے ساتھ متفق ہوجاتے ہیں تو یہ بھلائی کی علامت اور عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے پر قادر ہونے کی نشانی ہے، اور اگر نہیں مانتے اور جنگ پر اصرار کرتے ہیں تو یہ برائی کی اور اس ملک کے ختم ہوجانے کی علامت ہے، عافیت کو ترجیح دیں آپ لوگوں کو عافیت مل جائے گی، پہلے ہی کی طرح آپ لوگ اچھائیوں کا منبع بنیں، ہمیں پریشانی میں نہ ڈالیں کہ آپ بھی اسی میں پڑ جائیں اور نتیجتاً اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ لوگوں کو ہلاک کردے، اللہ کی قسم میں آپ لوگوں کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں اور مجھے خوف ہے کہ یہ بات پوری نہ ہوسکے اور اللہ تعالیٰ اس امت کے اہم لوگوں کو ہلاک کردے جس کے اسباب کم ہوگئے ہیں، جو بہت بڑی آفت میں مبتلا ہوگئی ہے، یہ ایک آدمی کے دوسرے آدمی کو قتل کرنے یا ایک جماعت کا ایک آدمی کو قتل کرنے یا ایک قبیلے کا دوسرے قبیلے کو قتل کرنے کا معاملہ نہیں ہے۔

وہ لوگ قعقاع رضی اللہ عنہ کی مخلصانہ سچی اور مطمئن کردینے والی گفتگو پر مطمئن ہوگئے اور ان کی صلح کی دعوت کو قبول کرلیا، اور کہا: تم نے اچھی اور درست بات کہی ہے، آپ جایئے اگر علی رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور ان کی بھی یہی رائے ہوتی ہے تو یہ معاملہ ان شاء اللہ ٹھیک ہوجائے گا، قعقاع رضی اللہ عنہ مقام ''ذی قار'' کی جانب علی رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی مہم میں کامیاب ہوکر لوٹے، علی رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ جو گفتگو ہوئی اس سے آگاہ کیا، آپ نے اسے پسند کیا، قریب تھا کہ سب کی پسند یا عدم پسند کا خیال کیے بغیر لوگ صلح کر لیتے۔ ❷

❶ تاریخ الطبری ۵/ ۵۱۹ ❷ البدایة و النهایة ۷/ ۷۳۹، تاریخ الطبری ۵/ ۵۲۱

۵۔ جنگ جمل میں لڑائی بھڑکانے میں سبائیوں کا کردار:

جب قعقاع رضی اللہ عنہ نے لوٹ کر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو اپنی گفتگو سے آگاہ کیا، تو اس کی تاکید کے لیے علی رضی اللہ عنہ نے عائشہ وزبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کے پاس دو قاصد بھیجے، ❶ دونوں نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ کر بتلایا کہ معاملہ ویسا ہی ہے جیسا کہ قعقاع بتلا رہے ہیں چنانچہ آپ چلیے، علی رضی اللہ عنہ کیا کوچ کیا، ان کے سامنے پڑاؤ ڈالا، قبائل نے قبائل کے سامنے پڑاؤ ڈالا، مضر والے مضر والوں کے سامنے، ربیعہ والے ربیعہ والوں کے سامنے، یمن والے یمن والوں کے سامنے، ان کا ارادہ اور گفتگو صرف صلح کی تھی۔ ❷

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جب کوچ کا ارادہ کیا تو اپنے اہم فیصلے کا اعلان کیا کہ میں کل کوچ کرنے والا ہوں تو تم سب بھی بصرہ کی طرف کوچ کرو، خبردار کل کوئی بھی ایسا شخص کوچ نہ کرے جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی طرح کا تعاون کیا ہو۔ ❸

علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے سرکش خوارج میں سے ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کی شناخت نہ ہو سکی تھی، ایسے بھی تھے جن کا قبیلہ ان کی مدد کر رہا تھا، ایسے بھی تھے جن کے خلاف کوئی شرعی شہادت نہیں مل رہی تھی، ایسے بھی تھے جو اپنے دلوں میں چھپے نفاق کو ظاہر نہ کر سکے تھے۔ ❹

سبائیوں کی شدید خواہش تھی کہ فتنہ برپا کیا جائے اور اس کی آگ بھڑکائی جائے تاکہ ان سے قصاص نہ لیا جائے۔ ❺ جب لوگوں نے سفر ختم کر کے پڑاؤ ڈالے اور مطمئن ہو گئے تو علی اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم نکلے، کچھ باتوں پر ان کا ابتداء ہی میں اتفاق تھا، دیگر مختلف فیہ امور پر گفتگو ہوئی، اس نتیجے پر پہنچے کہ معاملہ جب واضح ہونے لگا ہے تو ترکِ قتال اور صلح سے بہتر کوئی چیز نہیں، اسی بات پر مجلس برخواست ہو گئی۔ علی رضی اللہ عنہ اپنے گروہ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اپنے گروہ کی جانب چلے گئے، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے ساتھیوں کے سرداروں کو اور علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے والوں کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے سرداروں کو یہ پیغام پہنچا دیا، لوگ صلح و عافیت کی نیت سے رات گزاری، انھیں صلح کے بارے میں کوئی شک نہیں تھا، ان میں سے بعض بعض کے سامنے تھے، ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے تھے، ان کی نیت صرف صلح کی تھی، فتنہ برپا کرنے والوں کی رات بڑی پریشانی میں گزر رہی تھی، اس لیے کہ ان کی ہلاکت بہت قریب تھی پوری رات مشورہ کرتے رہے ان میں سے کسی نے کہا: طلحہ و

❶ تاریخ الطبری ۵/ ۵۲۵
❷ تاریخ الطبری ۵/ ۵۲۹
❸ تاریخ الطبری ۵/ ۵۲۵
❹ تاریخ الطبری ۵/ ۵۲۶
❺ تاریخ الطبری ۵/ ۵۲۵، تحقیق مواقف الصحابۃ ۲/ ۱۲۰

زبیر (رضی اللہ عنہما) کی رائے ہم پہلے سے جانتے ہیں، علی رضی اللہ عنہ کی رائے ہم آج جان سکے جب انھوں نے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ وہ کل کوچ کریں، لیکن ان کے ساتھ کوئی ایسا شخص کوچ نہ کرے جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کسی طرح کا تعاون کیا ہے، اللہ کی قسم ہمارے بارے میں لوگوں کی رائے ایک ہے۔ اگر ان لوگوں کی علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مصالحت ہو جاتی ہے تو ہمارا خون بہے گا۔ ❶

ان کے مشیر لونڈی کے بچے عبداللہ بن سبا نے کہا: تمھاری عزت لوگوں کے ساتھ ملے رہنے میں ہے، ان کے ساتھ مل کر رہو، کل جب لوگ اکٹھے ہوں تو جنگ کی آگ بھڑکا دو، انھیں غور و فکر کا موقع نہ دو، اور جب تم ان کے ساتھ رہو گے تو وہ ضرور حمایت کریں گے، اس طرح اللہ تعالیٰ علی، زبیر، طلحہ (رضی اللہ عنہم) اور ان کی رائے سے متفق لوگوں کو تمھارے قتل سے غافل کر دے گا، اس لیے یہی رائے قائم کر کے اس طرح یہاں سے نکلو کہ لوگوں کو پتہ نہ چل سکے۔ ❷

چنانچہ وہ راز داری میں جنگ کی آگ بھڑکانے کی رائے پر متفق ہو گئے، اور تاریکی ہی میں اس طرح نکل پڑے کہ ان کے پڑوسیوں کو پتہ نہ چل سکا، ان میں سے قبیلۂ مضر والے مضر والوں کی جانب، ربیعہ والے ربیعہ والوں کی جانب، یمن والے یمن والوں کی جانب نکل پڑے، اور تلواروں سے حملہ کر دیا، چنانچہ اہل بصرہ اور تمام لوگ اچانک حملہ کرنے والوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اور زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما لوگوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہو گئے اور جنگ برپا ہو گئی۔ ❸ میں نے اپنی کتاب "أسمى المطالب في سيرة أمير المومنين علي بن أبي طالب" میں جنگ جمل کی تفصیلات کو ذکر کیا ہے۔

جنگ جمل کے پیچھے سبائیوں کا ہاتھ تھا اس پر تقریباً علما کا اجماع ہے، چاہے ان علما نے ان کا تذکرہ مفسد سے کیا ہو، یا اوباش یا قاتل، یا بے وقوف یا شورش پسند یا سبائی سے۔ ❹ درج ذیل نصوص اس بات کی تائید کرتے ہیں:

1: عمر بن شبہ کی ''اخبارِ بصرہ'' میں وارد ہے کہ جن لوگوں کی جانب قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کو منسوب کیا جاتا ہے انھیں اس بات کا خوف لاحق ہو گیا کہ دونوں فریق ان کے قتل کر دینے پر صلح کر لیں گے اس لیے انھوں نے ان کے مابین جنگ کی آگ بھڑکا دی، تا آنکہ جو ہونا تھا ہوا۔ ❺

---

❶ تاريخ الطبرى ٥/ ٥٢٦ ❷ تاريخ الطبرى ٥/ ٥٢٧

❸ تاريخ الطبرى ٥/ ٥٤١

❹ عبدالله بن سبأ و أثره في أحداث الفتنة في صدر الإسلام (ص ١٩٤)

❺ فتح البارى ١٣/ ٥٦

ب: امام طحاوی کا قول ہے: ''علی وطلحہ رضی اللہ عنہما کے نہ چاہتے ہوئے جنگ جمل کا فتنہ برپا ہوگیا۔ سابقین کے نہ چاہتے ہوئے اسے مفسدوں نے برپا کردیا۔'' ❶

ت: باقلانی کا قول ہے: ''صلح کی بات طے ہوگئی، رضا مندی پر اجتماع کا اختتام ہوا، قاتلینِ عثمان کو خوف لاحق ہوا کہ وہ پکڑے جائیں گے، اس لیے اکٹھے ہوئے، مشورہ کیا، اس پر متفق ہوگئے کہ وہ دو گروہوں میں ہو جائیں اور فجر سے پہلے ہی دونوں فریقوں میں جنگ چھیڑ دیں، اور لوگوں کے ساتھ مل جائیں، اس طرح علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے والا گروہ چیخا کہ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے غداری کردی، اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رہنے والا گروہ چیخا کہ علی رضی اللہ عنہ نے غداری کردی، ان کی یہ سازش کامیاب رہی اور جنگ چھڑ گئی، ہر فریق اپنا دفاع اور اپنے خون کی حفاظت کر رہا تھا، اس طرح دفاع کرنا فریقین کی جانب سے درست تھا اور اس میں اللہ کی اطاعت تھی، یہی مشہور اور صحیح بات ہے، ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔'' ❷

ث: قاضی عبدالجبار نے علما کے اقوال نقل کیے ہیں کہ علی، طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم ترک جنگ کے معاملے میں غور و فکر کرنے اور مصالحت پر متفق تھے۔ دشمنان عثمان رضی اللہ عنہ کو جو فوج میں موجود تھے یہ بات پسند نہ آئی، انھیں خوف لاحق ہوگیا کہ سب کی توجہ انھی کی جانب ہو جائے گی (یعنی ان سے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیں گے) چنانچہ انھوں نے اس چیز کی سازش کی جو معروف ہے اور یہ سازش پوری ہو کر رہی۔ ❸

ج: ابوبکر ابن العربی کا قول ہے: علی رضی اللہ عنہ بصرہ آئے، دونوں فریق قریب ہوئے تاکہ تبادلۂ خیالات کریں، لیکن نفس پرستوں نے انھیں ایسا کرنے نہیں دیا، جلد بازی میں خون بہانے لگے اور لڑائی بھڑک اٹھی، گھٹیا قسم کے لوگوں کا ہنگامہ زیادہ ہوگیا، یہ سب اس لیے تھا کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ چھپے رہ جائیں، ان کے خلاف نہ تو دلیل قائم ہو سکے اور نہ ہی حقیقتِ حال واضح ہو سکے۔ ایک ہی فوجی فوج کے منصوبے کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے تو ہزاروں فوجیوں کی بات ہی الگ ہے۔ ❹

ح: ابن حزم کا قول ہے: اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ لوگ جمع ہوئے اور لڑے نہیں، جب رات ہوئی تو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ یہ بہلاوا و پھسلاوا اور چال ان کے خلاف ہے، چنانچہ انھوں نے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کی فوج پر شب خون مارا، ان پر تلواروں سے حملہ کیا، لوگوں نے اپنا دفاع کیا تاآنکہ علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے بھڑ

❶ شرح العقیدۃ الطحاویۃ (ص ٥٤٦)
❷ التمهید (ص ٢٣٣)
❸ تثبیت دلائل النبوۃ للهمذانی ص ٢٩٩
❹ العواصم من القواصم ص ١٥٦، ١٥٧

گئے، پھر انھوں نے اپنا دفاع کیا، ہر فریق بلاشبہ یہ سوچتا تھا کہ دوسرے فریق نے جنگ شروع کی ہے، معاملہ بالکل الجھ کر رہ گیا، ہر فریق اپنے دفاع سے بڑھ کر کچھ نہ کر سکا۔ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ برابر جنگ کی آگ بھڑکا رہے تھے، دونوں فریق اپنی غرض و غایت اور مقصد میں حق پر تھے، زبیر رضی اللہ عنہ جنگ کو اپنے حال پر چھوڑ کر واپس چلے گئے، طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے تھے اس مڈبھیڑ کی حقیقت نہیں جان پا رہے تھے کہ ایک انجانا تیر انھیں لگا، یہ تیر آپ کی پنڈلی کے اس زخم کی جگہ لگا جو زخم کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنگ احد میں لگا تھا، چنانچہ لوٹے اور اسی وقت آپ کا انتقال ہوگیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ کو جنگ سے لوٹتے ہوئے بصرہ سے ایک دن سے کم کی دوری پر واقع مقام ''وادی السباع'' میں شہید کر دیا گیا، معاملہ ایسا تھا۔ ❶

خ: امام ذہبی کہتے ہیں: جنگ جمل کو دونوں فریقوں کے بیوقوفوں نے بھڑکایا تھا۔ ❷ نیز کہتے ہیں: دونوں فریق مصالحت پر آمادہ تھے، علی و طلحہ رضی اللہ عنہما میں سے کوئی بھی جنگ نہیں چاہتا تھا، بلکہ وہ اتحاد کی بات کرنا چاہتے تھے، ایسے میں دونوں فریق کے اوباشوں نے تیراندازی شروع کر دی، جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور لوگ برانگیختہ ہوگئے۔ ❸

اور ''دول الاسلام'' میں کہتے ہیں: شورش پسندوں کی جانب سے جنگ چھڑ گئی، اور معاملہ علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ❹

ڈاکٹر سلیمان بن حمد عودہ کہتے ہیں: ''اس کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ جنگ جمل میں سبائیوں کے کردار کی صراحت کرنے والی طبری کی روایت مذکورہ عمومات کی تخصیص کرے اور ان علما کے اقوال میں وارد گروہوں سے کون مراد ہیں؟ بالتحدید بیان کر دے، اس میں کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں، اور اگر شورش کرنے والے ان گروہوں کا تعلق براہِ راست سبائیوں سے نہ رہا ہو، ان کے مقاصد بھی مختلف رہے ہوں، تب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان گروہوں نے زمین ہموار کی، ابن سبا اور اس کے ہم نوا سبائیوں نے اس کا استغلال کیا، جیسا کہ بعض شورش برپا کرنے والی تحریکوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ مفسدوں کا استغلال کرتی ہیں۔'' ❺

جنگ جمل کے دن حسن رضی اللہ عنہ میمنہ میں تھے، دوسرے قول کے مطابق میسرہ میں تھے، آپ جنگ کو ناپسند کرتے اور اپنے والد کو اسے ترک کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ ❻

❶ الفصل فی الملل و النحل ٤/ ١٥٧، ١٥٨

❷ العبر ١/ ٣٧، عبدالله بن سبأ لنعودة ص ١٩٥

❸ تاریخ الاسلام ١/ ١٥، عبدالله بن سبأ للعودة (ص ١٩٥)

❹ دول الإسلام ١/ ١٥، عبدالله بن سبأ للعودة ص ١٩٥

❺ عبدالله بن سبأ للعودة ص ١٩٦ ❻ الوافی بالوفیات للصدفی ١٢/ ١٠٩

۶۔ جنگ جمل میں مقتولین کی تعداد:

اس تباہ کن لڑائی میں بہت سارے لوگ قتل ہوئے، ان کی تعداد بیان کرنے میں روایتیں مختلف ہیں، مسعودی نے ذکر کیا کہ اس اختلاف کا سبب راویوں کا میلان ہے۔ ❶

خلیفہ بن خیاط نے جنگ جمل کے مقتولین کے ناموں کی فہرست ذکر کی ہے تو وہ تقریباً سو تھے، اگر ہم مان لیں کہ ان کی تعداد سو کے بجائے دوسو تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ جمل کے مقتولین کی تعداد دوسو سے متجاوز نہیں ہے اور یہی تعداد ڈاکٹر خالد بن محمد الغیث کے نزدیک ان کے رسالہ "استشهاد عثمان و وقعة الجمل فی مرویات سیف بن عمر فی تاریخ الطبری دراسة نقدیة" ❷ میں راجح قرار پائی ہے۔

ابومخنف کی اس روایت میں کہ مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہنچتی ہے، ❸ مبالغہ ہے، یہ ذکر کر کے کہ یہ بیس ہزار صرف بصرہ کے تھے، اس جھوٹے کی سوچ تھی کہ اس نے اچھا کیا ہے حالاں کہ اس نے برا کیا ہے۔ ❹

سیف بن عمر ذکر کرتا ہے کہ ان کی تعداد دس ہزار تھی آدھے اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے اور آدھے اصحاب عائشہ رضی اللہ عنہا میں سے تھے۔ ایک دوسری روایت میں کہتا ہے: اور کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد پندرہ ہزار تھی، پانچ ہزار اہل کوفہ سے تھے، اور دس ہزار اہل بصرہ سے تھے، ان میں سے آدھے جنگ کے پہلے مرحلے میں قتل کیے گئے اور آدھے دوسرے مرحلے میں۔ ❺ دونوں روایتیں منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں اور ان میں مبالغہ بھی ہے۔ عمر بن شبہ ذکر کرتے ہیں کہ مقتولین کی تعداد چھ ہزار سے زیادہ تھی مگر یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ ❻

یعقوبی نے ان سب کو پیچھے چھوڑ دیا اس لیے کہ اس نے مقتولین کی تعداد تیس ہزار سے زائد بتلائی ہے۔ ❼

ان اعداد میں بہت زیادہ مبالغہ ہے اور میں نے اپنی کتاب "أسمی المطالب فی سیرة أمیر المومنین علی بن أبي طالب" میں مبالغہ کے اسباب کو ذکر کیا ہے۔

۷۔ جنگ کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اعلان:

جنگ جیسے ہی رکنے لگی علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اعلان کرنے والے نے اعلان کر دیا کہ کسی زخمی کا کام تمام نہ کریں، کسی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کا پیچھا نہ کریں، کسی گھر میں نہ داخل ہوں، جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون

❶ مروج الذهب ۳/ ۳٦۷

❷ استشهاد عثمان و وقعة الجمل ص ۲۱۵

❸ تاریخ خلیفة ص ۱۸٦، اس کی سند مرسل ہے۔

❹ تاریخ خلیفة ص ۱۸٦ ❺ تاریخ الطبری ٥/ ٥٤٢-٥٥٥

❻ تاریخ خلیفة ابن خیاط ص ۱۸٦، اس کی سند منقطع ہے۔

❼ مصنف ابن أبي شیبة ۷/ ٥٤٦، فتح الباری ۱۳/ ٦۲

ہوگا، جو اپنا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہوگا، فوج کو مال غنیمت میں وہی ہتھیار اور گھوڑے ملیں گے جو میدان جنگ میں لائے گئے تھے، اس کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔ امیر المومنین کی جانب سے اعلان کرنے والا اہل بصرہ میں سے ان لوگوں کے درمیان جو آپ سے برسر پیکار تھے اعلان کیا کہ ان میں سے جو بھی اپنا سامان آپ کے کسی فوجی کے پاس پائے تو وہ اسے لے لے۔ ❶

۸۔ آپ کا مقتولین کا معائنہ کرنا اور ان کے لیے دعائے رحمت کرنا:

معرکہ ختم ہونے پر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ چند صحابہ کے ساتھ مقتولین کا معائنہ کرنے نکلے، محمد بن طلحہ سجاد کو دیکھ کر کہا: "إنا لله و إنا إليه راجعون" اللہ کی قسم وہ نیک جوان تھا، پھر پریشان اور غمگین حالت میں بیٹھ گئے، مقتولین کے لیے دعائے رحمت ومغفرت کی، ان میں سے کئی لوگوں کی بھلائیوں اور نیکیوں کا تذکرہ کر کے ان کی تعریف کی۔ ❷

۹۔ طلحہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آپ کا متأثر ہونا:

علی رضی اللہ عنہ جب مقتولین کے درمیان گھوم رہے تھے، تو طلحہ رضی اللہ عنہ کو مقتول پایا، ان کے چہرے سے گرد وغبار صاف کرنے لگے ❸ اور فرمایا: اے ابومحمد میرے لیے یہ انتہائی دردناک بات ہے کہ میں تمھیں اس وادی میں پڑا ہوا پاؤں، پھر فرمایا: میں اپنی ذرا ذرا سی باتوں کے بارے میں اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں، میں تمنا کرتا ہوں کہ کاش میں بیس سال پہلے دنیا سے رخصت ہوگیا ہوتا۔ ❹

۱۰۔ زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں آپ کی رائے:

جب زبیر رضی اللہ عنہ کو عمرو بن جرموز نے دھوکے سے قتل کر دیا تو ان کا سرتن سے جدا کر دیا اور اسے لے کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، اس کو توقع تھی کہ یہ اس کا کارنامہ سمجھا جائے گا اور علی رضی اللہ عنہ کے یہاں وہ مرتبہ پائے گا، لیکن جب اس شخص نے اجازت طلب کی تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابن صفیہ (زبیر رضی اللہ عنہ) کے قاتل کو جہنم کی خوش خبری سنا دو، پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((لكل نبي حواري و حواريّ الزبير)) ❺

❶ استشهاد عثمان و وقعة الجمل ص ۲۰۲

❷ مصنف ابن أبي شيبة ۱۵/ ۲۶۱، المستدرك ۳/ ۱۰۳، ۱۰۴۔ اس کی سند حسن لغیرہ ہے، خلافة علی بن ابی طالب (ص ۱۶۹)

❸ البداية والنهاية ۷/ ۲۵۸

❹ تاريخ الاسلام، عهد الخلفاء الراشدين ص ۵۲۸

❺ فضائل الصحابة ۲/ ۹۲۰

''ہر نبی کے حواری (معاون و مددگار) ہوتے ہیں، میرے حواری زبیر ہیں۔''

اور جب علی رضی اللہ عنہ نے زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار کو دیکھا تو فرمایا:

''اس تلوار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے بہت ساری پریشانیوں کو دور کیا ہے۔'' ❶

دوسری روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین نے عمرو بن جرموز کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی اور اجازت طلب کرنے والے سے کہا: ابن صفیہ (زبیر رضی اللہ عنہ) کے قاتل کو جہنم کی خوش خبری سنا دو۔ ❷ کہا جاتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عمرو بن جرموز نے خودکشی کر لی۔ دوسری روایت کے مطابق وہ عراق پر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے امیر بننے تک زندہ رہا، چنانچہ وہ آپ سے روپوش ہو گیا، مصعب رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ عمرو بن جرموز یہاں چھپا ہے، کیا وہ آپ کو مطلوب ہے؟ آپ نے فرمایا: اس سے کہو کہ وہ کھلم کھلا رہے وہ مامون ہے، اللہ کی قسم میں اس سے زبیر رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہیں لوں گا وہ زبیر رضی اللہ عنہ کا ہمسر بنانے کے لائق نہیں۔ ❸

امیر المؤمنین نے جنگ جمل کی شام کو قیدیوں کو ایک خاص جگہ میں رکھا، فجر کی نماز پڑھ کر موسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ کو طلب کیا، ان کا استقبال کرتے ہوئے ان کو اپنے قریب کر کے اپنے پاس بٹھایا، ان سے ان کے اور بھائیوں کے حالات پوچھے، پھر ان سے کہا: آپ کی زمین کو قبضہ کرنے کے ارادے سے ہم نے اپنے قبضہ میں نہیں لیا ہے، بلکہ اس ڈر سے قبضہ میں لیا ہے کہ اسے دوسرے لوگ اچک نہ لیں، آپ نے اس کا غلہ دیا اور کہا: اے میرے برادر زاد ہم آپ کی ضرورت پوری کرنے کے لیے تیار ہیں، اسی طرح آپ نے ان کے بھائی عمران بن طلحہ کے ساتھ کیا، چنانچہ ان دونوں نے آپ کے لیے بیعت کر لی، جب قیدیوں نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت کرنے کے لیے گئے، چنانچہ آپ نے ان سے اور دوسروں سے ایک ایک قبیلہ کر کے بیعت لی۔ ❹

اسی طرح آپ نے مروان بن حکم کے بارے میں پوچھا اور فرمایا: میرا ان سے قریبی رشتہ ہے، ساتھ ہی وہ نوجوانان قریش کے سردار ہیں، مروان نے حسن، حسین اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ ان کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ سے بات چیت کریں، تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ مامون ہیں، جہاں چاہیں رہیں، لیکن اس عزت افزائی اور شرافت کے بالمقابل ان کی طبیعت جا کر بیعت کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئی۔ ❺

---

❶ البداية والنهاية ٧/ ٢٦١

❷ الطبقات ٣/ ١٠٥، اس کی سند حسن ہے، خلافة علي (ص ١٦٤) عبدالحميد)

❸ البداية والنهاية ٧/ ٢٦١

❹ الطبقات ٣/ ٢٢٤، اس کی سند حسن ہے، المستدرك ٣/ ٣٧٦، ٣٧٧

❺ سنن سعيد بن منصور ٢/ ٣٣٧، اس کی سند حسن ہے۔

مروان بن حکم نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے اس کارنامے کی تعریف کرتے ہوئے آپ کے صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: غالب ہونے کی صورت میں میں نے آپ کے والد سے زیادہ شریف شخص کو نہیں دیکھا، جنگ جمل میں جیسے ہی ہم پیٹھ پھیر کر بھاگے آپ کی جانب سے اعلان کرنے والے نے اعلان کیا: بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے گا، زخمی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ❶

۱۱۔ علی رضی اللہ عنہ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کو عزت واحترام کے ساتھ رخصت کرنا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے سواری، زاد سفر اور دیگر اسباب مہیا کر کے بڑے احترام سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو رخصت کیا، آپ کے ساتھ آنے والوں میں جو بچے تھے ان سب کو آپ کے ساتھ بھیجا سوائے ان کے جو رکنا چاہتے تھے، بصرہ کی معزز چالیس خواتین کو ان کی ہمراہی کے لیے منتخب کیا اور کہا: اے محمد ابن حنفیہ تیار ہو جاؤ اور انھیں پہنچانے جاؤ، چنانچہ جس روز انھوں نے سفر کیا، علی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس پہنچے اور کھڑے رہے اور لوگ بھی آئے، عائشہ رضی اللہ عنہا کو لوگوں نے رخصت کیا، آپ نے بھی انھیں رخصت کیا اور فرمایا: اے میرے بچو! ہم میں کوئی ایک دوسرے کا گلہ اور شکایت نہ کرے، اس سلسلے کی کسی بات کے باعث ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے، اللہ کی قسم ہمارے اور علی کے مابین پچھلے دنوں اگر کچھ غلط فہمی یا شکوہ شکایت رہی تو صرف اسی قدر جتنا ایک خاتون اور اس کے دیوروں کے مابین کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہے اور وہ میری عزیزانہ شکایت یا تاثر کے باوجود صلحائے امت میں سے ہیں، اس پر علی رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! واللہ ام المومنین نے سچ فرمایا، ہمارے اور ان کے درمیان صرف اسی قدر بات تھی، وہ تمھارے نبی کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں، علی رضی اللہ عنہ ان کو رخصت کرتے ہوئے ان کے ساتھ میلوں گئے، اپنے بچوں کو چھوڑ کر اس دن کا پورا وقت ان کی خدمت میں گزارا۔ یہ واقعہ روز شنبہ یکم رجب ۳۶ھ کا ہے۔ ❷

۱۲۔ جو کچھ ہوا اس پر ان کی ندامت:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھیں اسلام کی سبقت حاصل تھی جنگ میں شرکت پر نادم ہوئے، چنانچہ طلحہ و زبیر اور علی رضی اللہ عنہم وغیرہ نادم ہوئے۔ جنگ جمل کے دن ان کا لڑائی کا ارادہ نہیں تھا، لیکن ان کی چاہت کے بغیر لڑائی چھڑ گئی۔ ❸

۱۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب انھوں نے لوگوں کو تلواروں سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو کہا:

---

❶ كتاب أهل البغي من الحاوي الكبير للماوردي ص ۱۱

❷ تاريخ الطبري ۵/ ۵۸۱ ❸ المنتقى من منهاج الاعتدال ص ۲۲۲

((لَوَدِدْتُ أَنِّي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا بِعِشْرِيْنَ سَنَةً .)) ❶

''میری خواہش ہے کہ اس حادثے سے بیس سال پہلے وفات پا جاتا۔''

ب: نعیم بن حماد نے اپنی سند سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب لڑائی شباب پر تھی تو میری آڑ میں ہو کر کہہ رہے تھے:

''اے حسن میری خواہش ہے کہ میں اس حادثے سے بیس سال قبل وفات پا جاتا۔'' ❷

ت: حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ایک معاملے کو حل کرنا چاہا، تو معاملات پے در پے پیش آتے رہے، چنانچہ آپ کو چھٹکارا نہ ملا۔ ❸

ث: سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کو جب کہ تلواریں چل رہی تھیں کہتے سنا کہ اے حسن! کیا یہ سب باتیں ہم میں پائی جا رہی ہیں، کاش میں بیس یا چالیس سال قبل وفات پا جاتا۔ ❹

ج: ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ جنگ میں حصہ لیا، اور نہ ہی جنگ کے لیے نکلی تھیں، وہ صرف مسلمانوں کے مابین مصالحت کی غرض سے نکلی تھیں، ان کا خیال تھا کہ ان کے نکلنے میں مسلمانوں کی مصلحت ہے، بعد میں انھیں معلوم ہوا کہ نہ نکلنا بہتر تھا، جب انھیں اپنا نکلنا یاد آتا تو رونے لگتیں تا آنکہ آپ کا دوپٹہ بھیگ جاتا۔ اس طرح عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھیں اسلام کی سبقت حاصل تھی جنگ میں شرکت پر نادم ہوئے، چنانچہ طلحہ، زبیر اور علی رضی اللہ عنہم وغیرہ نادم ہوئے۔ جنگ جمل کے دن ان کا لڑائی کا ارادہ نہیں تھا، لیکن ان کی چاہت کے بغیر لڑائی چھڑ گئی۔ ❺

ح: امام ذہبی کہتے ہیں: بلاشبہ عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ جانے اور جنگ جمل میں شریک ہونے پر سخت نادم تھیں، انھوں نے سوچا بھی نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔ ❻

جنگ جمل (جس میں حسن رضی اللہ عنہ شریک تھے) کی تفصیلات کے لیے میری کتاب ''أسمی المطالب فی سیرة أمیر المومنین علی بن أبي طالب'' کا مراجعہ کیا جائے۔

---

❶ الفتن، نعیم بن حماد ۱/ ۸۰

❷ الفتن ۱/ ۸۰ ❸ الفتن ۱/ ۸۱

❹ أحداث و أحادیث فتنة الهرج ص ۲۱۷

❺ المنتقی من منهاج الاعتدال ص ۲۲۲، ۲۲۳

❻ سیر أعلام النبلاء ۲/ ۱۷۷

خ: جنگ جمل کے دردناک واقعات کے تذکرہ کو ختم کرنے سے پہلے اس سے حاصل شدہ اہم سبق کو ہم ذکر کر رہے ہیں وہ یہ کہ اتحاد کی کسی مخلصانہ کوشش یا ایسی کوشش جس سے دشمنوں کی مصلحتیں مار کھاتی ہوں، ایسی کوشش کو ناکام بنانے میں ان کی سازشوں اور مکر وفریب پر نگاہ رکھنی ضروری ہے، ایسی حالت میں جب ہم عام آراء پر متفق ہوجائیں تو ان کے لیے منصوبے تیار کریں، ان کے نفاذ کی اور انھیں ناکام بناتے میں دشمنوں کو روکنے کی لازمی تدبیروں کو اختیار کریں اور اگر ہم دشمنوں کے خطرات اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ان کی کوششوں سے غافل ہوجائیں گے تو مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہوسکتا، حسن رضی اللہ عنہ نے اس اہم سبق سے فائدہ اٹھایا اور اپنے مصالحانہ منصوبے میں اس کی تطبیق کی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل آرہی ہے۔

جنگ صفین

جنگ صفین ان بڑے واقعات میں سے ہے جن کا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے عہد میں مشاہدہ کیا تھا، آپ کو امیر المومنین علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین تعلقات کا تفصیلی علم تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی و عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے، جب علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے انھیں معزول کر کے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو گورنر بنانا چاہا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے قبول نہ کیا بلکہ معذرت کی اور اپنے مابین قرابت اور سسرالی رشتہ کا ذکر کیا۔ ❶ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان پر لازم نہ قرار دیتے ہوئے ان کی معذرت قبول کر لی۔

ایسی روایتیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے الگ تھلگ ہوجانے اور ساتھ نہ دینے پر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی ان سے جھڑپ ہوگئی، تو ایسی روایتیں محرف اور جھوٹی ہیں۔ ❷

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی شام کی گورنری کا ماحصل وہی ہے جسے امام ذہبی نے سفیان بن عیینہ کے طریق سے روایت کیا ہے، عمر بن نافع اپنے والد نافع سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ نے میرے پاس یہ پیغام بھیجا: اے ابوعبدالرحمن اہل شام آپ کی بات مانتے ہیں، میں نے آپ کو ان کا گورنر بنا دیا ہے اس لیے آپ وہاں چلے جایے، تو میں نے کہا: میں اللہ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قربت وصحبت کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے چھٹکارا دے دیں، علی رضی اللہ عنہ نہ مانے، پھر میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ استعمال کیا پھر بھی نہ مانے تو میں راتوں رات مکہ چلا گیا۔ ❸

❶ المصنف لابن أبي شيبة ۷/ ۴۷۲، اس کی سند صحیح ہے۔
❷ استشهاد عثمان و وقعة الجمل، خالد الغيث ص ۱۶۰
❸ سير أعلام النبلاء ۳/ ۲۲۴، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ کی بیعت کر کے آپ کی اطاعت قبول کر چکے تھے ورنہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں آپ انھیں گورنر کیسے بناتے؟ شام کی گورنری سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی معذرت کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بدلے سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا، وہ حدود شام پر پہنچے ہی تھے کہ انھیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے سواروں نے روک لیا اور کہا: اگر آپ کو عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہے تو ہم آپ کا استقبال کرتے ہیں، اور اگر کسی دوسرے نے بھیجا ہے تو لوٹ جائیں۔ ❶

عثمان رضی اللہ عنہ کے مظلومانہ قتل پر شام والوں کا غیظ وغضب ابال کھا رہا تھا، ان کے پاس آپ کی خون آلود قمیص اور آپ کی بیوی نائلہ کی آپ کے دفاع میں کٹی ہوئی انگلیاں پہنچ چکی تھیں، آپ کی شہادت کا واقعہ بڑا ہی دردناک تھا، اس نے شعور واحساس اور دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

انھیں مدینہ، مدینہ پر شورش کرنے والوں کے قابض ہو جانے، اور بنی امیہ کے مکہ چلے جانے کی خبریں پہنچتی رہیں، اس طرح کے حالات و واقعات نے اہل شام اور سرفہرست معاویہ رضی اللہ عنہ کو متاثر کیا، ان کا خیال تھا کہ قاتلین عثمان سے بدلہ کی ذمہ داری انھی پر ہے، وہی آپ کے ولی دم ہیں، اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَٰنًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا﴾

(الاسراء: ۳۳)

''اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے، بے شک وہ مدد کیا گیا ہے۔''

اسی لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے ان سے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں خطاب کیا کہ وہ ظلماً ان بے وقوف منافقوں کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے جنھوں نے خون حرام کا احترام نہ کیا، بلکہ بلد حرام اور حرمت والے مہینہ میں اسے بہا دیا، نتیجتاً لوگ برانگیختہ ہوگئے، ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں، ان میں سے چند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، چنانچہ مرہ بن کعب نامی صحابی اٹھے اور کہا: اگر میں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ سنی ہوتی تو گفتگو نہ کرتا، آپ نے فتنوں اور ان کی قربت کا تذکرہ کیا، اسی وقت کپڑوں میں لپٹے ایک شخص کا گزر ہوا تو آپ نے کہا: یہ اس وقت ہدایت پر ہوں گے، میں ان کے پاس گیا تو وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، میں نے ان کی جانب متوجہ ہو کر کہا: آپ ہیں؟ کہا: ہاں۔ ❷

ایک دوسری حدیث ہے جو قاتلینِ عثمان سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے اور اس مقصد کے حصول

❶ تهذيب تاريخ دمشق ٤/ ٣٩، خلافة علي بن أبي طالب (ص ١١٠) عبدالحميد

❷ صحيح سنن ابن ماجة ١/ ٢٤

کا پختہ ارادہ کرنے میں مؤثر اور محرک رہی، وہ حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام دیا، پیغام کا آخری حصہ یہ تھا کہ آپ نے ان کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے تین بار فرمایا: اے عثمان! اللہ تعالیٰ تم کو خلافت کی خلعت پہنائے گا اگر منافقین چاہیں کہ آپ اسے اتار دو تو تم اسے مرتے دم تک نہ اتارنا۔ تو میں نے ان سے کہا: اے ام المومنین یہ بات آپ سے کہاں اوجھل رہ گئی؟ کہا: واللہ میں بھول گئی، مجھے یاد نہ آیا۔ راوی کہتے ہیں کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی، تو وہ اس پر راضی نہ ہوئے تا آنکہ ام المومنین کے پاس لکھ بھیجا کہ آپ میرے پاس یہ بات لکھ کر بھیجیں چنانچہ انھوں نے ان کے پاس لکھ کر بھیجا۔ ❶

قاتلین کے بارے میں حکم الٰہی کی تنفیذ کی شدید حرص اہم سبب تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں اہل شام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے تیار نہ تھے، اس کا سبب معاویہ رضی اللہ عنہ کی شام کی گورنری کا لالچ یا ان کی جانب سے کسی ناحق چیز کا مطالبہ نہیں تھا، اس لیے کہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ خلافت کا معاملہ شوریٰ کے چھ لوگوں میں تھا، اور علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل اور خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔ ❷

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے یحییٰ بن سلیمان جعفی نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے، ابو مسلم خولانی سے مروی ہے کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کر رہے ہیں کیا آپ ان کے برابر ہیں؟ تو جواباً کہا: واللہ نہیں، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے زیادہ علم والے ہیں، خلافت کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں، لیکن کیا تمھیں معلوم نہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کیے گئے ہیں، میں ان کا چچا زاد بھائی اور ان کے خون کا مطالبہ کرنے والا ہوں، چنانچہ تم سب ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ قاتلین عثمان کو میرے حوالے کر دیں، اور میں ان کو اپنے قبضہ میں کر لوں، چنانچہ ان لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے گفتگو کی، تو آپ نے انھیں ان کے حوالے نہیں کیا۔ ❸ دوسری روایت میں ہے: ان لوگوں نے آپ کے پاس آ کر گفتگو کی تو آپ نے کہا: وہ بیعت کر لیں اور ان کے بارے میں مجھ سے فیصلہ طلب کریں، تو معاویہ رضی اللہ عنہ تیار نہیں ہوئے۔ ❹

ا۔ کیا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف معاویہ رضی اللہ عنہ کا خروج دنیاوی لالچ کے سبب تھا؟

جو روایتیں یہ تصویر پیش کرتی ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کو نہ قبول کرنا ذاتی و دنیاوی

❶ مسند أحمد باقی مسند الأنصار رقم ۲٤۰٤٥، یہ حدیث صحیح ہے۔
❷ خلافة علی بن أبی طالب، عبدالحمید ص ۱۱۲
❸ فتح الباری ۱۳/ ۹۲، البدایة والنهایة ۸/ ۱۲۹
❹ فتح الباری ۱۳/ ۹۲، استشهاد عثمان (ص ۱٦۰)

مصلحتوں کے باعث تھا، بنی ہاشم و بنی امیہ کے مابین جاہلی تنافس اور دشمنی کے باعث تھا، یا اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تہمتوں، افتراء پردازیوں اور طعن و تشنیع کو پیش کرتی ہیں، اور انھی پر موجودہ اہل قلم جیسے عقاد نے "عبقرية علي" میں، عبدالعزیز دوری نے "تاريخ صدر الاسلام" کے مقدمہ میں اعتماد کیا ہے اور انھی کو اپنے باطل تجزیات کی بنیاد بنایا ہے ایسی سب روایتیں متروک ہیں، ان کے راوی عدالت وضبط میں مطعون ہیں۔ [1]

ہر زمانے میں لوگوں کے مابین یہ بات مشہور رہی ہے کہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف کا سبب معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت کا خواہاں ہونا تھا، ان کا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج اور ان کی اطاعت قبول نہ کرنے کا سبب انھیں شام کی گورنری سے معزول کردینا تھا، ان باتوں کو شیعی مؤرخین نے اور کتاب "الإمامة و السياسة" نے ذکر کیا ہے جسے غلط طور پر ابن قتیبہ دینوری کی جانب منسوب کردیا گیا ہے، یہ کتاب ابن قتیبہ کی نہیں ہے، درج ذیل دلیلیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مذکورہ کتاب کو ابن قتیبہ کی جانب غلط طور پر منسوب کیا گیا ہے:

☆ جن لوگوں نے ابن قتیبہ کا سوانحی خاکہ لکھا ہے کسی نے بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا ہے کہ انھوں نے تاریخ میں "الإمامة و السياسة" نامی کتاب لکھی ہے، انھوں نے تاریخی کتاب صرف "المعارف" لکھی ہے۔

☆ کتاب کی ورق گردانی کرنے والا سمجھے گا کہ ابن قتیبہ نے دمشق ومغرب میں قیام کیا ہے جب کہ وہ بغداد سے نکل کر صرف دینور گئے تھے۔

☆ "الإمامة و السياسة" کا اسلوب و منہج ابن قتیبہ کی کتابوں کے اسلوب و منہج سے بالکل مختلف ہے، ابن قتیبہ کا منہج ہے کہ دینی کتابوں کا طویل مقدمہ لکھتے ہیں، اس میں اپنے منہج اور سبب تالیف کا تذکرہ کرتے ہیں۔ "الإمامة والسياسة" کا منہج اس کے برخلاف ہے، اس کا مقدمہ بہت مختصر ہے، صرف تین سطر کا ہے، ساتھ ہی ساتھ اسلوب بھی مختلف ہے، ابن قتیبہ کی کتابوں کا یہ طریقہ نہیں رہا ہے۔

☆ صاحب کتاب ابولیلیٰ سے اس انداز میں روایت کرتے ہیں کہ اس سے دونوں کی باہمی ملاقات کا پتہ چلتا ہے، ابن ابی لیلیٰ: محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فقیہ ہیں جو کوفہ کے قاضی رہے، ۱۴۸ھ میں وفات پائی اور یہ بات قطعی ہے کہ ابن قتیبہ ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے، یعنی ابن ابی لیلیٰ کی وفات کے ۵۳ سال بعد۔

☆ اس کی اکثر روایتیں صیغۂ تمریض کے ساتھ وارد ہیں، اس میں اکثر و بیشتر اس طرح کی عبارتیں آئی ہیں: "ذكروا عن بعض المصريين"، "ذكروا عن محمد بن سليمان عن مشايخ أهل مصر"، "حدثنا بعض مشايخ أهل المغرب"، ذكروا عن بعض المشيخة"،

---

[1] خلافة علي بن أبي طالب، عبدالحميد علي (ص ۱۱۲)

"حدثنا بعض المشيخة" اس طرح کی عبارتیں اور ترکیبیں ابن قتیبہ کے اسلوب اور عبارتوں سے بہت مختلف ہیں اور ان کی کتابوں میں وارد نہیں ہیں۔ ❶

☆ ابن قتیبہ کا علما کے نزدیک ایک اہم مقام ہے، وہ ان کے نزدیک اہل سنت میں سے اور اپنے علم و دین میں ثقہ ہیں:

((يقول السلفي كان ابن قتيبة من الثقات و أهل السنة- و يقول ابن حزم: كان ثقة في دينه و علمه، و تبعه في ذلك الخطيب البغدادي، و يقول عنه ابن تيمية: وإن ابن قتيبة من المنتسبين إلى أحمد و إسحاق و المنتصرين لمذاهب أهل السنة المشهورة)) ❷

"سلفی کہتے ہیں کہ ابن قتیبہ ثقہ اور اہل سنت میں سے تھے۔ ابن حزم کہتے ہیں: اپنے دین و علم میں ثقہ تھے۔ یہی رائے خطیب بغدادی کی ہے۔ ان کے بارے میں ابن تیمیہ کہتے ہیں: ابن قتیبہ احمد و اسحاق کی جانب اپنی نسبت کرنے والے اور اہل سنت کی مشہور رایوں کے مؤید تھے۔"

جس شخص کا محقق علما کے نزدیک یہ مقام ہو، کیا وہ "الإمامة و السياسة" جیسی کتاب کا مصنف ہو سکتا ہے؟ جس نے تاریخ کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب غلط باتوں کو منسوب کر دیا ہے۔ ❸

☆ "الإمامة و السياسة" کے مؤلف نے صحابہ کرام پر سخت تنقید کی ہے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بزدل اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حاسد قرار دیا ہے، نیز ذکر کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر اس لیے ناراض ہو گئے کہ انھوں نے خیبر میں مرحب یہودی کو قتل کر دیا، اور یہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ❹

☆ "الإمامة و السياسة" کا مؤلف تینوں خلیفہ ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں صرف پچیس صفحات لکھتا ہے، اور صحابہ کے مابین فتنوں کا ذکر دو سو صفحات میں کرتا ہے، اس طرح مؤلف نے روشن و تابناک تاریخ کو بہت مختصر کر دیا ہے اور ایسی جھوٹی تاریخ سے صفحات کو سیاہ کر دیا ہے جس کا بہت تھوڑا سا حصہ صحیح ہے۔

---

❶ عقيدة الإمام ابن قتيبة، على العليانى ص ٩٠

❷ لسان الميزان ٣/ ٣٥٧، تحقيق مواقف الصحابة ٢/ ١٤٤

❸ تحقيق مواقف الصحابة ٢/ ١٤٤

❹ الإمامة والسياسة ١/ ٥٤، ٥٥

☆ "مختصر الإثنی عشرية" میں محمود شکری آلوسی کہتے ہیں: شیعہ کے مکر وفریب میں سے یہ بھی ہے کہ اہل سنت کے نزدیک معتبر ناموں پر غور کرتے ہیں، ان میں سے جس کسی کا نام ولقب اپنے میں سے کسی کے نام ولقب کے موافق پایا تو شیعی روایت کو اس کی جانب منسوب کر دیا، اہل سنت میں سے جسے آگاہی نہیں ہوتی ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ ان کا امام ہے، اس کے قول وروایت پر اعتماد وبھروسا کر لیتا ہے۔ جیسے ''سدی'' اس نام کے دو آدمی ہیں، ایک ''سدی کبیر'' دوسرا ''سدی صغیر''۔ ''سدی کبیر'' اہل سنت کے ثقہ لوگوں میں سے ہیں، اور ''سدی صغیر'' جھوٹوں اور حدیثوں کو گھڑنے والوں میں سے ہے۔ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ اہل سنت کے ثقہ لوگوں میں سے ہیں اور "المعارف" نامی کتاب کے مصنف ہیں، چنانچہ عبداللہ بن قتیبہ نے بھی گمراہ کرنے کے لیے "المعارف" نامی کتاب تصنیف کی۔ ❶

اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ "الإمامة والسياسة" نامی کتاب شیعی ابن قتیبہ کی ہے، سنی اور ثقہ ابن قتیبہ کی نہیں ہے، ناموں کی مشابہت کی وجہ سے لوگوں کو ان دونوں کے مابین اشتباہ ہو گیا ہے۔ ❷

بہت سارے موجودہ اہل قلم نے اسی کتاب پر اعتماد کر کے بہت سارے صحابہ کرام کی سیرتوں کو داغدار کرنے میں ہاتھ بٹایا ہے، اسی لیے تحقیق وتدقیق اور دلائل پر مبنی علمی طریقے سے اس کتاب سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔

"الإمــامة والسيــاسة" کے مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا، اس کی دلیل میں وہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں ابن کواء نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام سے دور ہیں، ان کے والد گروہ بندی کی جڑ ہیں، انھوں نے بغیر مشورہ کیے خلافت کا دعویٰ کر دیا، اگر دعوائے خلافت کے بارے میں آپ سے سچ بولتے ہیں تو ان کو خلافت سے دور کر دینا درست ہے، اور اگر جھوٹ بولتے ہیں تو آپ کا ان سے گفتگو کرنا حرام ہے۔'' ❸

یہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے، بلکہ گھڑی ہوئی بات ہے، کتب تاریخ وادب میں بہت سی ایسی ضعیف اور موضوع روایتیں بھری پڑی ہیں جو بتلاتی ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف محض بادشاہت، سرداری اور خلافت کے لیے تھا۔ ❹

---

❶ مختصر التحفة الإثنا عشرية للآلوسي ص ۳۲

❷ عقيدة الإمام ابن قتيبة ص ۹۳

❸ الإمامة والسياسة ۱/ ۱۱۳

❹ تحقيق مواقف الصحابة في الفتنة ۲/ ۱۴۵

صحیح بات یہ ہے کہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف کی بنیاد اس بات پر تھی کہ علی رضی اللہ عنہ کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی بیعت قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے بعد واجب ہوتی ہے یا پہلے، اس کا خلافت سے کوئی تعلق نہ تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ رہنے والے شام کے لوگوں کی رائے تھی کہ پہلے قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے پھر وہ لوگ بیعت کرلیں گے۔ ❶

قاضی ابن العربی کا قول ہے:

''اہل شام و اہل عراق کے مابین جنگ کا سبب ان کی رائے کا اختلاف تھا، اہل عراق علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اور امام سے متعلق اتحاد کی دعوت دیتے تھے، اہل شام قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے، اور کہتے تھے، ہم قاتلوں کو پناہ دینے والے کے لیے بیعت نہیں کریں گے۔'' ❷

"لمع الأدلة" میں امام الحرمین جوینی کا قول ہے:

''معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی لیکن آپ کی خلافت کے منکر نہ تھے اور نہ ہی اپنے لیے اس کے دعویدار تھے، وہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرتے تھے، اور ان کے خیال میں وہ اپنے مطالبے میں حق بجانب تھے، جب کہ وہ غلطی پر تھے۔'' ❸

ہیثمی کا قول ہے:

''معاویہ و علی رضی اللہ عنہما کے مابین جو جنگ ہوئی وہ اس لیے نہیں ہوئی کہ خلافت کے بارے میں ان کے مابین جھگڑا تھا اس لیے کہ علی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زیادہ حق دار ہونے پر اجماع ہے، اس لیے فتنہ اس بنا پر برپا نہیں ہوا بلکہ اس لیے برپا ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت سے پہلے قصاص کا مطالبہ کیا تو علی رضی اللہ عنہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔'' ❹

متعدد روایتیں یہ بتلاتی ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے اور اس بات کی صراحت کر رہے تھے کہ اگر قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لے لیا گیا تو وہ علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول کرلیں گے۔

اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لالچ میں علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی اور قصاص کے مطالبے کو بہانہ بنایا تھا، تو اگر علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان سے قصاص لے لیا ہوتا تو ایسی صورت میں اس کے

---

❶ العواصم من القواصم ص ١٦٢

❷ العواصم من القواصم ص ١٦٢

❸ لمع الأدلة فی عقائد أهل السنة والجماعة ص ١١٥

❹ الصواعق المحرقة ٢/ ٦٢٢

علاوہ اور کیا ہوتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیتے اور ان کی اطاعت قبول کر لیتے، اس لیے کہ وہ اس فتنے میں اپنے اس موقف پر جمے رہے، اسی طرح جو جنگ میں ان کا ساتھ دے رہے تھے اسی بنیاد پر دے رہے تھے کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیا جائے، اگر اس کے علاوہ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے جی میں کوئی مقصد چھپائے تھے تو یہ جان پر کھیلنے کی بات تھی، اس کام کو کوئی لالچ والا شخص انجام نہیں دے سکتا۔ ❶

معاویہ رضی اللہ عنہ جب کاتبِ وحی، بردباری میں مشہور اور مسلمانوں کے سرداروں میں سے تھے، صحابی ہونے کا شرف انھیں حاصل تھا تو یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ وہ ختم ہونے والی بادشاہت کے لیے شرعی خلیفہ سے جنگ کریں گے اور مسلمانوں کا خون بہائیں گے، انھی کا قول ہے:

''اللہ کی قسم جب مجھے اللہ و غیر اللہ کے مابین اختیار دیا جاتا ہے تو میں اللہ ہی کو اختیار کرتا ہوں۔'' ❷

آپ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ثابت ہے:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا وَاهْدِ بِهِ .)) ❸

''اے اللہ انھیں ہدایت یافتہ بنا اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دے۔''

نیز فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ .)) ❹

''اے اللہ انھیں اپنی کتاب کا علم سکھا اور عذاب سے بچا۔''

قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق آپ کی رائے کی غلطی یہ تھی کہ قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے سے پہلے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر رہے تھے، ساتھ ہی ساتھ ان شورش کرنے والوں کے ساتھ اپنے سابقہ سلوک و برتاؤ کی بناء پر معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے خائف تھے، وہ سب آپ کے قتل کے حریص تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ قاتلینِ عثمان کو آپ کے حوالے کر دیا جائے جب کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ قصاص کا طالب کوئی فیصلہ صادر کرے، بلکہ پہلے اطاعت قبول کرے، پھر حاکمِ وقت کے پاس اپنا دعویٰ پیش کرے اور اپنے حق کا مطالبہ کرے۔ ❺

اس بات پر ائمۂ فتویٰ کا اتفاق ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی دوسرے سے حاکم یا اس کے مقرر کردہ شخص کے بغیر اپنا قصاص لے، اس لیے کہ ایسا کرنا فتنہ کا باعث اور لاقانونیت کے پھیلنے کا سبب ہوگا۔ ❻

---

❶ تحقیق مواقف الصحابة ۲/ ۱۵۰ ❷ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۱۵۱

❸ صحیح سنن الترمذی للألبانی رقم ۳۰۱۸ (۳/ ۲۳٦)

❹ فضائل الصحابة ۲/ ۹۱۳، اس کی سند صحیح ہے۔ ❺ تحقیق مواقف الصحابة ۲/ ۱۵۱

❻ تفسیر القرطبی ۲/ ۲۵٦

کہا جاسکتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے، ان کا ظن غالب تھا کہ وہی حق پر ہیں، چنانچہ اہل شام کو جمع کر کے انھیں خطاب کیا اور یاد دلایا کہ وہی عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی ہیں، انھیں ظلماً قتل کیا گیا ہے، انھیں یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ﴾

(الاسراء: ۳۳)

''اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے، بے شک وہ مدد کیا گیا ہے۔''

پھر کہا: میں چاہتا ہوں کہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تم مجھے اپنی رائے سے آگاہ کرو، چنانچہ اہل شام اٹھ کھڑے ہوئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا جو مطالبہ آپ کا تھا اس کے لیے تیار ہو گئے اس سلسلے میں آپ سے بیعت کی، اس بات کا پختہ عہد کیا کہ اپنی جان و مال قربان کر دیں گے تا آنکہ ان کو قصاص مل جائے یا اللہ تعالیٰ انھیں فنا کر دے۔ ❶

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ان بڑے بڑے واقعات کا مشاہدہ کیا اور فتنہ سے متعلق ہر صحابی کی رائے سے آگاہی حاصل کی، آپ کا رجحان تھا کہ جہاں تک ہو سکے امن و صلح اختیار کرنا چاہیے۔

۲۔ جنگ صفین کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے اور اہل شام پر لعنت بھیجنے سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا منع کرنا:

علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ صفین چھڑ گئی (میں نے اس کی پوری تفصیلات اپنی کتاب ''أسمی المطالب فی سیرۃ أمیر المومنین علی بن أبي طالب'' میں ذکر کی ہیں) لڑائی میں تیزی آ گئی، اہل عراق، اہل شام پر غالب آنے لگے، ان کی صفیں منتشر ہو گئیں، قریب تھا کہ شکست کھا جائیں، ایسے میں اہل شام نے نیزوں پر مصاحف کو اٹھا کر کہا: ہمارے اور تمھارے درمیان یہ کتاب فیصلہ کرنے والی ہے، لوگ ہلاک ہو رہے ہیں، اہل شام کے بعد شام کی اور اہل عراق کے بعد عراق کی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟ جب لوگوں نے اٹھائے ہوئے مصاحف کو دیکھا تو کہا: کتاب اللہ کی جانب رجوع کرتے ہیں اور اس کی بات مان لیتے ہیں۔ ❷

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے کی تاکید کے بغیر کتاب اللہ کی تحکیم کی دعوت دینا، نیز معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت و اطاعت کو قبول کرنے کی تاکید کے بغیر تحکیم کی دعوت کو قبول کر لینا یہ تبدیلی

❶ صفین لابن مزاحم ص ۳۲، تحقیق مواقف الصحابۃ ۲/ ۱۵۲

❷ تنزیہ خال المومنین معاویۃ بن أبي سفیان (ص ۳۶) نقلاً عن تاریخ الطبری

جنگِ صفین کے نتیجے میں ہوئی، اس لیے کہ جس جنگ نے بہت سارے مسلمانوں کو ہلاک کر دیا اس کے نتیجے میں یہ اجتماعی رائے سامنے آئی کہ جنگ اور خوں ریزی کو بند کرنا ایسی ضرورت ہے جو دشمن کے مقابلے میں امت کی شان و شوکت اور قوت کو محفوظ رکھنے کا تقاضا ہے، یہ امت کی زندگی و بیداری اور فیصلوں میں اس کے رول کا ثبوت ہے۔ ❶

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین کو روک دیا، تحکیم پر راضی ہو گئے، اسے فتح تصور کیا اور کوفہ لوٹ گئے، اور تحکیم سے اختلاف کو ختم کرنے، اتحاد پیدا کرنے، حکومت کو مضبوط کرنے، اور نئے سرے سے فتوحات کا سلسلہ شروع کرنے کی بہت ساری امیدیں باندھیں، جنگِ صفین کی کارروائیاں ختم ہونے کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ مقتولین کا معائنہ کر رہے تھے اسی اثناء میں اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین کے پاس کھڑے ہو کر کہا: اللہ تعالیٰ دونوں فریقوں کے لوگوں کی مغفرت کرے۔ ❷

یزید بن اصم سے مروی ہے کہ جب علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح ہوگئی تو اپنے مقتولین کے پاس پہنچے اور فرمایا: یہ لوگ جنت میں ہوں گے، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین کے پاس گئے تو فرمایا: یہ لوگ جنت میں ہوں گے، معاملہ میرا اور معاویہ کا ہوگا۔ ❸ ان کے بارے میں کہتے تھے: ''وہ لوگ مومن ہیں'' ❹ اہل صفین و اہل جمل کے بارے میں آپ کا قول ایک جیسا ہے۔ ❺

مروی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے دو ساتھی اہل شام کو برا بھلا کہتے اور لعن طعن کرتے ہیں تو انھیں پیغام بھیج دیا کہ اس حرکت سے باز آجاؤ، چنانچہ وہ دونوں آپ کے پاس آئے اور کہا: اے امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے کہا: اللہ کی قسم کیوں نہیں، دونوں نے کہا: تو آپ ہمیں ان کے سب و شتم اور لعن طعن سے کیوں روکتے ہیں؟ آپ نے کہا: تم لوگوں کا لعن طعن کرنے والا ہونا مجھے پسند نہیں ہے، بلکہ تم لوگ کہو:

((اَللّٰهُمَّ احْقِنْ دِمَاءَ نَا وَ دِمَاءَ هُمْ وَ أَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَبَيْنَهُمْ وَ أَبْعِدْهُمْ مِنْ ضَلَالَتِهِمْ حَتّٰى يَعْرِفَ الْحَقَّ مِنْ جَهْلِهٖ وَ يَرْعَوِيْ عَنِ الْغَيِّ مِنْ لَجَجٍ بِهٖ.)) ❻

---

❶ دراسة في تاريخ الخلفاء الأمويين ص ٣٨

❷ خلافة علي بن أبي طالب، عبدالحميد ص ٢٥٠

❸ مصنف ابن أبي شيبة ١٥/ ٣٠٣، اس کی سند حسن ہے۔

❹ تاريخ دمشق (١/ ٣٢٩، ٣٣١)، خلافة علي (ص ٢٥١)

❺ خلافة علي، عبدالحميد علي (ص ٢٥١)، تنزيه خال المؤمنين (ص١٦٩)

❻ الاخبار الطوال (ص ١٦٥) نقلا عن تحقيق مواقف الصحابة ٢/ ٢٣٢

''اے اللہ تو ہمارے اور ان کے خون کو محفوظ کر دے اور ہمارے باہمی معاملات ٹھیک کر دے، انھیں اپنی غلطی سے دور کر دے، تا کہ حق نہ جاننے والا اسے جان لے اور گمراہی سے چمٹے رہنے والے اس سے باز آجائیں۔''

رہی یہ بات کہ علی رضی اللہ عنہ اپنے قنوت میں معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر لعنت بھیجتے تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے قنوت میں علی، ابن عباس، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم پر لعنت بھیجتے تھے، تو یہ بات سنداً صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس میں ابومخنف لوط بن یحییٰ ہے جو اپنی روایتوں میں ثقہ نہیں ہے۔

اسی طرح شیعوں کی سب سے صحیح کتاب میں وارد ہے کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے سے روکتے تھے: جو لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہتے تھے ان کو اس سے روکا اور کہا: میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ تم لوگ برا بھلا کہنے والے بنو، بلکہ اگر تم لوگ ان کے کارناموں کو بیان کرتے اور ان کے حالات کا تذکرہ کرتے تو یہ زیادہ اچھی بات ہوتی، تم انھیں برا بھلا کہنے کے بجائے یہ کہو:

((اَللّٰھُمَّ احْقِنْ دِمَاءَ نَا وَ دِمَاءَ ھُمْ وَ أَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَ بَیْنِھِمْ .)) [1]

''اے اللہ تو ہمارے اور ان کے خون کو محفوظ کر دے اور ہمارے باہمی معاملات ٹھیک کر دے۔''

شیعوں کی نظر میں سب سے صحیح کتاب کا یہ اعتراف ہے کہ صحابہ کو برا بھلا کہنا اور ان کی تکفیر کرنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا طریقہ نہیں تھا۔ [2]

حسن رضی اللہ عنہ ان واقعات کے معاصر تھے، اہل شام کے متعلق اپنے والد کے موقف کو دیکھا اور سنا تھا، اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ درست نظریہ اتحادِ امت کے لیے صلح کے منصوبہ کا خاکہ تیار کرنے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا معاون رہا، اور مذکورہ منصوبہ اللہ کے فضل پھر مقاصدِ اسلام کی ان کی گہری سمجھ اور مصالح و مفاسد کی دقیق معرفت کے بدولت پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

۳۔ جنگ صفین میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا قتل اور مسلمانوں پر اس کا اثر:

عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ''تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِیَةُ'' [3] (تمھیں باغی گروہ قتل کرے گا) صحیح اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جنگ صفین میں عمار رضی اللہ عنہ کا قتل کافی مؤثر رہا، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سردار تھے، جہاں آپ جاتے تو وہ آپ کے پیچھے ہوتے، خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں

---

[1] نہج البلاغۃ ص ۳۲۳

[2] أصول مذھب الشیعۃ ۲/ ۹۳۴

[3] صحیح مسلم رقم ۲۹۱۶

حاضر ہوئے تھے، لیکن لڑائی میں شریک نہیں تھے، جب عمار رضی اللہ عنہ کو قتل ہوتے دیکھا تو تلوار بے نیام کرلی اور اہل شام سے لڑنے لگے اس لیے کہ انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث رسول ﷺ "تَـقْتُـلُكَ الْـفِـئَةُ الْبَاغِيَةُ" سنی تھی اور لڑتے رہے تا آنکہ قتل کردیے گئے۔ ❶

عمار رضی اللہ عنہ کے قتل کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فوجی قائدین جیسے عمرو بن عاص، ان کے بیٹے عبداللہ، ابوالاعور سلمی رضی اللہ عنہم (جو پانی کے راستے پر تھے اور لوگوں کی سیرابی کا انتظام کررہے تھے اور یہ تنہا چشمہ تھا جس سے دونوں فریق سیراب ہورہے تھے) پر کافی اثر رہا، چنانچہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے قتل کے بارے میں ان کی گفتگو اس طرح ہوئی:

> ''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اپنے والد سے کہا: ہم نے اس آدمی کو قتل کردیا ہے جب کہ ان کے بارے میں قول رسول ہے: "تَـقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" اس کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم نے اس آدمی کو قتل کردیا جب کہ ان کے بارے میں مذکورہ قول رسول ہے۔ جواباً معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: چپ رہو، تم میں رائے کی پختگی نہیں ہے، کیا ہم نے انھیں قتل کیا ہے؟ انھیں تو ان کے لانے والے نے قتل کیا ہے۔ ❷ اہل شام کے مابین معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل پھونس میں آگ کی طرح پھیل گئی۔''

ایک دوسری صحیح روایت میں وارد ہے کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا: عمار (رضی اللہ عنہ) قتل کردیے گئے، جب کہ ان کے بارے میں قولِ رسول ہے: "تَـقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" چنانچہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گھبرائے، إنـا لله و إنا إليه راجعون پڑھتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا: عمار (رضی اللہ عنہ) قتل کردیے گئے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو کیا ہوا؟ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: "تَـقْتُـلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں رائے کی پختگی نہیں ہے، کیا ہم نے انھیں قتل کیا ہے؟ انھیں علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نے قتل کیا ہے، انھیں لے کر آئے اور ہمارے نیزوں یا دوسرے قول کے مطابق تلواروں کے درمیان ڈال دیا۔ ❸

ایک دوسری صحیح روایت میں ہے: عمار رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں دو آدمی جھگڑا کرتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، دونوں میں سے ہر ایک کہتا تھا: انھیں میں نے قتل کیا ہے، اس پر عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے

---

❶ خلافة علي ص ٢١١، مجمع الزوائد ٧٢٤٢

❷ مصنف عبدالرزاق ١١/ ٢٤٠، اس کی سند صحیح ہے۔

❸ مصنف عبدالرزاق ١١/ ٢٤٠ بسند صحيح

کہا: ان کے بارے میں تم میں سے ایک دوسرے سے راضی ہو جائے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: "تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے ساتھ تمھارا کیا معاملہ ہوگا؟ جواب دیا: میرے والد نے رسول اللہ ﷺ سے میری شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم زندگی بھر اپنے والد کی اطاعت کرو، اسی لیے میں آپ لوگوں کے ساتھ ہوں، جنگ نہیں کروں گا۔ ❶

سابقہ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ فقیہ صحابی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حق بات اور خیر خواہی کے حریص تھے، ان کا خیال تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج باغی گروہ ہے، مختلف موقعوں پر آپ نے اس خیال کا اظہار کیا، بلاشبہ اس حدیث کے باعث عمار رضی اللہ عنہ کا قتل اہل شام میں کافی اثر انداز ہوا مگر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کی نامناسب تاویل کردی، یہ بات درست نہیں ہے کہ جو لوگ عمار رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں لائے تھے وہی ان کے قاتل ہیں۔ ❷

علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاویل کا الزامی جواب دیتے ہوئے کہا: اس طرح تو رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں، اس لیے کہ آپ ہی ان کو جنگ احد میں لے گئے تھے، یہ علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایسا الزامی جواب اور دلیل ہے جس پر کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ❸

عمار رضی اللہ عنہ کا قتل عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر بھی اثر انداز ہوا، بلکہ اسی بنا پر وہ جنگ ختم کرانے کی کوشش کرنے لگے، ❹ اور کہا: کاش میں بیس سال پہلے مر گیا ہوتا۔ ❺

صحیح بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں، نبی کریم ﷺ نے انھیں دیکھا تو ان کی دھول جھاڑنے لگے اور کہا:

((وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوْهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَهُ إِلَى النَّارِ، قَالَ عَمَّارٌ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ.)) ❻

''عمار رضی اللہ عنہ پر افسوس ہے انھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا، وہ انھیں جنت کی جانب بلائیں گے، اور وہ سب انھیں جہنم کی جانب بلائیں گے، عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: میں فتنوں سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔''

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا قول ہے: رسول اللہ ﷺ کا یہ قول تَقْتُلُ عَمَّارًا الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ بہ تواتر ثابت

---

❶ مسند أحمد ١١/ ١٣٨، ١٣٩

❷ خلافة علي بن أبي طالب، عبدالحميد علي ص ٣٢٥

❸ التذكرة ٢/ ٢٢٣

❹ معاوية بن أبي سفيان، الغضبان ص ٢١٥

❺ أسباب الأشراف ١/ ١٧٠، عمرو بن العاص، الغضبان ص ٦٠٣

❻ صحيح البخاري رقم ٤٤٧

ہے، یہ مستقبل کی خبر اور آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے اور یہ صحیح ترین حدیثوں میں سے ہے۔ ❶

حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ذہبی کہتے ہیں: اس سلسلے کی حدیث متعدد صحابیوں سے مروی ہے اس لیے وہ متواتر ہے۔ ❷

۴۔علما کے نزدیک عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث رسول "تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" ❸ کا مفہوم:

ا: ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے: یہ حدیث نبوت کی دلیل، علی و عمار رضی اللہ عنہما کی واضح فضیلت اور ان نواصب کی تردید پر مشتمل ہے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ جنگوں میں علی رضی اللہ عنہ حق پر نہیں تھے۔ ❹ نیز انھی کا قول ہے: تَقْتُلُ عَمَّارًا نِ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ والی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق پر تھے اس لیے کہ اصحاب معاویہ نے انھیں قتل کیا۔ ❺

ب: امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے: صفین کے دن وہ جہاں جاتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے پیچھے ہوتے اس لیے کہ اس حدیث کے باعث انھیں علم تھا کہ وہ صحیح گروہ کے ساتھ ہوں گے۔ ❻

ت: ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ہے: علی و اصحاب علی رضی اللہ عنہم اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں حق سے زیادہ قریب تھے، اصحاب معاویہ باغی گروہ تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت ہے کہتے ہیں کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: "تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" باغی گروہ تمھیں قتل کرے گا۔ ❼ نیز انھی کا قول ہے: امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے ہوئے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اہل شام نے قتل کر دیا اسی سے قولِ رسول "تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" کا راز کھلا، اور یہ بات واضح ہوگئی کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ بغاوت کرنے والے تھے، نیز نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بھی واضح ہوگئی۔ ❽

ث: امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول ہے: وہ مومنوں کا ایک گروہ ہے جس نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی، جیسا کہ عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں قولِ رسول "تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" اس بات پر صراحت سے دلالت کرتا ہے۔ ❾

---

❶ الإستيعاب ٣/ ١١٤٠
❷ سير أعلام النبلاء ١/ ٤٢١
❸ صحيح مسلم رقم ٥٩١٦
❹ فتح الباري ١/ ٦٤٦
❺ فتح الباري ١٣/ ٩٢
❻ تهذيب الأسماء و اللغات ٢/ ٣٨
❼ البداية والنهاية ٦/ ٢٢٠
❽ البداية والنهاية ٧/ ٢٧٧
❾ سير أعلام النبلاء ٨/ ٢٠٩

ج: قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ اس آیت ﴿وَ إِنْ طَائِفَتَانِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ آیت مسلمانوں سے جنگ کرنے اور تاویل کرنے والوں سے لڑنے میں اصل و بنیاد ہے اسی پر صحابہ کرام کا اعتماد تھا، اس امت کے اعیان نے اسی کا سہارا لیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے قول: "تَقْتُلُ عَمَّارًا الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" میں اسی آیت کو مراد لیا ہے۔ ❶

ح: ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: یہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صحت اور آپ کی اطاعت کے وجوب کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی اطاعت کی دعوت دینے والا جنت کی دعوت دینے والا ہے اور آپ سے جنگ کی دعوت دینے والا اگرچہ تاویل کرنے والا ہو جہنم کی دعوت دینے والا ہے، وہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ جائز نہ تھی، اس بنا پر تاویل کرتے ہوئے ان سے جنگ کرنے والا حق پر نہیں تھا، اور بلا تاویل جنگ کرنے والا باغی تھا، اس لیے ہمارے نزدیک صحیح ترین بات یہی ہے کہ جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی وہ حق پر نہیں تھے، یہی ہمارے ائمہ کا مذہب ہے، اور ان فقہاء کا مذہب ہے جنھوں نے اس کی بناء پر تاویل کرنے والے باغیوں سے لڑنے کو جائز قرار دیا ہے۔ ❷

نیز انھی کا قول ہے: یہ جانتے ہوئے کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے، اور یہ کہ حدیث کے مطابق عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ نے قتل کیا ہے، ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم منجانب اللہ آنے والی تمام باتوں پر ایمان رکھیں، پورے پورے حق کا اقرار کریں، ہماری خواہش نفس کا کوئی دخل نہ ہو، بغیر علم کے ہم بات نہ کریں، بلکہ علم و عدل کا راستہ اپنائیں یہی اتباع کتاب و سنت ہے۔ بعض حق کو تھام لینا اور بعض کو چھوڑ دینا ہی اختلاف و انتشار کی جڑ ہے۔ ❸

خ: عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ حدیث عمار "تَقْتُلُ عَمَّارًا الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" کے بارے میں کہتے ہیں: انھیں معاویہ و اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہم نے جنگ صفین میں قتل کر دیا اس لیے وہ لوگ باغی ہیں، لیکن مجتہد ہیں، ان کا خیال تھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مطالبے میں حق پر ہیں۔ ❹

د: سعید حوی کا قول ہے: عمار رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں نصوص صراحت سے وارد ہیں کہ انھیں باغی گروہ قتل کرے گا، ان کے قتل کے بعد باغیوں کو پتہ چل گیا کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرنا واجب تھا، اسی لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پیچھے رہ جانے پر افسوس کا اظہار کیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ باغیوں کے خلاف خلیفہ برحق کی مدد نہ کر سکے۔ یہی فقہاء کا فتویٰ ہے۔ ❺ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پختہ یقین تھا کہ ان

---

❶ أحكام القرآن ٤/ ١٧١٧
❷ مجموع الفتاوى ٤/ ٤٣٧
❸ مجموع الفتاوى ٤/ ٤٤٩، ٤٥٠
❹ فتاوى و مقالات متنوعة ٦/ ٨٧
❺ الأساس في السنة ٤/ ١٧١٠

کے والد حق پر تھے۔

۵۔ان جنگوں سے متعلق حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا موقف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین برپا ہونے والی جنگوں سے متعلق اہل سنت والجماعت کا جو موقف ہے وہی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا موقف تھا، وہ یہ کہ قابلِ ذکر باتوں کو چھوڑ کر ان کے درمیان رونما ہونے والے اختلاف پر خاموشی برتی جائے، اس لیے کہ اس سلسلے میں زیادہ کریدکرنا ایک فریق کی دشمنی، کینہ اور بغض کو جنم دے گا، ان کی رائے ہے کہ ہر مسلمان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرے ان کے حق میں رضـی الـلـه عنهم کہے، ان کے لیے دعائے رحمت کرے، ان کے فضائل کا پاس ولحاظ رکھے، ان کے کارناموں کا اعتراف کرے، جو کچھ ان کے مابین رونما ہوا اجتہاد کی بنیاد پر ہوا، صحیح اور غلط دونوں صورتوں میں ثواب کے مستحق ہیں، فرق اتنا ہے کہ صحیح اجتہاد والے کا ثواب غلط اجتہاد والے کے ثواب سے دوگنا ہوگا، قاتل ومقتول دونوں طرح کے صحابہ کرام جنت میں ہوں گے، اہل سنت والجماعت نے ان کے اختلافات کی گہرائی میں جانے سے روکا ہے۔ [1]

قبل اس کے کہ اس سلسلے میں اہل سنت کے اقوال ذکر کروں بعض ان نصوص کا ذکر کر رہا ہوں جن میں صحابہ کے اوصاف اور ان کے مابین برپا ہونی والی جنگوں کی جانب اشارہ ہے:

۱: فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ ﴾ (الحجرات: ۹)

''اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے، لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ جب مسلمان آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین میل ملاپ کرایا جائے اس لیے کہ وہ سب بھائی بھائی ہیں، اس طرح کی لڑائی انھیں دائرۂ ایمان سے خارج نہیں کرتی، اور جب عام مسلمانوں کے مابین لڑائی انھیں ایمان سے خارج نہیں کرتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بعد کی آیت ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ﴾ میں انھیں ایمان کے وصف سے متصف کرتے ہوئے

[1] عقيدة أهل السنة في الصحابة ۲/ ۷۲۷

"اَلْمُـؤْمِنُوْنَ" کہا ہے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو جنگ جمل وغیرہ میں لڑ پڑے تھے اس ایمان کے وصف کے زیادہ مستحق ہیں جس کا اس آیت میں تذکرہ کیا گیا ہے، اس لیے وہ اپنے رب کے نزدیک حقیقی مومن رہیں گے، اور اجتہادی غلطی کی بناء پر ان کے مابین رونما ہونے والی لڑائی ان کے ایمان کو کسی حال میں ختم نہیں کرسکتی۔ ❶

ب: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عِنْدَ فِرْقَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ تَقْتُلُهُمْ أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ .)) ❷

"مسلمانوں کے ایک فریق میں سے ایک گروہ خروج کرے گا انھیں حق کا زیادہ مستحق فریق قتل کرے گا۔"

حدیث میں جس اختلاف کی جانب اشارہ کیا گیا ہے وہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کا باہمی اختلاف ہے، دونوں فریقوں کو مسلمان کہا گیا ہے، اور دونوں کا تعلق حق سے جوڑا گیا ہے، یہ حدیث نبوت کی ایک دلیل ہے اس لیے کہ خبر نبوی کے مطابق ہی واقعہ پیش آیا، اس میں اہل شام و اہل عراق دونوں فریقوں کو مسلمان کہا گیا ہے، اس سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اصحاب علی رضی اللہ عنہم حق سے زیادہ قریب ہیں، یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بھی خیال تھا کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے، انھیں اپنے اجتہاد کا اجر ان شاء اللہ ملے گا، لیکن علی خلیفۂ برحق تھے انھیں دوہرا اجر ملے گا جیسا کہ صحیح بخاری میں وارد ہے:

((إِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَ إِذَا اجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ .)) ❸

"جب حاکم وقت اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست نکلے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا، اور جب اس کا اجتہاد درست نہ ثابت ہو تو اس کو ایک اجر ملے گا۔"

ج: ((عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ جَاءَ الْحَسَنُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِبْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ، وَ لَعَلَّ اللّٰهُ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔)) ❹

"ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطاب کر رہے تھے اسی دوران میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما پہنچ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا یہ لاڈلا سردار ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح کرائے گا۔"

❶ العواصم من القواصم ص ۱۶۹، ۱۷۰، احکام القرآن (٤/ ۱۷۱۷)
❷ صحیح مسلم ۱/ ۷٤٥
❸ صحیح البخاری مع فتح الباری ۱۳/ ۳۱۸
❹ صحیح البخاری کتاب الفتن ۷۱۰۹

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی جانب سے اہلِ عراق و اہل شام دونوں گروہوں کے اسلام کی شہادت موجود ہے، اس میں علی واصحاب علی رضی اللہ عنہم اور معاویہ واصحابِ معاویہ رضی اللہ عنہم کو کافر قرار دینے والے خوارج کی واضح تردید ہے، اس لیے کہ اس میں سب کے مسلمان ہونے کی شہادت ہے۔ اسی لیے سفیان بن عیینہ کہا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا قول: "فِـئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" ہمیں بہت اچھا لگتا ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں: انھیں اس لیے اچھا لگتا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے سب کو مسلمان کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ذریعہ سے اس طرح سچ ثابت ہوئی کہ آپ نے خلافت سے دستبردار ہو کر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔ [1]

مذکورہ حدیثوں میں اہل عراق (جو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے) اور اہلِ شام (جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے) کی جانب اشارہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سب کو اپنا امتی بتایا ہے، [2] سب کا تعلق حق سے جوڑا ہے، سب کے ایمان کی شہادت دی ہے، ان کے مابین برپا ہونے والی جنگ کے باعث وہ دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہوئے، سب کے سب اس فرمانِ الٰہی کے عموم میں داخل ہیں:

﴿ وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ﴾ (الحجرات: ۹)

''اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین میل ملاپ کرا دو۔''

ہم بیان کر چکے ہیں کہ آیت کا مفہوم ان سب کو شامل ہے اس لیے جنگ کے باعث نہ تو وہ کافر ہوئے اور نہ فاسق، بلکہ وہ تاویل کرنے والے مجتہد تھے، اس جنگ سے متعلق علی رضی اللہ عنہ کا حکم بھی گزر چکا ہے، اس لیے ہر مسلمان اور اہل بیت کی محبت کا دم بھرنے والے پر واجب ہے کہ صحابہ کرام کے مابین رونما ہونے والی جنگوں کے بارے میں وہی عقیدہ رکھے جو اہل سنت والجماعت کا ہے جن کے ائمہ میں سے امیر المومنین علی اور آپ کے دونوں صاحبزادے حسن وحسین رضی اللہ عنہم ہیں، اور وہ عقیدہ یہ ہے کہ ان کے مابین جو کچھ ہوا اس پر خاموشی برتی جائے، اور قابلِ ذکر باتوں کو چھوڑ کر دوسری باتوں کو نہ کریدا جائے۔

۶۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جنگ نہروان نے خوارج کو بہت گہرا زخم پہنچایا، جیسے جیسے ایام گزرتے گئے ان کی تکلیف اور افسوس بڑھتا گیا، چنانچہ ان کی ایک جماعت نے علی رضی اللہ عنہ کو اچانک قتل کر دینے کی سازش کی تاکہ نہروان میں اپنے مقتول بھائیوں کا بدلہ لے لیں، چنانچہ عبدالرحمن بن ملجم دھوکے سے امیر المومنین کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا، محمد بن

[1] الاعتقاد للبیہقی ص ۱۹۸، فتح الباری ۱۳/ ٦٦

[2] صحیح مسلم ۲/ ۷٤٦

حنفیہ امیر المومنین کے قتل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جس رات علی رضی اللہ عنہ زخمی کیے گئے، میں اللہ کی قسم اس رات مسجد اعظم میں نماز پڑھ رہا تھا، جس میں شہر کے بہت سارے لوگ محراب سے قریب نماز پڑھ رہے تھے، کوئی قیام میں ہے، کوئی رکوع کوئی سجدے میں، شروع رات سے آخر تک پڑھتے ہوئے تھک نہیں رہے تھے، ایسے میں علی رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے لیے نکلے، آپ لوگوں کو نماز کی جانب بلانے کے لیے "اَلصَّلَاۃ ، اَلصَّلاۃ" کہنے لگے، مجھے نہیں معلوم کہ آپ محراب سے نکل کر یہ کلمات کہے یا وہاں سے نہیں نکلے، اتنے میں میں نے ایک چمک دیکھی، اور "اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ یَا عَلِیُّ لَا لَکَ وَ لَا لِأَصْحَابِکَ" (اے علی! حکم اللہ کے لیے ہے نہ کہ تمھارا اور تمھارے اصحاب کا) کے کلمات سنے، پھر ایک تلوار دیکھی بعدہٗ دوسری تلوار دیکھی، پھر میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: دیکھو کمبخت بھاگنے نہ پائے، لوگ نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا، میں وہاں رہا تا آنکہ عبدالرحمٰن بن ملجم کو پکڑ کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے جایا گیا، میں لوگوں کے ساتھ آپ کے پاس گیا تو علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: جان کے بدلے جان، اگر میں مر گیا تو اسے قتل کر دینا جیسا کہ اس نے مجھے قتل کیا ہے، اور اگر بچ گیا تو میں اس کے بارے میں غور کروں گا۔'' ❶

تاریخ میں آتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کی وجہ سے لوگ گھبرائے ہوئے حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، لوگ آپ کے پاس تھے، اور مشکیں بندھا ابن ملجم بھی آپ کے سامنے تھا اتنے میں ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما نے روتے ہوئے آواز دی: اے اللہ کے دشمن میرے والد کا کچھ بگڑنے والا نہیں، اللہ تعالیٰ تمہی کو رسوا کرنے والا ہے، اس پر اس نے کہا: ''تو کس کا رونا رو رہی ہے؟ اللہ کی قسم میں نے اسے ایک ہزار میں خریدا ہے، ایک ہزار میں زہر آلود کیا ہے، اگر یہ وار شہر کے تمام لوگوں پر پڑا ہوتا تو کوئی بھی نہ بچتا۔'' ❷

علی رضی اللہ عنہ کے لیے تمام اطباء اکٹھے کیے گئے، ان میں سب سے ماہر طبیب اثیر بن عمر سکونی تھے، جو کسریٰ کے طبیب تھے، چنانچہ اثیر نے بکری کا گرم پھیپھڑا لیا، اس کا عرق نکالا، علی رضی اللہ عنہ کے زخم میں اسے داخل کیا، پھر اسے نکالا تو اس پر بھیجے کی سفیدی تھی، یہ علامت تھی کہ زخم دماغ تک پہنچ گیا ہے تو اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں آپ کی دیکھ ریکھ کروں گا، لیکن آپ موت سے نہیں بچ پائیں گے۔ ❸

❶ تاریخ الطبری ٦/ ٦٢

❷ تاریخ الطبری ٦/ ٦٢

❸ الاستیعاب ٣/ ١١٢٨

کہا جاتا ہے کہ جندب بن عبداللہ نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر پوچھا: اے امیر المومنین اگر آپ وفات پا جاتے ہیں- اللہ کرے کہ آپ وفات نہ پائیں- تو کیا ہم حسن رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کر لیں؟ تو آپ نے فرمایا: نہ میں حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں، تم لوگ صاحب بصیرت ہو۔ ❶ اس اثر سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خلیفہ کے انتخاب میں امت کو حق حاصل ہے، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اس کے قائل تھے۔

۷۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو وصیت:

امیر المومنین نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر کہا: میں تم دونوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، دنیا اگر چہ تمھیں چاہے تم دنیا کو نہ چاہو، کسی چیز کی محرومی پر مت رونا، حق بات کہو، یتیموں پر رحم کرو، پریشان حال کی مدد کرو، آخرت کی تیاری کرو، ظالم سے لڑنے والے مظلوم کی مدد کرنے والے بنو، کتاب اللہ کی پیروی کرو، اللہ کی راہ میں کسی کی ملامت کی پروا مت کرو، پھر محمد بن حنفیہ کو دیکھ کر پوچھا: تمھارے دونوں بھائیوں کو جو میں نے وصیت کی ہے کیا تو نے اسے محفوظ کر لیا ہے؟ ❷ انھوں نے کہا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: وہی وصیت تمھیں بھی کرتا ہوں، اور تمھیں اس کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کا احترام کرنا اس لیے کہ ان کا تم پر بڑا حق ہے، ان دونوں کی بات ماننا، ان کے بغیر کسی معاملے میں قطعی فیصلہ نہ کرنا، پھر فرمایا: میں تم دونوں کو ان کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، وہ تمھارے علاتی بھائی ہیں، تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے والد ان سے محبت کرتے ہیں۔

حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے لاڈلے میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، وقت پر نماز ادا کرو، فرض ہونے پر زکوٰۃ ادا کرو، اچھی طرح وضو کرو اس لیے کہ بغیر وضو نماز نہیں ہوتی اور مانع زکوٰۃ کی نماز قبول نہیں ہوتی، تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ غلطیوں کو معاف کر دو، غصہ کو پی جاؤ، صلہ رحمی کرو، جہالت پر بردباری سے کام لو، دین میں تفقہ حاصل کرو، معاملے کی چھان بین کیا کرو، قرآن کی حفاظت کرو، پڑوسی سے اچھا سلوک کرو، بھلی بات کا حکم دو، بری بات سے روکو، فحش کاموں سے بچو۔ ❸

آپ نے وفات کے وقت درج ذیل وصیت کی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ علی بن ابی طالب کی وصیت ہے، انھوں نے اس بات کی وصیت کی کہ وہ شہادت دیتے ہیں کہ معبود برحق صرف اللہ کی ذات ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، انھیں ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ مشرکوں کے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے تمام دینوں پر

❶ تاریخ الطبری ٦/ ٦٢ ❷ تاریخ الطبری ٦/ ٦٣

❸ تاریخ الطبری ٦/ ٦٣

غالب کرے، میری نماز، میری ساری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے، میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

پھر اے حسن میں تمھیں اور اپنے تمام اہل وعیال کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، تمھیں موت آئے تو بحالتِ اسلام آئے، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، اختلاف نہ کرو، میں نے ابوالقاسم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((إِنَّ صَلَاحَ ذَاتِ الْبَيْنِ أَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ .))

''افضل باہمی تعلقات کو ٹھیک رکھنا عام نماز اور روزے سے افضل ہے۔''

صلہ رحمی کرو، اللہ تعالیٰ تمھارا محاسبہ آسان کرے گا، یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، ان کا منہ بند مت کرو، تمھاری موجودگی میں وہ ضائع نہ ہونے پائیں، اپنے پڑوسیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، ان کے بارے میں تمھارے نبی وصیت کرتے رہے تا آنکہ ہم سوچنے لگے کہ عنقریب آپ انھیں وارث بنا دیں گے، قرآن کریم کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اس پر عمل کرنے میں کوئی دوسرا تم پر سبقت نہ لے جائے، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ وہ دین کا ستون ہے، خانہ کعبہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اپنی زندگی بھر اسے مت چھوڑنا، گر اسے چھوڑ دیا گیا تو اس کی دیکھ ریکھ نہ ہوگی، جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، زکوۃ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ زکوۃ اللہ کے غصہ کو ختم کر دیتی ہے، اپنے نبی کے ذمیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، تمھارے درمیان ان پر ظلم نہ ہونے پائے، صحابہ کرام کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تعالیٰ نے خود ان کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے، فقراء و مساکین کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے کھانے پینے میں انھیں شریک کرو، اپنے غلام و لونڈیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، نماز کی حفاظت کرنا، نماز کی حفاظت کرنا، اللہ کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت سے مت ڈرنا، جو تم پر حملہ کرے گا اور تمھارے خلاف بغاوت کرے گا اللہ تعالیٰ تمھیں ان سے بچائے گا، فرمانِ الٰہی کے مطابق اچھی بات کہو، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک مت کرنا کہ برے لوگ ذمہ دار بنا دیے جائیں، پھر تمھاری دعائیں قبول نہ ہوں، باہمی تعلقات باقی رکھنا، ایک دوسرے پر خرچ کرنا، اختلاف، قطع تعلقات اور دوسروں کے پیچھے پڑنے سے بچنا، بھلائی و تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرنا، برائی و ظلم پر مدد نہ کرنا، اللہ سے ڈرتے رہنا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے، اللہ تمھاری حفاظت کرے، میں تمھیں اللہ کے حوالے کر رہا

ہوں، اور السلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ کہہ رہا ہوں۔"

پھر کلمہ لا إله إلا اللّٰه کے علاوہ کچھ زبان سے نہ کہہ سکے تا آنکہ آپ کی روح پرواز کر گئی۔ ❶

ایک دوسری روایت میں ہے:

"اے میرے لاڈلے! میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ غائب و حاضر میں اللہ سے ڈرتے رہو، خوشی اور ناراضی دونوں صورتوں میں حق بات کہو، مالداری اور محتاجی میں میانہ روی اختیار کرو، دوست دشمن کے ساتھ انصاف سے کام لو، نشاط و سستی میں کام کرتے رہو، تنگی اور کشادگی ہر حال میں اللہ سے راضی رہو۔

اے میرے لاڈلے جس پریشانی کے بعد جنت ہو وہ پریشانی نہیں، جس آسانی کے بعد جہنم ہو وہ آسانی نہیں، جنت کو چھوڑ کر ہر نعمت کمتر ہے، اور جہنم کو چھوڑ کر ہر پریشانی عافیت جیسی ہے۔

اے میرے لاڈلے جس نے اپنے ذاتی عیوب کو دیکھا اسے دوسروں کے عیوب کو دیکھنے کی فرصت نہیں ملی، جو اللہ کی تقسیم پر راضی رہا اسے کسی چیز کے فوت ہو جانے پر افسوس نہیں ہوا، جو بغاوت کی تلوار بے نیام کرتا ہے اسی سے وہ قتل کر دیا جاتا ہے، جو اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے خود اس میں گر جاتا ہے، جو اپنے بھائی کو ننگا کرتا ہے وہ خود لوگوں کے سامنے ننگا ہو جاتا ہے، جو اپنی غلطی کو بھلا دیتا ہے دوسرے کی غلطی کو عظیم سمجھتا ہے، جو خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے گمراہ ہو جاتا ہے، جو صرف اپنی عقل سے کام لیتا ہے لغزش کھا جاتا ہے، جو تکبر کرنے لگتا ہے رسوا ہو جاتا ہے، جو نااہل لوگوں کے ساتھ رہنے لگتا ہے ذلیل ہو جاتا ہے، جو برائی کی جگہوں میں جاتا ہے متہم ہو جاتا ہے، جو علما کی ہم نشینی اختیار کرتا ہے اس کی عزت کی جاتی ہے، جو بکثرت ہنسی مذاق کرتا ہے لوگوں کی نگاہوں میں وہ بے وزن ہو جاتا ہے، جو کسی چیز کو بکثرت انجام دیتا ہے اسی سے مشہور ہو جاتا ہے، جس کی باتیں زیادہ ہوں گی اس کی غلطیاں زیادہ ہوں گی، جس کی غلطیاں زیادہ ہوں گی اس کی حیا کم ہو جائے گی، جس کی حیا کم ہو جائے گی اس کا خوفِ الٰہی کم ہو جائے گا، جس کا خوف الٰہی کم ہو جائے گا اس کا دل مردہ ہو جائے گا، جس کا دل مردہ ہو جائے گا جہنم میں داخل ہوگا۔

اے میرے لاڈلے! حُسنِ ادب بہترین ورثہ ہے، حسنِ اخلاق بہترین ساتھی ہے، اے میرے لاڈلے! عافیت کے دس حصے ہیں، نو حصے ذکر الٰہی کو چھوڑ کر بقیہ باتوں کی خاموشی میں ہے، ایک حصہ بے وقوفوں سے کنارہ کشی میں ہے، اے میرے لاڈلے! غریبی کی زینت صبر ہے، مالداری کی

❶ تاريخ الطبرى ٦/ ٦٤

زینت شکر ہے۔

اے میرے لاڈلے! اسلام سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں، تقویٰ سے بڑھ کر کوئی عزت نہیں، خوفِ الٰہی سے بڑھ کر کوئی محفوظ پناہ گاہ نہیں، توبہ سے بڑھ کر کوئی کامیاب سفارشی نہیں، عافیت سے بڑھ کر کوئی خوبصورت لباس نہیں، لالچ پریشانی کی کنجی ہے، عمل سے پہلے تدبیر آپ کو ندامت سے بچائے گی، لوگوں پر ظلم آخرت کا نہایت برا زادِ سفر ہے، خوش خبری ان کے لیے ہے جن کا علم و عمل، محبت و دشمنی، کسی چیز کو اختیار کرنا و چھوڑنا اور گفتگو و خاموشی اور قول و عمل سب خالصتاً اللہ کے لیے ہو۔'' [1]

۸۔امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا اپنے قاتل کا مثلہ کرنے سے روکنا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اس حملہ آور شخص کو جیل میں ڈال دو، اگر میں مرگیا تو اسے قتل کر دینا اور اگر زندہ رہا تو زخموں کے بدلے متعین ہیں۔'' [2]

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اسے کھلاؤ پلاؤ، اچھی طرح قید میں رکھو، اگر میں ٹھیک ہوگیا تو میں اپنا ولی دم ہوں، چاہوں گا تو معاف کر دوں گا اور اگر چاہوں گا تو بدلہ لوں گا۔'' [3]

ایک دوسری روایت میں آپ کے اس قول کی زیادتی ہے:

''اگر میں مرگیا تو میرے قتل کی طرح اسے قتل کر دینا، زیادتی نہ کرنا، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' [4]

علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو مثلہ کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

''اے بنوعبدالمطلب میں تمھیں مسلمانوں کے خون سے کھلواڑ کرتے اور یہ کہتے نہ پاؤں کہ امیر المومنین قتل کر دیے گئے، امیر المومنین قتل کر دیے گئے. خبردار (قاتل کے علاوہ) کوئی قتل نہ کیا جائے، اے حسن خیال رکھنا جس نے تلوار سے یہ حملہ کیا ہے اس کے بدلے میں اسے تلوار سے مارنا اور اس کا مثلہ مت کرنا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے:

---

[1] الشهب اللامعة في السياسة النافعة لابن رضوان (٦٣٢، ٦٣٣)

[2] فضائل الصحابة ۲/ ٥٦٠، اس کی سند حسن ہے۔

[3] المحن لابن أبي العرب ص ٩٤. خلافة علي (ص ٤٣٩) عبدالحميد علي

[4] الطبقات ٣/ ٣٥

((إِيَّاكُمْ وَالْمُثْلَةَ وَ لَوْ أَنَّهَا بِالْكَلْبِ الْعَقُوْرِ .)) ❶

''تم مثلہ کرنے سے بچو چاہے کاٹ کھانے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔''

قاتل کے معاملے میں امیر المومنین کی وصیت سے متعلق صحیح وضعیف مختلف روایتیں آئی ہیں، چنانچہ وہ روایت جس میں علی رضی اللہ عنہ نے کمبخت کو قتل کرنے کے بعد جلا دینے کا حکم دیا ہے اس کی سند ضعیف ہے، بقیہ دوسری روایتوں میں صرف علی رضی اللہ عنہ کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ وفات پاجاتے ہیں تو اسے قتل کردیا جائے، اس کے علاوہ دوسری باتوں سے آپ نے روکا ہے، یہ روایتیں ایک دوسری کی مؤید ہیں اور لائقِ استدلال ہیں۔امیر المومنین نے اسے مرتد قرار دے کر اس کے قتل کا حکم نہیں دیا بلکہ اس بنا پر جب بعض مسلمانوں نے اسے قتل کرنا چاہا تو آپ نے انھیں روکا اور کہا: اس شخص کو قتل نہ کرو، اگر میں ٹھیک ہوگیا تو زخموں کے بدلے متعین ہیں، اور اگر وفات پا گیا تو اسے قتل کردینا۔ ❷

مشہور تاریخی روایت میں ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ وفات پا گئے، حسن رضی اللہ عنہ نے ابن ملجم کو بلا بھیجا، تو اس نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ ایک بات پسند کریں گے؟ اللہ کی قسم میں نے اللہ سے جو بھی عہد کیا پورا کیا ہے، میں نے حطیم کعبہ کے پاس اللہ سے عہد کیا تھا کہ میں علی اور معاویہ کو قتل کروں گا یا اسی راہ میں مر جاؤں گا، اس لیے اگر آپ چاہیں تو مجھے اور ان کو چھوڑ دیں، میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر میں انھیں قتل نہ کر سکا یا قتل کر کے بچ گیا تو دونوں صورتوں میں آپ کے پاس آکر اپنے آپ کو آپ کے حوالے کردوں گا، اس سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا آگ دیکھ کر کہہ رہے ہو، ایسا نہیں ہوگا، پھر اس کو سامنے کیا اور قتل کردیا، ❸ پھر لوگ اسے لے گئے اور آگ سے جلا دیا، لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ ❹

صحیح روایت کے مطابق جو حسن، حسین اور ابنائے آل بیت رضی اللہ عنہم کے شایان شان ہے وہ یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم سے متعلق امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل کیا۔اس سے شرعی قصاص کے نفاذ اور مثلہ سے منع کرنے کے بارے میں اسلامی اخلاق کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ جب آپ کی تدفین ہوگئی تو ابن ملجم کو لائے، لوگ اکٹھے ہوئے، پٹرول اور چٹائیاں لے کر آئے، محمد بن حنفیہ، حسین اور عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہم نے کہا: ہمیں اس سے اپنا دل ٹھنڈا کرنے دیں، چنانچہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ پاؤں کو کاٹ دیے، اس پر اس نے نہ تو گریہ وزاری کی اور نہ ہی کچھ کہا، پھر اس کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی اس پر بھی گریہ وزاری نہ کی اور کہنے لگا تم اپنے چچا کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر رہے ہو نیز سورۂ علق کی تلاوت شروع کردی، اور اسے ختم کردیا جب کہ اس کی دونوں

❶ تاریخ الطبری ٦/ ٦٤ ❷ منهاج السنة ٥/ ٢٤٥

❸ تاريخ الطبری ٦/ ٦٤ ❹ خلافة علي بن أبي طالب (ص ٤٤٠) عبدالحميد علی

آنکھیں بہ رہی تھیں، پھر حکم دیا کہ اس کی زبان کاٹ دی جائے تو گریہ وزاری کرنے لگا، اس سلسلے میں اس سے پوچھا گیا تو کہا: یہ گریہ وزاری نہیں ہے، لیکن میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں دنیا میں ہوش وحواس میں رہ کر اللہ کو یاد نہ کرسکوں، چنانچہ اس کی زبان کو کاٹ دیا پھر اسے جلا دیا، اس کا رنگ گندمی، چہرہ خوبصورت، دانتوں کے مابین کشادگی، بال کانوں کی لو تک اور پیشانی پر سجدوں کی نشانی تھی۔ ❶

ابن ملجم شیعوں کے نزدیک آخرت میں سب سے بدبخت انسان ہوگا، ہم اہل سنت کو اس کے جہنمی ہونے کی امید ہے نہ کہ جیسا خوارج کہتے ہیں، اس کا حکم عثمان، زبیر، طلحہ، سعید بن جبیر، عمار، خارجہ اور حسین رضی اللہ عنہم کے قاتلوں جیسا ہے، ان تمام سے ہم براءت کا اظہار کرتے ہیں، اللہ کے واسطے ان سے بغض رکھتے ہیں، ان کے معاملوں کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔ ❷

۹۔ والد کے قتل کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا خطبہ:

عمر بن حُبشی سے مروی ہے کہتے ہیں علی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے کہا: تم سے ایسا آدمی جدا ہوگیا جس پر نہ پہلے کے لوگ علم کے باب میں سبقت لے جاسکے، اور نہ بعد کے لوگ اس کے علمی مقام کو پاسکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں علم جہاد دے کر بھیجتے تو فتحیابی کے بعد لوٹتے تھے، اپنی تنخواہ کے سات سو درہم جسے اپنے اہل خانہ کی خادمہ کے لیے جمع کر رہے تھے، کے علاوہ کوئی سونا، چاندی چھوڑ کر نہیں گئے۔ ❸

۱۰۔ علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر کا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اثر:

جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو رونے لگے، اس پر ان کی اہلیہ نے ان سے کہا: آپ ان پر رو رہے ہیں جب کہ آپ نے ان سے جنگ کی ہے؟ جواباً آپ نے کہا: تم پر افسوس ہے، تمھیں نہیں معلوم کہ لوگوں نے کس صاحب فضل وفقہ اور علم کو کھو دیا ہے۔ ❹

معاویہ رضی اللہ عنہ نو آمدہ مسائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو لکھ کر پوچھتے تھے، جب آپ کو ان کے قتل کی خبر پہنچی تو کہا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے وفات پا جانے سے علم وفقہ کا ایک اچھا خاصا حصہ جاتا رہا، اس پر ان کے بھائی عتبہ نے کہا: آپ کی یہ بات اہل شام نہ سن لیں، تو آپ نے فرمایا: چپ رہو۔ ❺

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ضرار صدائی سے علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرنے کا مطالبہ کیا، انھوں نے کہا: مجھے معاف رکھیں، آپ نے فرمایا: تم ضرور اوصاف بیان کرو، تو کہا کہ جب بیان کرنا ضروری ٹھہرا تو:

---

❶ طبقات ابن سعد ۳/ ۳۹، الأخبار الطوال ص ۲۱۵

❷ تاریخ الإسلام، عهد الخلفاء الراشدين ص ٦٥٤

❸ فضائل الصحابة ۲/ ۷۳۷، اس کی سند صحیح ہے۔

❹ البداية و النهاية ۸/ ۱۳۳

❺ الاستیعاب ۳/ ۱۱۰۸

''اللہ کی قسم آپ دور بیں، مضبوط اعصاب والے تھے، حکیمانہ گفتگو کرتے، عادلانہ فیصلہ کرتے، آپ سے علم وحکمت کے چشمے پھوٹتے، دنیا اور اس کی چمک دمک سے وحشت محسوس کرتے، رات اور اس کی تاریکی سے آپ کو انسیت تھی، کافی آنسو بہانے والے اور دیر تک سوچنے والے تھے، آپ کو کوتاہ لباس اور معمولی کھانا پسند تھا، آپ ہم میں ہماری طرح رہتے، ہمارے سوالوں کا جواب دیتے، ہمارے پوچھنے پر ہمیں بتلاتے، اور ہم اللہ کی قسم ہمارے مابین قربت کے باوجود آپ کی ہیبت کے باعث آپ سے بات نہیں کر پاتے، دین پسندوں کا آپ احترام کرتے، مسکینوں کو اپنے قریب کرتے، قوی شخص کو غلط کام نہ کرنے دیتے، ضعیف آپ کے عدل وانصاف سے مایوس نہ ہوتا، میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ ایک مرتبہ رات کی تاریکی میں میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی داڑھی پکڑے سانپ ڈسے ہوئے شخص کی طرح تڑپ رہے ہیں، غمزدہ شخص کی طرح رو رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں: اے دنیا! تو میرے علاوہ کسی دوسرے کو دھوکہ دے، تو میری جانب بڑھنے والی یا میری مشتاق ہو تو دور ہو جا، میں نے تجھے تین طلاق دے دی ہے، جس میں رجعت نہیں ہے، تیری عمر چھوٹی ہے، تیری اہمیت کم ہے، مجھے زادِ سفر کی کمی، سفر کی دوری اور راستہ کے پُر خطر ہونے پر افسوس ہے۔''

اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا: اللہ تعالیٰ ابوالحسن پر رحم کرے، آپ ایسے ہی تھے، اے ضرار ان کی وفات پر تمھیں کتنا غم ہے؟ کہا: اس عورت کے غم جیسا جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا گیا ہو۔'' [1]

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ کے پاس بیٹھے تھے، میں سلام کر کے بیٹھ گیا، میں بیٹھا ہی تھا کہ علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کو لایا گیا، انھیں ایک گھر میں داخل کیا گیا اور دروازہ بند کر دیا گیا، میں دیکھ رہا تھا، بہت جلد ہی علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے: ربِ کعبہ کی قسم! فیصلہ میرے حق میں ہوا، پھر جلد ہی معاویہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے: ربِ کعبہ کی قسم مجھے بخش دیا گیا۔ [2]

ابن عساکر نے ابوزرعہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا: میں معاویہ سے بغض رکھتا ہوں، تو انھوں نے اس سے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا: اس لیے کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی ہے تو اس پر ابوزرعہ نے کہا: تم پر افسوس ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے رب رحیم ہیں، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے فریقِ مخالف کریم ہیں، پھر ان کے مابین تمھارا کیا دخل ہے۔ [3]

---

[1] الاستیعاب ۳/ ۱۱۰۸ [2] البدایۃ والنہایۃ ۸/ ۱۳۳

[3] البدایۃ والنہایۃ ۸/ ۱۳۳

دوسری فصل

☆ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی بیعت
☆ آپ کے اہم اوصاف
☆ معاشرتی زندگی میں آپ کے بعض کارنامے
☆ آپ کا مصالحت پر مبنی منصوبہ جس کے نتیجے میں امت کا اتحاد برقرار رہا

(۱)

سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت عبدالرحمن بن ملجم خارجی کے ہاتھوں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رمضان ۴۰ھ میں انجام پائی۔ ❶

حسن رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے بعد لوگوں نے منتخب کیا۔ خود امیر المومنین نے اپنے بعد کسی کو متعین نہیں کیا تھا۔ عبداللہ بن سبع سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے: ''یہ (داڑھی) اس (سر کے خون) سے رنگی جائے گی، تو بدبخت میرے بارے میں کس چیز کا انتظار کر رہا ہے، لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین! ہمیں اس کے بارے میں بتائیے ہم اس کے اقرباء کا خاتمہ کر دیں، آپ نے فرمایا: تب تو اللہ کی قسم! تم لوگ میرے بدلے میں میرے قاتل کے علاوہ کو قتل کر دو گے۔ لوگوں نے کہا: آپ اپنا خلیفہ مقرر کر دیں، آپ نے فرمایا: نہیں، میں تمھیں ویسے چھوڑ کر جاؤں گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے، لوگوں نے کہا: ملاقات ہونے پر آپ اپنے رب سے کیا کہیں گے؟ آپ نے فرمایا: میں کہوں گا ((اَللّٰهُمَّ تَرَكْتَنِيْ فِيْهِمْ مَا بَدَا لَكَ ثُمَّ قَبَضْتَنِيْ اِلَيْكَ وَ أَنْتَ فِيْهِمْ فَإِنْ شِئْتَ أَصْلَحْتَهُمْ وَإِنْ شِئْتَ أَفْسَدْتَهُمْ.)) اے اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان کے درمیان چھوڑے رکھا، پھر تو نے مجھے اٹھا لیا جب کہ تو ان کے ساتھ ہے، اگر چاہے تو ان کی اصلاح کر دے، اور اگر چاہے تو ان کو بگاڑ دے۔'' ❷

دوسری روایت میں ہے: میں کہوں گا: اے اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان کا خلیفہ باقی رکھا، پھر تو نے مجھے اٹھا لیا، میں انھیں تیرے حوالے کر کے آ گیا۔ ❸

علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی صلاۃ جنازہ پڑھائی، کوفہ میں آپ کی تدفین ہوئی، سب سے پہلے آپ سے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، آپ سے کہا: اپنا ہاتھ پھیلائیے، میں آپ سے کتاب اللہ و سنت رسول، اور شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنے والوں سے قتال پر بیعت کرتا ہوں، ان سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: بیعت صرف کتاب اللہ وسنت رسول پر ہونی چاہیے، ہر شرط اس میں موجود ہے، چنانچہ انھوں نے بیعت

❶ الطبقات ۳/ ۳۵-۳۸، تحقیق د. احسان عباس

❷ مسند أحمد ۲/ ۳۲۵، حدیث حسن غیرہ ہے۔

❸ كشف الأستار عن زوائد البزار ۳/ ۲۰۴

❶ الإمامة و النص، فيصل نور ص ۸ ❷ اصول الشيعة الإمامية ۲/ ۸۰۰

بعد میں ایسے غلو پسند شیعہ آئے جنھوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے متعلق عبداللہ بن سبا کے نظریہ کو زندہ کیا پھر اسے علی و حسین رضی اللہ عنہما کی نسل کے دوسرے لوگوں پر عام کر دیا تاکہ لوگوں کے جذبات کو ابھارا جا سکے، لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی جا سکے، اور اس کی آڑ میں وہ اسلامی حکومت کے خلاف اپنے مقاصد کو حاصل کر سکیں، سب سے پہلے جس نے یہ بات پھیلانی شروع کی کہ امامت اہلِ بیت کے چند مخصوص لوگوں میں منحصر ہے، وہ شیطان الطاق ہے جسے شیعہ "مومن الطاق" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ ❶

زید بن علی رحمہ اللہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں اسے بلا بھیجا تاکہ اس افواہ کی حقیقت سے آگاہ ہوں، چنانچہ اس سے زید بن علی نے کہا: مجھے پتہ چلا ہے کہ تمھارا خیال ہے کہ آلِ محمد میں ایسا امام ہوتا رہے گا جس کی اطاعت فرض ہوگی، شیطان الطاق نے کہا: ہاں، اور تمھارے والد علی بن حسین ان میں سے ایک تھے، اس پر انھوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ گرم لقمے کو ٹھنڈا کر لیتے تھے پھر مجھے کھلاتے تھے، تم ہی بتاؤ کہ وہ لقمے کی گرمی سے میرے سلسلے میں خائف رہیں گے اور جہنم کی گرمی سے خائف نہ ہوں گے؟ شیطان الطاق کہتا ہے کہ میں نے ان سے کہا: تمھیں بتانا اس لیے ناپسند کیا ہوگا کہ تم کافر ہو جاؤ گے پھر وہ تمھاری شفاعت نہیں کر سکیں گے۔ ❷

ان کی ثقہ ترین کتب رجال میں مروی یہ قصہ واضح طور پر یہ بتلاتا ہے کہ امامت کا یہ نظریہ اس طرح مخفی طریقے سے لوگوں کے مابین رائج تھا کہ اہلِ بیت کے امام زید پر بھی مخفی رہا۔

محب الدین خطیب نے واضح کیا ہے کہ شیطان الطاق نے سب سے پہلے اس گمراہ عقیدہ کو گھڑا، امامت و تشریع کو اہل بیت کے مخصوص لوگوں میں محصور کر دیا اور ان کے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا۔ ❸ ہشام بن حکم متوفی ۱۷۹ھ نامی شخص شیطان الطاق کا شریک کار رہا۔ ❹ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہشام و شیطان الطاق کے کچھ متبعین کی کوششوں سے کچھ متعین لوگوں میں امامت کے محصور کرنے کا عقیدہ کوفہ میں پھیل گیا تھا، ❺ چند مخصوص لوگوں میں امامت کے محصور کرنے کے عقیدے کی بنیاد دوسری صدی ہجری میں ایک ایسے گروہ نے رکھا جو اہل بیت سے اپنے تعلق کا دعویدار ہے، جیسے شیطان الطاق، ہشام بن حکم وغیرہ۔ ❻

ائمہ کی تعداد سے متعلق شیعوں کے نظریات و آرا مختلف ہیں، مختصر التحفة الاثنی عشریة میں ہے کہ شیعہ امامیہ ائمہ کے محصور ہونے کے قائل ہیں، لیکن ان کی مقدار میں ان کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک

---

❶ اصول الشیعة الإمامیة ۲/ ۸۰۰ ❷ رجال الکشی ص ۱۸٦
❸ مجلة الفتح ص ٥، العدد ۸٦۲، عام ۱۳٦۷ھ ❹ أصول الشیعة الإمامیة ۳/ ۸۰۳
❺ أصول الشیعة الإمامیة (۲/ ۸۰٥)، بحار الأنوار (۱/ ۲٥۹)
❻ اصول الشیعة ۲/ ۸۰٦

پانچ، بعض کے نزدیک سات، بعض کے نزدیک آٹھ، بعض کے نزدیک بارہ، اور بعض کے نزدیک تیرہ ہیں۔ ❶

عجیب وغریب بات یہ ہے کہ نظریۂ امامت کے قائلین کئی فرقوں میں بٹ گئے، ہر فرقہ اپنے امام کے بارے میں ایسی روایتیں نقل کرتا ہے جو دوسرے فرقے کے بالکل متضاد و متناقض ہیں، پھر انھیں علی رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کرتے ہیں، شیعوں کی کتابوں میں یہ اختلاف و تناقض منقول ہے، چاہے وہ اسماعیلیہ فرقے کی کتابیں ہوں جیسے ناشی اکبر کی "مسائل الإمامة" اور ابوحاتم رازی کی "الزینة" یا اثنا عشریہ فرقے کی کتابیں ہوں، جیسے اشعری کی "المقالات و الفرق" اور نوبختی کی "فرق الشیعة"

ان کے نزدیک امامت کا مسئلہ کوئی ایسا فرعی مسئلہ نہیں ہے جس میں اختلاف معمولی قسم کا ہو، بلکہ وہ دین کی بنیاد و جڑ ہے، جو ان کے امام پر ایمان نہ لائے وہ دین سے خارج ہے، اور اسی بنا پر ان میں سے بعض بعض کو کافر و ملعون قرار دیتے ہیں۔ ❷

فرقہ اثنا عشریہ کی رائے بعد میں اس بات پر ٹھہر گئی کہ امامت بارہ اماموں میں محصور ہے، جب کہ عہد نبوی و عہد خلفائے راشدین ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم میں اور خاندان نبوت بنو ہاشم میں کوئی بھی بارہ اماموں کی امامت کا قائل نہ تھا۔ ❸ بارہ اماموں کے عقیدہ کی ابتداء حسن عسکری کی وفات کے بعد ہوئی۔ ❹

متعینہ عدد میں اماموں کو محصور کرنے کا عقیدہ سراسر فاسد و باطل ہے، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد اس سے بری ہے، شیعوں کی معتمد کتاب "نهج البلاغة" میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں:

> ''مجھے چھوڑ دو اور (اس خلافت کے لیے) میرے علاوہ کسی اور کو ڈھونڈ لو، ہمارے سامنے ایک ایسا معاملہ ہے جس کے کئی رخ اور رنگ ہیں، جسے نہ قلوب برداشت کر سکتے ہیں، اور نہ ہی عقلیں اسے مان سکتی ہیں، (دیکھو) افق عالم پر گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، راستہ پہچاننے میں نہیں آتا، تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں تمھاری اس خواہش کو مان لوں تو تمھیں اس راستے پر لے چلوں گا جو میرے علم میں ہے، اور اس کے متعلق کسی کہنے والے کی بات اور کسی ملامت کرنے والے کی سرزنش پر کان نہیں دھروں گا۔ اور اگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو تو پھر جیسے تم ہو میں بھی ویسا ہی ہوں، اور ہوسکتا ہے کہ جسے تم اپنا امیر بناؤ اس کی میں تم سے زیادہ سنوں اور مانوں، اور میرا (تمھارے دنیوی مفاد کے لیے) امیر ہونے سے وزیر ہونا بہتر ہے۔'' ❺

---

❶ مختصر التحفة الاثنی عشریة ص ۱۹۳
❷ اصول الشیعة الإمامیة ۲/ ۸۰۷
❸ منهاج السنة ۲/ ۱۱
❹ اصول الشیعة الإمامیة ۲/ ۸۰۸
❺ نهج البلاغة خطبه (رقم ۹۲)، ص ۲۳۶

اگر علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر من جانب اللہ تنصیص ہوتی تو کسی بھی حال میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے جائز نہ ہوتا کہ لوگوں سے کہیں "دَعُوْنِیْ وَ الْتَمِسُوْا غَیْرِیْ" (مجھے چھوڑ کر دوسرے کو تلاش کرو) اور: "اَنَا لَکُمْ وَزِیْرًا خَیْرٌلَّکُمْ مِنِّیْ اَمِیْرًا" (تمھارے لیے میرا وزیر ہونا خلیفہ ہونے سے بہتر ہے) ایسا کیسے ہوسکتا ہے، جب کہ لوگ آپ کو چاہتے تھے اور آپ سے بیعت کرنے آرہے تھے۔ ❶

"نہج البلاغة" میں اس سے بھی زیادہ صریح اور واضح قول موجود ہے:

''جن لوگوں نے ابوبکر و عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے لیے بیعت کی تھی انھوں نے میرے ہاتھ پر انھی اصولوں کے مطابق بیعت کی ہے جن اصولوں پر وہ ان کی بیعت کر چکے تھے اور اس کی بنا پر جو حاضر ہے اسے نظر ثانی کا حق نہیں، اور جو بروقت موجود نہ ہو اسے رد کرنے کا اختیار نہیں اور شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے، ان کا اگر کسی پر اتفاق ہو جائے اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی، اب جو کوئی اس کی شخصیت پر اعتراض یا نیا نظریہ اختیار کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے وہ سب اسی طرف واپس لائیں گے جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے، اور اگر انکار کرے تو اس سے لڑیں گے کیوں کہ وہ مومنوں کے طریقے سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہولیا ہے، اور جدھر وہ پھر گیا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسے ادھر ہی پھیر دے گا۔'' ❷

امیر المومنین نے اس عبارت سے چند قابل توجہ حقائق کی جانب اشارہ کیا ہے:

☆ آپ نے واضح کر دیا کہ مجلس شوریٰ میں مہاجرین و انصار صحابہ کرام ہوں گے، وہی اصحابِ حل و عقد ہوں گے۔

☆ ان کا کسی شخص پر متفق ہونا اللہ کی رضا کا باعث اور من جانب اللہ ان کی موافقت کی علامت ہوگا۔

☆ ان کے زمانے میں ان کے بغیر، اور ان کے انتخاب کے بغیر امامت و خلافت منعقد نہیں ہوگی۔

☆ ان کی بات کا انکار اور ان کی حکم عدولی، بدعتی، باغی اور غیر ایمانی راہ اختیار کرنے والا ہی کرسکتا ہے، یہ اہم تصریحات شیعہ اثنا عشریہ پر کس طرح مخفی رہیں۔ ❸

تنصیص کا مسئلہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہے، اور چند لوگوں میں امامت کو محصور کرنے کا مسئلہ کتاب وسنت کی روشنی میں مردود ہے، اسی طرح عقل اور حقیقت واقعہ بھی اسے قبول نہیں کرتی، اس لیے کہ متعینہ عدد کے ختم ہو جانے کے بعد کیا امت بغیر امام کے رہے گی؟ اثنا عشریہ کے نزدیک ائمہ کا زمانہ ڈھائی صدی سے کچھ زیادہ

❶ ثم أبصرت الحقيقة ص ١٥٨ ❷ نهج البلاغة ص ٥٢٦ (رقم ٦)

❸ ثم أبصرت الحقيقة ص ١٦١

ہے، امرِ واقع یہ ہے کہ وہ سب اس وقت سے اب تک بغیر امام کے ہیں، ان کی اس حالت سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ ان کے خیال میں امام معصوم کے وجود کے لیے جو ضروری سبب اور مصلحت ہے وہ اسے مفقود پاتے ہیں اور یہ سراسر تناقض و تضاد ہے، اسی لیے شیعہ نے مسئلۂ حصرِ ائمہ کے اشکال سے بچنے کے لیے ایک نئے مسئلے کو جنم دیا کہ مجتہد امام کا نائب ہوگا، نیابت کی حدود میں ان کے اقوال مختلف ہیں، عصر حاضر میں اپنے دین کی اس بنیاد کو مکمل طور سے چھوڑنے پر مجبور ہوگئے، اور حاکم وقت کی تعیین انتخاب کے طریقے سے کرنے لگے، حصر عدد کو چھوڑ کر حصرِ نوع کے قائل ہوگئے، چنانچہ ان کے نزدیک ملک کا سربراہ صرف شیعی فقیہ ہوسکتا ہے، [1] جب کہ وہ بالفعل و بالاتفاق غیر معصوم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس کوئی نص صریح ہوتی ہے جو اسے امامت کا اہل بناتی ہو۔

انھوں نے اپنے اس طرز عمل سے اس نظریۂ امامت کو منسوخ کردیا جس کی وجہ سے انھوں نے امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کردیا تھا، چنانچہ ان کے نزدیک ایک عام آدمی جو اہل بیت میں سے نہ ہو اپنے فقیہ ہونے کے ناتے اس بات کا اہل ہوسکتا ہے کہ وہ حکومت و قیادت کرے۔

احمد کاتب نے شوریٰ سے لے کر ولایت فقیہ تک شیعی سیاسی فکر کے ارتقاء کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور شوریٰ کے بارے میں اس نے گفتگو کی ہے اور واضح طور پر بیان کیا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو اپنی بیعت کی جانب بلانے میں اپنے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اپنے والد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے کسی نص پر اعتماد نہیں کیا، نیز بتایا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ شورائی نظام اور خلیفہ کے انتخاب میں امت کے حق کے قائل تھے، آپ کا یہ نظریہ دوبارہ اس وقت کھل کر سامنے آیا جب آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوگئے، اور ان پر یہ شرط عائد کی کہ مسلمانوں کے مابین شورائی نظام لوٹنا چاہیے۔

اگر خلافت کا تعلق منجانب اللہ تنصیص سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعیین سے ہوتا تو کسی بھی حال میں حسن رضی اللہ عنہ کے لیے جائز نہ ہوتا کہ کسی کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوجاتے، اس کے بعد ان کے لیے یہ بھی جائز نہ ہوتا کہ وہ معاویہ کے ہاتھ پر خود بیعت کرتے یا اپنے ساتھیوں کو ان کی بیعت کی دعوت دیتے، ان کے لیے یہ بھی جائز نہ ہوتا کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ سے چشم پوشی کرتے، بلکہ اپنے بعد ان کی تعیین کی جانب ضرور اشارہ کرتے، لیکن حسن رضی اللہ عنہ نے ایسا کچھ نہ کیا، بلکہ آپ کا طرز عمل بتاتا ہے کہ آپ شورائی نظام کے تحت خلیفہ کے انتخاب میں مسلمانوں کے حق کے قائل تھے، اسی طرح حسین رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری لمحات تک ان کی بیعت پر برقرار رہے اور امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کوفہ کے شیعوں کے اس مطالبہ کو مسترد کردیا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کردیں، اور صاف واضح کردیا کہ ان کے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ایسا عہد و

[1] اصول الشیعۃ ۲/ ۸۱٤، الحکومۃ الإسلامیۃ للخمینی ص ۲٤۸

پیمان ہے جو توڑا نہیں جا سکتا، معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد، جنھوں نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلافت سونپ دی تھی، آپ نے لوگوں کو اپنی جانب بلایا، یزید کی بیعت کا انکار کیا، عراق جانے پر مصر رہے تا آنکہ ۶۱ ھ میں آپ کو کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ ❶

ثانیاً:......شیعہ اثنا عشریہ کی دلیلیں:

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یکون اثنا عشرا أمیرا" بارہ امیر ہوں گے، پھر آپ نے ایک بات کہی جسے میں نہ سن سکا، تو میرے والد نے کہا کہ آپ نے فرمایا ہے "کلھم من قریش" ❷ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((لَا یَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِیْزًا إِلٰی اِثْنٰی عَشَرَ خَلِیْفَةً .))

''اسلام بارہ خلیفوں تک غالب رہے گا۔''

پھر آپ نے ایک کہی جسے میں نہ سمجھ سکا، میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ آپ نے فرمایا ہے: "کلھم من قریش" سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ ❸

حدیث کے یہ الفاظ بھی وارد ہیں:

((لَا یَزَالُ هٰذَا الدِّیْنُ عَزِیْزًا مَنِیْعًا إِلٰی اِثْنٰی عَشَرَ خَلِیْفَةً .)) ❹

''یہ دین بارہ خلیفوں تک غالب اور طاقتور رہے گا۔''

حدیث کے دوسرے الفاظ یہ بھی ہیں:

((لَا یَزَالُ اَمْرُ النَّاسِ مَاضِیًا مَا وَلِیَهُمْ اِثْنَا عَشَرَ رَجُلًا .)) ❺

''بارہ لوگوں کی خلافت تک لوگوں کا معاملہ غالب رہے گا۔''

سنن ابی داؤد کی روایت ہے:

((لَا یَزَالُ هٰذَا الدِّیْنُ قَائِمًا حَتّٰی یَکُوْنَ عَلَیْکُمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً ، کُلُّهُمْ تَجْتَمِعُ

---

❶ تطور الفکر السیاسی الشیعی من الشوریٰ إلی ولایة الفقیه ص ۱۷ ، ۱۸

❷ صحیح البخاری ، کتاب الاحکام ، باب الاستخلاف ۸/ ۱۲۷

❸ صحیح مسلم ، کتاب الإمارة ، باب الناس تبع لقریش و الخلافة فی قریش ، ۲/ ۱۴۵۳

❹ صحیح مسلم ، کتاب الإمارة ۲/ ۱۴۵۳

❺ صحیح مسلم کتاب الإمارة ۲/ ۱۴۵۳

عَلَیْهِ الْأُمَّةُ .)) ❶

''بارہ خلیفوں تک یہ دین مضبوطی سے قائم رہے گا، ان تمام پر امت کے لوگوں کا اتفاق ہوگا۔''

امام ابوداؤد نے جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو اسود بن سعید کے طریق سے بھی روایت کیا ہے اس میں ان الفاظ کی زیادتی ہے:

((فَلَمَّا رَجَعَ إِلٰی مَنْزِلِهٖ اَتَتْهُ قُرَیْشٌ فَقَالُوْا: ثُمَّ یَکُوْنُ مَاذَا قَالَ: اَلْهَرَجُ .)) ❷

''جب آپ گھر لوٹے تو قریش کے لوگ آپ کے پاس آئے اور پوچھا: پھر کیا ہوگا، آپ نے فرمایا: فتنہ وفساد، قتل و غارت گری ہوگی۔''

شیعہ اثنا عشریہ اس حدیث سے چمٹے ہوئے ہیں اور اسی سے اہل سنت کے خلاف دلیل قائم کرتے ہیں، اس لیے نہیں کہ وہ کتبِ حدیث میں وارد احادیث پر یقین رکھتے ہیں، بلکہ اس لیے کہ اہل سنت جس حدیث کو مانتے ہیں اسی سے ان کے خلاف دلیل قائم کریں۔ اس حدیث میں معروضی انداز میں پوری غیر جانبداری سے غور کرنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حدیث میں مذکور بارہ آدمیوں کے یہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں کہ وہ خلیفہ ہوں گے، ان کے عہد میں اسلام غالب و طاقتور ہوگا، لوگوں کا ان پر اتفاق ہوگا، ان کے عہد میں لوگوں کا معاملہ درست اور غالب رہے گا۔

لیکن یہ اوصاف ان لوگوں پر منطبق نہیں ہوتے جن کی امامت کے شیعہ اثنا عشریہ دعویدار ہیں، ان میں سے صرف امیر المومنین علی و حسن رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوئے، خود شیعوں کی نظر میں ان بارہ میں سے کسی ایک کی مدت میں امت کا معاملہ درست نہیں رہا، بلکہ خراب رہا، ان پر ظالم بلکہ کافر حکمران مقرر ہوتے رہے۔ ❸ ائمہ خود اپنے دینی امور میں ''تقیہ'' کی آڑ لیتے تھے۔ ❹ علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت بھی ''تقیہ'' کا دور تھا، جیسا کہ اس کی صراحت ان کے شیخ ''المفید'' نے کی ہے۔ ❺ چنانچہ آپ قرآن کو غالب نہ رکھ سکے، اور بعض اسلامی احکام کو نافذ نہ کر سکے جیسا کہ اس کی صراحت ان کے شیخ ''الجزائری'' نے کی ہے، ❻ اور دین میں چھوٹ دے کر صحابہ کا تعاون وحمایت حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے جیسا کہ اس کا اقرار ان کے شیخ ''المرتضیٰ'' ❼ نے کیا ہے۔ اس لیے حدیث ایک طرف ہے،

❶ سنن ابی داود، کتاب المهدی ٤/ ٤٧١

❷ سنن ابی داود ٤/ ٤٧٢، فتح الباری (١٣/ ٢١١)

❸ منهاج السنة ٤/ ٢١٠، المنتقی ص ٥٣٣

❹ أصول الشیعة الإمامیة ٢/ ٨١٦

❺ أصول الشیعة الإمامیة ٢/ ٨١٦

❻ أصول الشیعة الإمامیة ٢/ ٨١٦

❼ أصول الشیعة الإمامیة ٢/ ٨١٦

اور ان لوگوں کی باطل رائے دوسری طرف ہے، پھر دوسری بات یہ کہ اس حدیث میں ائمہ کے اس مخصوص تعداد میں منحصر ہونے کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ آپ کی پیشین گوئی ہے کہ اسلام ان لوگوں کے زمانے میں غالب رہے گا اور خلفائے راشدین و بنوامیہ کا زمانہ غلبہ وقوت کا زمانہ رہا۔ ❶ اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''بعد کے مقابلے میں بنو امیہ کے زمانے میں اسلام اور اس کے قوانین زیادہ غالب اور وسیع تر تھے۔'' پھر آپ نے اس حدیث سے دلیل پیش کی:

((لَا یَزَالُ هٰذَا الْأَمْرُ عَزِیْزًا إِلٰی اِثْنٰی عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّهُمْ مِّنْ قُرَیْشٍ .))

''بارہ خلیفوں تک یہ اسلام غالب رہے گا، وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔''

پھر کہا:

''معاملہ ایسا ہی ہوا، چنانچہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم خلیفہ ہوئے، پھر وہ لوگ خلیفہ ہوئے جن پر لوگوں کا اتفاق رہا، اور انھیں غلبہ وقوت حاصل رہی، یعنی معاویہ، ان کے لڑکے یزید، پھر عبدالملک نیز ان کے چار بیٹے اور انھی کے درمیان عمر بن عبدالعزیز رہے، اس کے بعد کمی ہونے لگی جو آج تک باقی ہے۔

پھر آپ نے اس کی شرح کی۔'' ❷

پھر آپ نے حدیث کے اس ٹکڑے ''کُلُّهُمْ مِّنْ قُرَیْشٍ'' کے بارے میں کہا:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بارہ خلفاء علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ اگر خاص ہوتے تو ان کا کوئی امتیازی وصف بیان کیا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں کہا کہ سب کے سب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے اور نہ یہ کہا کہ سب عرب میں سے ہوں گے، اگر ان کا امتیاز یہ ہوتا کہ وہ بنو ہاشم یا علی رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہوں گے تو اس کا تذکرہ کیا گیا ہوتا، جب آپ نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ مطلقاً قریش سے ہوں گے تو وہ کسی خاص قبیلہ کے نہیں ہوں گے، بلکہ بنو تیم، بنو عدی، بنو عبد شمس اور بنو ہاشم قبائل سے خلفائے راشدین کا تعلق تھا۔'' ❸

اس طرح حدیث میں وارد اوصاف میں سے صرف عدد ہی ان کے بارہ اماموں پر منطبق ہوتا ہے، اور عدد کا کوئی مطلب نہیں ہوتا ہے۔ ❹

---

❶ أصول الشيعة الإمامية ۲/ ۸۱٦ ❷ منهاج السنة ٤/ ۲۰٦
❸ منهاج السنة ٤/ ۲۱۱
❹ اصول الشيعة ۲/ ۸۱۸

ثالثاً:.....امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت اور خلافت سے متعلق اہل سنت کی رائے:

امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنی بیعت کے بعد حجاز، یمن اور عراق وغیرہ کے تقریباً سات مہینے، دوسرے قول کے مطابق آٹھ مہینے، تیسرے قول کے مطابق چھ مہینے خلیفہ رہے۔ اس مدت میں آپ کی خلافت صحیح معنوں میں خلافت راشدہ تھی، اس لیے کہ یہ مدت اس خلافتِ راشدہ کی مدت کا تکملہ ہے جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس کی مدت تیس سال ہوگی، پھر ملوکیت کا زمانہ آجائے گا۔ ❶

امام ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

((اَلْخِلَافَةُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ .)) ❷

''میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔''

اس حدیث پر ابن کثیر رحمہ اللہ گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت پر تیس سال پورے ہوجاتے ہیں، آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے ربیع الاول ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر یہاں تک پورے تیس سال ہوجاتے ہیں، اس لیے کہ آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تھی، اور یہ آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ ❸ اس طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہما پانچویں خلیفۂ راشد قرار پاتے ہیں۔'' ❹

امام احمد رحمہ اللہ نے سفینہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

((اَلْخِلَافَةُ ثَلَاثُوْنَ عَامًا ثُمَّ يَكُوْنُ بَعْدَ ذٰلِكَ الْمُلْكُ .)) ❺

''خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔''

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ان لفظوں میں روایت کیا ہے:

((خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ (أَوْ مَلَكَهُ) مَنْ يَّشَاءُ .)) ❻

''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تیس سال رہے گی پھر اللہ تعالیٰ سلطنت یا اپنی سلطنت جسے چاہے گا دے گا۔''

❶ عقیدة اهل السنة والجماعة فی الصحابة ۲/ ۷۴۳

❷ سنن الترمذی مع شرحها تحفة الاحوذی ۶/ ۳۹۵، ۳۹۶۔ یہ حدیث حسن ہے۔

❸ البدایة والنهایة ۱۱/ ۱۳۴

❹ مآثر الأنافة ۱/ ۱۰۵، مرویات خلافة معاویة للخالد الغیث ص ۱۵۵

❺ فضائل الصحابة (۲/ ۴۷۷)، اس کی سند حسن ہے۔

❻ سنن ابی دائود (۳/ ۸۷۹)، سنن أبی داود (۲/ ۵۱۵)

آپ ﷺ کے بعد تیس سالوں میں خلفائے اربعہ و حسن رضی اللہ عنہم ہی تھے، "الخلافة في أمتي ثلاثون سنة" کی شرح کرتے ہوئے بہت سارے علما نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت خلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں داخل اور اس کا تکملہ ہے۔ چنانچہ ان کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ ابوبکر ابن العربی کا قول ہے: رسول اللہ ﷺ کا یہ سچا وعدہ "اَلْخِلَافَةُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَعُوْدُ مُلْكًا" صحیح ثابت ہوا، چنانچہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کی خلافت اور حسن رضی اللہ عنہ کی آٹھ مہینے کی خلافت تیس سال سے نہ ایک دن زیادہ ہوتی ہے اور نہ کم۔ ہم تمام چیزوں کا علم رکھنے والے رب کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں جس کے علاوہ کوئی حقیقی رب نہیں۔ ❶

۲۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے: تیس سالوں میں چاروں خلفاء کی مدت خلافت اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کے چند مہینے ہی شامل ہیں اور حدیث کے ٹکڑے "اَلْخِلَافَةُ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً" میں خلافت سے مراد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے جیسا کہ اس کی تفسیر دوسری روایتوں میں اس طرح آئی ہے:

((خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ بَعْدِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا .)) ❷

''میرے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تیس سال رہے گی پھر ملوکیت ہوگی۔''

۳۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ہے: اس بات کی دلیل کہ وہ (حسن رضی اللہ عنہ) خلفائے راشدین میں سے ہیں، وہ حدیث ہے جسے میں نے سفینہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے نبوت کی نشانیوں میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اَلْخِلَافَةُ بَعْدِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا۔" اور تیس سال حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کو لے کر پورے ہوتے ہیں۔ ❸

۴۔ شارح الطحاویہ رحمہ اللہ کا قول ہے: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت دو سال تین مہینے، عمر رضی اللہ عنہ کی ساڑھے دس سال، عثمان رضی اللہ عنہ کی بارہ سال، علی رضی اللہ عنہ کی چار سال نو مہینے، حسن رضی اللہ عنہ کی چھ مہینے تھی۔ ❹

۵۔ مناوی رحمہ اللہ نے قول رسول ﷺ "اِبْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَ لَعَلَّ اللّٰهَ يُصْلِحُ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" ❺ (میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا) کو ذکر کرنے کے بعد کہا: اور معاملہ ایسا ہی ہوا، آپ کے والد کے بعد جب آپ

---

❶ أحكام القرآن لابن العربي ٤/ ١٧٢٠

❷ شرح النووي على صحيح مسلم ١٢/ ٢٠١

❸ البداية والنهاية ١١/ ١٣٤ ❹ شرح الطحاوية ص ٥٤٥

❺ صحيح البخاري ٧/ ٩٤

کے لیے بیعت کی گئی، اور آپ چھ مہینے تک خلیفہ برحق رہے جو ان تیس سالوں کا تکملہ ہے جن کے بارے میں آپ ﷺ نے خبر دی ہے، تو یہ مدت مدتِ خلافت ہے، اس کے بعد ملوکیت ہے۔ ❶

٦۔ ابن حجر ہیثمی کا قول ہے: وہ اپنے نانا کی تصریح کے مطابق آخری خلیفۂ راشد ہیں، اپنے والد کے قتل کے بعد اہل کوفہ کی بیعت سے خلیفہ ہوئے، آپ چھ مہینے چند دن تک اس پیشین گوئی کو سچ ثابت کرتے ہوئے خلیفۂ برحق، سچے اور عدل پسند حاکم رہے، جس میں آپ کے نانا رسولِ صادق ومصدوق ﷺ نے فرمایا تھا: "الخلافة بعدی ثلاثون سنة." یہ چھ مہینے ان تیس سالوں کا تکملہ ہیں، اس طرح آپ کی خلافت پر نص موجود ہے اور اس پر اجماع ہے، اس لیے اس کے برحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ❷

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت برحق ہے، اور اس خلافت علی منہاج النبوۃ کی تکمیل ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ اس کی مدت تیس سال ہوگی۔ ❸

رابعاً:...... والد کے قتل کے بعد کے وہ خطبے جن کی نسبت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب صحیح نہیں ہے:

اس مبحث کو یہاں اس لیے ذکر کر رہا ہوں تا کہ باطل بتا کر لوگوں کو اس سے روکا جائے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

عرفت الشر لا للشر لکن لتوقیه
ومن لا یعرف الشر من الخیر یقع فیه

''میں نے برائی کی معرفت صرف برائی سے بچنے کے لیے حاصل کی ہے، جو برائی کو بھلائی سے الگ نہیں کرسکتا اس کا مرتکب ہو جاتا ہے۔''

شیعہ اثنا عشریہ نے بہت سارے خطبوں کو گھڑ کر غلط طریقے سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب کردیا ہے، چند نمونے پیش خدمت ہیں:

((أیها الناس من عرفنی فقد عرفنی، و من لم یعرفنی فأنا الحسن بن علی۔ أنا البشیر، أنا ابن النذیر، أنا ابن الداعی إلی اللّٰه عزوجل بإذنه، أنا ابن السراج المنیر، و أنا من أهل البیت الذین أذهب اللّٰه عنهم الرجس و طهرهم تطهیرا، والذین افترض اللّٰه مودتهم فی کتابه إذ یقول (وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا) (الشوری:٢٣) فاقتراف الحسنة مودتنا أهل

---

❶ فیض القدیر ٢/ ٤٠٩

❷ الصواعق المحرقة علی أهل الرفض و الضلال و الزندقة ٢/ ٣٩٧

❸ عقیدة أهل السنة فی الصحابة ٢/ ٧٤٨

البیت .)) ❶

''جو مجھے پہچانتا ہے پہچانتا ہے، جو نہیں پہچانتا ہے وہ جان لے کہ میں حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) ہوں، میں بشیر ہوں، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر کا بیٹا ہوں، میں اہل بیت میں سے ہوں، جن کی (ہر قسم کی) گندگی کو اللہ نے دور کر دیا ہے اور انھیں خوب اچھی طرح پاک کر دیا ہے، جن کی محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرض کرتے ہوئے کہا ہے جو شخص کوئی بھلائی کمائے گا ہم اس کے لیے اس نیکی میں اور نیکی بڑھا دیں گے، یہاں نیکی کرنے سے مراد ہم اہل بیت کی محبت ہے۔''

(حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں) ابوالاسود دؤلی کا ایک خطبہ گھڑتے ہوئے کہا ہے:

((ثـم بكى حتى اختلفت أضلاعه ثم قال: و قد أوصى بالإمامة بعده إلى ابن رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم و ابنه و سليله و شبيهه في خلقه و هديه و إنـي لأرجـو أن يجبر اللّٰه به ما وهي، و يسد به ما انثلم و يجمع به الشمل و يطفيء به نيران الفتنة فبايعوه ترشدوا .))

''پھر وہ (ابوالاسود دؤلی) اس شدت سے رونے لگے کہ ان کی پسلیاں حرکت کرنے لگیں، پھر کہا: آپ (علی رضی اللہ عنہ) نے اپنے بعد نواسۂ رسول، اپنے بیٹے، اخلاق و اطوار میں اپنے شبیہ کے لیے امامت کی وصیت کی، مجھے بلاشبہ امید ہے کہ امت کو لاحق کمزوری اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے دور کر دے گا اور جو دراڑ پڑ گئی ہے ختم کر دے گا، آپ کے ذریعہ سے اتفاق و اتحاد پیدا کر کے فتنے کی آگ کو بجھا دے گا، اس لیے ان کے لیے بیعت کر لو رشد و ہدایت پر رہو گے۔''

چنانچہ تمام شیعہ نے بیعت کر لی، صرف انھی لوگوں نے بیعت نہیں کی جو عثمانی رائے رکھتے تھے، اور و معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے۔ ❷

ان لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیجے گئے حسن رضی اللہ عنہ کے ان طویل خطوط کا ذکر کیا ہے جن میں آپ انھیں اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہیں، اپنی دلیل دیتے ہیں، اپنے زیادہ حق دار ہونے کو ثابت کرتے ہیں، حالانکہ یہ خطوط سند اور متن کے اعتبار سے ثابت نہیں ہیں، وہ صرف صحیح سندوں سے عاری شیعوں کی کتابوں میں مذکور ہیں، ساتھ ہی ان باتوں سے متعارض ہیں جو حسن رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت کے بارے میں ثابت ہیں۔ ❸

---

❶ مقاتل الطالبيين لأبي الفرج الاصفهاني ص ٥١، ٥٢

❷ الأغاني لابي الفرج الأصفهاني ١/ ١٢١

❸ الوثائق السياسية و الإدارية العائدة للعصر الاموي محمد ماهر حمادة ٩٠-٩٥

ان کتابوں کے بارے میں علمائے اہل سنت نے مفصل گفتگو کی ہے، ان کی خامیوں اور خرابیوں کو واضح کیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کتابیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلقات، معاملات اور عقائد میں لائق حجت نہیں ہیں، سابقہ نصوص کے رد کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اصفہانی کی کتابوں "مقاتل الطالبیین" اور "الأغانی" سے ماخوذ ہیں۔ اصفہانی اور اس کی کتاب کے بارے میں علما نے کلام کیا ہے۔

ا۔ اصفہانی مؤلف کتاب "الأغانی"

ابوالفرج اصفہانی کی کتاب "الأغانی" ادب، قصے، کہانیوں، گانوں اور خرافات و بے شرمی پر مشتمل کتاب ہے، کوئی علمی، تاریخی اور فقہی کتاب نہیں ہے، اہل ادب و تاریخ کے یہاں اس کا بڑا شہرہ اور چرچا ہے، علما نے عصر قدیم میں اس کے بارے میں کلام کیا ہے ان کے اقوال درج ذیل ہیں:

☆ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا قول ہے: ابوالفرج اصفہانی بہت جھوٹا شخص تھا، وہ بہت سارے صحیفوں کو خریدتا تھا اس کی تمام روایتیں انھی صحیفوں سے ماخوذ ہوتی تھیں۔

☆ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا قول ہے: اس جیسے شخص کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، اس کی کتابوں میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو اسے لازماً فاسق قرار دیتی ہیں اور شراب کی قباحت کو کم کر دیتی ہیں، بسا اوقات اسی چیز کو وہ اپنے بارے میں بیان کرتا ہے، جو کتاب "الأغانی" کو غور سے دیکھے گا اسے اس میں ہر قبیح و منکر چیز ملے گی۔ ❶

☆ امام ذہبی کا قول ہے: میں نے اپنے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو پایا کہ آپ اسے (اصفہانی کو) نقل و روایت میں ضعیف اور متہم قرار دیتے تھے، اور یہ کہ جو کچھ وہ ذکر کرتا تھا اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرتا تھا۔ ❷

اس کے بارے میں بعض معاصرین کے اقوال:

☆ فلپ حتی کی کتاب The History of Arabs کے مصادر کا جائزہ لیتے ہوئے شوقی ابوخلیل کہتے ہیں:

''حتی نے اصفہانی کی کتاب "الأغانی" پر اعتماد کیا ہے، جب کہ وہ کوئی معتمد علیہ تاریخی کتاب نہیں ہے، وہ تو ادب کی کتاب ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی بھی ادبی کتاب پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، بلکہ صاحب کتاب اگر ثقہ ہو اور نقل و روایت میں امین ہو تو اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، کتاب "الأغانی" جسے حتی نے معتمد تاریخی مرجع مانا ہے اس کے مؤلف کی ادبی و تاریخی امانت متہم ہے۔

"میزان الاعتدال فی نقد الرجال" میں ہے کہ اصفہانی "حدثنا" و "أخبرنا" کے ذریعہ سے اپنی کتاب "الأغانی" میں عجیب وغریب چیزیں ذکر کرتا ہے، جو بھی "الأغانی" پڑھے گا وہ

❶ المنتظم ۷/ ۴۰، ۴۱ ❷ میزان الاعتدال ۳/ ۱۲۳

عباسیوں کی زندگی کو لہو ولعب، بے حیائی، گانوں اور شرابوں سے بھرپور پائے گا، یہ باتیں مؤلف کی زندگی اور اس کے خیالات سے ہم آہنگ ہیں، جو بھی تاریخ کی صحیح کتابوں کا مراجعہ کرے گا تو وہ صورت حال بالکل مختلف پائے گا کہ ان کی زندگی علم و ادب اور جہاد کی زندگی تھی، اس لیے کتاب "الاغانی" لائق حجت تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔'' ❶

☆ ابوعبیدہ مشہور بن حسن آل مشہور کا قول ہے: ایک اہم معاملے کا تذکرہ جسے بعض باحثین جانتے ہیں ضروری ہے وہ یہ کہ ابوالفرج کے شیعی رجحانات وخیالات کا اس کی اس کتاب میں نمایاں کردار رہا ہے۔

ڈاکٹر محمد احمد خلف اللہ اپنی کتاب "ابو الفرج الأصفھانی" کے خاتمہ میں کہتے ہیں:

''ابوالفرج کے (شیعی) خیالات و رجحانات سے ہمیں واقفیت ہو چکی، اس لیے ہمیں ان سے بچنا چاہیے، اس شخص کی روایتوں پر جب جب اعتماد کرنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ کبھی وہ گمراہ کرنے والا ہوتا ہے، کبھی اس کی ذاتی رائے اور رجحان کا دخل ہوتا ہے۔ تاریخ میں ذاتی رجحانات کا حکم بالکل واضح ہے، اس حکم کے مطابق بسااوقات وہ دوسروں پر اپنی رغبت تھوپ دیتا ہے، صرف خبروں کے ذکر ہی میں نہیں بلکہ خبروں کو چھپانے میں بھی۔'' ❷

بعض لوگ سوال کرتے ہیں: اس کتاب سے اتنی تفصیلی ممانعت کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ممانعت کے بہت سارے اسباب ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ اس کتاب کی دور دور تک شہرت کے باعث۔

۲۔ اس پر بہت سارے اہل مغرب کے اعتماد کے باعث

۳۔ اس کتاب کے اسلام، خلفاء، صحابہ کرام اور صالح و عادل فرماں رواؤں کی تنقید کی خبروں پر مشتمل ہونے کے باعث۔

۴۔ بہت سارے معاصرین کی اس حرص کے باعث کہ وہ اس کتاب میں مذکور باتوں کو ثابت کریں کہ وہ درست اور سچی ہیں، جیسا کہ شفیق جبری نے اپنی کتاب "دراسة الأغانی" میں کیا ہے جسے اس نے طٰہٰ حسین کی ہمت افزائی کے نتیجے میں لکھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ادبی اہمیت اور مؤثر وقوی اسلوب کے باوجود اس کتاب کی خبریں اور اس کے مواد غور طلب اور تنقید و تنقیح کے محتاج ہیں۔ ❸

---

❶ موضوعیة فیلیب حتی فی کتابه تاریخ العرب المطول ص ۱۸۷

❷ ابو الفرج الاصفھانی ص ۲۳۵، کتب حذر منها العلماء ۲/ ۳۰ ❸ کتب حذر منها العلماء ۲/ ۳۰، ۳۱

☆ "السيف اليماني في نحر الأصفهاني" کے مقدمے میں ولید اعظمی کہتے ہیں:

یہاں سے میں کتاب "الأغانی" پر نئے سرے سے غور کرنے لگا، جب تضعیف وتوثیق، جرح وتعدیل کی کتابوں کا مراجعہ کیا تو پتہ چلا کہ اصفہانی قابل اطمینان نہیں ہے، ہمارے محقق علما کبار کے نزدیک وہ ثقہ نہیں ہے، میں نے اپنی عمر کے مکمل دو سال کتاب الأغانی پر لگائے، اس کے نصوص واقوال کی چھان پھٹک کرتا رہا، ہر خبر کا جائزہ لیتا رہا، اس کی ایک ایک سطر اور ایک ایک کلمے کی جانچ پڑتال کی، اس کی خامیوں اور خرابیوں کو اجاگر کیا، سرحدوں کی حفاظت پر مامور مجاہدین کی طرح میں نے اس پر صبر کیا، نتیجتاً سینوں میں کینہ وشعوبیت کی آگ کو ہانڈی کی طرح جوش مارتے ہوئے پایا، دشمنوں کی تیروں کا نشانہ ہم ہیں، ان کی ہم پر بوچھار ہو رہی ہے۔ میں شاعر کا یہ شعر دہرانے لگا:

لو كان سهما واحدا لا تقيته
ولكنه سهم، وثان وثالث

''اگر ایک تیر ہوتی تو میں اس سے بچاؤ کر لیتا، لیکن تیروں کی بوچھار ہے۔''

بنابریں میں پوری طرح مستعد ہو گیا کہ حقیقت وغیر حقیقت، شہد وزہر کو الگ الگ کر دوں، اصفہانی نے جن لوگوں سے روایت کیا ہے ان کا جائزہ لینے لگا، اسماء الرجال کی کتابوں میں انھیں تلاش کرنے لگا، ان کے بارے میں وارد اقوال کو پڑھنے لگا تو ان میں ہر طرح کی خرابی پائی، انھیں کذاب، مجروح اور مطعون پایا، ان کذابوں کو چھانٹ کر الگ کیا، ان کا تعارف کرایا، پھر اصفہانی نے ہر راوی سے جو روایتیں درج کی ہیں ان کا احصاء کرنے لگا، چنانچہ دیکھا کہ ان کذابوں پر اس حد تک اعتماد کیا ہے اور ان سے اتنی روایت اور استفادہ کیا ہے کہ میں مبہوت ہو کر رہ گیا، اور اپنے آپ کو پایا کہ میں ایک دور دراز اور خوفناک وادی میں ہوں، ایک نہایت تکلیف دہ تاریک غار میں داخل ہو گیا ہوں۔

جب یہ راوی احادیث نبویہ کی روایت میں جھوٹ بول سکتے ہیں تو لوگوں کی خبروں کی بات ہی اور ہے، یہ مختلف مذاہب، فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، ان کے رجحانات و خیالات اور منفعتیں انھیں اپنی جانب کھینچ لیتی ہیں، ان کے اہداف و مقاصد انھیں جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ کتاب ''الآغانی'' علم وفقہ اور تاریخ کے بجائے ادب، قصے، کہانیوں اور گانوں کی کتاب ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ اس میں موجود عیوب، دوسروں کی تنقیص و تجریح اور صریح جھوٹ پر خاموش رہا جائے۔

اصفہانی نے اس میں سیرت نبوی، تفسیر، فقہ اورادب کی ساری خبروں کو جمع کیا ہے، جیسا کہ وہ (ولید اعظمی) کہتے ہیں۔ دوسری فصل میں اصفہانی نے اہل بیت کے بہت سارے واقعات اوراخبار کو ذکر کیا ہے، یہ خبریں ان کی برائیاں بیان کرتی ہیں، ان کی سیرت کو مجروح کرتی ہیں، ان آل بویہ کی خواہش کے مطابق ان کے معاملے کو کمزور ثابت کرتی ہیں جو جھوٹ اور غلط طور پر اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ ولاء آل بیت کے لیے ہونا چاہیے۔ ان خبروں کی میں نے چھان بین کی ہے، ہر واقعے پر مناسب نوٹ لکھا ہے۔

چوتھی فصل کو ایسی متفرق اخبار و حکایات کے لیے خاص کیا ہے جن میں اس نے اسلامی عقائد اور دین اسلام کو مطعون وملعون قرار دیا ہے، جاہلیت کو اسلام سے افضل بتایا ہے، نماز، حج اور یوم آخرت کا صراحۃ انکار کیا اور مذاق اڑایا ہے، برامکہ کا دفاع کیا ہے، اہل فارس کی تعریف کی ہے، عرب اور مسلمانوں کے مشہور ترین لوگوں کو مختلف طریقے سے مطعون کیا ہے، ان خبروں کی بھی میں نے چھان بین کی ہے اور ہر ایک پر مناسب نوٹ لکھا ہے۔'' ❶

خاتمہ میں کہتے ہیں: ابوالفرج اصفہانی کی کتاب "الأغانی" کے اس تفصیلی جائزے، اس کی خبروں سے واقفیت، ان کی چھان بین اور ہر ایک پر مناسب تعلیق کے بعد مجھے امید ہے کہ قاری کو اس کمینے اور حاقد شعوبی کے مقاصد کا پتہ چل گیا ہوگا، میں نے بہت سارے ایسے گندے اور گھناؤنے واقعات سے صرفِ نظر کیا ہے جنھیں عربوں اور مسلمانوں کا شدید ترین دشمن بھی نہیں لکھ سکتا ہے۔ ادب اور قصے کہانیوں کی آڑ میں ان کی بہت ساری کبار شخصیات پر لواطت اور ان کی شریف عورتوں پر ہم جنسی کی تہمت لگائی ہے، بہت سارے برے افعال اور مذموم عادات سے ان کا منہ کالا کر دیا ہے، تابناک تاریخ اور عمدہ اخلاق والے اس امت کے سلف کو برا بھلا کہنے کے بعد ہی یہ باتیں وجود میں آسکتی ہیں۔ ❷

انور جندی کا قول ہے: مغرب زدہ بنانے کے مشن اور تہذیبی یلغار نے "الأغـانی" اور "ألف لیلة و لیلة" دونوں کتابوں پر بڑا زور دیا ہے تاکہ انھیں اسلامی معاشرے کی تصویر کشی میں معتمد علیہ بنیادی مصادر و مراجع میں شامل کر دیں، دونوں کتابوں کے ان عیوب سے چشم پوشی کی ہے جن کی وجہ سے یہ موثوق اور معتمد علیہ مراجع میں شامل نہیں ہوسکتیں، پہلی کتاب کا مؤلف اسلام کا دشمن شعوبی ہے۔ دوسری کتاب غیر معروف ہے۔

کتاب "الأغانی" بیس سے زیادہ جلدوں پر مشتمل مفصل کتاب ہے، ابوالفرج اصفہانی نے اس کی تالیف محض اس مقصد سے کی ہے تاکہ راتوں میں قصہ گوئی کی محفلوں میں امراء اور بیکار و آسودہ حال لوگوں کو قصے

❶ السیف الیمانی ص ١٠-١٣ ❷ السیف الیمانی ص ٢٦٤

کہانیاں سنائے، اس کتاب سے علم و تاریخ مقصود نہیں ہے۔

اصفہانی خود عربوں اور مسلمانوں کے معاشرے کو پسند نہیں کرتا تھا، پیدائشی اور فکری طور پر اس کا میلان دشمنان اسلام، باطنیوں اور رافضیوں وغیرہ کی جانب تھا، اس کا یہ طرز عمل ایک سخت قسم کی جنگ تھی جو شعوبیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چھیڑ رکھی تھی، تاکہ ان کے معاشرے کو تباہ کرنے کے لیے پہلے ان کی فکر کو تباہ کر دیا جائے، مغربیت کے علمبردار اور درآمدہ مغرب کی ادبی تنقید کے قائلین کی یہ کوشش رہی ہے کہ اس کتاب کو خوب شہرت اور رواج دیں اور ادبی تحریروں کے لیے اسے ایک قابل اعتبار مرجع اور اسلامی معاشرے کی تصویر کشی کا اہم ذریعہ بنا دیں۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین (جزاہ اللّٰہ بما هو أهله) ان میں پیش پیش رہے، چنانچہ انھوں نے "الأغانی" کے قصوں پر اعتماد کرتے ہوئے مسلمانوں کے معاشرے اور ان کی تاریخ سے متعلق بہت سارے غلط حکم صادر کیے تاکہ ان کے ذریعہ سے اس مغربیت کے پرچار میں اپنا کردار ادا کر سکیں، جو اس صدی کی تیسری دہائی میں زور شعور سے پھیل رہی تھی۔ ❶

نیز (انور جندی) کہتے ہیں: اصفہانی کی سیرت کا اگر تھوڑا سا بھی جائزہ لیا جائے تو اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ شعوبی تھا، حصولِ مقصد کے لیے حیلہ سازی و مبالغہ آرائی میں معروف تھا، بہت سارے باحثین اور مؤرخین نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ مؤرخ نہیں تھا، اور اس کی کتاب تاریخی حیثیت کی حامل نہیں ہے، بلکہ وہ بازاروں اور کتابوں میں موجود گانوں اور لوگوں کے قصے کہانیوں کو جمع کرنے والا تھا، ایسا اس نے صرف اس لیے کیا کہ ان چیزوں کو اس اسلامی معاشرے کا ایک حصہ قرار دے دے جو بہت سارے سیاسی، اجتماعی اور فقہی پہلوؤں سے بھرپور معاشرہ تھا، بہت سے معاصرین و مورخین نے اس کے انحراف کی شہادت دی ہے، مورخ یوسفی نے ایسی شہادت دی ہے جو علما کی نظر میں موثوق و معتبر مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: ابوالفرج بہت جھوٹا ہے، وہ اوراق بیچنے والوں کے بازار میں جاتا، جہاں کتابوں سے بھرپور کچھ دکانیں ہوتیں، وہاں سے بہت ساری چیزیں خرید کر گھر لاتا، پھر انھی سے اپنی روایتوں کو تیار کرتا۔ ❷

اس کے بارے میں صاحب "معجم الأدباء" کہتے ہیں: شراب نوشی، امرد پرستی، عورتوں کے اوصاف بیان کرنے میں اس کا معاملہ اپنے ہم عصر اور اپنے سے پہلے کے ادباء و شعراء جیسا تھا، وہ شراب فروش تاجروں کے پاس جاتا، جن کی اکثریت یہود و نصاریٰ، صابیوں اور مجوسیوں کی تھی، شراب نوشی میں معروف تھا، جسم اور کپڑوں کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا تھا۔ ❸

---

❶ مؤلفات فی المیزان ص ۱۰۰، کتب حذر العلماء منها ۲/ ۳۸

❷ کتب حذر العلماء منها ۲/ ۳۸ ❸ معجم الأدباء ۵/ ۱۵۳

انور جندی مزید کہتے ہیں: میں نہیں سمجھ پاتا کہ ایسی کتاب باحثین کی نظر میں مرجع کیسے بن سکتی ہے؟ یا اس کی کوئی رائے یا قول قابلِ اطمینان کیسے ہو سکتا ہے؟ فکر اسلامی کے مناہج نے ہمیں اس بات کا عادی بنا دیا ہے کہ اس پر کسی بھی لکھنے والے کے بارے میں دیکھیں، اگر وہ شریف، امین، اپنی حق گوئی و سچائی کے باعث لوگوں کے نزدیک محترم ہو تو ہم اس کی تحریر کو قبول کر لیں، ورنہ رد کر دیں وہ اپنی بعض تحریروں میں سچا ہو۔ ❶

پھر زیر عنوان "کتاب مجون و خلاعة" کہتے ہیں: اصفہانی حد سے تجاوز کرنے والا تھا، لذتوں اور شہوتوں میں درجۂ قباحت و شناعت تک پہنچ جاتا تھا، اس کی اس اخلاقی ساخت کا اس کی کتاب میں نمایاں اثر تھا، کتاب "الأغانی" بے حیائی و فحاشی کے واقعات سے بھری پڑی ہے، وہ جب ادباء و شعراء پر گفتگو کرتا ہے تو ان کے شخصی اخلاق کے کمزور پہلوؤں کا تذکرہ کرتا ہے اور سنجیدہ پہلوؤں کو نمایاں طور سے چھوڑ دیتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غسل، صفائی، ستھرائی، وقار اور سنجیدگی کی باتوں پر بہت کم توجہ دیتا تھا، اصفہانی کے اس پہلو نے اس پر اعتماد کرنے والے مصنفین کی بہت سی آراء کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ جرجی زیدان نے اپنی کتاب "تاریخ آداب اللغة العربية" اور طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب "حديث الأربعاء" میں جو کچھ لکھا ہے اس پر ایک طائرانہ نظر اس یقین کے لیے کافی ہوگی کہ کتاب "الأغانی" پر اعتمادی کے باعث ان دونوں باحثین نے عصر عباسی کے عام لوگوں کے اخلاقی انحطاط کا ذکر کیا ہے اور یہ حکم لگایا ہے کہ عصر عباسی فسق و فجور اور بے حیائی و بیہودگی کا زمانہ تھا، بلاشبہ شعراء کی غلطیوں اور ادباء کی لغزشوں کی من جانب اصفہانی بکثرت تلاش و جستجو نے اس کتاب کو گناہ اور گمراہی کی باتوں سے بھر دیا ہے، اور لوگوں میں یہ غلط بات عام کر دی ہے کہ عبقریت کا تعلق عیش پرستی اور بیہودگی سے ہوتا ہے۔" ❷

یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ باحثین اس بات پر مطمئن ہو جائیں کہ "الأغانی" کی روایتوں کو تاریخی اہمیت و حیثیت حاصل ہے، اور انھی کی اساس پر تاریخی حقائق کو مرتب کریں۔ مغربیت کی ترویج کا یہ نہایت خطرناک کارنامہ رہا ہے کہ اس نے باحثین کو اس جانب متوجہ کر دیا کہ انھوں نے اسلامی معاشرے کی تصویر کشی میں "الأغانی" کو مرجع اور مصدر کی حیثیت دے دی، جب کہ اس کتاب میں صرف حقوق اللہ (کی پامالیوں) سے متعلق باتیں ہیں، معاشرے کے بہت سارے دوسرے سنجیدہ پہلوؤں کو چھوڑ دیا ہے، اس لیے اس کتاب پر بحیثیت مصدر اعتماد کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کی زندگی لہو و لعب والی تھی۔ طٰہٰ حسین نے اس کی صراحت کی ہے اور بہت سارے لوگوں نے اس کی تردید کی ہے، اور اس کے کھوٹ کو

---

❶ مؤلفات في الميزان ص ١٠٠-١٠٣

❷ مؤلفات في الميزان ص ١٠٠-١٠٣ نقلاً عن كتب حذر العلماء منها ٢/ ٤٠

ظاہر کیا ہے۔

اسی طرح مستشرق ''لامنس'' نے اپنی کتاب "تاریخ بنی امیة" میں کتاب "الأغانی" پر اعتماد کیا ہے اور اسی طرح کی بات مستشرق "ولہاؤزن" نے اپنی کتاب "الدولة العربية و سقوطها" میں ذکر کیا ہے۔

جبور عبدالنور نے اصفہانی کا دفاع کرتے ہوئے سوال کیا ہے: کیا یہ ضروری ہے کہ مورخ جب فاسق اور لذتوں اور شہوتوں میں حد سے تجاوز کرنے والا ہو، تو وہ مورخ ہی باقی نہ رہے؟ اپنی روایتوں، باتوں اور تحریروں میں سچا نہ ہو؟ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے: ہاں، اگر مغربی فکر میں ایسا نہیں ہے تو یہ دوسری بات ہے، ہماری اسلامی فکر میں ایسا ہی ہے۔ فکر اسلامی نے باحث کے علم اور اس کی شخصیت کے مابین ربط کی بنیاد پر بحث ونقد اور علم کے قواعد کو وضع کیا ہے، اگر اس کی زندگی میں انحراف، شخصیت میں اضطراب اور دین واخلاق سے دوری ہو تو ہم اس کو ایک علمی مرجع کی حیثیت نہیں دیتے، اس کی شہادت کو قبول نہیں کرتے، اصفہانی کے موافقین ومخالفین سب اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس کی رائے ناقابل اعتبار اور اس کی شہادت ناقابلِ قبول ہے، اس کے فسق نے اس کی بہت ساری نفسانی خواہشات کو اس کی تحریروں میں داخل کر دیا ہے، اس کے اجتماعی، اعتقادی اور فکری انحراف کی بات ہی الگ ہے جس نے اس کی آراء کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، ساتھ ہی ساتھ کتاب "الأغـانـی" کوئی علمی مرجع نہیں ہے، بلکہ یہ دل بستگی، قصے اور کہانیوں کی کتاب ہے جو بعض عیش پرستوں کے خالی اوقات گزارنے کے لیے لکھی گئی ہے، اس لیے یہ کتاب کسی طرح علم کے لیے مصدر اور ادب وتاریخ کی بحث کے لیے مرجع نہیں ہو سکتی۔ [1] ہماری تاریخ کو بگاڑنے میں اس کا اہم کردار رہا ہے اس لیے اس سے آگاہ کرنا اور روکنا واجب تھا۔

[1] مؤلفات فی المیزان ص ۱۰۰۔ ۱۰۳

(۲)

سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے اہم اوصاف اور آپ کی اجتماعی زندگی

اولاً:......آپ کے اہم اوصاف

حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کی شخصیت قائدانہ صلاحیت کی مالک تھی۔ آپ ربانی قائد کی صفات سے متصف تھے۔ ان اہم اوصاف میں سے بعض درج ذیل ہیں:

''اللہ اور یوم آخرت پر پختہ ایمان، شرعی علم، اللہ پر بھروسا، دوسروں کے لیے نمونہ، سچائی، لیاقت و صلاحیت، بہادری، انسانیت، زہد، قربانی کا جذبہ، تواضع، نصیحت قبول کرنا، بردباری، صبر، بلند ہمتی، دور اندیشی، مضبوط نظم ونسق، عدل، مشکلات کے حل کی قدرت وغیرہ۔''

اللہ کی عطا کردہ ربانی قیادت کی صلاحیتوں کے باعث راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے اور تنفیذ کی صلاحیت رکھنے کے باوجود آپ نے اپنا مصالحانہ منصوبہ پیش کیا، آپ کی انفرادی کوششیں امت کے اتحاد پر منتج ہوئیں، جن اہم صفات پر ہم روشنی ڈالیں گے وہ یہ ہیں:

ا۔علم:

حسن رضی اللہ عنہ نبوی گھرانے میں پلے بڑھے، چنانچہ بچپن میں آپ نے اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم اور والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اثر قبول کیا، اپنے والد سے بہت سا علم حاصل کیا، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو کتاب اللہ کی تعلیم دیتے تھے، ان میں آپ کے بچے اور آپ کے بچوں میں امیر المومنین حسن و حسین رضی اللہ عنہما شامل تھے، چنانچہ ان لوگوں نے آپ سے شرعی حکم بتانے کا منہج اور استنباط کا طریقہ سیکھا، جس کی خصوصیات یہ تھیں: ظاہر قرآن کا التزام، مطلق کو مقید پر محمول کرنا، مجمل کو مفسر پر محمول کرنا، ناسخ و منسوخ کا علم، لغت عرب پر عبور، ایک نص کو دوسرے نص کی مدد سے سمجھنا، مشکل چیز کے بارے میں استفسار، آیات کی مناسبت کا علم، عام کو خاص کرنا، عربوں کی عادات و حالات سے واقفیت، قوتِ فہم و وسعت ادراک وغیرہ۔ اسوۂ نبوی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم عصروں کے لیے تربیتی منہج رہا، چنانچہ اپنے والد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی قرآنی آیات کا آپ کے علم

اور آپ کی شخصیت سازی میں کافی اثر رہا، آپ کا دل پاک اور نفس صاف وستھرا تھا اور آپ کی روح ان سے ہم آہنگ رہی۔ اس لیے آپ نے عالم وجود کی عظیم حقیقتوں کا ادراک کر لیا۔

آپ نے اپنے استاد عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ اور ابوعبدالرحمن سلمی کے پاس قرآن حفظ کیا، جو کوفہ کے قاری تھے، اور ان کے والد صحابی تھے، انھوں نے علی، عبداللہ بن مسعود اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم سے حدیثوں کو روایت کیا ہے، انھی سے عاصم، عطاء، حسن اور حسین نے علم قراءت حاصل کیا، یہ صبح وشام دس دس آیتیں پڑھاتے تھے، آپ فقیہ تھے، عبدالملک بن مروان کے زمانۂ خلافت میں آپ کی وفات ہوئی، آپ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔'' ❶

عبداللہ بن مبارک، عطاء بن سائب سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہم ابوعبدالرحمن سلمی کے پاس گئے، آپ جاں کنی کی حالت میں تھے، ہم نے ان سے کہا: آپ بستر پر چلے جائیں، وہ زیادہ نرم ہوگا۔ انھوں نے کہا: مجھ سے فلاں شخص نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا یَزَالُ أَحَدُکُمْ فِيْ صَلَاةٍ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ یَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ .)) ❷

''جو بھی مصلی پر بیٹھے نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے وہ نماز کے حکم میں ہوتا ہے۔''

ابن سعد کی روایت میں ہے:

((اَلْمَلَائِکَةُ تَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ .))

''فرشتے کہتے ہیں اے اللہ! اس کی مغفرت کر دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔''

ابوعبدالرحمن سلمی نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں ایسی حالت میں وفات پاؤں کہ میں اپنی مسجد میں رہوں۔ ❸

قرآن کریم کی تعلیم میں آپ کا طریقہ وہی تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا، ابوعبدالرحمن سلمی سے مروی ہے: کہتے ہیں کہ عثمان بن عفان، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے لوگ جو ہمیں قرآن پڑھاتے تھے، انھوں نے ہم سے بیان کیا ہے کہ وہ لوگ جب نبی کریم ﷺ سے دس آیتیں سیکھ لیتے تو ان میں موجود علم وعمل کو جب تک حاصل نہ کر لیتے آگے نہ بڑھتے تھے، چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے قرآن، علم اور عمل سب ایک ساتھ سیکھا، اسی لیے ایک سورت کے یاد کرنے میں ان کا لمبا وقت لگ جاتا تھا۔ ❹ اسی طرح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مشہور ترین

---

❶ تهذيب التهذيب ٥/ ١٨٣، ١٨٤، الطبقات ٢/ ١٧٣

❷ كتاب الزهد (رقم ٤٢٠) ص ١٤١، ١٤٢

❸ الطبقات الكبرى ٦/ ١٧٤، ١٧٥ ❹ الفتاوى ١٣/ ١٧٧

شاگرد ابوعبدالرحمن سلمی قرآن کریم کے سلسلے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے استاد مانے جاتے ہیں۔ [1] حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بھی قرآن کے حفظ وفہم اور اس پر عمل سے متعلق یہی طریقہ رہا۔

اللہ، کائنات، زندگی، جنت اور جہنم سے متعلق امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کے خیالات:

اپنے والد کی تربیت اور قرآن کریم کے واسطے سے حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ کی معرفت حاصل ہوئی، اس طرح اللہ، کائنات، زندگی، جنت وجہنم، قضا وقدر، انسان کی حقیقت اور شیطان کے ساتھ اس کی کشمکش سے متعلق حسن رضی اللہ عنہ کے خیالات قرآن کریم اور طریقۂ نبوی سے مستفاد ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام نقائص سے مبرا اور لامتناہی کمالات سے متصف ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس کی بیوی ہے نہ بچے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اس عبودیت وتوحید کے مفہوم کو واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ [2]

☆ کائنات سے متعلق آپ کے خیالات ان آیتوں سے ماخوذ ہیں:

﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝﴾

(فصلت: ۹-۱۲)

''آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو اور تم اس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا کر دی، سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے، اور اس نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں (رہنے والوں کی) غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی، (صرف) چار دن میں، ضرورت مندوں کے لیے یکساں طور پر، پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا پس اس سے اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے، دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں، پس دو دن میں سات آسمان بنا دیے، اور ہر آسمان میں اس کے مناسب احکام کی وحی بھیج دی اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت دی

[1] تيسير الكريم المنان في سيرة عثمان بن عفان ص ٢٥

[2] منهج الرسول في غرس الروح الجهادية ص ١٠، ١٦

اور نگہبانی کی، یہ تدبیر اللہ غالب و دانا کی ہے۔''

☆ یہ زندگی جتنی بھی لمبی ہو اس کو ختم ہونا ہے اور متاع زندگی جتنی بھی عظیم ہو در حقیقت بہت مختصر اور حقیر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (یونس: ۲۴)

''پس دنیاوی زندگی کی حالت ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلیں، یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو چکی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے ہیں تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حکم (عذاب) آ پڑا، سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی، ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں۔''

☆ جنت سے متعلق آپ کے خیالات قرآنی آیات سے مستفاد ہیں۔ چنانچہ یہی تصور آپ کے ذہن و دماغ پر چھایا رہتا تھا، آپ کی سیرت پڑھنے والے پر یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ آپ کے دل و دماغ کی گہرائی میں اللہ کے سامنے حاضری اور اس کے عذاب و عتاب کی سختی کا تصور رچا بسا تھا، کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ سے ہی آپ نے قضا و قدر کا مفہوم سمجھا تھا، اور یہ مفہوم آپ کے قلب و جگر میں پیوست تھا، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۵۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ ہمیں سوائے اللہ کے ہمارے حق میں لکھے ہوئے کے کوئی چیز پہنچ نہیں سکتی، وہ ہمارا کارساز اور مولیٰ ہے مومنوں کو تو اللہ کی ذات پاک پر ہی بھروسا کرنا چاہیے۔''

☆ قرآن کریم ہی سے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو انسان اور شیطان کی کشمکش کی حقیقت کا پتہ چلا، یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ دشمن انسان پر ہر چہار جانب سے حملہ آور ہوتا ہے، معصیت الٰہی پر اسے اکساتا ہے اور اس میں نفسانی خواہشات کے جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے، چنانچہ ابلیس لعین کے خلاف آپ اللہ کی مدد طلب کرتے، نتیجتاً

آپ اپنی زندگی میں اس کے خلاف کامیاب و کامران رہے۔

☆ آدم علیہ السلام کی غلطی سے آپ نے یہ سبق سیکھا کہ ایک مسلمان کو اپنے رب پر بھروسا کرنا چاہیے، مومن کی زندگی میں توبہ و استغفار کی بڑی اہمیت ہے، حسد اور کبر وغرور سے بچنا ضروری ہے، ساتھیوں کے ساتھ اچھے اسلوب میں ہم کلام ہونا بہت ہی اہم ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا﴾ (الاسراء: ۵۳)

''اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں کیوں کہ شیطان آپس میں فساد ہے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے حسن رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کی روشنی میں زندگی گزارنے کا اعزاز بخشا، چنانچہ آپ نے ایسی ہی زندگی گزاری، آپ نے اپنے اصول وفروع کو کتاب اللہ وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا، آپ کا شماران ائمہ میں ہوتا ہے جو لوگوں کے لیے زندگی کی شاہراہ متعین کرتے ہیں اور جن کے اقوال و افعال اس کی زندگی میں لوگوں کے لیے نمونہ ہوا کرتے ہیں، آپ کو قرآن سے کافی شغف تھا، اسی لیے آپ کے خطبوں کی بنیاد قرآن پر ہی ہوتی تھی، چنانچہ آپ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے، منبر پر سورۂ ابراہیم پڑھنا شروع کر دی تا آنکہ اسے ختم کر دیا۔ ❶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ آپ جمعہ کے خطبہ میں سورۂ ق کی تلاوت کیا کرتے تھے، چنانچہ امام مسلم نے ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے سورہ ق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن سن کر کیا ہے، آپ ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے اسے پڑھتے تھے۔ ❷

ابن ماجہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر سورۂ ملک کی تلاوت کی، کئی واقعات کے ذریعہ سے آپ نے ہمیں نصیحت کی، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یا ابوذر رضی اللہ عنہ نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: یہ سورت کب نازل ہوئی؟ میں نے اسے اب تک نہیں سنا تھا، آپ نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ❸

اسی لیے خطبے سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بیان کرتے ہوئے امام ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

---

❶ الطبقات تحقیق السلمی ۱/ ۲۷۹، اس کی سند ضعیف ہے۔
❷ صحیح مسلم رقم ۸۷۳
❸ سنن ابن ماجہ رقم ۱۱۱۱، اس کی سند حسن ہے۔

''نبی کریم ﷺ اکثر قرآن کریم کے ذریعہ سے خطبہ دیا کرتے تھے۔''❶

اسی بناء پر حسن بن علی رضی اللہ عنہما قرآنی آیات کے ذریعہ سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور انھیں ان آیات کو سنتے تھے، اچھی آواز، خشوع وخضوع، تدبر، تذکیر اور اتقان کے ساتھ پڑھنے کا جو نبوی طریقہ تھا وہی طریقہ آپ بھی اپناتے تھے، نتیجتاً دل لرز جاتے، آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، سورۂ ابراہیم جسے آپ نے منبر پر پورا پڑھا تھا، پر غور وخوض کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اہم موضوعات درج ذیل ہیں:

☆ بنیادی عقائد کو ثابت کرنا جیسے اللہ پر، رسولوں پر، قیامت پر اور حساب وکتاب پر ایمان لانا، توحید کو ثابت کرنا، آسمانوں اور زمین کے خالق معبود برحق کے اوصاف بیان کرنا، نزول قرآن کا مقصد یعنی لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی جانب لے جانے کو بیان کرنا، گمراہی سے بچانے، اللہ کی عبادت، فضائل اور بنیادی عقائد میں رسولوں کی دعوت کا متحد ہونا۔

☆ وعدہ اور وعید: کافروں کی مذمت اور کفر کے باعث انھیں سخت عذاب کی وعید اور دھمکی، مومنوں کو ان کے اچھے اعمال پر جنت کا وعدہ (آیت ۲، ۲۳، ۲۸ سے ۳۱ تک)

☆ **افہام و تفہیم:** ..... آسانی کے لیے رسولوں کو انھی کی قوموں کی زبان میں بھیجنے کے بارے میں گفتگو۔ (آیت ۴۱)

☆ سابقہ رسولوں کے ساتھ ان کی قوموں کے برتاؤ کو بیان کر کے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا، اور ان کے اوپر آئے ہوئے عذابوں کو بیان کر کے نصیحت کرنا۔ (آیات ۹ تا ۱۸)

☆ موسیٰ علیہ السلام کی اپنے قوم سے گفتگو اور انھیں اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ (آیات ۵ تا ۸)

☆ تعمیر کعبہ کے بعد ابراہیم سیدنا کی اہل مکہ کے لیے امن وامان، رزق، کعبہ کی جانب دلوں کے میلان، اپنے آپ کو اور اپنی آل واولاد کو کی عبادت سے بچانے، بڑھاپے میں اولاد عطا کرنے پر رب کا شکر ادا کرنے، انھیں اور ان کی آل واولاد کو نماز قائم کرنے کی توفیق دینے، اپنے، اپنے والدین اور تمام مومنوں کے لیے مغفرت طلب کرنے سے متعلق دعائیں۔ (آیات ۳۵ تا ۴۱)

☆ آخرت میں جہنمیوں کے مابین گفتگو کا ایک منظر (آیت ۱۹ تا ۲۳)

☆ حق وایمان کے کلمے اور باطل وگمراہی کے کلمے کی بہترین درخت اور خراب درخت سے مثال دینا۔ (آیات ۲۴ تا ۲۷)

---

❶ زاد المعاد ۱/ ۴۳

☆ قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کرنا، ظالموں کو دھمکی دینا، ان کے انواع واقسام کے عذاب کو بیان کرنا۔ (آیات ۴۲ تا ۵۲)

☆ قیامت تک عذاب کو مؤخر کرنے کی حکمت کو بیان کرنا، اور اسی پر سورت ختم ہوئی ہے۔ (آیات ۵۱ تا ۵۲)

یہ ہیں سورۂ ابراہیم کے اہم موضوعات جسے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے خطبۂ جمعہ میں منبر پر پڑھا تھا۔

اسی طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہ سونے کے لیے جب بستر پر لیٹتے تو سورۂ کہف کی تلاوت کرتے تھے، اس سورت کی ابتداء قرآن کی صفت بیان کرنے سے شروع ہوتی ہے کہ وہ بالکل درست کتاب ہے، اس کے الفاظ و معانی میں کسی قسم کا اختلاف اور تضاد نہیں ہے، اور وہ بشارت دینے کے لیے نازل ہوئی ہے، پھر زینت و جمال اور ایسے عجائب کی جانب توجہ دلائی ہے جو اللہ کی قدرت پر واضح طور سے دلالت کرتے ہیں، اس سورت میں اصحاب کہف، خضر وموسیٰ علیہما السلام اور ذوالقرنین کے قصوں کو بیان کیا گیا ہے۔

اصحاب کہف کا قصہ، ہدایت کی اتباع اور صحیح عقیدے کی راہ میں مال و دولت، دوست و احباب، اعزہ و اقارب، اہل وعیال اور وطن کی قربانیوں کی نہایت عمدہ اور بہترین مثال ہے، ایک بت پرست بادشاہ کی پکڑ سے بچنے کے لیے یہ مومن نوجوان اپنے دین کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے، اور پہاڑ کے ایک غار میں اکٹھے ہوئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تین سو نو ہجری سال تک سلا دیا، پھر انھیں اٹھایا تا کہ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے دوبارہ پیدا کرنے اور اٹھانے پر اپنی قدرت کی دلیل قائم کر دے۔

قصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ تواضع اپنائیں، فقیر مومنوں کے ساتھ انھیں بیٹھیں، اور دین کی دعوت دینے کے لیے جا جا کر صرف مالداروں کے پاس نہ بیٹھیں:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ (الکہف: ۲۸)

''اور اپنے آپ کو انھی کے ساتھ رکھا کرو جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے حق کو ظاہر کرنے کے بعد کافروں کو دھمکی دی ہے اور آخرت میں ان کے لیے جو سخت عذاب تیار کر رکھا ہے اس کا تذکرہ کیا ہے، نیز اس کا ان جنتوں سے کیا ہے جنھیں اس نے صالح مومنوں کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ (آیات ۳۰ تا ۳۱)

ساٹھ سے اکہتر نمبر کی آیات میں مذکور خضر وموسیٰ علیہما السلام کا قصہ حصول علم میں علما کے لیے تواضع کی ایک بہترین مثال ہے اور یہ کہ دین کے اصول وفروع کے علاوہ ایک نیک بندے کے پاس کچھ ایسی باتوں کا علم ہو سکتا ہے جو انبیاء کے پاس نہ ہو، اس کی دلیل کشتی میں سوراخ کر دینا، بچے کو قتل کرنے کا واقعہ پیش آنا، اور گرتی دیوار کو ٹھیک کر دینا ہے۔

تراسی سے ننانوے تک کی آیتوں میں مذکور ذوالقرنین کے قصہ میں حاکموں اور بادشاہوں کے لیے عبرت ہے، اس لیے کہ یہ بادشاہ متقی، عادل اور صالح ہونے کے باعث سد بنا سکا اور دنیا پر حکومت قائم کر سکا، اسی قصے کے اثناء میں امر واقع سے مستفاد تین بہترین قسم کی مثالیں یہ ظاہر کرنے کے لیے ملتی ہیں کہ حق کا تعلق حکومت و مالداری سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ایمان سے ہے، سب سے پہلی مثال دو باغ والوں کا قصہ ہے جس میں اپنے مال پر مغرور مالدار اور اپنے ایمان پر فخر کرنے والے فقیر کے مابین موازنہ کیا گیا ہے تاکہ غریب مومنوں اور مالدار مشرکوں کی حالت بیان کی جائے۔

دوسری مثال دنیاوی زندگی کی ہے تاکہ لوگوں کو آگاہ کیا جا سکے کہ یہ دنیا فنا اور ختم ہونے والی ہے، اس کے بعد ہی قیامت کے بعض ہیبت ناک مناظر کو ذکر کیا گیا ہے، جیسے پہاڑوں کا چلانا، لوگوں کو میدان محشر میں جمع کرنا، لوگوں میں ان کے نامۂ اعمال کو تقسیم کرنا۔

تیسری مثال ابلیس کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کرنے کا واقعہ ہے، تاکہ کبر وغرور اور اس کے نتیجے میں شیطان کو راندۂ درگاہ کرنے اور لوگوں کو اس کے شر سے آگاہ کرنے کے مابین اور اللہ کی عبودیت وتواضع اور اس کے نتیجے میں اللہ کی خوشنودی کے مابین موازنہ کیا جا سکے۔

اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ نصیحت وموعظت کے لیے، اللہ کی آیتوں سے اعراض کرنے پر ڈرانے، اور ان پر عمل کرنے پر بشارت دینے جیسی رسولوں کی ذمہ داریوں کو واضح کرنے کے لیے مثالوں کو بیان کرنے پر قرآن مجید میں کافی توجہ دی گئی ہے، سورت کا خاتمہ تین موضوعات پر ہوا ہے: پہلا کفار کے اعمال کے ناکارہ ہونے اور آخرت میں مفید نہ ہونے کا اعلان (۱۰۰-۱۰۶)۔ دوسرا نیک اعمال کرنے والے مومنوں کو ابدی نعمتوں کی خوش خبری (۱۰۷-۱۰۸)۔ تیسرا یہ کہ اللہ کا علم لامتناہی و لامحدود ہے (۱۰۹-۱۱۰)۔ [1] آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تواضع کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ (الکہف: ۱۱۰)

''آپ کہہ دیجیے کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں، (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود برحق صرف ایک ہی معبود ہے، تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔''

یعنی اے محمد! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں انسان ہونے میں تمھیں جیسا ہوں، نہ تو میں فرشتہ ہوں اور نہ

[1] التفسیر المنیر (۱۶/ ۱۹۷، ۱۹۱، ۱۹۹)

ہی معبود، مجھے صرف انھی چیزوں کا علم ہے جنھیں میرے رب نے مجھے بتایا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ کی تنہا و بے نیاز ذات ہے، اس کی الوہیت میں کوئی بھی شریک نہیں، جس معبود کی تمھیں لازمی طور سے عبادت کرنی ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾

(الکہف: ۱۱۰)

''تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے، اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔''

یعنی جسے اللہ کی ملاقات پر ایمان ہو، اور اس کی اطاعت کے عوض ثواب کی امید ہو تو اسے نیک اعمال کے ذریعہ سے اس کی قربت حاصل کرنی اور صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور اس کی عبادت میں کسی بھی دوسری مخلوق کو شریک کرنے سے بچنا چاہیے، چاہے وہ شرکِ جلی ہو جیسے بتوں کی پوجا، یا غیر اللہ کو پکارنا، یا کسی مخلوق کے لیے نذر ماننا یا اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ کوئی انسان ایسا فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا ہے جو اللہ کے لیے خاص ہے یا اللہ کے شایانِ شان خوف و امید اور محبت جیسی عبادتوں کو غیر اللہ کی جانب پھیر دینا، یا شرکِ خفی ہو جیسے ریاکاری، دکھاوے اور شہرت کے لیے کوئی کام کرنا۔ ❶

ریاکاری شرکِ اصغر ہے، جیسا کہ فرمانِ نبوی ہے:

''تمھارے سلسلے میں مجھے سب سے زیادہ خوف شرکِ اصغر کا ہے، لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! شرکِ اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریاکاری، روزِ قیامت جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے رہا ہوگا فرمائے گا: ان کے پاس جاؤ جن کے لیے دنیا میں تم ریاکاری کرتے تھے اور دیکھو کیا تم ان کے پاس کوئی بدلہ پاتے ہو۔ ❷

آیت کریمہ نے قبولیتِ اعمال کی دونوں شرطوں کو ذکر کیا ہے:

۱۔ اتباعِ رسول جس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے: فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔

۲۔ عبادت صرف اللہ کی کی جائے، جس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

((وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا.))

ان معانی اور آیات کو حسن رضی اللہ عنہ ہر روز نہایت غور و فکر سے پڑھتے تھے، جن کا آپ کی ذات اور زندگی پر کافی

❶ التفسیر المنیر ۱٦/ ٤٣

❷ مسند أحمد ٥/ ٤٢٨، ٤٢٩ اس کی سند حسن ہے۔

اثر تھا، اسی طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہما سیرت النبی کا کافی اہتمام کرتے تھے۔ سیرت النبی کا علم اس دور کی ثقافت کا اہم جز تھا، چنانچہ اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں: میرے والد ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے بارے میں بتلاتے تھے، ہم سے ان کا تذکرہ کرتے اور فرماتے: یہ تمھارے آباء واجداد کے کارنامے ہیں، انھیں فراموش نہ کرو۔ ❶

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ہمیں قرآن کی سورت کی مانند ہی مغازی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ❷

رہا معاملہ حدیثِ رسول کا تو آپ کے والد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے تھے، اس کے اسباب یہ ہیں کہ بقیہ خلفاء کے بعد آپ کی وفات ہوئی ہے، آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہے، ایسے تابعین جو علم حاصل کرنے والے اور زیادہ سوال کرنے والے تھے مختلف مقامات میں پھیل چکے تھے، ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے جو احادیث کی روایت اور انھیں دوسروں تک پہنچانے کے متقاضی تھے، چنانچہ راویوں نے آپ سے وہ تمام روایتیں پوری امانت ودیانت کے ساتھ نقل کیں جو انھیں ملیں، آپ سے آپ کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ نے بھرپور استفادہ کیا۔

حسن رضی اللہ عنہ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سارے واقعات اور احادیث کو آپ نے سیکھ لیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کر کے ان کو ذکر کیا ہے جیسا کہ میں نے پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔

حسن رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کو طلب علم پر ابھارتے چنانچہ آپ نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو بلا کر کہا: اے میرے بیٹو اور بھتیجو! تم آج چھوٹے ہو، عنقریب تم بڑے ہو جاؤ گے، اس لیے علم کو سیکھو، تم میں سے جو یاد کر لینے یا روایت کرنے سے قاصر ہو تو وہ لکھ کر اپنے گھر میں رکھے۔ ❸

آپ رضی اللہ عنہ قادر الکلام خطیب تھے۔ ایک دن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: اے حسن کھڑے ہو، اور تقریر کرو، انھوں نے کہا: آپ کو دیکھ کر تقریر کرتے ہوئے میں ڈرتا ہوں، چنانچہ آپ وہاں سے ہٹ کر ایسی جگہ چلے گئے جہاں سے آپ سن سکیں، اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکیں، چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حمد وثنا کے بعد تقریر کی۔ ❹ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

---

❶ البدایۃ والنہایۃ ۲/ ۲۴۲

❷ البدایۃ والنہایۃ ۲/ ۲۴۲، السیرۃ النبویۃ للصلابی ۱/ ۶

❸ الطبقات ۱/ ۲۹۲ تحقیق السلمی، اس کی سند حسن ہے۔

❹ الطبقات ۱/ ۲۷۶، اس کی سند ضعیف اور مرسل ہے۔

﴿ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (آل عمران: ٣٤)

''سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ تعالیٰ سنتا اور جانتا ہے۔''

خطابت، فصاحت و بلاغت اور قوت بیان حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے نانا اور والد سے ورثے میں ملی تھی، تاریخی کتابوں میں مذکور ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ سے مروت سے متعلق بعض چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہا: اے میرے لاڈلے! ''سداد'' کیا ہے؟ جواب دیا: اے والد محترم! ''سداد'' نام ہے بری بات کا جواب بھلی بات سے دینے کا، پوچھا: شرف کیا ہے؟ جواب دیا: آپس داری اور ہمدردی برتنا، پوچھا: مروت کیا ہے؟ جواب دیا: پاک دامنی اور اپنے مال کی اصلاح۔ پوچھا: دقہ کیا ہے؟ جواب دیا: معمولی چیز میں تامل اور حقیر چیز کو نہ دینا۔ پوچھا: ''لؤم'' کیا ہے؟ جواب دیا: انسان کا اپنی حفاظت کرنا، اور اپنی بیوی کو بے حفاظت چھوڑ دینا۔ پوچھا: سماحت کیا ہے؟ جواب دیا: تنگ دستی اور مال داری دونوں صورتوں میں خرچ کرنا، پوچھا: شح کیا ہے؟ جواب دیا: تمھارے پاس جو موجود ہو اسے باعث شرف اور جو خرچ کر دو اسے ضائع ہو جانے والی چیز سمجھو، پوچھا: اخاء کیا ہے؟ جواب دیا: مشکل اور آسانی دونوں صورتوں میں وفاداری کا ثبوت دینا، پوچھا: جبن کیا ہے؟ جواب دیا: دوست کے خلاف شیر بننا اور دشمن کے خلاف بلی بن جانا، پوچھا: غنیمت کیا ہے؟ جواب دیا: تقویٰ کی رغبت اور دنیا سے بے رغبتی، پوچھا: حلم کیا ہے؟ جواب دیا: غصہ پی جانا اور نفس کو قابو میں رکھنا، پوچھا: غنا کیا ہے؟ جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ رزق پر چاہے کم ہی کیوں نہ ہو راضی رہنا، اس لیے کہ اصل مال داری دل کی مال داری ہے، پوچھا: فقر کیا ہے؟ جواب دیا: نفس ہر چیز کا لالچی ہو، پوچھا: ذل کیا ہے؟ جواب دیا: بھرپور وار سے گھبرا کر بھاگنا، پوچھا: جرأت کیا ہے؟ جواب دیا: ساتھیوں کے ساتھ رہنا، پوچھا: کلفت کیا ہے؟ جواب دیا: لایعنی بات کرنا۔ پوچھا: مجد کیا ہے؟ جواب دیا: مصیبت میں دینا اور جرم کو معاف کر دینا، پوچھا: عقل کیا ہے؟ جواب دیا: دل سے جن چیزوں کی حفاظت کا مطالبہ کیا جائے دل کا ان کی حفاظت کرنا۔ پوچھا: خرق (حماقت) کیا ہے؟ جواب دیا: حاکم وقت سے دشمنی کرنا اور بلند آواز سے اس سے گفتگو کرنا، پوچھا: حزم کیا ہے؟ جواب دیا: ذمہ داروں کے ساتھ سوچ سمجھ اور آسانی سے پیش آنا، لوگوں کے سلسلے میں بدگمانی سے بچنا، پوچھا: شرف کیا ہے؟ جواب دیا: بھائیوں کی موافقت اور پڑوسیوں کی حفاظت، پوچھا: سفہ (بے وقوفی) کیا ہے؟ جواب دیا: گھٹیا لوگوں کی اتباع اور بھٹکے ہوئے لوگوں کے ساتھ رہنا، پوچھا: غفلت کیا ہے؟ جواب دیا: مسجد کو چھوڑ دینا اور مفسد کی اطاعت کرنا۔ پوچھا: حرمان کیا ہے؟ جواب دیا: جو حصہ تمھیں دیا جا رہا ہو اسے چھوڑ دینا۔ پوچھا: سید کون ہے؟ جواب دیا: جو مال کے سلسلے میں زیادہ چالاکی برتنے والا نہ ہو، عزت و آبرو میں متشدد نہ ہو، اسے گالیاں دی جائیں تو اس کا جواب نہ دے، قبیلہ کے لوگوں کا خیال رکھے، پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے لاڈلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے

ہوئے سنا ہے:

((لَا فَقْرَ أَشَدُّ مِنَ الْجَهْلِ، وَلَا مَالَ أَعْوَدُ مِنَ الْعَقْلِ، وَلَا وَحْدَةَ أَوْحَشُ مِنَ الْعَجَبِ، وَلَا مُظَاهَرَةَ أَوْثَقُ مِنَ الْمُشَاوَرَةِ، وَلَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيرِ وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ، وَلَا وَرَعَ كَالْكَفِّ، وَلَا عِبَادَةَ كَالتَّفَكُّرِ، وَلَا إِيْمَانَ كَالْحَيَاءِ، وَرَأْسُ الْإِيْمَانِ الصَّبْرُ، وَآفَةُ الْحَدِيْثِ الْكِذْبُ، وَآفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ، وَآفَةُ الْحِلْمِ السَّفَهُ، وَآفَةُ الْعِبَادَةِ الْفَتْرَةُ، وَآفَةُ الظَّرْفِ الصَّلَفُ، وَآفَةُ الشُّجَاعَةِ الْبَغْيُ، وَآفَةُ السَّمَاحَةِ الْمَنُّ، وَآفَةُ الْجَمَالِ الْخُيَلَاءُ وَآفَةُ الْحُبِّ الْفَخْرُ.))

''جہالت سے بڑھ کر کوئی فقیری نہیں، عقل سے بڑھ کر کوئی مال نفع بخش نہیں، کبر وغرور سے زیادہ وحشت ناک کوئی تنہائی نہیں، مشاورت سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز قابل بھروسا نہیں، تدبیر جیسی کوئی عقلمندی نہیں، حسن اخلاق جیسی کوئی قابل عزت چیز نہیں، گناہوں سے باز رہنے جیسا کوئی تقویٰ نہیں، کائنات میں غور وفکر جیسی کوئی عبادت نہیں، حیا جیسا ایمان کا کوئی جز نہیں، ایمان کا اعلیٰ ترین جز صبر ہے، گفتگو کی آفت جھوٹ ہے، علم کی آفت بھولنا ہے، بردباری کی آفت حماقت ہے، عبادت کی آفت سستی ہے، دانائی کی آفت شیخی ہے، بہادری کی آفت بغاوت ہے، بھلائی کی آفت احسان جتلانا ہے، جمال کی آفت گھمنڈ ہے، محبت کی آفت فخر ہے۔''

پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! کسی شخص کو ہرگز حقیر نہ سمجھو، اگر تم سے بڑا ہو تو اسے اپنے باپ جیسا اور اگر تمھارے جیسا ہو تو اسے اپنے بھائی جیسا، اور اگر تم سے چھوٹا ہو تو اسے اپنے بیٹے جیسا سمجھو، مروت کی انھی چیزوں کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے سوال کیا تھا۔

قاضی ابوالفرج فرماتے ہیں: ان مذکورہ باتوں میں بہت ساری حکمتیں اور فوائد مضمر ہیں، ان سے وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو ان کی رعایت کرے، حفاظت کرے، یاد رکھے، ان پر عمل کرے، جو ان پر عمل کرکے، ان کی جانب رجوع کرکے اپنے نفس کو مؤدب ومہذب بنائے، ان پر عمل کرنے سے بھرپور فائدہ حاصل ہوگا۔

نبی کریم ﷺ سے امیر المومنین اور آپ کے اصحاب کی روایت کردہ حدیثوں کے حفظ اور ان میں غور وفکر سے کوئی بھی صاحب عقل وعلم وحکمت نیز قوم کا سردار مستغنی نہیں، نیک بخت وہ ہے جسے انھیں اپنانے کی توفیق ہوئی، نصیب والا وہ شخص ہے جسے ان کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کا موقع ملا۔ ❶

❶ البداية والنهاية ١١/ ٢٠٢

ابن کثیر رحمہ اللہ اس اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: لیکن یہ اثر اور اس میں مذکور مرفوع حدیث ضعیف ہے، اس کی متن میں نکارت کے ایسے الفاظ ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ محفوظ نہیں ہے۔ واللّٰہ أعلم۔'' ❶

مذکورہ امور جو کتاب و سنت سے متعارض نہیں، نہ ہی ان پر کسی عقیدے اور عبادت کی بنیاد ہے، بلکہ وہ مکارم اخلاق کی دعوت دیتے ہیں، تو انھیں مان لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ایمان و یقین کے مابین کتنی مسافت ہے؟ حسن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: چار انگل، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیسے؟ حسن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ایمان ہر وہ چیز ہے جسے تمھارے کان سنیں اور تمھارا دل اس کی تصدیق کرے، اور یقین ہر وہ چیز ہے جسے تمھاری آنکھیں دیکھیں اور تمھارا دل اس پر یقین کرے، اور آنکھ و کان کے مابین چار انگل سے زیادہ دوری نہیں ہے۔ ❷

آپ کے اقوال میں سے درج ذیل چیزیں ہیں:

((حُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ .)) ❸

''اچھے ڈھنگ سے سوال نصف علم ہے۔''

خاموشی کے بارے میں پوچھے جانے پر آپ نے فرمایا:

((هُوَ سَتْرُ الْعَيْبِ أَوْ زَيْنُ الْعِرْضِ۔ وَ فَاعِلُهُ فِيْ رَاحَةٍ وَ جَلِيْسُهُ فِيْ أَمَانٍ)) ❹

''وہ عیب کی پردہ پوشی یا عزت و آبرو کی زینت ہے۔ خاموشی اختیار کرنے والا آرام میں ہوتا ہے۔ اور اس کا ہم نشین امن و امان میں ہوتا ہے۔''

آپ نے عربی زبان سیکھنے کی وصیت کی ہے۔ ❺ عربی زبان سیکھنے کے سلسلے میں آپ کی تاکید، پڑھنے بالخصوص قرآنی آیات پڑھنے میں قواعد کے تطبیق کی ضرورت کی تاکید ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان ہی میں قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے، اور اسی میں اپنے دین کے احکام و فرائض کو بتلایا ہے، اسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیغام رسالت پہنچایا، اسی کے ذریعے سے احادیث نبویہ کی تعمیم دی، اسی میں علم و حکمت اور دینی امور پر

---

❶ البداية والنهاية ۱۱/ ۲۰۲ الطبرانی الكبير۔ یہ حدیث موضوع ہے۔
❷ التبيين في انساب القرشيين ص ۱۲۷
❸ نور الأبصار للشبلنجي (ص ۱۲۲)، الحسن بن علی رسالة ماجستير (ص ۳۸)
❹ من أقوال الصحابة ص ٦٧ نقلا عن الحسن بن علی رسالة ماجستير ص ۳۸
❺ مفتاح السعادة، احمد مصطفى ۲/ ۸۲ نقلا عن الحسن بن علی

مشتمل کتابیں تصنیف کی گئیں، اس لیے ہر نو عمر پر عربی زبان سیکھنا لازمی ہے، ورنہ وہ دین سے جاہل وعلم میں ناقص رہے گا، ساتھ ہی ساتھ قرآن مجید فصاحت و بلاغت و بیان اور سننے میں مٹھاس سے بھرپور ہے۔ ❶

اسی طرح عربی زبان سیکھنے کے سلسلے میں حسن رضی اللہ عنہ کی تاکید یہ بتلاتی ہے کہ آپ عربی زبان کے ماہر تھے، چنانچہ آپ کا شمار فصحائے عرب میں ہوتا تھا۔ عمرو بن العلاء کا قول ہے:

((ما رأيت أفصح من الحسن بن علي رضي الله عنهما .)) ❷

''میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ فصیح شخص کو نہیں دیکھا۔''

حسن رضی اللہ عنہ کے بہت سارے ہونہار شاگرد تھے، جن میں سے آپ کے بیٹے حسن، مسیّب بن نجبہ، سوید بن غفلہ، علاء بن عبدالرحمٰن، شعبی، ہبیرہ بن مریم، اصبغ بن نباتہ، جابر بن خالد، ابوالحورا، عیسیٰ بن ماموں بن زرارہ، ابویحییٰ عمیر بن سعید نخعی، ابومریم قیس ثقفی، طحرب عجلی، محمد بن اسحاق کے والد اسحاق بن یسار، سفیان بن لیل اور عمر بن قیس تھے۔ ❸ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے کے وقت دنیاوی و ذاتی مصلحت پر امت کے اتحاد اور خون کی حفاظت کو مقدم رکھنے سے متعلق شریعت کے مقاصد کی گہری معرفت اور مصالح و مفاسد کے جاننے میں آپ کی باریک بینی اور علمی تبحر کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔ آپ کی عبادت:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کافی عبادت گزار تھے، عبادت کے وسیع مفہوم کو آپ نے اپنی زندگی میں برتا، عبادت کا شوق آپ کو خاندانِ نبوت سے بچپن ہی میں حاصل ہو چکا تھا، آپ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے تربیت یافتہ تھے جو اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خادم طلب کرنے آتی ہیں تو آپ انھیں اس سے بہتر چیز تسبیح وتحمید اور تہلیل وتکبیر کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اور ان کے شوہر سے رات میں جب کہ وہ بستر پر ہوتے کہتے: اٹھو نماز پڑھو، چنانچہ آپ نے زہد و عبادت، ورع و تقویٰ اور حلم و صبر سے معمور خانوادے میں آنکھیں کھولیں، یہ بنیادی باتیں، مفاہیم اور اعلیٰ قدریں آپ کی زندگی میں اس قدر رچ بس گئیں کہ آپ ان میں ضرب المثل ہوگئے، آپ کے معاصر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر نیک لوگ اس کی شہادت دیتے ہیں۔

☆ آپ شعوری طور پر عبادت گزار تھے، یقین کے ساتھ آپ اللہ والے تھے، دنیا اور اس کے مشاغل سے پوری رضامندی اور اطمینان کے ساتھ بے رغبت تھے، اسی لیے جب آپ وضو کر کے فارغ ہوتے تو آپ

---

❶ نصيحة الملوك (ص ٣٥٠)، للماوردي

❷ الكامل في التاريخ ٤/ ١٣٢

❸ تاريخ دمشق ١٤/ ٥

کا رنگ بدل جاتا، اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا: جو عرش والے کے حضور جانے کا ارادہ کرے اس کا رنگ بدل جانا چاہیے۔ ❶

ابن سعد کا قول ہے:

((ما رأيت أخوف من الحسن بن علي و عمر بن عبدالعزيز ، كأن النار لم تخلق إلا لهما .)) ❷

''میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے کو نہیں دیکھا، ایسا لگتا تھا کہ جہنم انھی کے لیے بنائی گئی ہے۔''

بندہ جس قدر اپنے رب سے قریب ہوتا ہے، اس کے اسما، اور صفات کمالیہ سے جس قدر آگاہ ہوتا ہے اسی قدر اللہ سے اس کا خوف اور اس کی ہیبت بڑھ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے احوال بدلتا رہتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (آل عمران: ٢٦)

''آپ کہہ دیجیے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے، اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے، اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

وہ حکومتوں کو پلٹ دیتا ہے، ایک حکومت کو ختم کرتا ہے، دوسری حکومت کو لاتا ہے، فرشتے معاملات کو لے کر اس کے پاس جاتے ہیں اور اس کے پاس سے آتے رہتے ہیں، اس کے اوامر صادر ہوتے ہیں اور اس کی چاہت کے مطابق نافذ ہوتے رہتے ہیں، وہ جو چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے جس وقت چاہتا ہے اور جس طریقے سے چاہتا ہے بلا کم وکاست اور بغیر تقدیم وتاخیر کے وجود میں آجاتا ہے، اس کی سلطنت ہے آسمانوں میں، زمین اور اس پر موجود تمام چیزوں میں، سمندروں میں، فضاؤں میں، اور دنیا کے تمام حصوں میں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں الٹ پھیر اور تصرف کرتا ہے۔ ❸

فرمان الٰہی ہے:

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ (السجدة: ٥)

---

❶ وفيات الاعيان ۲: ٦٩　❷ الطبقات الكبرى ٥: ٣٩٨

❸ الايمان أولا فكيف نبدأ به، مجدي الهلالي ص ٧٣

''وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، پھر (وہ کام) ایک ایسے دن میں اس کی طرف چڑھ جاتا ہے جس کا اندازہ تمھاری گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔''

آسمانوں اور زمین میں، سمندروں کی گہرائیوں اور پہاڑوں کی تہوں میں کوئی بھی ذرہ اللہ سے مخفی نہیں، فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾

(الأنعام: ٥٩)

''اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے)، ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے، اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے، جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں، اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔''

اللہ کی عظمت و جلال کا شعور اور اس کے اسماء و صفات کی معرفت، بندے میں اللہ کا ڈر اور خوف اور اس کی خشیت پیدا کرتی ہے، ❶ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴾

(الرعد: ١٥)

''اللہ ہی کے لیے زمین اور آسمان کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام۔''

☆ حسن بن علی رضی اللہ عنہما مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے اللہ کے ذکر و فکر میں مشغول رہتے تا آنکہ سورج بلند ہو جاتا، آپ کے پاس سردارِ قوم کے لوگ بیٹھ کر باتیں کرتے، پھر آپ اٹھ کر امہات المومنین کے پاس جاتے، ان سے سلام کرتے، بسا اوقات وہ آپ کو تحفہ سے نوازتیں، پھر آپ گھر لوٹ جاتے۔ ❷

ان نیک بختوں میں سے جن کے لیے فرشتے دعائے مغفرت کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھ کر اپنی نماز کی جگہ بیٹھے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ امام احمد کی روایت کردہ یہ حدیث بتلاتی ہے:

---

❶ الإيمان أولا فكيف نبدأ به، مجدي الهلالي (ص ٧٦)

❷ البداية والنهاية ١١/ ١٩٣، ١٩٤

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَلَائِكَةُ تُصَلِّیْ عَلٰی أَحَدِكُمْ مَادَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ الَّذِیْ صَلّٰی فِیْهِ مَا لَمْ یُحْدِثْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ .)) ❶

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو بھی باوضو اپنی نماز کی جگہ میں جہاں اس نے نماز پڑھی ہے جب تک رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں، اے اللہ تو اس کی مغفرت فرما دے اے اللہ تو اس پر رحم فرما۔''

((وَ إِنْ جَلَسَ یَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ صَلَّتْ عَلَیْهِ الْمَلَائِكَةُ وَ صَلَاتُهُمْ عَلَیْهِ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ .)) ❷

''اگر بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں ان کی دعا یہ ہوتی ہے: اے اللہ تو اس کی مغفرت فرما، اے اللہ تو اس پر رحم فرما۔''

امام احمد نے عطاء بن سائب کی حدیث کو نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''میں ابوعبدالرحمٰن سلمی کے پاس گیا، وہ نمازِ فجر پڑھ کر بیٹھے تھے، میں نے کہا: اگر آپ اپنے بستر پر چلے جاتے تو وہ آپ کے لیے زیادہ آرام دہ تھا، انھوں نے کہا: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے: جو شخص نماز فجر پڑھ کر اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، ان کی دعائے مغفرت یہ ہے: اے اللہ تو اس کی مغفرت فرما، اے اللہ تو اس پر رحم فرما۔ اور جو (بیٹھ کر) نماز کا انتظار کرتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، ان کی دعا یہ ہے: اے اللہ تو اس کی مغفرت فرما، اے اللہ تو اس پر رحم فرما۔'' ❸

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا نمازِ فجر کے بعد تلاوت قرآن کے لیے گھر میں طلوع آفتاب تک ٹھہرنے، پھر اشراق کی دو رکعتوں کو پڑھنے کا ثواب مسجد میں ٹھہرنے کے ثواب کے برابر ہے، تو آپ نے جواب دیا: اس عمل میں کافی بھلائی اور عظیم اجر ہے، لیکن اس سلسلے میں وارد حدیثوں کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کو وہی اجر نہیں ملے گا، یہ اجر اسی کو ملے گا جو مسجد میں اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہے، لیکن بیماری اور خوف کے باعث اگر کوئی فجر کی نماز اپنے گھر میں پڑھ کر نماز کی جگہ بیٹھ کر اللہ کے ذکر وفکر میں مشغول رہتا ہے یا قرآن کی تلاوت کرتا ہے تا آنکہ سورج بلند ہو جائے پھر وہ اشراق کی دو رکعتیں پڑھتا ہے، تو اسے وہ اجر ملے گا جو حدیثوں

---

❶ مسند احمد رقم ٨١٠٦، احمد شاکر نے اس کی تصحیح کی ہے۔

❷ مسند احمد رقم ١٢١٨، احمد شاکر نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔

❸ مسند احمد ٢/ ٣٠٥، ٣٠٦، احمد شاکر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

میں وارد ہے، اس لیے کہ اس نے معذور ہونے کے باعث اپنے گھر میں نماز پڑھی ہے، اسی طرح عورت جب نماز فجر کے بعد اپنی نماز کی جگہ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہے یا قرآن کی تلاوت کرتی ہے تاآنکہ سورج بلند ہو جائے، پھر وہ اشراق کی دو رکعتیں پڑھتی ہے تو اس کو وہی اجر ملے گا جو حدیث میں وارد ہے۔ ❶

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی سیرت ہمیں بوقت صبح ذکر الٰہی کی اہمیت سکھلاتی ہے اور اس وقت نہ سونے کی ترغیب دلاتی ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ بوقت صبح ذکر الٰہی کی اہمیت واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''فقہائے کرام کے نزدیک نماز صبح اور طلوع آفتاب کے درمیان سونا مکروہ ہے، وہ تو (ثوابوں کا) خزانہ بٹنے کا وقت ہوتا ہے، زاہدوں کے نزدیک اس وقت اللہ کی جانب متوجہ ہونے کی ایک خاص خصوصیت ہے، اگر رات بھر اللہ کی جانب متوجہ ہو کر عبادت کرتے رہے ہوں تو بھی اس وقت طلوع آفتاب تک عبادت منقطع نہیں کرتے ہیں، اس لیے کہ اسی وقت سے دن کی ابتدا ہوتی ہے، اسی وقت روزیاں نازل ہوتی ہیں اور تقسیم کی جاتی ہیں، اسی وقت برکتوں کا نزول ہوتا ہے، وہیں سے دن شروع ہوتا ہے، دن کے اسی حصے کے حکم پر پورے دن کا حکم مرتب ہوتا ہے، اس لیے اضطراری حالت ہی میں اس وقت سونا چاہیے۔'' ❷

اس وقت کی فضیلت اور اس میں اللہ کی عبادت کی اہمیت کے باعث اس وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کی احادیث میں شدید ترغیب دلائی گئی ہے، چنانچہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَ عُمْرَةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ .)) ❸

''جس نے نماز فجر باجماعت پڑھی، پھر بیٹھا طلوع آفتاب تک اللہ کو یاد کرتا رہا، پھر دو رکعت نماز پڑھی تو اس کو حج وعمرہ کا پورا پورا ثواب ملے گا۔''

ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں: حج افضل اعمال میں سے ہے، لوگ اس کے کافی مشتاق ہوتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں میں خانۂ کعبہ کی جانب ایک خاص کشش رکھ دی ہے، اور بہت سارے لوگ اس افضل عمل کو ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں، بالخصوص ہر سال ادا نہیں کر سکتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ایسے اعمال مشروع قرار دیے کہ جن کا ثواب حج کے ثواب کے برابر ہوتا ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے نفلی حج نہ کر سکنے والوں کو اس کا بدل مل جائے۔ ❹

---

❶ مجموعة فتاوى و مقالات متنوعة، ابن باز ١١/ ٤٠٣، ٤٠٤

❷ تهذيب مدارج السالكين ص ٢٤٨

❸ سنن الترمذی رقم ٥٨٦، امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

❹ لطائف المعارف ص ٣٥١؛ البدر في الحث على صلاة الفجر، الدكتور عماد على ص ٨٦

استاذ بناء کہتے ہیں: اے برادرانِ محترم! ہر دن تمھارے سامنے صبح و شام اور سحر گاہی میں کچھ ایسے مخصوص اوقات ہیں جن میں تم ملا اعلیٰ سے اپنا روحانی رابطہ قائم کر سکتے ہو، اور دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے اپنے دامن مراد کو بھر سکتے ہو، تمھارے سامنے اطاعتوں کے مواقع، عبادتوں کے دن اور قربتوں کی راتیں ہیں، جن کی جانب تمھیں قرآن مجید اور رسول کریم ﷺ متوجہ کرتے ہیں، اس لیے آپ بھرپور کوشش کریں کہ آپ ان اوقات میں ذکر الٰہی میں مشغول رہیں، غفلت نہ کریں، نیک عمل کرنے والے ہوں، عمل سے پہلو تہی کرنے والے نہ ہوں، وقت کو غنیمت سمجھیں، وقت تلوار کی مانند ہے، کاموں کو دوسرے وقت پر ٹالنے کی عادت چھوڑ دیں یہ بہت مضر عادت ہے۔ ❶

☆ حسن بن علی رضی اللہ عنہما طلوع آفتاب کے وقت کہتے تھے:

((سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ الْأَعْظَمِ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ الْأَمْجَدِ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.)) ❷

''سننے والے نے عظمتوں والے اللہ کی حمد کو سنا، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت اور تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ سننے والے نے بزرگیوں والے اللہ کی حمد کو سنا، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت اور تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

حسن بن علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ اوراد و وظائف اور دعاؤں کا التزام کرتے تھے، لوگوں کو مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرنے پر ابھارتے رہتے تھے، آپ کہا کرتے تھے جو شخص مسجد جاتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے درج ذیل خصلتوں میں سے ایک عطا کرتا ہے:

''حاصل ہونے والی بھائی چارگی اور ڈھانپ لینے والی شفقت، یا وسیع علم، یا ہدایت کی کوئی بات، یا حیا اور ڈر سے گناہوں کا ترک کر دینا۔'' ❸

آپ تہجد گزار تھے، آپ رات کے پہلے پہر اور حسین رضی اللہ عنہ آخری پہر میں قیام (تہجد) کا اہتمام کرتے تھے۔ ❹

❶ الرقائق ص ۱۸، نقلا عن مجلة الدعوة عدد ۸، ۱۹۵۱ء الإيمان أولا ص ۲۴۸
❷ الطبقات ۱/ ۲۹۱، تحقيق السلمي۔ اس کی سند صحیح ہے۔
❸ عيون الأخبار ۳/ ۵، الحسن بن علي ص ۲۷
❹ الزهد لابن حنبل ص ۱۷۱، رهبان الليل (۱/ ۴۰۳) للعفاني

قیام اللیل ایمان کی تازگی کے اہم ترین وسائل میں سے ہے، نیک لوگوں کے تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ دلوں کو زندگی عطا کرنے میں اس کا بہت موثر کردار ہوتا ہے۔

"المدخل" میں ابن الحاج کہتے ہیں: قیام اللیل کے بہت سارے فوائد ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ا۔ اس سے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے آندھی سے درخت کے سوکھے پتے۔
۲۔ اس سے دلوں کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔
۳۔ قیام اللیل ادا کرنے والا آسمان سے فرشتوں کو ویسے ہی دکھائی دیتا ہے جیسا کہ زمین والوں کو آسمان پر کوئی روشن ستارہ۔
۴۔ قیام اللیل اپنے ادا کرنے والے کے لیے ایسی روشنیوں اور برکتوں کا باعث ہوتا ہے جو بیان سے باہر ہیں۔ ❶

قیام اللیل (تہجد) مومن کے لیے باعث شرف ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((شَرَفُ الْمُؤْمِنِ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ وَ عِزُّهُ اسْتِغْنَاؤُهُ عَمَّا فِيْ أَيْدِي النَّاسِ.)) ❷

"مومن کا شرف قیام اللیل (تہجد) ادا کرنا ہے اور اس کی عزت لوگوں کے مال و دولت سے مستغنی رہنا ہے۔"

حب الٰہی کے دعوے اس وقت تک نہیں مانے جا سکتے ہیں جب تک کہ اس کی دلیلیں نہ ہوں، رات کی گھڑیاں اس کی شہادت نہ دیں، پس ہر مدعی پر دلیل ضروری ہے، قیام اللیل کرنے والے ہی لوگوں کے مابین لائق عزت و احترام ہیں، اور ہم جیسے غافل اور سونے والوں کو مذکورہ گھڑیاں رسوا کر دیتی ہیں، ان کا تذکرہ باقی نہیں رہتا، ان کی شرافت داغ دار ہو جاتی ہے۔ ❸

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی سیرت سے ہمیں قیام اللیل (تہجد) کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، رات میں صدق و اخلاص کا جذبہ دلوں میں بسایا جا سکتا ہے، یہ جذبہ جس قدر زیادہ ہوگا دل میں بھلائی کا عنصر اسی قدر زیادہ ہوگا، اور دل میں بھلائی کا عنصر جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر ہر جانب سے بھلائی ہی بھلائی حاصل ہوگی۔

﴿إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ﴾ (الانفال: ۷۰)

---

❶ الإيمان أولا ص ۱۷۲
❷ صحيح الجامع رقم ۳۷۰۱، السلسلة الصحيحة رقم ۱۹۰۳
❸ الإيمان أولا ص ۱۷۳

''اگر اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں نیک نیتی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمھیں دے گا۔''

قیام اللیل (تہجد) شکر کی ان اہم ترین شکلوں میں سے ہے جنھیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما انجام دیتے تھے، اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کا شکر ادا کرنا عبودیت کے مقاصد میں سے ہے، شکر عمل ہے اور شکر گزار بندہ وہی ہوتا ہے جس پر نعمت کا اثر ظاہر ہو، اور بندے پر نعمت کا جو بھرپور اثر ظاہر ہونا چاہیے وہ تواضع و خاکساری اور نعمتوں کے عطا کرنے والے کی تعظیم ہے۔ [1] فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ ﴾

(الزمر: ۸، ۹)

''اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا، اسے (بالکل) بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک مقرر کرنے لگتا ہے تاکہ (اوروں کو بھی) اس کی راہ سے بہکائے، آپ کہہ دیجیے کہ اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھا لو (آخر) تو دوزخیوں میں ہونے والا ہے، بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو (اور جو اس کے برعکس ہو برابر ہو سکتے ہیں؟) بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے نعمت یافتہ دو طرح کے لوگوں کے بارے میں ان آیتوں میں گفتگو کی گئی ہے، پہلے وہ لوگ جو مشکل حالات سے گزر رہے تھے، تکلیف و پریشانی میں مبتلا تھے، دل کی گہرائی سے اللہ کو پکارا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکلیفوں کو ختم کر دیا، پریشانیوں کو دور کر دیا، لیکن انھوں نے شکر کا راستہ اختیار نہیں کیا اور اپنی سخت گمراہی کی جانب لوٹ گئے، دوسرے وہ لوگ جو اللہ کے سامنے گریہ وزاری اور راتوں میں لمبی دعائیں کر کے شکر کی راہ پر چلتے رہے، قرآن مجید ان دونوں صورتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ (الزمر: ۹)

---

[1] الإيمان أولا (ص ۱۷٤)

''بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر ہو سکتے ہیں؟''

یعنی جو شکر اور نعمتوں کے حقوق جانتے ہیں وہ اور وہ جو انھیں نہیں جانتے برابر نہیں ہو سکتے۔ ❶

شاعر کہتا ہے:

القانتون المخبتون لربهم

الناطقون بأصدق الأقوال

''اپنے رب کے سامنے عجز وانکساری کا اظہار کرنے والے، فرماں بردار اور سچ بولنے والے بندے''

یحیون لیلهم بطاعة ربهم

بتلاوة و تضرع و سؤال

''اپنے رب کی اطاعت میں شب بیداری کرتے ہیں دعا، گریہ وزاری اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔''

و عیونهم تجری بفیض دموعهم

مثل انهمال الوابل الهطال

''موسلا دھار بارش کے مانند ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی ہے۔''

فی اللیل رهبان و عند جهادهم

لعدوهم من أشجع الأبطال

''راتوں میں وہ عبادت گزار اور دشمنوں سے جہاد میں وہ بہادر ترین ہیں۔''

بوجوههم أثر السجود لربهم

و بها أشعة نوره المتلالی ❷

''ان کی پیشانیوں پر اپنے رب کے لیے سجدوں کے نشانات اور چمکتے نور کی شعاعیں ہیں۔''

☆ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے بکثرت حج کیے تھے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اپنی جوانی میں جس چیز کے نہ کر سکنے پر مجھے ندامت ہے وہ یہ کہ میں پیدل حج نہ کر سکا، حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے پچیس مرتبہ پیدل حج کیا ہے جب کہ آپ کے ساتھ اونٹوں کا قافلہ چل رہا تھا، آپ نے اپنے اور اللہ کے مابین اپنے مال کو تین مرتبہ تقسیم کیا یہاں تک کہ چرمی موزہ دے دیتے اور جوتا اپنے پاس رکھتے۔ ❸

❶ الإیمان أولا ص ۱۷۵ ❷ رهبان اللیل ۱/ ۳٦٥

❸ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲٦۰

یہ ان چیزوں کے التزام کی مثال ہے جو شرعاً لازم نہیں ہیں۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما ان کا التزام کرتے تھے، اس طرح کہ آپ نے پچیس مرتبہ پیدل حج کا التزام کیا، اس سے حج کی ادائیگی میں پیدل چلنے کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے، اس کی تائید عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ندامت سے ہوتی ہے کہ آپ اس چیز کو اپنے ایام شباب میں انجام نہ دے سکے جب کہ مشقت کے باوجود حسن رضی اللہ عنہ اس پر مداومت کرتے تھے۔ اس سے آپ کی قوتِ ایمانی اور مزید نیک اعمال کی سچی رغبت کا پتہ چلتا ہے۔ حج میں پیدل چلنے سے مقصود مکہ سے عرفہ اور عرفہ سے مکہ تک پیدل چلنا ہے، اس سے مقصود یہ نہیں کہ حاجی اپنے ملک سے پیدل چل کر حج کے لیے جائے۔ ❶

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی سیرت سے سہولت اور آسانی کی صورت میں خانہ کعبہ کے سفر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ فرمان نبوی ہے:

((تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَ الْعُمْرَةِ فَإِنَّ مُتَابَعَةً بَيْنَهُمَا تَنْفِي الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خُبْثَ الْحَدِيْدِ.)) ❷

"حج اور عمرے کے تسلسل کو باقی رکھو، ان کا تسلسل فقر اور گناہوں کو ایسے ہی ختم کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کی میل کچیل کو۔"

اسی لیے بعض روایتوں کے مطابق حسن رضی اللہ عنہ نے پچیس مرتبہ پیدل حج کیا جب کہ آپ کے ساتھ اونٹوں کا قافلہ چل رہا تھا۔ ❸ آپ کہا کرتے تھے: میں اس بات پر شرم محسوس کرتا ہوں کہ اپنے رب سے اس حال میں ملوں کہ اس کے گھر کا پیدل سفر نہ کیے رہوں۔ ❹ آپ بہت خاموش طبیعت اور اپنے نانا کے طریقے پر عبادت گزار تھے۔

۳۔ آپ کا زہد وتقویٰ:

قرآن سے لگاؤ، اپنے والد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی صحبت اور اس کائنات میں غور وفکر سے حسن رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ دنیا امتحان وآزمائش کی جگہ ہے، آپ قرآن کے تربیت یافتہ تھے، ان آیتوں کو ذہن نشین کر لیا تھا جو دنیا کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، اس کی ذلت وحقارت اور نجات فنا وزوال کو بتلاتی ہیں، آپ روزانہ سورۂ کہف کی تلاوت کرتے اور اس فرمان الٰہی سے گزرتے:

﴿وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ۝﴾ (الکہف: ۴۵، ۴۶)

❶ التاریخ الإسلامی ۱۹/ ۲۲۱　❷ الإیمان أولاً ص ۲۴۹
❸ تاریخ ابن عساکر ۱۴/ ۷۲　❹ تاریخ ابن عساکر ۱۴/ ۷۱

''ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال (بھی) بیان کرو جیسے پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں اس سے زمین کا سبزہ ملا جلا نکلتا ہے، پھر آخرکار وہ چورا چورا ہو جاتا ہے جسے ہوائیں لیے پھرتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، مال و اولاد تو دنیا کی ہی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ازروئے ثواب اور (آئندہ کی) اچھی توقع کے بہت بہتر ہیں۔''

یہ مثال بتلاتی ہے کہ دنیا ایک حقیر اور چند روزہ چیز ہے، اس کی نعمتیں اور تن آسانیاں ختم ہونے والی ہیں، یہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ کہ دنیا بہت جلد ختم و فنا ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان کیا کہ مال و اولاد لوگوں کے نزدیک دنیاوی زندگی کی زیب و زینت ہیں، اور دنیا کی ہر زینت بہت جلد ختم ہونے والی ہے، اس لیے اس پر خوش ہونا یا فخر کرنا عقل مندوں کا کام نہیں۔ ❶

﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾ (الکہف: ٤٦)

''اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ازروئے ثواب اور (آئندہ کی) توقع کے بہت بہتر ہیں۔''

یعنی نیک اعمال اور عبادتیں جیسے نمازیں، صدقات، جہاد فی سبیل اللہ، غریبوں محتاجوں کی مدد، اور اوراد و وظائف وغیرہ ثواب میں بہتر، اللہ کی قربت کے زیادہ باعث اور تادیر اثر والے ہیں، اس لیے کہ ان کا ثواب انھیں انجام دینے والے کو ملنے والا ہے، اور ازروئے توقع بہتر ہیں اس لیے کہ انھیں انجام دینے والا آخرت میں ہر وہ چیز پائے گا جس کی دنیا میں وہ توقع کرتا تھا۔ ❷

حسن رضی اللہ عنہ کی تربیت آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج پر ہوئی جو دنیا کی حقیقت کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان ہے:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا شَرْبَةَ مَاءٍ)) ❸

''اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت ایک مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو وہ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ پینے دیتا۔''

نیز فرمایا:

---

❶ التفسیر المنیر ١٥/ ٢٥٩.　❷ التفسیر المنیر ١٥/ ٢٦١

❸ سنن الترمذی رقم ٢١١٠، یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

((مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ.)) ❶

''آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسے ہی ہے کہ کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو دے پھر نکال کر دیکھے کہ سمندر کا کون سا حصہ نکل کر آیا ہے۔''

نیز فرمایا:

((اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْكَافِرِ.)) ❷

''دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔''

حسن بن علی رضی اللہ عنہما قرآنی اور نبوی تربیت یافتہ تھے۔ اس لیے آپ زہد کا اعلیٰ نمونہ تھے، آپ نے زہد کی نہایت عمدہ مثالیں پیش کی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

سلطنت اور عزو شرف کے لیے آدمی کی حرص، مال کی حرص سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح دنیاوی عزو جاہ، سرداری اور زمین میں سربلندی کی چاہت، بندے کے لیے مال کی طلب سے زیادہ مضر ہے، اس میں زہد وتقویٰ نہیں پایا جاسکتا ہے، سرداری اور عزو شرف کی طلب میں مال خرچ کر دیے جاتے ہیں، عزو شرف کی حرص دو قسم کی ہوتی ہے:

۱۔ مال و سلطنت اور اقتدار و بالا دستی کے ذریعہ سے عزو شرف کی طلب، یہ نہایت خطرناک چیز ہے، یہ چیز عموماً آخرت کی بھلائی اور اس کے عزو جاہ سے مانع ہوتی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ۚ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (القصص: ۸۳)

''وہ آخرت کا گھر ہم انھی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے، نہ فساد کرنا چاہتے ہیں، پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔''

جو لوگ اقتدار حاصل کر کے دنیا کی سرداری کے حریص ہوتے ہیں انھیں توفیق الٰہی نہیں ملتی، بلکہ وہ اپنے حال پر چھوڑ دیے جاتے ہیں، ❸ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((يَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيْتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهِ.)) ❹

---

❶ صحيح مسلم رقم ۲۸۵۸
❷ صحيح مسلم (رقم ۲۸۵٦)
❸ شرح حديث: ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۳۳
❹ صحيح البخاری رقم ٦٦۲۲

''اے ابوعبدالرحمن تم امارت مت طلب کرنا، اگر طلب کرنے پر تمھیں امارت مل گئی تو تمھارا کوئی معاون نہ ہوگا اور اگر بغیر طلب کے مل گئی تو لوگ تمھارے ساتھ تعاون کریں گے۔''

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَ سَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَنِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ وَ بِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ.)) ❶

''تم امارت وحکومت کے حریص رہو گے، حالاں کہ وہ یوم قیامت باعث ندامت ہوگی، امارت وحکومت (ملنے کے وقت) کیا ہی بہتر دودھ پلانے والی ہے اور (چھن جانے پر) کیا ہی بری دودھ چھڑانے والی ہے۔''

مال وراقتدار کی محبت ان کی حرص آدمی کے دین کو برباد کر دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''ایسے دو بھوکے بھیڑیے جنھیں بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا گیا ہو وہ انھیں اتنا نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا کہ مال اور عزو شرف کی حرص انسان کے دین کو پہنچاتی ہے۔'' ❷

مال اور عزو شرف کی محبت کی بنیاد دنیا کی محبت ہے اور دنیا کی محبت خواہشات نفسانی کی پیروی ہے۔ ❸

وہب بن منبہ کا قول ہے: نفسانی خواہشات کی پیروی سے دنیا کی رغبت پیدا ہوتی ہے، اور دنیا کی رغبت سے مال اور عزو شرف کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور مال وعزو شرف کی محبت میں انسان حرام چیزوں کو حلال سمجھنے لگتا ہے، ❹ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ ۝ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝﴾

(النازعات: ۳۷-۴۱)

''تو جس شخص نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے، ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔''

---

❶ صحیح البخاری رقم ۷۱۴۸

❷ الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان رقم ۳۲۱۸، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

❸ شرح حدیث ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۱۱

❹ شرح حدیث ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۷۱

۲۔ اسی طرح نفس انسانی اپنی ہی جنس کے لوگوں پر برتری اور سربلندی چاہتا ہے، اور یہیں سے کبر و حسد وجود میں آتا ہے، لیکن عقلمند اس سربلندی میں دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے جسے دوام و بقا ہے، جس میں اللہ کی خوشنودی و قربت ہے، اور اس سربلندی سے اعراض کرتا ہے جسے زوال و فنا ہے، جس سے اللہ کا غضب اور اس کی ناراضی ملتی ہے، بندہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے، اور لوگوں کی نگاہوں سے گر جاتا ہے۔ یہ دوسری مذموم سربلندی حقیقت میں روئے زمین میں ناحق سرکشی اور تکبر ہے، لیکن پہلی سربلندی اور اس کی حرص محمود ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾ (المطففین: ۲٦)

''جس پر مشک کی مہر ہوگی، سبقت لے جانے والوں کو اسی میں سبقت کرنی چاہیے۔''

حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يُنَافِسُكَ فِي الدُّنْيَا فَنَافِسْهُ فِي الْآخِرَةِ .))

''جب کسی کو پاؤ کہ وہ دنیا کے بارے میں تم پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا ہے تو تم آخرت کے بارے میں اس پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔''

وہیب بن ورد کا قول ہے:

((إن استطعت أن لا يسبقك إلى الله أحد فافعل .)) ❶

''اگر تم سے ہو سکے کہ اللہ کے تئیں تم پر کوئی سبقت نہ لے جا سکے تو تم ایسا ہی کرو۔''

آخرت کے باقی رہنے والے درجات، اس کے بلند منازل کی طلب، اس کے اسباب کو اپنا کر اس کے حریص بننے میں تنافس مشروع ہے اور یہ بھی مشروع ہے کہ جو بلند درجات حاصل کر سکتا ہے وہ ان سے کم پر قناعت نہ کرے۔

رہی فانی اور زوال پذیر سربلندی جس کے طلب کرنے والے کے حصے میں کل کے دن حسرت و ندامت، ذلت و رسوائی ہی آنے والی ہے تو اس سے کنارہ کشی اور اعراض مطلوب ہے۔ ❷

حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت سے اس گہری سمجھ اور عظیم فقہ کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ آپ نے مسلمانوں کی خوں ریزی کو روکنے اور آخرت کی طلب میں خلافت و سلطنت کو ترک کر دیا، قوت و شوکت کے مالک ہوتے ہوئے بھی آپ نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

---

❶ شرح حدیث: ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۱۲

❷ شرح حدیث: ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۱۳

((كَانَتْ جَمَاجِمُ الْعَرَبِ بِيَدِيْ يُسَالِمُوْنَ مَنْ سَالَمْتُ وَيُحَارِبُوْنَ مَنْ حَارَبْتُ فَتَرَكْتُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ .)) ❶

''تمام عرب میری مٹھی میں تھے، میں جس کے لیے پرامن رہتا ان کے ساتھ وہ پرامن رہتے اور جس سے میں جنگ کرتا ان سے وہ بھی جنگ کرتے۔ لیکن میں نے اللہ کی خوشنودی کے لیے اسے (خلافت کو) ترک کر دیا۔''

ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا:

((وَلٰكِنْ خَشِيْتُ أَنْ يَّجِيْءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُوْنَ أَلْفًا أَوْ ثَمَانُوْنَ أَلْفًا أَوْ أَكْثَرُ أَوْ أَقَلُّ كُلُّهُمْ تَنْضِحُ أَوْدَاجُهُمْ دَمًا كُلُّهُمْ يَسْتَعْدِي اللّٰهَ فِيْمَ هُرِيْقَ دَمُهُ .)) ❷

''لیکن میں ڈر گیا کہ قیامت کے دن ستر ہزار یا اسی ہزار یا کم و بیش لوگ اس حال میں آئیں کہ ان کی رگوں سے خون بہ رہا ہو، سب کے سب اللہ سے فریاد کر رہے ہوں کہ کس سلسلے میں ان کا خون بہایا گیا۔''

علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر نوے ہزار لوگ بیعت کر چکے تھے، ❸ پھر بھی آپ خلافت سے کنارہ کش ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے یہ کہتے ہوئے کر دی: ''میری وجہ سے کچھ بھی خون نہ بہے۔'' ❹

ایک دوسری روایت میں کہتے ہیں: میں نہیں چاہتا کہ میں امت محمدیہ کی کسی ادنیٰ چیز کا ذمہ دار ہوں جس میں خون بہے، میں اپنے لیے ضرر رساں اور نفع بخش چیزوں کو جانتا ہوں، تم سب اپنے علاقوں کو لوٹ جاؤ۔ ❺

۴۔ آپ کی سخاوت و فیاضی:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی شخصیت میں رچے بسے قرآنی اخلاق میں سے سخاوت و فیاضی اور راہِ خدا میں بکثرت خرچ کرنا ہے، قرآن کریم نے خرچ کرنے والوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ یہ تعریف قرآن کی ابتدا سے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ دوسری سورت کے شروع ہی میں فرماتا ہے:

﴿الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ: ۱-۳)

---

❶ البداية والنهاية ۱۱/ ۲۰۶
❷ تاريخ دمشق ۱۴/ ۱۰۴
❸ تاريخ دمشق ۱۴/ ۹۸
❹ تاريخ دمشق ۱۴/ ۹۸
❺ تاريخ دمشق ۱۴/ ۱۹

''الـــم ، اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں ، پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے، جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز کو قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیے ہوئے (مال) میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

پھر ان کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ: ۵)

''یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔''

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی عملی تربیت، نبوی اور قرآنی قدروں کا امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ پر کافی اثر تھا، آپ کی شخصیت پر اس کی چھاپ دکھائی دیتی ہے، آپ نے ایسے واضح آثار چھوڑے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جود و سخا اور انفاق جیسے اعلیٰ اخلاق آپ کی شخصیت میں رچ بس گئے تھے، آپ جود و سخا کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، ایسا ہونا ہی تھا اس لیے کہ نبوی خانوادے کے پروردہ تھے، بچپن ہی میں یہ اچھی خصلت آپ میں گھر کر چکی تھی، آپ کی سخاوت و فیاضی کے واقعات ضرب المثل اور بڑے لوگوں کے لیے نمونہ بن گئے۔ [1] ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

محمد بن سیرین کہتے ہیں:

''بسا اوقات حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ایک ہی شخص کو ایک لاکھ دے دیا۔'' [2]

سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں:

''حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی بغل میں ایک شخص کو اللہ سے دعا کرتے ہوئے سنا کہ اللہ اسے دس ہزار درہم کا مالک بنا دے، تو آپ گھر گئے اور اس کے پاس مذکورہ مبلغ بھیج دیا۔'' [3]

لوگ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے مدینہ کے ایک باغ میں ایک غلام کو دیکھا کہ وہ روٹی کا ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور وہاں موجود کتے کو ایک لقمہ کھلاتا ہے، آپ نے اس سے پوچھا: ایسا کیوں کر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: مجھے شرم آتی ہے کہ میں کھاؤں اور اس کو نہ کھلاؤں، چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میرے آنے تک یہیں رہنا، آپ اس کے آقا کے پاس گئے، اسے اس سے خریدا اور وہ باغ بھی خریدا جس میں وہ تھا، پھر اسے آزاد کر دیا اور اسے باغ کا مالک بنا دیا، اس پر غلام نے آپ سے کہا: اے میرے آقا! میں نے باغ کو اس کے لیے ہبہ کر دیا جس کے لیے آپ نے اسے میرے لیے ہبہ کیا تھا۔ [4]

ابو ہارون عبدی کہتے ہیں: ہم حج کے لیے نکل پڑے، مدینہ پہنچ کر حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، آپ کو

[1] الدوحة النبوية الشريفة ص ٨٤
[2] تهذيب الكمال ٦/ ٢٣٤
[3] سير أعلام النبلاء ٣/ ٢٦٠
[4] البداية والنهاية ١١/ ١٩٦

اپنے احوال اور سفر سے باخبر کیا، جب ہم آپ کے پاس سے چلے آئے تو آپ نے ہم میں سے ہر شخص کے پاس چار سو درہم بھیج دیا، ہم لوٹ کر آپ کے پاس گئے اور آپ کو اپنی فارغ البالی کے بارے میں بتایا، اس پر آپ نے فرمایا: آپ لوگ میری دی ہوئی چیز کو واپس نہ کریں، اگر میری حالت دوسری ہوتی تو آپ لوگوں کو یہ واپس کرنا ٹھیک تھا، مگر آپ لوگوں کو سفر حج میں زادِ راہ دے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن فرشتوں کے مابین اپنے بندوں پر فخر کرتا ہے۔ ❶

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ان حاجیوں کو فارغ البالی کے باوجود یہ مال دیا تھا، اگر وہ محتاج ہوتے تو کیا حال ہوتا، اور جب انھوں نے یہ بتایا کہ انھیں ضرورت نہیں ہے تو ان سے مال واپس نہیں لیا، یہ جود وسخا کے بے پایاں جذبے کی دلیل ہے، اس مال سے بہتر زادِ راہ دینا بھی نہ بھولے، چنانچہ آپ نے انھیں یوم عرفہ کی فضیلت یاد دلائی جس دن کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے۔ ❷

عبداللہ بن عبید اللہ بن عمیر سے مروی ہے کہتے ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: انھوں نے اپنے اور اللہ کے مابین اپنے مال کو تین مرتبہ تقسیم کیا، یہاں تک کہ آپ چرمی موزہ دے دیتے اور جوتا روک لیتے۔ ❸

یہ سخاوت کی بڑی نادر مثال ہے، اس لیے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ اپنے مال کو دو حصوں میں تقسیم کیا، اور ہر مرتبہ آدھے مال کو بطور صدقہ دے دیا۔

بڑی باریکی سے آپ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے، احتساب کا یہ عمل آپ ایک فریضہ سمجھ کر ادا کرتے تھے، چنانچہ آپ چرمی موزہ دے دیا کرتے تھے اور جوتا روک لیتے تھے، جب کہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ ایسا کرکے آپ نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے خیر واحسان کے کاموں میں ایک نمونے کے طور پر پیش کیا۔ ❹

آپ اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ سخی تھے، ❺ آپ کا شمار سخی لوگوں میں ہوتا تھا ❻، آپ کی سخاوت کا واقعہ ہے کہ معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس ایک لاکھ بھیجا، تو آپ نے اسے اپنے ساتھ بیٹھنے والوں میں تقسیم کر دیا، چنانچہ ان میں سے ہر ایک کو دس ہزار ملا۔ ❼

آپ کی فیاضی کا واقعہ ہے کہ آپ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، وہ جاں کنی کے عالم میں واکرباہ وا

---

❶ سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲٦۱ ❷ التاریخ الإسلامی ۱۷/ ۱۳٦

❸ سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۲٦۰ ❹ التاریخ الإسلامی ۱۷/ ۱۳۷

❺ المحاسن و المساوی ص ٥٥، الحسن بن علی (ص ۳۲)

❻ الحسن بن علی ص ۳۲، رسالة ماجستير (ص ۳۲)

❼ البداية و النهاية نقلا عن الحسن بن علی، ص ۳۲

حزناہ (ہائے مصیبت، ہائے غم) کہہ رہے تھے، تو ان سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے چچا جان! آپ کو کس چیز کا غم ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اے نواسۂ رسول! مجھ پر ساٹھ ہزار درہم قرض ہے، میں اسے ادا نہیں کر سکا ہوں، اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھاری جانب سے اسے ادا کر دوں گا، ان سے اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے نواسۂ رسول! اللہ آپ کی مشکلوں کو آسان کرے، بلاشبہ اللہ کو علم ہے کہ رسالت کہاں موزوں رہے گی۔ ❶

لوگ حسن رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی شہادت دیتے تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک بدوی مدینہ آ کر لوگوں سے مانگ رہا تھا، اس سے کہا گیا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ یا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ یا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس، اس کی ملاقات سعید بن عاص رضی اللہ عنہ سے ہوئی چنانچہ انھوں نے اسے اس کی چاہت کے مطابق دے دیا۔ ❷

حسن رضی اللہ عنہ کی سخاوت کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کس کی زندگی سب سے بہتر ہے؟ آپ نے جواب دیا: جو اپنی زندگی میں دوسروں کو شریک کرے، ان سے پوچھا گیا کہ سب سے بُرا آدمی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: جس کی زندگی میں کوئی شریک وساجھی نہ ہو۔ ❸

حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: آپ فاقہ کے باوجود کسی سائل کو کیوں واپس نہیں کرتے ہیں؟ جواب دیا: میں اللہ ہی سے سوال کرتا ہوں، اسی کو چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ میں یہ عادت ڈال دی ہے کہ وہ مجھے اپنی نعمتیں نوازتا رہتا ہے، اور میں اس کی نعمتیں لوگوں کو دیتا رہتا ہوں، میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے دینا بند کر دیا تو اللہ تعالیٰ نوازنا بند کر دے گا۔ ❹

حسن رضی اللہ عنہ اپنے جود وسخا اور ایثار میں مالدار، غریب، چھوٹے، بڑے اور قریب و دور کے مابین کوئی امتیاز نہیں برتتے تھے، اس لیے کہ جو شخص خرچ کر کے اور دے کر راحت محسوس کرتا ہو، جود وسخا جس کی فطرت میں شامل ہو، اسے لوگوں کو خوش کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ ❺

حافظ ابراہیم نے ان اشعار میں حسن رضی اللہ عنہ ہی کو مراد لیا ہے:

إنــي لتـطـربـنـي الـخـلال كريمة

طــرب الـغــريــب بـأوبة و تلاق

---

❶ المحاسن و المساوی ص ٥٧

❷ غاية المرام، عز الدين القريشي ١/ ٩٥

❸ تاريخ اليعقوبی ٢/ ٢٢٦، ٢٢٧

❹ نصيحة الملوك للماوردی ص ٤٣٨

❺ الدوحة النبوية الشريفة ص ٨٤

''مجھے اچھی خصلتوں سے ایسی ہی خوشی حاصل ہوتی ہے جیسی کہ وطن سے دور رہنے والے کو وطن کی واپسی اور لوگوں سے ملاقات کی۔''

و یھزنی ذکر المروئۃ و الندی
بین الشمائل ھزۃ المشتاق

''مروت وسخاوت جیسی خصلتوں کے تذکرے پر میں ایک عاشق کے مانند جھوم جھوم جاتا ہوں۔''

فإذا رزقت خلیقۃ محمودۃ
فقد اصطفاك مقسم الأرزاق

''جب تمھیں کوئی اچھی عادت نصیب ہو تو سمجھ لو کہ روزی رساں اللہ نے تمھارا انتخاب کیا ہے۔''

فالناس ھذا حظہ مال، و ذا
علم، و ذاك مکارم الأخلاق

''کچھ لوگوں کے نصیب میں مال، کچھ کے نصیب میں علم اور کچھ کے نصیب میں اچھے اخلاق ہوتے ہیں۔''

علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے لوگوں کو خطاب کیا پھر فرمایا: بلاشبہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مال جمع کیا ہے، وہ تمھارے مابین تقسیم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ لوگ آئے تو حسن رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا: میں نے فقراء کے لیے جمع کیا ہے، چنانچہ آدھے لوگ چلے گئے۔ سب سے پہلے آپ سے لینے والے اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔ [1]

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ نفس انسانی کا دنیاوی کشش اور بخل سے چھٹکارا پانے اور رضائے الٰہی کے حصول کی جانب مائل ہونے کی ابتداء اللہ کی راہ میں برابر خرچ کرنے سے ہوتی ہے تا آنکہ وہ مستقل عادت بن جاتی ہے، اس طرح نفس انسانی مال سے بے رغبت ہو جاتا ہے، اس کی محبت دل سے نکل جاتی ہے، اس لیے وہ نہ تو مال کی زیادتی پر خوش ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی کمی پر رنجیدہ ہوتا ہے، اس فرمان الٰہی کے مطابق:

﴿لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾

(الحدید: ۲۳)

''تاکہ تم اپنی فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو اور نہ عطا کردہ چیز پر اتراؤ اور اترانے والے

[1] الطبقات ۱/ ۲۷۱ اس کی سند صحیح ہے۔

شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔"

نفوس کے تزکیہ میں صدقہ کا بڑا مؤثر کردار ہوتا ہے۔ دنیا و آخرت میں اس کے بڑے فوائد ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

☆ صدقہ مال کو بارآور بنانے کا سب سے افضل طریقہ ہے:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُهَا بِيَمِيْنِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ حَتّٰى يَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ.)) ❶

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے تو چوں کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال چیز کو قبول کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کر لیتا ہے، پھر اسے صاحبِ صدقہ کے لیے بڑھاتا رہتا ہے، جیسے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو بڑھانے کے لیے اس کی دیکھ ریکھ کرتا ہے، تا آنکہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔"

☆ صدقہ جہنم سے آڑ ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا عَائِشَةُ اسْتَتِرِيْ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَإِنَّهَا تَسُدُّ مِنَ الْجَائِعِ مَسَدَّهَا مِنَ الشَّبْعَانِ.)) ❷

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدھی کھجور ہی کو صدقہ کر کے جہنم سے بچو، وہ آسودہ شخص کی طرح بھوکے شخص کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔"

☆ صدقہ صاحبِ صدقہ کے لیے بروز قیامت سایہ ہوگا:

((عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضي الله عنه قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: كُلُّ امْرِئٍ فِيْ ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ.)) ❸

"عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے: ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا تا آنکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے مابین فیصلہ کر دے۔"

---

❶ یہ حدیث صحیح متفق علیہ ہے۔

❷ صحیح الترغیب و الترھیب للالبانی (رقم ٨٥٥)

❸ صحیح الترغیب و الترھیب (رقم ٨٢٢)

☆ صدقہ عذاب کو دور کرتا اور لوگوں کے حقوق میں کمی کو ختم کرتا ہے:

((عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَ أَکْثِرْنَ الْاِسْتِغْفَارَ، فَإِنِّیْ رَأَیْتُکُنَّ أَکْثَرَ أَهْلِ النَّارِ، إِنَّکُنَّ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَ تَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ.)) ❶

''ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کرو اور بکثرت مغفرت طلب کرو، میں نے جہنم میں تمھاری اکثریت دیکھی ہے بلاشبہ تم بکثرت لعن طعن کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صدقہ عذاب کو دور کرتا ہے، اور لوگوں سے متعلق گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔'' ❷

دنیا میں اس کے بہت سارے فوائد ہیں، حدیثوں میں ان فوائد کی تائید موجود ہے۔ چنانچہ صدقہ بیماروں کی دوا ہے، مصیبت کو دور کرتا ہے، معاملات کو آسان کر دیتا ہے، رزق کا باعث ہوتا ہے، بری موتوں سے بچاتا ہے، غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے، گناہوں کے اثرات کو ختم کرتا ہے۔ ❸

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اللہ والا بننے سے گہرا تعلق ہے، ایمان کو تازہ کرنے اور دلوں کو زندگی بخشنے میں انفاق فی سبیل اللہ کا بہت مؤثر اور بنیادی کردار ہے، اور ہمارے لیے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی سخاوت و فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ میں ایک بہترین نمونہ ہے، انفاق فی سبیل اللہ دخول جنت کے اہم دروازوں میں سے ہے، جو مالداروں کے لیے زیادہ کھلا رہتا ہے، اسی کے توسط سے امت کے بہت سارے بڑے لوگ جنت کے مستحق ہوئے ہیں، جیسے عثمان، عبدالرحمن بن عوف اور حسن وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ اس لیے عصر حاضر کے مالدار مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اس دروازے میں داخل ہو کر اپنی طاقت بھر مسلمانوں کے مسائل اور دعوت کے منصوبوں میں بھرپور تعاون کریں تاکہ وہ رضائے الٰہی حاصل کر سکیں اور دخول جنت کے مستحق بنیں، ضرورت مندوں کے تعاون اور اللہ کے دین کی بھرپور مدد میں ہاتھ بٹا سکیں، بخیلی سے کام نہ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر سختی کر دے۔

۵۔ آپ کی بردباری:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور مروان بن حکم کے مابین کوئی بات تھی، چنانچہ آپ کے پاس مروان آئے اور آپ سے

❶ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ ❷ فتح الباری ۱/۳۳۶

❸ الایمان أولا کیف نبدأ به ص ۱۸۸، ۱۸۹

سخت کلامی کرنے لگے، آپ خاموش رہے، مروان نے اپنے داہنے ہاتھ سے ناک جھاڑی تو حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: تیرا برا ہو، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ دایاں ہاتھ چہرے کے لیے ہے، اور بایاں ہاتھ شرمگاہ کے لیے، چنانچہ مروان چپ ہو گئے۔ ❶

جب تک معاملہ ذاتی رہا، حسن رضی اللہ عنہ چپ رہے، جب مروان نے سنت نبوی کی مخالفت کی تو اللہ کے لیے اور سنت نبوی کی مخالفت کے باعث ناراض ہو گئے اور جو درست بات تھی وہ بیان کر دی۔ ❷ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کے جنازے میں مروان بن حکم رونے لگے، ان سے حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ان پر رو رہے ہو جب کہ انھیں بار بار غصہ دلایا کرتے تھے؟ اس پر انھوں نے پہاڑ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''میں ایسا اس سے بھی زیادہ بردبار شخص کے ساتھ کرتا تھا۔'' ❸

ابن عائشہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک شامی شخص کا بیان ہے: میں مدینہ پہنچا، خچر پر سوار ایک شخص کو دیکھا، میں نے اس سے اچھا چہرے مہرے، کپڑے اور سواری والا نہیں دیکھا، میرا دل اس کی جانب مائل ہو گیا، میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا، یہ حسن بن علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ہیں، یہ سن کر میرا دل ان کے بغض سے بھر گیا، اور مجھے علی رضی اللہ عنہ پر حسد آنے لگا کہ ان کا اس طرح کا کوئی بیٹا ہے، میں ان کے پاس گیا، پوچھا: کیا تم علی بن ابوطالب (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے ہو؟ کہا: ہاں، میں ان کا بیٹا ہوں۔ میں نے کہا: تمھاری اور تمھارے باپ کی ایسی تیسی، میں انھیں گالی دینے لگا، جب میری بات ختم ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا: شاید آپ یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، کہا: آپ ہمارے پاس آیئے، اگر آپ کو ٹھہرنے کی جگہ چاہیے تو ہم آپ کو دیں گے، اگر آپ کو پیسے کی ضرورت ہے تو ہم آپ کے لیے مہیا کریں گے، اور اگر کوئی اور ضرورت ہے تو ہم آپ سے تعاون کریں گے، اس آدمی کا بیان ہے کہ جب میں آپ کے پاس سے واپس ہونے لگا تو روئے زمین پر ان سے زیادہ پسندیدہ کوئی شخص میرے نزدیک نہیں تھا، ان کے اور اپنے کیے پر کچھ نہ سوچا بلکہ ان کا شکریہ ادا کیا، اور اپنے آپ پر نادم ہوا۔ ❹

ان بہترین کارناموں سے حسن رضی اللہ عنہ کی بردباری کا پتہ چلتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس آیت ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (الاعراف: ۱۹۹) (آپ درگزر کا طریقہ اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں، جاہلوں سے نہ الجھیں) پر عمل کرتے ہوئے اور اپنے نانا کی اقتداء کرتے ہوئے مخالفین کو کس طرح، ان کے ساتھ بھلائی اور نرمی کر کے، ان کی تکالیف پر صبر کر کے، ان کی بھلائی چاہتے ہوئے اپنا

❶ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۶۰
❷ الدوحة النبوية الشريفة ص ۸۷
❸ تهذيب الكمال ٦/ ۲۳٥
❹ وفيات الأعيان ۲/ ٦۷، ٦۸

بنا یتے تھے، جب کہ ان میں سے اکثر جاہل اور حقائق سے ناآشنا ہوتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ بھی حلم و بردباری، عفو و درگزر، اپنے خلاف تہمتوں اور بے بنیاد باتوں پر، ساتھ ہی ساتھ مشرکین عرب (جیسے ابولہب کی بیوی، ابوجہل، ابی بن خلف جیسے مکہ کے بے وقوف لوگوں) کی ایذا رسانیوں پر صبر و ضبط کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ ❶

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کو بیان کرتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

((لَا یَجْزِیْ بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ وَ لٰکِنْ یَعْفُوْ وَ یَصْفَحُ)) ❷

''آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے تھے، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔''

انھی سے مروی ہے کہتی ہیں: جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ کر آپ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو ہرگز نہیں مارا، نہ کسی عورت اور خادم کو، اور جب بھی آپ کو ستایا گیا تو آپ نے اس کا ذاتی انتقام نہیں لیا الا یہ کہ کوئی اللہ کے محارم کی بے حرمتی کرے تو اللہ کے واسطے آپ بدلہ لیتے تھے۔ ❸

معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اپنا غصہ اتارنے پر قادر ہونے کے باوجود غصہ پی جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن لوگوں کے سامنے بلا کر اسے اجازت دے گا کہ وہ حوروں میں سے جسے چاہے پسند کر لے۔ ❹

بردباری کی صفت کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

وفی الحلم ردع للسفیه عن الأذى
و فی الخرق إغراء فلا تك أخرقا

''بردباری بے وقوف کو تکلیف سے دور رکھتی ہے، اجڈپن دوسروں کے خلاف ابھارتا ہے، اس لیے اجڈ مت بنو۔''

فتندم إذ لا تنفعك ندامة
كما ندم المغبون لما تفرقا ❺

---

❶ الأخلاق بین الطبع و التطبع فیصل ، الحاشدی ص ۱۳۹

❷ سنن الترمذی رقم ۲۰۱٦ ، البانی نے صحیح سنن الترمذی رقم ۱٦٤۰ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

❸ صحیح مسلم رقم ۲۳۲۸

❹ سنن الترمذی رقم ٤۷۷۷ ، البانی نے صحیح سنن الترمذی ۲/ ٦۵۱۸ میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

❺ لأخلاق بین الطبع و التطبع ص ۱۵۱

''کہ تمھیں اس وقت ندامت ہو جب کہ ندامت نفع بخش نہیں ہوتی، جیسے ٹھگا گیا شخص ٹھگ سے دور ہونے پر نادم ہوتا ہے۔''

۶۔ آپ کی خاکساری:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا گزر کچھ غریبوں کے پاس سے ہوا جو راستے سے روٹی کے ٹکڑوں کو چن کر زمین پر رکھ کر کھا رہے تھے، انھوں نے آپ کو اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دی، چنانچہ آپ نے یہ کہتے ہوئے ان کی دعوت قبول کر لی کہ اللہ تعالیٰ متکبروں کو پسند نہیں کرتا، جب آپ کھا کر فارغ ہوئے تو ان کی دعوت کی انھیں کھلایا پلایا، کپڑا دیا، اور ان کے ساتھ کافی احسان کیا۔ ❶

آپ کی خاکساری کا ایک واقعہ یہ ہے کہ آپ کا گزر کچھ بچوں کے پاس سے ہوا جو کھانا کھا رہے تھے، انھوں نے آپ کو شریک ہونے کی دعوت دی، آپ نے ان کی دعوت قبول کر لی، پھر انھیں اپنے گھر بلا لائے اور انھیں نوازتے ہوئے فرمایا:

''احسان انھی کا ہے اس لیے کہ ان کے پاس صرف وہی چیز تھی جو انھوں نے مجھے کھلائی اور جو ہم نے دیا ہے اس کے علاوہ بھی ہمارے پاس ہے۔'' ❷

خاکساری اللہ کے بندوں کی صفات میں سے ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ (الفرقان: ۶۳)

''رحمن کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں۔''

خاکساری بندے سے اللہ کی محبت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (المائدۃ: ۵۴)

''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی، وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کافروں پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی

---

❶ حیاۃ الإمام الحسن بن علی ۱/ ۲۹۱

❷ صلاح الأمۃ فی علو الھمۃ ۵/ ۲۳۱

پروا نہیں کریں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔''

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی سیرت سے ہمیں خاکساری کا پتہ چلتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

تواضع کالنجم لاح لناظر
علی صفحات الماء و هو رفیع

''ستارے جیسی خاکساری اختیار کرو کہ وہ بلند ہونے کے باوجود دیکھنے والے کے لیے پانی میں ظاہر ہوتا ہے۔''

و لاتك کالدخان یعلو بنفسه
علی طبقات الجو و هو وضیع ❶

''دھواں کے مانند نہ ہو جو معمولی چیز ہونے کے باوجود بذات خود فضاؤں میں بلند ہوتا ہے۔''

۷۔ آپ کی سرداری:

رسول اللہ ﷺ نے بارہا لوگوں کے سامنے آپ کے اعلیٰ مقام، سرداری اور عظمت شان کا ذکر کیا، حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ قول بہ تواتر روایتوں میں وارد ہے:

((إِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ .))

''بلاشبہ میرا یہ لاڈلا سردار ہے۔''

ابن عبدالبر کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے متواتر روایتیں وارد ہیں کہ آپ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

((إِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَ عَسَی اللّٰهُ أَنْ یُبْقِیَهٗ حَتّٰی یُصْلِحَ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ .)) ❷

''میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرانے تک باقی رکھے۔''

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ ابْنِیْ هٰذَا -یَعْنِی الْحَسَنَ- سَیِّدٌ وَ لَیُصْلِحَنَّ اللّٰهُ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ

❶ الأخلاق بین الطبع و التطبع (ص ۱۲۸)

❷ صحیح البخاری، فضائل الصحابة ۸/ ۹٤

الْمُسْلِمِیْنَ .)) ❶

''میرا یہ لڑکا - آپ کی مراد حسن رضی اللہ عنہ سے تھی - سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔''

سعید بن ابوسعید سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے، ہم سے سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو علم نہ ہو سکا، وہ چلے گئے تو ہم نے کہا: اے ابوہریرہ! یہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے جنھوں نے ہم سے سلام کیا ہے، چنانچہ وہ کھڑے ہوئے اور ان سے جا ملے اور کہا: وعلیک یا سیدی (اے میرے سردار) میں نے ان سے کہا: آپ "یا سیدی" کہتے ہیں؟ اس پر انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے:

((إِنَّهُ سَیِّدٌ .)) ❷ ''یقیناً یہ سردار ہیں۔''

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: جو چاہتا ہو کہ جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھے تو اسے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھنا چاہیے۔ ❸

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ .)) ❹

''حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔''

حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے سردار ہونے کی خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد سے منقول ہے، ایسا لگتا ہے کہ آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بڑی محفلوں میں اور بار بار اس کا ذکر کیا ہے۔ ❺

حالات و ایام نے ثابت کر دیا کہ حسن رضی اللہ عنہ میں سرداری کی صفت پائی جاتی ہے، جب توفیق الٰہی سے آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی اور امت کو متحد رکھا تو آپ کی سرداری کی صفت اپنی انتہا کو پہنچ گئی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حقیقی سرداری ظلم و زیادتی، خوں ریزی اور مال و عزت تباہ کر کے نہیں ملتی، بلکہ خون، مال، عزت کو محفوظ کر کے، بغض و عداوت کو دور کر کے حاصل ہوتی ہے، آپ کی مصالحت اور مسلمانوں

---

❶ الصحیح ... فضائل الصحابۃ، الطبرانی رقم ۲۵۹۷
❷ المستدرک ... ۳ ... امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔
❸ ... ۲۲۱، ۲۲۲، مجمع الزوائد ۹ / ۱۷۸
❹ سنن ... ۱۶۶ ... یہ حدیث کئی طرق سے ثابت ہے۔
❺ ... ص ۸۱

کے خون کی حفاظت نے آپ کو سرداری کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا جہاں تک طاقت وقوت کے ذریعہ سے نہیں پہنچا جا سکتا۔

حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس حالت میں صلح کی کہ آپ کے ساتھ ہزاروں لوگ تھے، ان میں کچھ لالچی اور دوسروں کے تیار کردہ تھے، لیکن ان کی اکثریت مخلص اور وفادار تھی، آپ نے نہیں چاہا کہ آپ کی وجہ سے ایک قطرہ خون بہے، یا اس راہ میں کسی مسلمان کو زخم پہنچے۔ اگر قوموں کی سرداری ان کی حفاظت و صیانت اور ترقی کے ذریعہ سے نہ حاصل کی گئی ہو تو وہ اندھی سرکشی، حماقت کے باعث کسی معاملے میں کود پڑنا، خطرناک اقدام اور اپنے وجود کو داؤ پر لگانا ہے، اس کے نتیجے میں ہلاکت و بربادی اور ذلت و رسوائی ہی ہاتھ آنے والی ہے، ایسی سرداری والے غضب الٰہی اور تاریخ کی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں، حصول دنیا، سلطنت اور سرداری کی لالچ ہی کے باعث انسانی خون کی ندیاں بہتی رہی ہیں۔ [1]

۸۔ آپ کے جسمانی اوصاف

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نہایت خوبرو، خوبصورت، سرخی مائل گورے رنگ کے تھے، آنکھیں کالی، رخسار نرم، داڑھی گھنی تھی، گردن جیسے چاندی کی صراحی، وسیع و عریض کندھے، درمیانہ قد، بہت ہی خوب صورت گھنگھریالے بال اور اچھے بدن والے تھے۔ [2] حسن رضی اللہ عنہ پر یہ خاص الٰہی عنایت و برکت تھی کہ آپ اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ [3]

ثانیاً:...... حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی معاشرتی زندگی

خلافتِ راشدہ کے قائم کردہ اسلامی معاشرے میں زندگی گزارتے ہوئے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے پیچھے بہت سارے نمایاں کارنامے چھوڑے ہیں، آپ نظریات وافکار کی اصلاح، لوگوں کے کام آنے، ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے، وعظ ونصیحت اور حکمت کی عمدہ باتوں وغیرہ کے ذریعے سے ان کی رہنمائی کے حریص تھے، اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ علی رضی اللہ عنہ کے دنیا میں دوبارہ آنے کے عقیدہ کی تردید:

عمرو بن اصم سے مروی ہے کہ میں نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا:

---

[1] الدوحة النبوية الشريفة ص ٩٤

[2] سير أعلام النبلاء ٣/ ٢٤٩ ، أخبار الدول (ص ١٠٥)

[3] الحسن بن علي ، فتيخان كردي ص ٢

''شیعوں کا عقیدہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ سب جھوٹے ہیں، وہ شیعہ نہیں ہیں، اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ آپ دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو ہم آپ کی بیویوں کی شادیاں نہ ہونے دیتے، آپ کے مال کو تقسیم نہ کرتے۔'' ❶

اس عقیدے کا سب سے پہلا قائل عبداللہ بن سبا تھا، مگر وہ آپ کی موت کا نہیں بلکہ آپ کے غائب ہو جانے کا قائل تھا، اور عقیدہ رکھتا تھا کہ آپ لوٹ کر آئیں گے، دنیا میں دوبارہ آنے کا عقیدہ سبئیہ کیسانیہ وغیرہ کا عقیدہ تھا، لیکن بعد میں دوسرے غالی فرقوں کا بھی عقیدہ ہو گیا۔

((و یشیر الآلوسی إلی أن تحول مفهوم الرجعة عند الشیعة الرافضة منه رجعة الإمام فقط إلی ذلك المعنی العام كان فی قرن الثالث)) ❷

''رجعت'' (دنیا میں دوبارہ آنے) کے عقیدے میں عبداللہ بن سبا یہودی کا کردار موسس کا کردار تھا، لیکن وہ رجعت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی، اسی طرح وہ آپ کی موت کا ہی سرے سے منکر تھا۔

۲۔ دوسروں کے کام آنا:

حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی نے آکر اپنی ضرورت بیان کی، چنانچہ آپ اس کی ضرورت کے لیے اس کے ساتھ نکل پڑے، اس نے کہا: اپنی ضرورت میں میں آپ سے مدد لوں یہ چیز مجھے پسند نہ تھی، میں نے حسین رضی اللہ عنہ سے ابتدا کی تھی، تو انھوں نے فرمایا: اگر میرا اعتکاف نہ ہوتا تو میں آپ کے ساتھ چلتا، اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت میں کام آنا میرے نزدیک ایک مہینے کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ ❸

دوسری روایت میں ہے کہ آپ طواف ترک کر کے دوسرے کی ضرورت کے لیے چلے گئے۔ ❹

حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے، بعض لوگوں نے اسے حسین رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے۔ لوگ آپ کے ضرورت مند ہوں یہ آپ پر اللہ کی نعمت ہے، اس لیے نعمتوں سے اکتاؤ نہیں کہ وہ زحمت بن جائیں۔

یہ معلوم رہنا چاہیے کہ بھلائی تعریف اور اجر کا باعث ہوتی ہے، اگر تم بھلائی کو کسی شخص کے روپ میں دیکھو تو تم اسے دنیا والوں پر فوقیت رکھنے والا، دیکھنے والوں کو خوش کرنے والا، بہت اچھا اور خوبصورت انسان پاؤ گے، اور اگر تم کمینہ پن کو انسان کے روپ میں دیکھو تو تم اسے نہایت بدصورت، مسخ شدہ چہرہ والا پاؤ گے، لوگوں کے دل اور ان کی نگاہیں اس سے نفرت کریں گی۔ ❺

---

❶ سیر أعلام النبلاء ...
❷ روح المعانی (۵/ ۲۷)، ضحی الإسلام (۳/ ۲۳۷) أحمد أمین
❸ تاریخ دمشق ...
❹ تاریخ دمشق الکبیر ۱۴/ ۷۶
❺ ... الدعة ص ۴۴۱

"الشهب اللامعة في السياسة النافعة" کے مصنف نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو ایک درخواست دی، آپ نے جواب دیا: میں نے آپ کی درخواست پڑھ لی، آپ کی ضرورت پوری کی جائے گی، آپ سے کہا گیا: اے نواسۂ رسول! اگر آپ اس کی درخواست پڑھ لیتے اور دیکھتے کہ اس میں کیا ہے تو بہتر ہوتا، آپ نے فرمایا: میں ڈرتا ہوں کہ میرے پڑھنے تک وہ ذلت کی حالت میں میرے سامنے کھڑا رہے، پھر اس کے بارے میں مجھ سے سوال کیا جائے۔ ❶

ان کارناموں سے آپ کی خاکساری کے ساتھ ساتھ آپ کے حسن اخلاق اور عظمت کا بھی پتہ چلتا ہے، حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے یہ کوئی تعجب خیز چیز نہیں، چنانچہ انھی کا قول ہے: مکارم اخلاق دس ہیں:

۱۔ سچائی　　۲۔ بہادری
۳۔ سائل کو نوازنا　　۴۔ خوش اخلاقی
۵۔ احسان کا بدلہ دینا　　۶۔ صلہ رحمی
۷۔ پڑوسی پر رحم کرنا　　۸۔ صاحب حق کے حق کو پہچاننا
۹۔ کمزور کی مہمان نوازی　　۱۰۔ ان سب سے اوپر حیا ہے۔ ❷

انھی کا قول ہے: بدخلقی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ ❸

حسن رضی اللہ عنہ کے یہ کارنامے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائیوں کا نتیجہ ہیں، چنانچہ عبداللہ بن دینار بعض صحابہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

((أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ، وَأَنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ سُرُوْرٌ تُدْخِلُهُ عَلٰى مُؤْمِنٍ، تَكْشِفُ عَنْهُ كَرْبًا، أَوْ تَقْضِيْ عَنْهُ دَيْنًا، أَوْ تَطْرُدُ عَنْهُ جُوْعًا، وَلَأَنْ أَمْشِيَ مَعَ أَخِي الْمُسْلِمِ فِيْ حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ شَهْرَيْنِ فِيْ مَسْجِدٍ، وَمَنْ مَشٰى مَعَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ فِيْ حَاجَةٍ حَتّٰى يُثْبِتَهَا لَهُ ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَهُ يَوْمَ تَزِلُّ فِيْهِ الْأَقْدَامُ، وَإِنَّ سُوْءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ)) ❹

---

❶ الشهب اللامعة في السياسة النافعة ص ٤٣٩

❷ من اقوال الصحابة محمد خورشيد ص ٦٨، الحسن بن علي ص ٣١

❸ تاريخ اليعقوبي ٢/ ٢٢٧

❹ سلسلة الأحاديث الصحيحة [illegible]

''جو لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ہو، اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کام وہ خوشی ہے جسے تم کسی مومن کو پہنچاؤ، اس کی پریشانیوں کو دور کر کے، اس کے قرض کو ادا کر کے، اس کی بھوک کو رفع کر کے۔ اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کے لیے میں نکلوں یہ مجھے کسی مسجد میں دو مہینہ اعتکاف سے زیادہ محبوب ہے۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کسی ضرورت کے لیے نکلتا ہے اور اس کی اس ضرورت کو پوری کر دیتا ہے تو جس دن کہ قدم پھسلتے رہیں گے اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھیں گے۔ بدخلقی عمل کو ایسے ہی برباد کر دیتی ہے جیسے سرکہ شہد کو۔''

سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا فِی الدُّنْیَا سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃِ، وَ مَنْ نَجّٰی مَکْرُوْبًا فَکَّ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ أَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ)) ❶

''جو دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ جو کسی پریشانی میں مبتلا شخص کو نجات دلاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی پریشانیوں میں سے اس کی ایک ایک پریشانی کو ختم کر دے گا۔ جو اپنے بھائی کے کام آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام آئے گا۔''

۳۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے آپ کی شادی:

شعیب بن یسار سے مروی ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے ❷ کے پاس آ کر کہا: میں آپ کے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں، آپ مجھے نامراد واپس نہیں کریں گے، پوچھا: کیا ضرورت ہے؟ فرمایا: آپ اپنی بہن کی شادی مجھ سے کر دیں، انھوں نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے یزید کا پیغام میرے پاس بھیجا ہے، آپ نے فرمایا: جب میں آپ کے پاس آ گیا ہوں تو آپ مجھے نامراد واپس نہ کریں، چنانچہ انھوں نے ان کی شادی مجھ سے کر دی، پھر فرمایا: اپنی بیوی کے پاس جاؤ، چنانچہ ان کے پاس ایک جوڑا کپڑا بھیج دیا، اور ان کے پاس گئے، اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو مروان کو لکھا کہ انھیں اختیار دے دو، چنانچہ انھوں نے ان کو اختیار دیا، آپ نے حسن رضی اللہ عنہ کو پسند کیا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اس شادی کو برقرار رکھا، ان کے بعد ان سے حسین رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی۔ ❸

---

❶ مصنف عبدالرزاق رقم ۱۸۹۳۶، یہ حدیث صحیح ہے۔

❷ وہ اسحاق بن طلحہ ہیں۔

❸ الطبقات بتحقیق السلمی ۱/ ۲۹۲، اس کی سند لا بأس بہ ہے۔

۴۔ خولہ بنت منظور سے آپ کی شادی:

ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خولہ بنت منظور سے شادی کی، لکڑی کے تخت پر رات گزاری، انھوں نے اپنا دوپٹہ آپ کے پاؤں اور اپنے پازیب سے باندھ دیا، جب آپ بیدار ہوئے تو پوچھا: یہ کیا ہے؟ جواب دیا: میں ڈر گئی کہ آپ رات میں گہری نیند میں بیدار ہوں اور گر جائیں تو میں عرب کی منحوس ترین عورت نہ بن جاؤں، چنانچہ آپ ان سے محبت کرنے لگے، اور ان کے پاس سات دن رہے۔ ❶

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں ابومحمد کو چند روز سے نہیں دیکھ رہا ہوں، چلو ان کے پاس چلیں، چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس گئے، ان سے خولہ نے کہا: کیا آپ انھیں روکیں گے کہ ہم ان کے لیے کھانا تیار کریں؟ آپ نے کہا: ہاں، ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ ہم سے باتیں کرنے لگے، ہم بہت شوق سے سن رہے تھے، اس میں ہمیں مشغول رکھا یہاں تک کہ کھانا آ گیا۔ ❷

۵۔ آپ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو نہیں دیکھتے تھے:

حسن و حسین رضی اللہ عنہما امہات المومنین کو نہیں دیکھتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ان کا دیکھنا ان دونوں کے لیے حلال تھا۔ امام ذہبی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''حلال ہونا یقینی ہے۔'' ❸ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت شرمیلے تھے۔

۶۔ خاندانِ نبوی میں غیرت:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنی ایک ضرورت سے بازار گئے، دکان والے سے ایک سامان کا بھاؤ پوچھا، اس نے عام بھاؤ بتایا، پھر اسے معلوم ہوا کہ آپ نواسۂ رسول حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں، چنانچہ آپ کے اعزاز و اکرام میں بھاؤ کم کر دیا، لیکن حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اسے قبول نہ کیا، ضرورت کی چیز چھوڑ کر چلے گئے، اور فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اپنے مقام و مرتبہ کا کسی معمولی چیز میں فائدہ اٹھاؤں۔ ❹

یہی حال کتاب اللہ و سنت رسول پر عامل تمام اہل بیت کا تھا، چنانچہ زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ کے بارے میں جویریہ بن اسماء ـ جو آپ کے خادم خاص تھے ـ کہتے ہیں علی بن حسین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی

---

❶ خولہ چونکہ ثیبہ تھیں، پہلے ان کی شادی محمد بن طلحہ بن عبیداللہ سے ہو چکی تھی، اس لیے ان کا حق تین دن کا تھا، سات دن گزارنے کا ذکر حدیث کے ضعیف ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

❷ الطبقات بتحقیق السلمی ۱/ ۳۰۷، ۳۰۸، اس کی سند ضعیف ہے۔

❸ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲٦۵

❹ المرتضی للندوی ص ۲۲۸

قرابت کے عوض کبھی ایک درہم تک نہیں کھایا۔ ❶ جب آپ سفر کرتے تو اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے تھے، اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو فرمایا: مجھے یہ چیز پسند نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث وہ چیز لے لوں جو مجھے عام حالات میں نہ دی جائے۔ ❷

اسی طرح ابوالحسن علی رضا بن موسیٰ کاظم کے بارے میں مروی ہے کہ جب وہ سفر کرتے تو اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے تھے، اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو بتایا کہ مجھے یہ چیز ناپسند ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے وہ چیز لے لوں جو مجھے عام حالات میں نہ دی جائے۔ ❸

یہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت کے بارے میں کافی غیرت مند تھے، دنیاوی مقاصد کے لیے اس قرابت کا استغلال نہیں کرتے تھے، جیسا کہ دوسرے ادیان کے رہنماؤں (جنھیں لوگ ہر حال میں مقدس سمجھتے ہیں) کے خاندان والے کرتے ہیں۔ وہ لوگ اہل بیت کے نام پر دنیا کمانے اور ان کی لاشوں پر فخر کے محل تعمیر کرنے سے دور رہتے تھے، ان کی شانِ استغناء وعزت نفس ان کی سیرت وسلوک کی ایسی تصویر پیش کرتی ہے جو دوسرے ادیان وملل میں دین کے ٹھیکے داروں برہمنوں اور پجاریوں کی سیرت سے بالکل مختلف ہے۔ پیدائشی طور سے انھیں عظمت وتقدس حاصل ہوتی ہے، انھیں معاش اور زندگی کی دیگر ضروریات کے حصول کے لیے کچھ بھی محنت اور مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ ❹

۷۔ آپ کا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانا:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس روز بعد اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا، آپ کی صلاۃِ جنازہ حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ ❺ آپ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ ❻ بعض ضعیف روایتیں اس جانب اشارہ کرتی ہیں کہ امیر المومنین کے قتل میں اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا، لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں، اس لیے کہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کے کردار کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخلص اور وفادار تھے۔ پانی کے سلسلے میں اثناء جنگ میں اہل شام سے لڑنے میں پیش پیش تھے، خوارج کے شروع ہی سے دشمن تھے، انھوں نے ہی علی رضی اللہ عنہ کو ان (خوارج) کے اس قول کی خبر دی تھی کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی غلطی سے تائب ہو چکے ہیں، اور تحکیم سے رجوع کرلیا ہے، اور مقام نہروان میں علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے جنگ کی ہے۔

ان کی شدید خواہش تھی کہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان والوں سے اپنے تعلقات کو مضبوط بنائیں، اسی لیے

❶ البدایۃ والنہایۃ نقلا عن المرتضی للندوی ۲۲۸
❷ وفیات الأعیان ۲/ ٤۳٤
❸ وفیات الأعیان ۲/ ٤۳٤
❹ المرتضی للندوی ص ۲۲۸
❺ الکامل فی التاریخ ۳/ ٤٤٤
❻ تہذیب التہذیب ۲/ ۳۰۰

اپنی بیٹی حسن رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دی، جب حسن رضی اللہ عنہ نے بیوی کی رخصتی کرانی چاہی تو "بنوکندہ" نے آپ کے دروازے سے اشعث رضی اللہ عنہ کے دروازے تک اپنی چادروں کو فرش راہ بنا دیا۔ ❶ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اشعث رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، ان کی صلاۃ جنازہ جیسا کہ گزرا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے پڑھائی، آل علی سے یہ بات منقول نہیں ہے کہ انھوں نے اشعث رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت لگائی ہو یا اس سبب سے آل اشعث میں سے کسی کی ہتک عزت کی ہو، راجح بات یہی ہے کہ نہروان کے مقتولین کے بدلے میں خوارج نے علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش کی تھی۔ ❷

۸۔آپ کے ساتھ برا سلوک کرنے والوں کے ساتھ آپ کا معاملہ:

مدینہ سے ایک شخص آیا جو علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا، اس کا سفر موقوف ہوگیا، اس کے پاس زاد راہ اور سواری نہ رہی، اس نے بعض اہل مدینہ سے اپنی پریشانی بتلائی تو انھوں نے اس سے کہا: تم حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ، اس آدمی نے ان لوگوں سے کہا، کیا مجھے یہ چیز حسن وحسین رضی اللہ عنہما ہی کے پاس مل سکتی ہے؟ اسے جواب ملا: تمھیں بھلائی انھیں سے مل سکتی ہے، چنانچہ وہ گیا اور ان سے اپنی پریشانی بتلائی، آپ نے اسے زادِ راہ اور سواری مہیا کرانے کا حکم دے دیا، آدمی نے کہا: اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت سے کس کو نوازے، حسن رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ سے اور آپ کے والد سے بغض رکھنے والا شخص آپ کے پاس آیا اور آپ نے اس کو زادِ راہ اور سواری دینے کا حکم دے دیا، آپ نے جواباً کہا: کیا میں اس سے زاد وراحلہ کے بدلے اپنی عزت وآبرو محفوظ نہ کرلوں۔ ❸

۹۔مجلسوں میں آپ کا طریقہ:

ایک دن آپ ایک مجلس میں بیٹھے تھے، ابھی اس مجلس سے اٹھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک فقیر آگیا، آپ نے اس کا خوش دلی سے استقبال کیا، اس کے ساتھ اچھے ڈھنگ سے پیش آئے، اس سے کہا: تم میرے اٹھنے کے وقت آئے، کیا تم مجھے چلے جانے کی اجازت دیتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، اے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ❹

۱۰۔آپ کا حسن اخلاق:

عمیر بن اسحاق سے مروی ہے کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی گفتگو سے بہتر میرے نزدیک کسی اور کی گفتگو نہ تھی، میں نے ان سے کبھی کوئی غلط بات نہیں سنی سوائے ایک مرتبہ کے، حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین کسی بات کا جھگڑا تھا، حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارے پاس اس کی ناک خاک آلود کردینے والی چیزوں کے

---

❶ تهذيب الكمال ٣/ ٣٩٣، ٣٩٤، الطبقات ٦/ ٢٣

❷ دراسة في تاريخ الخلفاء الأمويين. بطاينة ص ٥٢

❸ تاريخ ابن عساكر ١٤/ ٧٦ ❹ الطبقات بتحقيق السلمي ١/ ٢١١، اس کی سند ضعیف ہے، تاريخ الخلفاء ص ٧٣

علاوہ کچھ نہیں، یہ سب سے زیادہ سخت بات تھی جو میں نے کبھی آپ سے سنی۔ ❶

۱۱۔ آپ کا دوسرے کے ساتھ گولی نما پتھروں سے کھیلنا: ❷

سلیمان بن شدید کہتے ہیں: میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ گولی نما پتھروں سے کھیلتا تھا، جب میں بازی جیت جاتا تو مجھ سے کہتے: کیا تمھارے لیے درست ہے کہ جگر گوشۂ رسول کے کندھوں پر سوار ہو؟ اور جب وہ بازی جیت جاتے تو کہتے: کیا تم اس بات پر اپنے رب کا شکر نہیں ادا کرتے کہ تمھارے کندھوں پر جگر گوشۂ رسول سوار ہو۔ ❸

۱۲۔ فضول باتوں سے آپ کا دور رہنا:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اکثر خاموش رہتے تھے، جب بولتے تو بولنے والوں پر سبقت لے جاتے، وہ ہمیں فضول باتوں سے دور رہنے کی تعلیم دیتے تھے، یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((لَا يَسْتَقِيمُ إِيْمَانُ عَبْدٍ حَتَّى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ وَ لَا يَسْتَقِيمُ قَلْبُهُ حَتَّى يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ .)) ❹

''کسی بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا دل نہ درست ہو جائے اور اس کا دل درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی زبان نہ درست ہو جائے۔''

نیز فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ .)) ❺

''جسے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو وہ یا تو اچھی بات کہے یا چپ رہے۔''

نیز آپ نے فرمایا:

((مَنْ صَمَتَ نَجَا .)) ❻

''جو چپ رہا نجات پایا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی چیزیں جہنم میں جانے کا زیادہ سبب بنیں گی، تو آپ نے فرمایا:

---

❶ البداية والنهاية ١١/ ١٩٨

❷ یہ ایک کھیل تھا جس میں گولی نما پتھر کے ٹکڑے لے کر ان کے بقدر گڑھا کھودا جاتا تھا، اس میں اپنا اپنا پتھر پھینکتے تھے جس کا پتھر گڑھے میں بیٹھ جاتا وہ بازی لے جاتا تھا اور جو اس سے باہر رہتا وہ بازی ہار جاتا تھا، ان پتھروں کو ''المداحی'' کہا جاتا تھا۔

❸ الطبقات بتحقيق السلمي ١/ ٢٩٤

❹ سلسلة الأحاديث الصحيحة رقم ٢٨٤١

❺ صحيح البخاري رقم ٦١٣٦

❻ صحيح الجامع رقم ٦٣٦٧

((اَلْفَمُ وَ الْفَرْجُ .)) ❶ منہ اور شرم گاہ۔

معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے ایسے عمل کے بارے میں پوچھا جو جنت میں لے جائے اور جہنم سے دور رکھے تو آپ نے دین کے سر، اس کے ستون، اور اس کے کوہان کی بلندی بتلانے کے بعد فرمایا: ((ألا أخبرك بملاك ذلك كله .)) ''کیا میں تمھیں ایسی بات نہ بتلا دوں جس پر ان سب کا دارو مدار ہے؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: ((كف عليك هذا .)) ''اس کو روکے رکھو'' انھوں نے کہا: کیا ہم زبان سے جو بات کہتے ہیں اس پر بھی ہماری گرفت ہوگی؟ آپ نے فرمایا:

((ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مَعَاذُ وَ هَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوْهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ .)) ❷

''تیری ماں تجھے گم پائے اے معاذ! (یہ بددعا نہیں عربی محاورہ ہے) جہنم میں لوگوں کو ان کی زبان کی کاٹی ہوئی کھیتیاں ہی منہ کے بل یا ناک کے بل گرائیں گی۔''

ابن عبید کا قول ہے:

''جو شخص بھی اپنی زبان کا خیال رکھتا ہے تو یہ چیز اس کے دوسرے اعمال کی درستی کا سبب بنتی ہے۔'' ❸

ابن الکاتب کا قول ہے:

''جب دل میں خوف الٰہی ہوتا ہے تو زبان سے کام ہی کی بات نکلتی ہے۔'' ❹

امام اوزاعی کا قول ہے:

''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے میرے ایک خط میں لکھا: اما بعد! جو موت کو بکثرت یاد کرتا ہے وہ دنیا کے معمولی حصے پر راضی ہو جاتا ہے جو اپنی گفتگو کو اپنا عمل سمجھتا ہے وہ صرف مفید باتیں کرتا ہے، والسلام۔'' ❺

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنی گفتگو کو اپنا عمل سمجھتے تھے، اس لیے اکثر چپ رہتے تھے۔

۱۳۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی عزت افزائی:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے غلام حرملہ سے مروی ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے مجھے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے

---

❶ سلسلة الاحاديث الصحيحة رقم ٦٦٩
❷ سنن الترمذی اور کہا حدیث صحیح ہے۔
❸ صفة الصفوة ٣/ ٣٧٢
❹ صفة الصفوة ٣/ ٣٧٢
❺ سير أعلام النبلاء ٥/ ١٣٣

پاس بھیجا اور مجھ سے کہا: وہ تم سے پوچھیں گے، تمھارے آقا کی کیا خبر ہے؟ تو ان سے کہنا: آپ کے لیے ان کا ایک پیغام ہے، اگر آپ شیر کے منہ میں ہوں تب بھی میں آپ کے ساتھ رہنا پسند کروں گا، لیکن میری رائے میں معاملہ ایسا نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں: میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے مجھے کچھ نہ دیا، حسن، حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کے پاس گیا تو انھوں نے ہدایا اور تحائف سے ہماری سواری کو لاد دیا۔ ❶

۱۴۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور ایک فقیر یہودی:

ایک دن حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے غسل کر کے نکلے، آپ بہترین کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے، لمبے بال بڑے خوب صورت نظر آ رہے تھے، آپ کے سامنے ایک محتاج یہودی آیا، اس کے جسم پر چمڑے کا ٹکڑا تھا، بیماری نے اسے لاغر کر دیا تھا، اس پر ذلت ومحتاجی کے آثار نمایاں تھے، دوپہر کی تمازت سے جھلسا ہوا تھا، اپنی پیٹھ پر پانی کا گھڑا اٹھائے ہوئے تھا، حسن رضی اللہ عنہ کو روکا اور کہا: اے نواسۂ رسول! ایک سوال ہے، آپ نے پوچھا: کون سا سوال ہے؟ کہا: آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے:

((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْکَافِرِ .)) ❷

''دنیا مومن کی جیل اور کافر کی جنت ہے۔''

اور تم مومن ہو، میں کافر ہوں، میری رائے میں دنیا تمھاری جنت ہے اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو، اور میرے لیے جیل ہے، اس کی پریشانیوں نے مجھے ہلاکت تک پہنچا دیا ہے، محتاجی سے برا حال ہے، جب حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سنی تو اس سے کہا: آخرت میں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں اگر تم انھیں دیکھ لو تو تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ میری یہ حالت اس کے مقابلے میں جیل جیسی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے جو عذاب تیار کر رکھا ہے اگر تم اسے دیکھ لو تو تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ تم اس وقت بڑی وسیع وعریض جنت میں ہو۔ ❸

حسن بن علی رضی اللہ عنہما بڑے ہی حاضر جواب تھے، آپ نے نہایت تشفی بخش اور مسکت جواب دیا، آپ نے واضح کر دیا کہ اس کی موجودہ خستہ حالی آخرت میں کافروں کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے اس کے بالمقابل جنت ہے، اور حسن رضی اللہ عنہ کی حالت جسے وہ نعمتوں سے پُر سمجھتا تھا جنت میں متقیوں کے لیے جو نعمتیں تیار کی گئی ہیں ان کے بالمقابل وہ جیل جیسی ہے۔ ❹

---

❶ ذخائر العقبی ص ۲۳۷ ❷ صحیح مسلم، وابن ماجه، رقم ٤١١٣

❸ الحسن والحسین، محمد رشید رضا ص ۳۲

❹ الحسن و الحسین ص ۳۳

۱۵۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا مقام ومرتبہ:

مدرک ابوزیاد کہتے ہیں: ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے باغ میں تھے، عبداللہ بن عباس، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم آئے، باغ میں ٹہلے گھومے، پھر ایک کنویں کے پاس آکر اس کے کنارے بیٹھ گئے، مجھ سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے مدرک! کیا تمھارے پاس کھانا ہے؟ میں نے کہا: میں نے روٹی تیار کی ہے، کہا: لے آؤ، چنانچہ میں روٹی، تھوڑا پسا ہوا نمک اور دو عدد پیاز لے کر آیا، آپ نے کھایا پھر کہا: اے مدرک! یہ کیا ہی اچھا کھانا ہے، اس کے بعد اپنا کھانا لے کر آئے، جو بہت عمدہ اور کافی مقدار میں تھا، کہا: اے مدرک! میرے پاس باغ میں موجود بچوں کو بلاؤ، مدرک کا بیان ہے کہ آپ نے کھانا انھیں دے دیا، ان سب نے کھایا آپ نے نہیں کھایا، میں نے کہا: کیا آپ نہیں کھائیں گے؟ اس پر آپ نے فرمایا: وہ کھانا میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ پھر وہ لوگ اٹھے، وضو کیا، پھر حسن رضی اللہ عنہ کی سواری لائی گئی، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی زین کو اس پر کسا، پھر حسین رضی اللہ عنہ کی سواری لائی گئی، اس کی بھی زین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کسی، جب دونوں چلے تو میں نے کہا: آپ ان دونوں سے بڑے ہیں اور ان کی زین درست کرتے ہیں؟ فرمایا: ارے بے وقوف تمھیں معلوم ہے یہ دونوں کون ہیں؟ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں، یہ منجانب اللہ مجھ پر کرم ہے کہ میں ان کی زین درست کروں۔ ❶

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب سے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی اتنی عزت اور اتنا احترام اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ان دونوں سے محبت کرتے تھے اور ان کی فضیلت کے معترف تھے، ساتھ ہی ساتھ یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی فضیلت کی دلیل بھی ہے، اس لیے کہ اہل فضیلت کی فضیلت کا اعتراف فضیلت والے ہی کرتے ہیں۔

امیر المومنین علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ اپنے چچا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد عباس رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میرے والد عباس رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے آپ کی عیادت کے لیے علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، مجھے دیکھا کہ میں ان کے دونوں پاؤں درست کر رہا ہوں، انھوں نے دونوں پاؤں میرے ہاتھوں سے لے لیے اور میری جگہ بیٹھتے ہوئے کہا: میں اپنے چچا کی خدمت کا تم سے زیادہ حق دار ہوں، اگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے چچا حمزہ، میرے بھائی جعفر کو وفات دے دی ہے تو میرے لیے چچا عباس کو باقی رکھا ہے، کسی آدمی کا چچا اس کے باپ جیسا ہوتا ہے، اس کے ساتھ اس کا حسن سلوک اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک جیسا ہوتا ہے، اے اللہ! میرے چچا کو صحت و عافیت عطا فرما، ان کے درجات کو بلند کر، انھیں علیین میں جگہ دے۔ ❷

---

❶ تاریخ ابن عساکر ۱۴/ ۶۹

❷ ذخائر العقبی ص ۳۳۱

۱۶۔عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جانب سے حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف:

عبداللہ بن عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ جاڑے کی ایک ٹھنڈی رات کی صبح میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہیں، اللہ کی قسم وہ اس وقت اٹھے جب آپ کی پیشانی عرق آلود ہوگئی، اس پر مجھے غصہ آیا، ان کے پاس جا کر کہا: اے چچا! پوچھا کیا چاہتے ہو؟ کہا: میں نے آپ کو حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا، اور ان کے پاس ہی رہے تا آنکہ آپ کی پیشانی عرق آلود ہوگئی، فرمایا: اے میرے بھتیجے! بلاشبہ وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر ہیں، اللہ کی قسم ان جیسے لوگوں کے پاس سے عورتیں بھی اٹھ کر نہیں جانا چاہتیں۔ ❶

۱۷۔حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے مابین کا معاملہ:

ابن خلکان نے (صیغۂ تمریض کے ساتھ) ذکر کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے مابین کوئی بات ہوگئی، دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے سے قطع تعلق کر لیا، حسین رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: تمھارے بھائی تم سے بڑے ہیں تمھیں ان کے پاس جانا چاہیے، انھوں نے کہا: فضیلت ابتداء کرنے والے کے لیے ہوتی ہے، مجھے یہ ناپسند ہے کہ مجھے میرے بھائی پر فضیلت حاصل ہو، یہ بات حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ ان کے پاس آئے۔ ❷

۱۸۔والد، والدہ، نانا، نانی، ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کے اعتبار سے آپ (حسن رضی اللہ عنہ) سب سے بہتر تھے:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور سرداروں کی ایک جماعت تھی، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: والد، والدہ، نانا، نانی، ماموں، خالہ، چچا اور پھوپھی کے اعتبار سے کون سب سے بہتر ہے؟ نعمان بن عجلان زرقانی رضی اللہ عنہ اٹھے، حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ ہیں، ان کے والد علی رضی اللہ عنہ، والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نانی خدیجہ رضی اللہ عنہا، چچا جعفر رضی اللہ عنہ، پھوپھی ام ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا، ماموں قاسم رضی اللہ عنہ، اور خالہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ ❸

۱۹۔ان سے اور ان کے بھائی حسین رضی اللہ عنہما سے لوگوں کی محبت اور مسجد حرام میں ان کے اردگرد لوگوں کی بھیڑ:

ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ امام کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر حجر اسود کے پاس آئے، اس کا استلام کیا، پھر سات چکر طواف کیا اور دو رکعت نماز ادا کی، لوگوں نے کہا: یہ دونوں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لوگوں نے ان کے اردگرد بھیڑ لگا دی یہاں تک کہ ان کا آگے بڑھنا مشکل ہوگیا، ان کے ساتھ

---

❶ تاریخ ابن عساکر ۱۴/ ۷۰ ❷ وفیات الأعیان ۲/ ۶۹

❸ تاریخ ابن عساکر ۱۴/ ۷۰

ایک رکانی ❶ شخص تھا، حسین رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور لوگوں کو حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے سے روکا، میں نے دونوں کو دیکھا کہ جب بھی حطیم کی جانب سے ہوتے ہوئے رکن یمانی کے پاس سے گزرتے تو اس کا استلام کرتے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہا: تب تو دونوں سات چکر پورا نہیں کر پائے ہوں گے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہوگا؟ کہا: نہیں، دونوں نے پورے سات چکر لگا لیے تھے۔ ❷

ثالثاً:...... آپ کے اقوال، خطبے اور نصیحتیں جنھیں لوگوں نے محفوظ رکھا

۱۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے: تین چیزیں لوگوں کی ہلاکت کا باعث ہیں، تکبر، حرص اور حسد۔ تکبر دین کو ہلاک کر دیتا ہے، اسی کے باعث ابلیس ملعون قرار پایا۔ حرص نفس کی دشمن ہے، اسی کے باعث آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے۔ حسد برائی کے لیے راہ نما ہے، اسی کے سبب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ ❸

یہ دل کی بیماریاں ہیں جن سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ڈرایا ہے، یہ بڑی ہی تشویش ناک بیماریاں ہیں، اس کی کچھ تفصیلات درج ذیل ہیں:

اَ:...... تکبر کی بیماری:

حسن رضی اللہ عنہ کا قول:...... تکبر دین کو ہلاک کر دینے والا ہے، اور اسی کے باعث ابلیس ملعون قرار دیا گیا:

تکبر کی ضد تواضع ہے، اور تکبر یہ ہے کہ کوئی اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھے، یہ بہت بڑی آفت ہے، یہیں سے بہت ساری مصیبتیں جنم لیتی ہیں، یہی چیز اللہ کے عذاب وغضب کا موجب ہوتی ہے، اس لیے کہ کبریائی اللہ کا حق ہے، اس کے علاوہ یہ کسی اور کے لیے سزاوار نہیں، اس لیے کہ اس کے علاوہ سبھی مملوک بندے ہیں، وہی حقیقی مالک ومعبود اور قادر مطلق ہے، متکبر اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کمر توڑ عذاب میں مبتلا کر دے، اس کو ذلیل ورسوا کر دے، اس لیے کہ اس نے اپنے مقام ومرتبہ سے تجاوز کیا ہے اور جو مخلوق کے شایانِ شان نہیں اس کا ارتکاب کیا ہے۔ ❹

تکبر کی علامتیں:

تکبر کی کچھ ظاہری علامتیں ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

---

❶ یہ نسبت ہے رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف کی جانب ہے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مرتبہ کشتی ہوئی تھی، جیسا کہ القاموس کے مادہ "ر ک ن" میں ہے۔

❷ تاریخ ابن عساکر ۱۴/ ۶۹

❸ علموا أولادکم محبة آل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۱

❹ منہج الإسلام فی تزکیة النفس ۳۴۲

۱۔ لوگوں پر اپنی برتری کی چاہت اور اس کا اظہار۔

۲۔ مجلسوں میں پیش پیش رہنا۔

۳۔ اکڑ کر چلنا۔

۴۔ اپنی بات غلط ہی کیوں نہ ہو اس کو رد نہ ہونے دینا۔

۵۔ کمزور اور ضعیف مسلمانوں کا مذاق اڑانا۔

۶۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا اور اپنی تعریف خود کرنا۔

۷۔ آباء واجداد پر فخر کرنا، نسب وخاندان پر نازاں ہونا۔

۸۔ مال، علم، عمل، عبادت، خوب صورتی، طاقت، قبیلے اور دوست واحباب کی کثرت وغیرہ پر تکبر کرنا۔ ❶

اس بیماری سے بچاؤ اور اس کا علاج:

☆ مسلمان اپنے آپ سے پوچھتا رہے، اپنے دل کی نگرانی کرتا رہے کہ وہ متکبر تو نہیں ہوگیا ہے؟ وہ مائل بہ تکبر تو نہیں ہے، اگر وہ اپنے آپ کو تواضع وانکساری کی جانب مائل اور تکبر اور اہل تکبر کو نہ پسند کرنے والا پائے تو اپنے اوپر اللہ کے انعام اور فضل کا شکریہ ادا کرے، ورنہ اپنے نفس کو ملامت کرے، اس کا محاسبہ کرے، اور بطور سزا اس سے بکثرت ذکر وعبادت، صوم واطاعت کرائے، اسے بہت سارے مباح آرام و آسائش، لہو ولعب اور مرغوبات سے محروم رکھے تاکہ نفس سدھر جائے، ضلالت وگمراہی سے باز آجائے اور اپنی بیماری سے شفایاب ہوجائے۔

☆ مسلمان اس بیماری کی حقیقت کو سامنے رکھے، دنیا وآخرت میں اس کے نتائج، شریعت میں اس کے حکم، دنیا وآخرت میں اس پر سزا، قرآن وسنت، امر واقعی، صالحین کے واقعات اور ان کی زندگیوں کی روشنی میں اس کے انجام سے غافل نہ رہے۔

قرآن کریم صراحت سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ تکبر شیطان کی صفت ہے، ابلیس لعین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٭ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

(البقرة: ٣٤)

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہوگیا۔''

❶ منهج الإسلام في تزكية النفس ص ٣٤٢

متکبر کو اللہ تعالیٰ محبوب نہیں رکھتا، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝﴾

(النحل: ۲۳)

''بے شک و شبہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ ہر اس چیز کو جسے وہ لوگ چھپاتے ہیں اور جسے ظاہر کرتے ہیں بخوبی جانتا ہے، وہ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝﴾ (لقمان: ۱۸)

''لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلا اور زمین پر اترا کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔''

فخر و گھمنڈ متکبر کی صفت ہے اور متکبر کے دل پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝﴾ (غافر: ۳۵)

''جو بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی ناراضی کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔''

اگر کوئی علم و عبادت میں تکبر کرتا ہے (جب کہ وہ تکبر کی بدترین شکل ہے) تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل علم پر اتمام حجت کر دیا ہے، جاہل کی بعض باتوں سے صرف نظر کرتا ہے جب کہ عالم سے نہیں کرتا، جو علم رکھتے ہوئے محض تکبر کی بنا پر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کا یہ گناہ عظیم ترین ہے۔

اگر حسب و نسب کی وجہ سے تکبر کرتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ دوسروں کی خوبیوں پر فخر کرتا ہے، پھر اسے اپنے باپ دادا کی حقیقت سے بھی آگاہ ہونا چاہیے، اس کے قریبی باپ کی حقیقت ایک حقیر نطفہ ہے، اس کے بعید ترین باپ آدم علیہ السلام کی حقیقت مٹی ہے۔ جو خوب صورتی پر فخر کرتا ہے اسے جانوروں کی طرح ظاہر کے بجائے عقلمندوں کی طرح اپنے باطن کو دیکھنا چاہیے۔ جس کو اپنی قوت پر فخر ہو تو اسے یقین کرنا چاہیے کہ اس کی ایک رگ درد کرنے لگتی ہے تو بالکل عاجز بن جاتا ہے، جو مالداری کے باعث تکبر کرتا ہے تو اسے اپنے سے زیادہ مالدار قارون، ہامان اور ان کے انجام کو دیکھنا چاہیے۔

مذکورہ باتوں پر عمل کرنے سے وہ تکبر چھوڑ دے گا، انسان کو تواضع و خاکساری اپنانا چاہیے، نتیجتاً اللہ تعالیٰ

اسے عزت و رفعت سے نوازے گا، دنیا و آخرت میں اس سے خوش ہو جائے گا، اسے قرآن وحدیث میں مذکور پہلے کے متکبروں اور دور حاضر کے متکبروں کے واقعات اور دنیا و آخرت میں ان کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے، ایسی صورت میں وہ تکبر سے بچے گا، اور اگر اس بیماری میں مبتلا ہے تو اس سے چھٹکارا کی کوشش کرے گا، اسے صالح خاکساروں کے ساتھ رہنا چاہیے تاکہ ان سے اچھے اخلاق، اقوال اور دوسروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کو سیکھے، متکبروں سے دور رہے، ان کے ساتھ نہ اٹھے بیٹھے تاکہ ان سے دنیا و آخرت میں ضرر رساں چیزیں نہ سیکھے یا ان سے متاثر ہو کر ان کی گمراہیوں کے پیچھے دوڑنے نہ لگے۔ ❶

ب:......حرص:

حسن رضی اللہ عنہ کا قول:......حرص نفس کا دشمن ہے، اسی کے باعث آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے:

فرمان نبوی ہے:

((مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَ الشَّرَفِ لِدِيْنِهِ .)) ❷

''انسان کے دین کو مال کی حرص اور عزو جاہ کی چاہت جتنا نقصان پہنچاتی ہے اتنا نقصان ایسے دو بھوکے بھیڑیے نہیں پہنچاتے جنھیں بکریوں میں چھوڑ دیا گیا ہو۔''

یہ بڑی عظیم مثال ہے جسے نبی کریم ﷺ نے یہ بتلانے کے لیے بیان کیا کہ مسلمان کا دین مال کی حرص اور دنیاوی عزو جاہ کی چاہت سے برباد ہو جاتا ہے، ان کے ذریعہ سے دین کی بربادی بکریوں کی اس بربادی سے کم نہیں جسے وہ دو خونخوار بھوکے بھیڑیے انجام دیتے ہیں، جنھیں ان بکریوں میں چھوڑ دیا گیا ہو اور ان کے چرواہے رات بھر وہاں سے غائب رہے ہوں، وہ بکریوں کو چیر پھاڑ کھاتے رہیں گے اور ایسی صورت میں ان دونوں بھیڑیوں سے بہت کم بکریاں بچ پائیں گی، اس طرح نبی کریم ﷺ نے یہ بتلایا کہ مال اور عزو جاہ کی حرص انسان کے دین کو جتنا برباد کرتی ہے وہ بربادی اس سے کم نہیں جو دونوں بھیڑیے بکریوں میں پھیلاتے ہیں، وہ بربادی یا تو برابر ہوگی یا زیادہ، آپ ﷺ اس جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ مال اور عزو جاہ کی حرص کے ساتھ مسلمان کا دین بہت کم محفوظ رہتا ہے، یہ عظیم مثال مال اور دنیاوی عزو جاہ کی حرص کی خرابی سے واضح طور پر آگاہ کر رہی ہے، مال کی حرص دو قسم کی ہوتی ہے:

☆ پہلی قسم: مال کی شدید محبت ہو، اس کے حصول کے لیے تمام تر مباح ذرائع استعمال کیے جائیں اور اس کے

---

❶ منهج الإسلام في تزكية النفس ص ٣٤٦

❷ الاحسان في تقريب صحيح ابن حبان رقم ٣٢١٨ حديث حسن صحیح ہے۔

حصول کی مبالغہ کی حد تک شدید خواہش ہو، پوری مشقت و پریشانی کے ساتھ مختلف ذرائع سے اس کے حصول کی کوشش کی جائے، حدیث کا شانِ ورود ایسے بعض واقعات کا وقوع ہے، جیسا کہ امام طبرانی ❶ نے عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے خیبر کے حصوں میں سے سو حصے خرید لیے، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: دو خونخوار بھیڑیے جو بکریوں کے ایسے ریوڑ میں پہنچ جائیں جنھیں ان کے مالک نے کھو دیا ہو، تو وہ انھیں اتنا نقصان نہیں پہنچا پائیں گے جتنا کہ مال اور عز و جاہ کی حرص مسلمان کے دین کو پہنچاتی ہے۔ ❷

امام ابن رجب اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''مال کی حرص میں اچھی عمر ایسی چیز کے لیے ضائع ہو جاتی ہے جس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ہے، جب کہ صاحبِ عمر اسے بلند درجات اور ابدی نعمتوں کے حصول میں خرچ کر سکتا ہے، لیکن وہ اسے اس مقسوم و مقدر رزق کے حصول کی حرص میں ضائع کر دیتا ہے، جو اتنا ہی حاصل ہوگا جتنا انسان کے لیے مقدر ہے، پھر اس سے خود مکمل فائدہ بھی نہیں اٹھاتا بلکہ دوسروں کے لیے چھوڑ کر راہی ملک عدم بن جاتا ہے، اس کا حساب اس کے ذمہ ہو جاتا ہے جب کہ فائدہ دوسرے اٹھائیں گے، اس طرح وہ مال ایسے لوگوں کے لیے جمع کرتا ہے جو اس کا شکریہ بھی نہیں ادا کریں گے، یہ چیز حرص کے مذموم ہونے کے لیے کافی ہے۔''

حریص اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتا ہے، ایسے مال کے جمع کرنے کے لیے جس سے دوسرے فائدہ اٹھائیں گے، سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے، بہت سارے خطرات مول لیتا ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

و من ینفق الأیام فی جمع ماله
مخافة فقر فالذی فعل الفقر ❸

''جو فقیری کے ڈر سے مال جمع کرنے میں اپنی عمر خرچ کرتا ہے تو حقیقت میں اس کا یہ فعل فقیری ہے۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''یقین یہ ہے کہ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش نہ کرو، اللہ کے رزق پر کسی سے حسد نہ کرو، جو اللہ

---

❶ المعجم الأوسط ۱/ ٤٧٠، رقم ١٥٥

❷ الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، رقم ۳۲۱۸، اس کی سند حسن صحیح ہے۔

❸ ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۲۳

نے تمھیں نہیں دیا ہے اس پر کسی کو ملامت نہ کرو، حریص کی حرص نہ تو روزی لا سکتی ہے اور نہ ہی کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے روک سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اطمینان وخوشی یقین و رضا میں رکھی ہے، اور حزن و ملال شک و عدم رضا میں رکھا ہے۔'' ❶

عبدالواحد بن زید اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے: میرے نزدیک آدمی کے لیے دنیا کی حرص اس کے سخت ترین دشمن سے بھی زیادہ خوفناک ہے، اور کہا کرتے تھے: بھائیو! مال و دولت اور بڑی تجارت کے باعث کسی حریص پر رشک نہ کرو، اسے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھو، اس لیے کہ وہ اس وقت ایسی چیز میں مشغول ہے جو کل قیامت میں اس کے لیے نقصان دہ ہے، اس کے باوجود وہ تکبر کرتا ہے۔ نیز کہا کرتے تھے: حرص دو طرح کی ہے: (۱) پریشان کن حرص (۲) نفع بخش حرص۔ نفع بخش حرص یہ ہے کہ انسان اطاعت الٰہی کا حریص ہو اور پریشان کن حرص یہ ہے کہ انسان دنیا کا حریص ہو۔ ❷

کسی حکیم نے اپنے بھائی کو جو دنیا کا حریص تھا لکھا: امابعد! تو دنیا کا حریص ہو گیا ہے اس کی خدمت میں لگا ہے جب کہ وہ تجھے اپنے اندر سے مختلف پریشانیوں، بیماریوں اور آفتوں کے ذریعہ سے نکال دینے والی ہے، ایسا لگتا ہے کہ تم نے روزی سے محروم حریص اور روزی یافتہ زاہد کو نہیں دیکھا۔

کسی حکیم کا قول ہے: اکثر غم و حزن میں رہنے والا حاسد ہوتا ہے، سب سے آرام کی زندگی قناعت پسندی کی ہوتی ہے، سب سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے والا حریص ہوتا ہے، سب سے ہلکی پھلکی زندگی اس کی ہوتی ہے جو دنیا سے مستغنی ہو، سب سے زیادہ ندامت اٹھانے والا افراط پسند عالم ہے۔ ❸ شاعر کہتا ہے:

الحرص داء قد أضر
بمن ترى إلا قليلا

''حرص ایسی بیماری ہے جس نے اکثر لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے۔''

كم من حريص طامع
والحرص صيره ذليلا ❹

''بہت سارے لالچی حریصوں کو حرص نے رسوا کر دیا ہے۔''

---

❶ ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۲٦

❷ ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۲٦

❸ ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۲۷

❹ ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ۲۷

شاعر محمود وراق کہتا ہے:

و نـازح الـدار لا يـنفك مغتربا

مـن الأحبة لا يـدرون بـالحال

''رزق کی تلاش میں گھر سے دور رہنے والا دوست واحباب سے مسلسل دور رہتا ہے، وہ اس کے حالات سے واقف نہیں ہو پاتے۔''

بـمشـرق الأرض طـورا ثـم مـغربها

لا يـخـطر الموت من حرص على بال

''کبھی مشرق میں ہوتا ہے کبھی مغرب میں، حرص کے باعث موت کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔''

و لـو قنعت أتاك الرزق فى دعة

إن الـقـنوع الغنى لا كثرة المال

''اگر تمھیں قناعت حاصل ہو جائے تو تمھارے پاس روزی بڑے سکون و اطمینان سے آئے گی، بلاشبہ قناعت ہی اصل مالداری ہے نہ کہ مال کی کثرت۔''

نیز کہتا ہے:

أيهـا الـمتـعـب جهدا نفسه

يـطـلـب الـدنيا حريصا جاهدا

''اے وہ شخص جو بڑی حرص اور محنت سے دنیا حاصل کرتے ہوئے اپنے آپ کو تھکا رہا ہے۔''

لا لك الـدنيـا و لا أنـت لها

فـاجـعل الهمين هما واحدا ❶

''ہمیشہ کے لیے نہ تو دنیا تمھاری ہے اور نہ تم دنیا کے ہو، اس لیے (دنیا و آخرت کے) دو غموں کو (آخرت کا) ایک غم بنا دو۔''

☆ حرص مال کی دوسری قسم یہ ہے کہ پہلی قسم میں مذکور چیزوں سے آگے بڑھ کر مال کو حرام طریقوں سے حاصل کرے، واجب حقوق نہ ادا کرے، ایسا کرنا مذموم حرص ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (التغابن: ١٦)

''اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے۔''

❶ ما ذئبان جائعان لابن رجب ص ٢٩

سنن ابی داوٗد میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((اِتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، أَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا وَ أَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوْا وَ أَمَرَهُمْ بِالْفُجُوْرِ فَفَجَرُوْا.)) [1]

''حرص سے بچو، حرص نے تم سے پہلے کے لوگوں کو ہلاک کر دیا، انھیں قطع تعلق کا حکم دیا تو وہ قطع تعلق کر بیٹھے، انھیں بخیلی کا حکم دیا تو وہ بخیلی کرنے لگے، انھیں برائی کا حکم دیا تو وہ برائی کرنے لگے۔''

بہت سارے علما کا قول ہے: شح وہ شدید حرص ہے جو حریص کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ چیزوں کو لے لیا کرے چاہے وہ حرام ہی کیوں نہ ہوں اور ان میں جو حقوق عائد ہوتے ہیں انھیں وہ ادا نہ کرے، [2] اور بخل یہ ہے کہ انسان اپنے پاس موجود چیزوں کو خرچ نہ کرے، شح میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ انسان دوسرے کے مال وغیرہ کو ظلم و زیادتی سے لے لے، یہاں تک کہ شح کو تمام گناہوں کی جڑ کہا گیا ہے۔ سلف میں سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے شح اور بخل کی یہی تفسیر کی ہے۔ [3] کبھی شح بخل کے معنی میں اور بخل شح کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن اصل دونوں میں فرق کرنا ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔

جب مال کی حرص اس درجے کو پہنچ جائے تو اس سے دین و ایمان میں نمایاں نقص پیدا ہوتا ہے، بلاشبہ حقوق کے روکنے اور حرام چیزوں کو لینے سے دین و ایمان میں اس حد تک کمی آ جاتی ہے کہ اس کا تھوڑا سا حصہ باقی رہتا ہے۔ [4]

☆ دنیاوی عز و جاہ کی حرص مال کی حرص سے بھی زیادہ ہلاکت خیز ہے۔ دنیاوی عز و جاہ اور ترقی، سرداری اور سربلندی کی چاہت، بندے کے حق میں مال کی چاہت سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے، اس سے کنارہ کشی بہت مشکل ہے۔ عز و جاہ کی حرص دو قسم کی ہے:

ا۔ حکومت و سلطنت اور مال کے ذریعہ سے عز و جاہ کی چاہت، یہ بڑی خطرناک چیز ہے، یہ چیز اکثر آخرت کی بھلائی، اور عزت و جاہ سے محروم کر دیتی ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ۭ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (القصص: ۸۳)

''وہ آخرت کا گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے، نہ فساد

---

[1] سنن أبی داؤد ۲/ ۳۲٤، رقم ۱٦۹۸، البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔
[2] ما ذئبان جائعان ص ۳۱
[3] ما ذئبان جائعان ص ۳۱
[4] ما ذئبان جائعان ص ۳۱

کرنا چاہتے ہیں، پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔''

حکومت و امارت طلب کر کے جو دنیا کی سرداری کا حریص ہوتا ہے اسے توفیق الٰہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

((يَـا عَبْـدَالرَّحْمٰنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا .)) ❶

''اے عبدالرحمٰن! امارت مت طلب کرنا، اگر یہ چیز طلب کرنے پر تمھیں ملے گی تو تمھیں اس امارت کے ساتھ اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اگر بغیر مانگے ملے گی تو اس سلسلے میں تمھاری مدد کی جائے گی۔''

تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ عزو جاہ کی حرص...... عزو جاہ کے حصول سے پہلے، اس کے اسباب کی کوشش کے وقت، اور اس کے حصول کے بعد، ظلم و تکبر وغیرہ جیسے مفاسد کے ارتکاب کے وقت...... بہت بڑے نقصان کو مستلزم ہوتی ہے۔ ❷

۲۔ دوسری قسم دینی امور جیسے علم و عمل اور زہد کے ذریعہ سے عزو جاہ اور لوگوں پر فوقیت کی طلب، یہ پہلی قسم سے زیادہ قبیح، مفسد اور خطرناک ہے، علم و عمل اور زہد کے ذریعہ سے تو اللہ کا قرب اور اس کے پاس اونچے درجات اور ابدی نعمتوں کو طلب کیا جاتا ہے۔ ❸

مذموم حرص کا علاج زہد سے ہوسکتا ہے اس کے بہت سارے وسائل ہیں، بعض درج ذیل ہیں:

☆ بندہ حکومت و امارت --جس کے اخروی حقوق کو ادا نہ کیا جائے-- کے ذریعہ سے دنیاوی عزو جاہ کے حصول کے برے انجام کو دیکھے۔

☆ بندہ ظالموں، متکبروں اور کبریائی میں اللہ سے ٹکرانے والوں کی سزا پر غور کرے۔

☆ بندہ اخروی سربلندی کے لیے دنیا میں اللہ کے واسطے خاکساری کرنے والوں کے ثواب کو دیکھے، بلاشبہ جو اللہ کے واسطے (دنیا میں) خاکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (آخرت میں) سربلندی سے نوازے گا۔

☆ اخروی سربلندی بندے کے بس میں نہیں، بلکہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے، اسے دنیا میں نہ دے کر اس کے عوض اللہ تعالیٰ اپنے زاہد بندوں کو دنیا میں تقویٰ کے شرف، ظاہر میں ان کے لیے لوگوں کے دلوں میں ہیبت، اور باطن میں معرفت الٰہی، ایمان اور اطاعت کی مٹھاس سے نوازتا ہے، اور یہی وہ بہترین زندگی

---

❶ صحیح البخاری، رقم ٦٦٢٢ ❷ ما ذئبان جائعان ص ٣٥، ٤٣

❸ ما ذئبان جائعان ص ٤٧

ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ہر اس مومن مرد و عورت سے کیا ہے جو عملِ صالح کرتا ہے، دنیا میں یہ بہترین زندگی بادشاہوں اور اصحاب سطوت کو نصیب نہیں ہوتی۔

عزو جاہ کی حرص کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ہماری زندگی کی حقیقت سے اگر بادشاہ اور شہزادے واقف ہو جائیں تو اسے ہم سے چھیننے کے لیے ہم سے تلواروں سے جنگ کریں، جسے بھی منجانب اللہ یہ زندگی نصیب ہو جاتی ہے وہ اسے پا کر ختم ہو جانے والے عزو جاہ اور فنا ہو جانے والی سلطنت کی طلب سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ ❶ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (الاعراف: ۲٦)

''اور تقویٰ کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے۔''

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ (فاطر: ۱۰)

''جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت ہے۔''

حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں مذموم حرص سے ڈراتے ہوئے کہا ہے:

''حرص نفس کی دشمن ہے، اسی کے باعث آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے۔'' ❷

ج..... حسد:

حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حسد برائیوں کا راستہ دکھاتا ہے، اسی وجہ سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا: محبت کہتے ہیں دوسروں کے لیے بھلائی کی تمنا کو، اس کی ضد حسد ہے، اور حسد کہتے ہیں محسود کی نعمت کے زوال کی تمنا کو، یہ ایک قبیح، مذموم اور مہلک مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاسد کی برائی سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، جس طرح شیطان کی برائی سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ (الفلق: ٥)

''اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے۔''

فرمان نبوی ہے:

((لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا.)) ❸

---

❶ ما ذقنان جائعان ص ۷٥، ۷٦

❷ علموا أولادكم حب آل بيت النبي صلى الله عليه وسلم ص ۱۳۱

❸ صحيح البخاري رقم ٦٠٦٥

''تم باہم ایک دوسرے سے حسد، قطع تعلق، بغض نہ کرو، ایک دوسرے کے ٹوہ میں نہ پڑو، اور بھائی چارگی کے ساتھ اللہ کے بندے بن جاؤ۔''

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا:

((یَطْلُعُ عَلَیْکُمُ الْآنَ مِنْ هَذَا الْفَجِّ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ .))

''ابھی اس گلی سے تمھارے پاس ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا۔''

چنانچہ ایک انصاری صحابی اپنی داڑھی سے وضو کا پانی جھاڑتے ہوئے اس طرح نمودار ہوئے کہ اپنے جوتے اپنے بائیں ہاتھ میں لیے ہوئے تھے، سلام کیا، دوسرے دن بھی آپ نے ویسے ہی کہا تو وہی نمودار ہوئے، تیسرے دن بھی آپ نے ویسے ہی کہا تو وہی نمودار ہوئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے تو عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اس صحابی کے پیچھے ہو لیے، ان سے کہا: میرے والد سے میرا جھگڑا ہوگیا ہے، میں نے قسم کھائی ہے کہ ان کے پاس تین دن نہیں جاؤں گا، اگر آپ اپنے یہاں مجھے تین دن رکھ سکیں تو رکھ لیں، کہا: ٹھیک ہے، چنانچہ وہ ان کے پاس تین رات رہے، انھیں قیام اللیل کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، بس بستر سے اٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے، نماز فجر کے لیے بیدار ہوتے۔ اتنی بات تھی کہ میں نے انھیں صرف بھلی بات ہی کہتے سنا، تین راتیں گزر گئیں، ان کا عمل میری نظر میں عظیم نہیں تھا، میں نے کہا: اے عبداللہ! میرے اور والد کے مابین کوئی ناراضی اور قطع تعلق نہیں تھا، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ایسا کہتے سنا تو چاہا کہ آپ کے عمل کو معلوم کروں، چنانچہ میں نے آپ کو کچھ زیادہ عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، کس چیز نے آپ کو اس مقام تک پہنچایا؟ انھوں نے کہا: وہی سب کچھ ہے جو آپ نے دیکھا ہے، جب میں واپس ہونے لگا تو مجھے بلا کر کہا: وہی سب کچھ ہے جو آپ نے دیکھا ہے سوائے اس کے کہ میں کسی مسلمان کو دھوکہ نہیں دیتا، اور نہ ہی منجانب اللہ اسے عطا کردہ کسی نعمت پر حسد کرتا ہوں، عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ان سے کہا: یہی چیز ہے جس نے آپ کو اس مقام تک پہنچایا ہے اور ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ [1]

حسد کے بہت سارے اسباب ہیں، جیسے عداوت، بغض، گھمنڈ، سرداری کی چاہت، نفس کی خباثت، اور بخیلی، نیز اس طرح کی دل کی دوسری بیماریاں، چنانچہ حسد بہت ساری پریشانیوں اور بیماریوں کا مجموعہ ہے، وہ ان بیماریوں سے زیادہ بھائی چارگی، محبت اور ایمان کو ختم کر دینے والا ہے، اس کی تباہ کاریاں بہت زیادہ ہیں، حسد ان لوگوں میں زیادہ پایا جاتا ہے جن میں مذکورہ اسباب زیادہ پائے جاتے ہیں، یہ اکثر و بیشتر ہم عمر، ہم مثل، سگے اور چچیرے بھائیوں، پیشہ وروں، علما اور تاجروں کے مابین ہوتا ہے، اس لیے کہ باہمی حسد کا سبب مشترکہ مقاصد کے

[1] مسند أحمد ۳/ ۱۶۶، اس کی سند صحیح ہے۔

حصول کے لیے سب کے اغراض کا ایک ہونا ہے، نتیجتاً باہمی نفرت وبغض پیدا ہوتا ہے، چنانچہ حسد کی اصل جڑ ایک ہی غرض ومقصد پر لوگوں کا اکٹھا ہو جانا ہے، اور ان سب کا سبب دنیا کی محبت ہے، دنیا ہی اکٹھا ہونے والوں پر تنگ ہو جاتی ہے۔ ❶

حسد کا علاج:

حسد کے علاج اور اس سے بچاؤ کی بہت ساری تدبیریں ہیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

☆ اس کا یقین کہ حسد محسود کے بجائے حاسد کے لیے دین اور دنیا دونوں میں نقصان دہ ہے، اور یہ کہ حاسد کے حسد سے محسود کی نعمت ختم نہیں ہوتی، اس لیے حاسد کو اپنے حسد سے صرف بغض، تکلیف، افسوس اور دین ودنیا کی تباہی ہی ہاتھ لگتی ہے، جب معاملہ ایسا ہے تو حاسد منجانب اللہ محسود کو عطا کردہ نعمت کا زوال کیوں چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نعمت عطا کرنا چاہتا ہے، اور حاسد اس کے زوال کو چاہتا ہے، اس طرح وہ اللہ کی ناپسندیدہ چیز کو چاہتا ہے اور اللہ کی پسندیدہ چیز کو ناپسند کرتا ہے، یہ بیماری ایمان کو تباہ کر دینے والی ہے، اس لیے کہ ایسا کرنے والا اپنے بھائی کے لیے وہ بھلائی نہیں چاہتا ہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

☆ دین ودنیا کے لیے اس بیماری کے نقصانات کو، اس سے متعلق اللہ ورسول کی ناپسندیدگی کو۔ دنیا وآخرت میں حاسد جس نتیجے سے دوچار ہوگا اس کو مسلسل یاد رکھنا حسد کی حقیقت کو سمجھنے، اس سے بچنے اور اس سے دور رہنے اور اس کے علاج میں معاون ہوگا۔

☆ حاسدین کے حسد کے نتائج، واقعات، آیات واحادیث سے عبرت حاصل کرنا، یہ چیز حسد سے بچنے اور اس کے علاج میں معاون ہوگی۔

☆ جب حسد کا داعیہ پیدا ہو تو نفس کا محاسبہ کرنا، محسود کے حسد سے اپنے آپ کو روکنے کی کوشش کرنا، بلکہ اس کی تعریف کرنا، اس کے لیے اس کی نعمت کی حفاظت اور زیادتی کی دعا کرنا، ہاں بغیر حسد کے اپنے لیے بھی اسی جیسی نعمت کی تمنا کر سکتا ہے۔

☆ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر راضی رہنا، اسی پر قناعت کرنا، اس بات پر ایمان رکھنا کہ روزی، نعمتیں منجانب اللہ ہیں، وہ جسے چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اگر کسی بندے کو کوئی نعمت دی ہے تو کوئی اسے ختم نہیں کر سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمت بغیر اس کے چاہے نہیں مل سکتی ہے، بندہ صرف راضی رہتے ہوئے التجا ودعا کر سکتا ہے، اس لیے بندہ وہ طریقہ کیوں نہیں اپناتا جس سے بھلائی مل سکتی ہے اور

❶ منهج الإسلام في تزكية النفس ص ٣٤٠

اس بیماری سے دور کیوں نہیں رہتا جو برے انجام کا باعث ہے۔ ❶

اس لیے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حسد سے ہمیں روکتے ہوئے فرمایا تھا: حسد برائیوں کی جانب لے جانے والا ہے، اسی وجہ سے قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا، ❷ جب وہ اپنے بھائی کی قربانی کی من جانب اللہ قبولیت پر حسد کرنے لگا۔

۲۔ حسن اور ابوذر رضی اللہ عنہما کے نزدیک رضا کا مفہوم:

ابوالعباس محمد بن یزید مبرد کا قول ہے: حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے نزدیک غربت مالداری سے اور بیماری تندرستی سے زیادہ محبوب ہے، تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ ابوذر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، میں تو کہتا ہوں: جس نے بھی اپنے لیے اللہ کے حسن اختیار پر بھروسا کر لیا وہ اپنے لیے منجانب اللہ منتخب کردہ حالت کے علاوہ کی تمنا نہیں کرے گا، یہی قضا وقدر پر راضی ہونے کا مفہوم ہے۔ ❸

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنی اس گفتگو میں اعمال قلوب میں سے ایک عمل کو بیان کر رہے ہیں، یہ اس اہم عمل سے ان کی آگاہی کی دلیل ہے، چنانچہ اعمالِ قلوب میں رضا کی اہمیت وہی ہے جو اعمال جوارح میں جہاد کی ہے، ان میں سے ہر ایک ایمان کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ ❹

رضا محبت الٰہی کا ثمرہ ہے، یہ اللہ کے مقربین کا اعلیٰ مقام ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں، یہ اللہ تک رسائی کا اہم ذریعہ، عارفین کے دل کی ٹھنڈک اور دنیا کی جنت ہے، اس لیے جو اپنے آپ کا خیر خواہ ہو اس سلسلے میں اس کی رغبت شدید ہونی چاہیے، اس کے بدلے کسی اور چیز کو قبول نہ کرے، بندے سے اللہ کی رضا مندی جنت و مافیہا سے بہتر ہے، اس لیے کہ رضا اللہ کی صفت ہے اور جنت اس کی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ (التوبة: ٧٢)

''ایمان دار مردوں اور عورتوں سے اللہ نے ان جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان صاف ستھرے محلات کا جو ان ہیشگی والی جنتوں میں ہیں۔''

---

❶ منهج الإسلام في تزكية النفس ص ٣٤

❷ علموا أولادكم محبة آل بيت النبي ص ٣١

❸ البداية والنهاية ١١/ ١٩٩ ❹ مدارج السالكين ٢/ ٢١٤

''تو ہم کوچ کرنے سے باز رہتے ہیں، تا کہ تو اپنی بردباری کے باعث راضی ہو جائے''

أنــخــنـــا فـــي فــنـــائك يـــا الٰهـــي

إليك مـــعـــــرضيـــن بـــلا اعتـــدال

''اے الٰہی! بلا حیلہ بہانہ سب سے منہ موڑ کر تیری بارگاہ میں ہم حاضر ہیں''

فسُسْـــنـا كيف شـــئـــت و لا تـكـلـنـــا

إلـــى تـــدبيـــرنـــا يـــاذا الـــمعـــالـــى ❶

''اے اللہ! تو ہمارے ساتھ جیسا چاہے تصرف کر، اور ہمیں ہمارے تصرف کے حوالے نہ کرے۔''

مقام رضا کے یہ چند مفاہیم ہیں جو امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے اس قول کی وضاحت کرتے ہیں:

((مَـنِ اتَّـكَـلَ عَلَى حُسْنِ اخْتِيَارِ اللّٰهِ لَهُ لَم يَتَمَنَّ أَنْ يَكُوْنَ فِي غَيْرِ الْحَالَةِ الَّتِي اخْتَارَ اللّٰهُ لَهُ، وَهٰذا حَدُّ الْوُقُوْفِ عَلَى الرِّضَا بِمَا تَصَرَّفَ بِهِ الْقَضَاءُ)) ❷

''جس نے اللہ کے حسن اختیار پر بھروسا کیا وہ اپنے لیے منجانب اللہ اختیار کردہ حالات کے علاوہ کسی دوسری حالت کی تمنا نہیں کرتا، اور یہی قضا وقدر پر راضی ہونے کا مفہوم ہے۔''

۳۔ امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

میں تمھیں اپنے ایک بھائی کی خبر دے رہا ہوں جو میری نگاہ میں بہت عظیم تھا، اس کی عظمت کا سب سے اہم راز یہ تھا کہ دنیا اس کی نگاہ میں حقیر تھی اور وہ اپنے پیٹ کا بندہ نہیں تھا، نہ ملنے والی چیز کی وہ خواہش نہیں کرتا تھا، مل جانے پر زیادہ نہیں کھاتا تھا، اپنی شرمگاہ کا غلام نہیں تھا، چنانچہ اس کے پیچھے اپنی عقل و رائے کا دامن نہیں چھوڑتا تھا، جاہلوں کا دست نگر نہیں تھا، منفعت کا یقین ہونے کے بعد ہی ہاتھ پھیلاتا تھا، بلا سبب نہ ناراض ہوتا نہ اکتاتا، علما کی مجلس میں بولنے سے زیادہ سننے کا حریص ہوتا، گفتگو میں مغلوب ہو بھی جاتا لیکن خاموشی میں نہیں، اکثر اوقات خاموش رہتا، جب بولتا تو بولنے والوں پر فوقیت لے جاتا، جس کے قول و عمل میں ہم آہنگی نہ ہو ایسے قاضی کو دیکھ کر ہی کسی مقدمے اور جھگڑے میں بلا معاوضہ احسانا دخل اندازی کرتا اور دلیل دیتا، اپنے بھائیوں کا خیال رکھتا، انھیں چھوڑ کر اپنے لیے کوئی چیز خاص نہ کرتا، لائق عذر کسی چیز کے سلسلے میں کسی کی ملامت نہ کرتا، جب اس کے نزدیک دو باتوں میں سے کسی کا اقرب الی الحق ہونا واضح نہ ہوتا تو دیکھتا کہ ان میں سے کون سی بات خواہش کے زیادہ قریب ہے پھر اس کی مخالفت کرتا۔ ❸

---

❶ صلاح الأمة في علو الهمة، ٤/ ٥٢٩

❷ صلاح الأمة في علو الهمة ٤/ ٥٢٩

❸ البداية والنهاية ١١/ ١٩٩

آپ کے اس قول میں لوگوں کے لیے خصائل حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی جانب رہنمائی ہے، یہ تربیت کا اعلیٰ ترین منہج ہے، جس کے مطابق ہمیں اپنی اور اپنے بچوں کی تربیت کرنی چاہیے، اس قول سے ہمیں درج ذیل چیزوں کا سبق ملتا ہے:

☆ حسن رضی اللہ عنہ کا قول:

''میری نگاہ میں اس کی عظمت کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ دنیا اس کی نگاہ میں حقیر تھی۔'' ❶

دنیا اس کی نگاہ میں حقیر ہوتی ہے جو حقائق سے آگاہ ہو، قضا وقدر، جنت وجہنم، دنیا وزندگی اور اللہ تعالیٰ سے متعلق صحیح تصور اس کے ذہن نشین ہو، اللہ کے حضور حاضر ہونے کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے دنیا سے بے رغبت ہو کر آخرت کے لیے عمل کرے، اسے یقین ہو کہ دنیا امتحان وآزمائش کی جگہ اور آخرت کی کھیتی ہے، اس بات سے بچتا ہو کہ دنیا اپنی تمام تر چمک دمک اور رعنائیوں کے ساتھ اس پر غالب آجائے، ظاہر او باطنا اپنے رب کے سامنے سر تسلیم خم کر چکا ہو، جاں گزیں ہو جانے والی ان حقیقتوں کا ادراک کر چکا ہو جو دنیا سے بے رغبت ہونے میں اس کی معاون ومددگار ہوں، انھیں میں سے درج ذیل حقیقتیں ہیں:

☆ اس بات کا کامل یقین کہ ہم اس دنیا میں اجنبیوں یا مسافروں کے مانند ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا قول ہے:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ .)) ❷

''تم دنیا میں اجنبی یا مسافر کے مانند رہو۔''

☆ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دنیا کی کوئی قدر وقیمت نہیں، اگر کچھ قدر وقیمت ہے تو دنیا کے اسی حصے کی ہے جو اللہ کی اطاعت کے لیے ہو، اس لیے کہ فرمان نبوی ہے:

((لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ .)) ❸

''اگر دنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔''

نیز فرمان نبوی ہے:

---

❶ البداية والنهاية ۱۱/ ۱۹۹

❷ سنن الترمذي، كتاب الزهد، رقم ۲۳۳۳، یہ حدیث صحیح ہے۔

❸ سنن الترمذي، كتاب الزهد، رقم ۲۳۲۰

((اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا إِلَّا ذِکْرَ اللّٰہِ وَمَا وَالَاہُ أَوْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا.)) ❶

''دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ان چیزوں کے جو اس سے تعلق رکھتی ہیں اور سوائے دینی علوم سے بہرہ ور اور ان کا علم حاصل کرنے والوں کے۔''

☆ دنیا کی عمر ختم ہونے کے قریب ہے، جیسا کہ فرمان نبوی ہے:

((بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ وَ یَقْرُنُ بَیْنَ اِصْبُعَیْہِ السَّبَّابَۃِ وَالْوُسْطٰی.)) ❷

''میں اور قیامت ایسے مبعوث کیے گئے ہیں جیسے یہ دونوں انگلیاں ہیں، اور (یہ کہتے ہوئے) آپ اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی ملا لیتے (یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں متصل ہیں درمیان میں کوئی فاصلہ نہیں، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کسی نبی کا فاصلہ نہیں)''

انسان کی قیامت اس کی موت سے شروع ہو جاتی ہے، اور عمر بہت مختصر ہوتی ہے جب ہم اس میں سے بچپنے اور نیند کا حصہ نکال دیں تو کتنا بچے گا؟

☆ آخرت کی زندگی باقی رہنے والی ہے، اور وہ دار القرار ہے، جیسا کہ مومن آل فرعون نے کہا:

﴿یٰقَوْمِ اِنَّمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ۡ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ یُرْزَقُوْنَ فِیْھَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (غافر: ۳۹-۴۰)

''اے میری قوم! یہ حیات دنیا متاع فانی ہے، یقین مانو کہ قرار و پختگی کا گھر تو آخرت ہی ہے، جس نے گناہ کیا ہے اسے تو برابر برابر کا بدلہ ہی ہے اور جس نے نیکی کی ہے تو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان دار ہو تو یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں بے شمار روزی پائیں گے۔''

جس مومن کے دل میں یہ حقیقتیں رچ بس جائیں دنیا اس کی نگاہ میں حقیر ہو جائے گی۔

☆ حسن رضی اللہ عنہ کے اس قول کی شرح:

((کَانَ خَارِجًا مِنْ سُلْطَانِ بَطْنِہٖ فَلَا یَشْتَھِیْ مَالَا یَجِدُ وَلَا یُکْثِرُ إِذَا وَجَدَ.)) ❸

''وہ اپنے پیٹ کا بندہ نہیں تھا، نہ ملنے والی چیز کی وہ خواہش نہیں کرتا تھا، مل جانے پر وہ زیادہ نہیں

---

❶ سنن الترمذی کتاب الزھد رقم ۲۳۲۲

❷ صحیح مسلم، کتاب الفتن و أشراط الساعۃ، رقم ۱۳۲، ۱۳۵

❸ البدایۃ والنھایۃ ۱۱/ ۱۹۹.

کھاتا تھا۔“

آپ کے اس ارشاد میں ضرورت سے زائد کھانے کو ترک کرنے کی دعوت دی گئی ہے اس لیے کہ زائد کھانا انواع واقسام کی پینے کی چیزوں کا متقاضی ہوتا ہے، اور یہ چیزیں معاصی کے ارتکاب اور اطاعتوں کو ترک کرنے کا باعث ہوتی ہیں، اور یہ دونوں باتیں بہت بری ہیں، چنانچہ خوب پیٹ بھر کھانا بہت سارے معاصی کے ارتکاب اور بہت ساری اطاعتوں کے ترک کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ جس نے اپنے آپ کو پیٹ کی برائی سے بچا لیا اس نے اپنے آپ کو بڑی برائی سے بچا لیا، جب انسان خوب پیٹ بھر کھانا کھاتا ہے تبھی اس پر شیطان کا اچھی طرح بس چلتا ہے۔ ❶

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں شیطان کی ان چالوں سے بچنے کے لیے کہا ہے جو حلال پر اکتفا کرنے کے بجائے پیٹ کا بندہ بننے کی دعوت دیتی ہیں، چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴾ (البقرۃ: ۱٦۸)

”اے لوگو! زمین میں موجود پاکیزہ اور حلال چیزیں کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو، بلاشبہ وہ تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں اعتدال کا حکم دیا ہے اس لیے کہ اعتدال پیٹ کی خواہشات کو کنٹرول رکھتا ہے:

﴿ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴾ (الاعراف: ۳۱)

”کھاؤ اور پیو، اور اسراف نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

پیٹ کا بندہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ شخص ضرورت سے زیادہ کھانے اور پینے اور آسودہ ہونے میں مبالغہ اور افراط سے کام لے، نبی کریم ﷺ نے واضح کیا ہے کہ ضرورت سے زیادہ کھانا پینا جسم اور نفس کے لیے نقصان دہ ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی روایت درج کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ، وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفْسِهِ.)) ❷

❶ جهاد النفس علي الصلابي ص ۹۳

❷ سنن الترمذي، كتاب الزهد، حديث نمبر ۲۳۸۰، حدیث حسن صحیح ہے۔

''کسی آدمی نے کوئی برتن اپنے پیٹ سے زیادہ برا نہیں بھرا، آدمی کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا رکھیں اور اگر زیادہ ہی کھانا ضروری ہو تو پھر پیٹ کا تہائی حصہ کھانے کے لیے اور دوسرا تہائی حصہ پانی کے لیے، اور تیسرا تہائی حصہ سانس لینے کے لیے ہو۔''

اس حدیث میں مذکور کم کھانے پینے اور اسراف سے بچنے سے متعلق نبوی طریقے کو اپنانا چاہیے، اس لیے کہ یہ اسراف بڑی خرابی کا باعث ہوتا ہے، خرابی سے مراد معدے کی بیماریاں ہی نہیں ہیں، بلکہ وہ خرابی مراد ہے جو نفس میں پیدا ہو جاتی ہے جس سے نفس بہت زیادہ کھانے پینے کا عادی ہو جاتا ہے، کھانا پینا اس کے نزدیک غذا اور بدن کی تقویت کے بجائے ایک مستقل مقصد بن جاتا ہے، جس کے حصول میں وہ ہمیشہ لگا رہتا ہے، اس کی پوری تگ و دو اسی کے لیے ہوتی ہے، اس کا پیٹ اگر آسودہ ہو بھی جاتا ہے تو اس کا نفس آسودہ نہیں ہوتا، پیٹ ہی اس کے نزدیک خوش حالی کا معیار ہوتا ہے۔ [1]

پیٹ کا بندہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صرف زیادہ کھاتا ہے، اس لیے کہ زیادہ کھانا اس کے مرض کی ظاہری علامت ہے، اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ نفس مادہ پرست اور لالچی ہو جاتا ہے، کھانا اس کے نزدیک وسیلۂ غذا کے بجائے ایک مستقل مقصد بن جاتا ہے، وہ جانوروں جیسا ہو جاتا ہے جو اپنی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں، اس سلسلے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝﴾

(محمد: ١٢)

''اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں، ان کا (اصلی) ٹھکانہ جہنم ہے۔''

نیز فرمان نبوی ہے:

((اَلْكَافِرُ يَأْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ وَ الْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ .)) [2]

''کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے، اور مومن ایک آنت میں۔''

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مومنین کا طریقہ کم کھانا ہوتا ہے تاکہ عبادات میں مشغول رہ سکیں، کافر اس کے برخلاف ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اپنی خواہشات کا غلام ہوتا ہے، انھی کے پیچھے پڑا رہتا ہے، اس سلسلے میں حرام سے بھی گریز نہیں کرتا، اگر کم کھاتا بھی ہے تو دنیا سے بے رغبتی کے باعث نہیں بلکہ صحت اور جسم کی حفاظت کے لیے،

[1] امراض النفس د/ انس کرزون ص ۱۰۹

[2] صحیح مسلم رقم ۲۰٦۰

دنیا کا حریص ہونے اور اس کے پیچھے پڑے رہنے کے سبب گویا وہ سات آنتوں میں کھاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں پوری دنیا کھا جاتا ہے۔ لیکن مومن ایک آنت میں کھاتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس حدیث میں دنیا سے متعلق مومن کے زہد اور کافر کے حرص کی مثال بیان کرتے ہیں۔ ❶

امام نووی نے اس حدیث کا ایک دوسرا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا: ایک قول کے مطابق سات آنتوں سے مراد سات صفتیں ہیں: حرص، ہوس، لمبی امید، لالچ، بری طبیعت، حسد اور موٹاپا۔ ❷

ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے:

دل کو خراب کرنے والی چیزوں میں سے کھانا ہے، اور اس کھانے کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:...... ایسا کھانا جو بذات خود دل کو خراب کر دے جیسے حرام چیزیں۔

دوسری قسم:...... ایسا کھانا جو اپنی مقدار اور حد سے تجاوز کرنے پر دل کو خراب کر دے، جیسے حلال چیز کو حد سے زیادہ کھا لینا، ایسا کھانا دل کو اطاعتوں سے روک دیتا ہے، پیٹ بھرنے والی چیزوں کے حصول اور کوشش میں اسے مشغول کر دیتا ہے، حاصل ہو جانے پر ان کو بکثرت کھانے اور ان کے نقصانات سے بچنے کی کوشش میں مشغول کر دیتا ہے، خواہشات کو اس پر غالب کر دیتا ہے، شیطان کی راہوں کو کشادہ کر دیتا ہے، بلاشبہ وہ انسان کی رگوں میں خون کی مانند دوڑتا ہے، روزہ اس کی راہوں کو تنگ بلکہ اس کے راستوں کو بند کر دیتا ہے، اور ضرورت سے زیادہ کھانا ان راہوں اور راستوں کو وسیع اور کشادہ کر دیتا ہے، چنانچہ جو زیادہ کھاتا ہے، زیادہ پیتا ہے، وہ زیادہ سو کر زیادہ گھاٹا اٹھاتا ہے۔ ❸

☆ حسن رضی اللہ عنہ کے اس قول کی شرح:

((وَ كَانَ خَارِجًا مِنْ سُلْطَانِ فَرْجِهِ فَلَا يَسْتَخِفُّ لَهُ عَقْلَهُ وَ لَا رَأْيَهُ .)) ❹

''اپنی شرمگاہ کا غلام نہیں تھا، چنانچہ اس کے پیچھے اپنی عقل و رائے کا دامن نہیں چھوڑتا تھا۔''

حسن رضی اللہ عنہ شرمگاہ کی خواہش پر قابو پانے کی دعوت دے رہے ہیں، اور (بتاتے ہیں کہ) اسے منجانب اللہ مشروع طریقے ہی سے پوری کرنی چاہیے اس لیے کہ اس طریقے سے تجاوز کرنے کے نتائج خطرناک ہیں، جیسے دل کی سختی، ایمان کی کمزوری وغیرہ۔ شرمگاہ کی خواہش جتنا ہی غالب ہوگی اتنا ہی دل کی سختی، تاریکی اور وحشت بڑھے گی، اس خواہش کی ابتدا محرمات کو دیکھنے سے ہوتی ہے، پھر اختلاط ہوتا ہے، پھر زنا کا معاملہ معمولی معلوم

---

❶ فتح الباری شرح صحیح البخاری ۹/ ۵۳۸، ۵۳۹

❷ شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۴/ ۲۳

❸ مدارج السالکین ۱/ ۴۵۸، ۴۵۹

❹ البدایۃ والنہایۃ ۱۱/ ۱۹۹

ہونے لگتا ہے، اور اس کا راستہ ہموار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کا ارتکاب ہوجاتا ہے، پھر یہ بیماری دل میں سرایت کرجاتی ہے، ایمان کی حقیقت اس سے دور ہونے لگتی ہے، یہی اس فرمانِ نبوی کا مصداق ہے:

((لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَ لَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ .)) ❶

''زنا کار زنا کے وقت مومن نہیں ہوتا، شرابی شراب پینے کے وقت مومن نہیں ہوتا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی روایت کے وقت فرمایا: یعنی وہ کامل مومن نہیں ہوتا، نیز ایمان کی روشنی سے محروم ہوتا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيْمَانُ فَكَانَ فَوْقَ رَأْسِهِ كَالظُّلَّةِ فَإِذَا خَرَجَ مِنْ ذٰلِكَ الْعَمَلِ رَجَعَ إِلَيْهِ الْإِيْمَانُ .)) ❷

''بندہ جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل کر اس کے سر پر چھتری کے مانند رہتا ہے، جب وہ اس کام سے فارغ ہوجاتا ہے تو ایمان اس کی جانب لوٹ جاتا ہے۔''

کبائر کے مرتکبین سے ایمان کی روشنی چھین لی جاتی ہے، ان کے دلوں سے اللہ کی تعظیم جاتی رہتی ہے، اس لیے کہ جو زنا، چوری، شراب نوشی وغیرہ جیسے کبائر کا مرتکب ہوتا ہے اس کے دل سے خشیتِ الٰہی، خشوع وخضوع اور ایمان کی روشنی جاتی رہتی ہے، اگرچہ اس میں تصدیق کی بنیاد باقی رہ جاتی ہے اور یہی مفہوم ہے ارتکابِ کبیرہ کے وقت ایمان کی روشنی چھین لینے کا۔ ❸

شرمگاہ کی خواہش کے غالب آنے کے نتائج میں سے معاصی کا بکثرت ارتکاب ہے، معصیت اگرچہ چھوٹی ہو دوسری معصیت کا راستہ ہموار کرتی ہے، اس طرح بکثرت معاصی کا ارتکاب ہونے لگتا ہے، اور مرتکب اس کی ہولناکیوں کا احساس نہیں کرتا، چنانچہ کسی اجنبی عورت کی جانب ایک نگاہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے، پھر دل میں داعیہ پیدا ہوتا ہے، پھر شہوت پیدا ہوتی ہے، نتیجتاً زنا کے ارتکاب کا پختہ ارادہ ہوتا ہے، پھر اگر حالات سازگار ہوئے تو زنا کا ارتکاب کرلیتا ہے، اسی لیے کسی اجنبی عورت کی جانب دیکھنے کو زنا کی تمہید اور اس تک پہنچانے والے دروازوں میں سے ایک دروازہ قرار دیا گیا ہے۔ امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

---

❶ صحیح البخاری مع الفتح کتاب الحدود ۸/ ۱۳، مسلم رقم ۵۷

❷ المستدرک للحاکم ۱/ ۲۲۔ امام ذہبی نے موافقت کی ہے۔

❸ کتاب الایمان لابن تیمیة ص ۲۹

((كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبُهُ مِنَ الزِّنَا، مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ، فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَ الْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ، وَ اللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ، وَ الْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَ الرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا، وَالْقَلْبُ يَهْوِي وَ يَتَمَنَّى وَ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ الْفَرْجُ أَوْ يُكَذِّبُهُ.)) ❶

''انسان کے لیے اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے وہ یقیناً اسے پانے والا ہے، آنکھوں کا زنا (نامحرم عورت کی طرف) دیکھنا ہے، کانوں کا زنا (حرام آواز کا) سننا ہے، زبان کا زنا (ناجائز) کلام کرنا ہے، ہاتھ کا زنا (ناجائز) پکڑنا اور پاؤں کا زنا (ناجائز کام کی طرف) چل کر جانا ہے، اور دل خواہش اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔''

اس طرح معصیت رفتہ رفتہ بندے کے دل میں گھر کرتی اور اس پر اثر انداز ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اس کی پروا نہیں کرتا، نہ اسے چھوڑ سکتا ہے، بلکہ زیادہ کا طلبگار ہوتا ہے۔ ❷

اس سلسلے میں ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''معصیتیں دوسری معصیتوں کو جنم دیتی ہیں تا آنکہ بندہ ان سے الگ تھلگ نہیں ہوسکتا، وہ معصیتیں لازمی صفت، مستقل عادت اور فطرت ثانیہ بن جاتی ہیں، عاصی اگر معصیت چھوڑنا اور اطاعت شعاری کرنا چاہے تو وہ اپنے آپ میں سخت تنگی محسوس کرتا ہے تا آنکہ معصیت کا دوبارہ ارتکاب نہ کرلے، بہت سارے فاسق معصیت کا ارتکاب کسی لذت کے لیے نہیں کرتے ہیں بلکہ اس تکلیف سے بچنے کے لیے جو معصیت کو ترک کرنے کی صورت میں انھیں لاحق ہوتی ہے۔'' ❸

شرمگاہ کی خواہش کے غالب آنے کے نتائج میں سے شرم و حیا کا ختم ہوجانا ہے، جب خواہش کے غالب آنے پر بندہ گناہوں کے ارتکاب کا عادی ہوجاتا ہے تو اس کی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ اس کو اس کی پروا ہی نہیں ہوتی کہ لوگ اس کے قبیح افعال سے آگاہ ہورہے ہیں، بلکہ اس طرح کے لوگ اپنے برے کاموں کو فخر سے بیان کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ شرم و حیا سے بالکل عاری ہوچکے ہیں۔ ❹

شرمگاہ کی خواہش کو معمولی انحراف سے بچانے کے سلسلے میں کوتاہی رفتہ رفتہ مزید انحراف تک پہنچا دیتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان شہوانیت کا ایسا شکار ہوجاتا ہے کہ اس کی برائیوں سے نجات مشکل ہوجاتی ہے، آخر میں دل بالکل سیاہ ہوجاتا ہے، اخلاق حسنہ سے بالکل عاری ہوجاتا ہے، مزید برآں اسے دیگر نفسانی و جسمانی بیماریاں

❶ صحیح مسلم، رقم ۲٦٥٧ ❷ أمراض النفس ص ۱۲۱
❸ الجواب الکافی ص ۵۹، ٦۰ ❹ أمراض النفس ص ۱۲۲

لاحق ہوجاتی ہیں۔ ❶

اسلام نے شرمگاہ کی خواہش کے غالب آنے سے بچاؤ کی تدبیریں پیش کی ہیں، انھی میں سے درج ذیل تدبیریں ہیں:

۱۔ غضِ بصر اور سترِ عورت:

شہوت کے تیر جس راستے سے دل میں پیوست ہوتے ہیں وہ نگاہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کو حرام کاری سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴾ (النور: ۳۰)

''مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے خبردار ہے۔''

فرمان نبوی ہے:

((لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَ لَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَ لَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَ لَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ.)) ❷

''مرد مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ عورت عورت کے ستر کو دیکھے، اور نہ مرد مرد کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لیٹے، اور نہ عورت عورت کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لیٹے۔''

ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے:

''اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دل کا آئینہ بنایا ہے، جب بندہ نگاہ کو نیچی رکھتا ہے تو دل کی شہوت اور ارادے کو کنٹرول میں رکھتا ہے، اور جب نگاہ کو کھلی چھوٹ دے دیتا ہے تو شہوت کو بھی آزاد کر دیتا ہے۔'' ❸

نیز انھی کا قول ہے: نگاہ دل میں ویسے ہی اثر کرتی ہے جیسے تیر شکار میں، اگر اس کا کام تمام نہیں کر دیتی تو کم از کم زخمی ضرور کرتی ہے، نگاہ آگ کے اس انگارے کے مانند ہے جسے خشک گھاس میں پھینک دیا جائے، اگر وہ تمام گھاس کو نہیں جلاتا تو کچھ کو ضرور جلا دے گا، کسی شاعر نے کہا ہے:

---

❶ أمراض النفس ص ۱۲۳

❷ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۳۳۸

❸ روضة المحبين ص ۱۰۹

كل الحوادث مبدأها من النظر

و معظم النار من مستصغر الشرر

''تمام حوادث کی ابتداء نظر سے ہوتی ہے، بڑی آگ کی ابتداء چھوٹی چنگاری سے ہوتی ہے۔''

كم نظرة فتكت في قلب صاحبها

فتك السهام بلا قوس ولا وتر

''کتنی ہی نگاہیں ہیں جو صاحبِ نگاہ کے دل میں تیروں کی مانند پیوست ہو جاتی ہیں۔''

و المرء ما دام ذا عين يقلبها

في أعين الغيد موقوف على الخطر

''انسان جب تک حسیناؤں سے نگاہیں لڑاتا رہتا ہے خطرے میں ہوتا ہے۔''

يسر مقلته ما ضر مهجته

لا مرحبا بسرور عاد بالضرر [1]

''روح کے لیے مضر چیز ہی اس کی نگاہ کو خوش کرتی ہے، ایسی خوشی کو دور سے سلام، جو نقصان دہ ہو۔''

☆ اختلاط کی حرمت، عورتوں کو حجاب کا حکم:

اس بارے میں بہت ساری قرآنی آیات اور احادیث نبویہ وارد ہیں، فرمان الٰہی ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الاحزاب: ۵۹)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ﴾ (الاحزاب: ۵۳)

''جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو، تمھارے اور ان کے

[1] روضة المحبين ص ۱۱٤.

دلوں کے لیے کامل پاکیزگی یہی ہے۔"

امام بخاری اور امام مسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَ الدُّخُوْلِ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: أَفَرَأَيْتَ الْحِمْوَ؟ قَالَ: اَلْحِمْوَ الْمَوْتُ .)) ❶

"تم (غیر محرم) عورتوں کے پاس جانے سے گریز کرو، ایک انصاری شخص نے کہا: شوہر کے قریبی رشتہ دار کی بابت فرمایئے؟ آپ نے فرمایا: شوہر کا قرابت دار تو موت ہے۔"

(حمو) شوہر کا بھائی اور اس کے مشابہ شوہر کے دوسرے رشتہ دار جیسے بھائی کا لڑکا، چچا، چچا کا لڑکا وغیرہ جو محرم نہ ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "اَلْحِمْوُ الْمَوْتُ" کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کے مقابلے میں اس سے زیادہ خوف ہے، اس لیے کہ اجنبی کے بالمقابل اس کا عورت کے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے اور تنہائی میں ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ ❷

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَ مَعَهَا ذُوْ مَحْرِمٍ وَ لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةِ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ .)) ❸

"کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے مگر اس حالت میں کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم رشتہ دار ہو، اور عورت محرم رشتہ دار کے بغیر سفر نہ کرے۔"

اسی طرح متعدد حدیثوں میں مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی چال ڈھال اور لباس میں مشابہت اختیار کرنے پر سخت وعید آئی ہے، اس لیے کہ اس سے شہوانی خواہشات ابھرتی ہیں، اور ان میں انحراف پیدا ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے وہ کہتے ہیں:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَ الْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ .)) ❹

"عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔"

---

❶ صحيح مسلم حديث نمبر ٢١٧٢ ❷ شرح النووی علی صحيح مسلم ١٤/ ١٥٣

❸ صحيح مسلم حديث نمبر ١٣٤١

❹ صحيح البخاری مع الفتح ، كتاب اللباس ٧/ ٥٥

☆شہوت کو کنٹرول کرنے کے لیے روزے کی ترغیب:

جب انسان کسی سبب سے نان و نفقہ کی قدرت نہ رکھتا ہو اور اسی بناء پر شادی نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ روزے رکھ کر شہوت کو بے قابو ہونے سے بچائے، اس لیے کہ روزے شہوت کو کنٹرول میں رکھتے ہیں، اس سلسلے میں امام بخاری و مسلم رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَ أَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَ مَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ .)) ❶

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نان و نفقہ کی طاقت رکھے تو وہ شادی کرے، بلاشبہ شادی نگاہوں کو پست کرنے والی اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی چیز ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ روزے رکھے، بلاشبہ روزہ شہوت کو توڑنے والی چیز ہے۔''

یعنی روزہ شہوت کے غلبے کو ختم کر دیتا ہے، اور اسی طرح ان غذاؤں کو کم کرنا ہے، جو شہوت کو ابھارنے والی ہوتی ہیں تاکہ اس کی شدت کم ہو جائے۔ جب انسان ان سے بچاؤ کی تدبیروں کا حریص نہیں ہوگا اور ان پر عمل پیرا نہیں ہوگا اور دل انحراف کے لیے تیار ہوگا تو شہوت کے زہریلے تیر اس میں ضرور پیوست ہو جائیں گے، دل اپنی اس بیماری میں بڑھتا ہی جائے گا، شہوت روز بروز غالب ہوتی چلی جائے گی، پھر انسان برائی کے دلدل میں دھنستا چلا جائے گا۔ ❷

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا یہ قول:

((كَانَ خَارِجًا مِنْ سُلْطَانِ فَرْجِهِ فَلَا يَسْتَخِفُّ لَهُ عَقْلَهُ وَ لَا رَأْيَهُ .))❸

''اپنی شرمگاہ کا غلام نہیں تھا، چنانچہ اس کے پیچھے اپنی عقل و رائے کا دامن نہیں چھوڑتا تھا۔''

شرمگاہ کی شہوت کو قابو میں رکھنے کی صریح دعوت ہے۔

حسن رضی اللہ عنہ کا قول:

((كَانَ إِذَا جَامَعَ الْعُلَمَاءَ يَكُونُ عَلَى أَنْ يَسْمَعَ أَحْرَصَ مِنْهُ أَنْ يَتَكَلَّمَ .))❹

''علما کی مجلس میں بولنے سے زیادہ سننے کا حریص ہوتا۔''

اس قول میں علما کے عزت و احترام اور ان سے استفادہ کا تذکرہ ہے، چنانچہ ان کی عزت اور ان کا احترام

❶ صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۴۰۰
❷ أمراض النفس ص ۱۲٦
❸ البداية والنهاية ۱۱/ ۱۹۹
❹ البداية والنهاية ۱۱/ ۱۹۹

مسنون ہے، فرمان نبوی ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَ يَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُعَرِّفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ.)) ❶

''وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا، بڑوں کی عزت نہیں کرتا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیتا، اور عالم کا حق نہیں پہچانتا۔''

سلف صالحین علما کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے، مجلس میں عالم کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے، کس طرح گفتگو کی جائے، اس سلسلے میں اہل علم نے کافی گفتگو کی ہے، جو بالتفصیل "آداب العالم و المتعلم" پر مشتمل کتابوں میں موجود ہے۔

اس سلسلے میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اقوال نہایت جامع ہیں ان کا قول ہے:

''عالم کا حق یہ ہے کہ اس سے زیادہ سوال نہ کرو، نہ لاجواب کرنے کی کوشش کرو، جواب نہ دینا چاہے تو اس پر اصرار نہ کرو، اٹھنا چاہے تو اس کا کپڑا نہ کھینچو، اس کا کوئی راز فاش نہ کرو، اس کے پاس کسی کی غیبت نہ کرو، اس سے کوئی چوک ہو جائے تو اس کا عذر قبول کرو، جب تک وہ اللہ کے اوامر کو بجا لاتا ہو اللہ کے واسطے اس کی توقیر و تعظیم کرو، اس کے سامنے برابری میں نہ بیٹھو، ضرورت پڑنے پر لوگ اس کی خدمت کریں۔'' ❷

انھی کا قول ہے:

''عالم کا حق ہے کہ جب تم اس کے پاس آؤ تو اسے خصوصی اور لوگوں کو عمومی طور پر سلام کرو، اس کے آگے کی طرف بیٹھو، ہاتھوں اور آنکھوں کے اشاروں سے بچو، یہ نہ کہو کہ فلاں کا قول، آپ کے قول کے خلاف ہے، اس کا کپڑا نہ کھینچو، سوال کرنے میں اصرار نہ کرو، بلاشبہ وہ رطب کھجور کے درخت کی طرح ہے جس سے کچھ نہ کچھ تمھیں ملتا رہتا ہے۔'' ❸

عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کا قول ہے:

''جب کوئی عالم اپنے سے بڑے عالم کو پاتا ہے تو وہ اس کے لیے غنیمت کا دن ہوتا ہے، اس سے پوچھتا ہے، علم حاصل کرتا ہے، جب اپنے سے چھوٹے عالم کو پاتا ہے تو اس کو علم سکھاتا ہے، اس کے

---

❶ سنن الترمذي حديث نمبر ١٩٨٦، صحيح ابن حبان حديث نمبر ١٩١٣

❷ جامع بيان العلم و فضله ١/ ١٢٩

❸ جامع بيان العلم و فضله ١/ ١٤٦

سامنے تواضع و خاکساری کا اظہار کرتا ہے اور جب اپنے ہمسر عالم سے ملتا ہے تو اس سے مختلف موضوعات پر مباحثہ و مناقشہ کرتا ہے۔'' ❶

اہل علم سے طلب علم اور استفادہ، ان کی باتوں کو سننے، ان کا احترام کرنے کی سلف صالحین نے بہترین مثالیں قائم کی ہیں، اس کے شاہد وہ واقعات ہیں جنھیں خطیب بغدادی وغیرہ نے اس سلسلے میں نقل کیا ہے۔

حسن رضی اللہ عنہ کا قول:

((كَانَ أَكْثَرَ دَهْرِهِ صَامِتًا فَإِذَا قَالَ بَذَّ الْقَائِلِيْنَ ، كَانَ لَا يُشَارِكُ فِي دَعْوَى وَ لَا يَدْخُلُ فِي مِرَاءٍ .)) ❷

''اکثر اوقات خاموش رہتا، جب بولتا تو بولنے والوں پر فوقیت لے جاتا، کسی دعوے اور جھگڑے میں دخل اندازی نہ کرتا۔''

حسن رضی اللہ عنہ اپنے اس قول کے ذریعہ سے جھگڑے سے بچنے اور کم گفتگو کی دعوت دے رہے ہیں، فرمان نبوی ہے:

((إِذَا أَصْبَحَ الْعَبْدُ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ ، تَقُوْلُ: اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا ، فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ فَإِذَا اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَ إِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا .)) ❸

''جب انسان صبح کرتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء زبان سے نہایت عاجزی سے عرض کرتے ہیں، کہتے ہیں: تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرتی رہ اس لیے کہ ہمارا معاملہ تیرے ساتھ وابستہ ہے اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اگر تو ٹیڑھی ہوئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔''

سلف صالحین اپنی گفتگو کے سلسلے میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتے تھے، اس لیے کہ زبان دیگر اعضاء کے بالمقابل زیادہ آسانی سے چلنے والی ہے اور بندے کے حق میں زیادہ مضر بھی ہے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان کو پکڑ کر کہا کرتے تھے:

((هٰذَا أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ .)) ❹

''اس نے مجھے کئی گھاٹ کا پانی پلایا۔''

گفتگو تمھاری قید میں ہوتی ہے، تمھارے منہ سے نکل جانے کے بعد تم اس کے قیدی ہو جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ

---

❶ المحدث الفاصل للرامهرمزی ص ۲۰۶ ، قواعد فی التعامل مع العلماء ، عبدالرحمن بن معلا اللویحق ص ۸٦

❷ البداية والنهاية ۱۱ / ۱۹۹

❸ سنن الترمذی حدیث نمبر ۲۴۰۷ ، حسنه الألبانی فی الصحیح الجامع ۱ / ۱۳٦

❹ جهاد النفس ص ۷٦

ہر بولنے والے کی زبان سے باخبر ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (ق : ۱۸)

''انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے۔''

زبان کی دو عظیم آفتیں ہیں، انسان اگر ایک سے بچ جاتا ہے تو دوسری سے نہیں بچتا، گفتگو کی آفت، خاموشی کی آفت، اپنے اپنے وقت میں دونوں میں سے ہر ایک بہت بڑے گناہ کا باعث ہوتی ہیں، واضح رہے کہ حق بات پر چپ رہنے والا گونگا شیطان ہے، اللہ کا نافرمان، ریاکار اور حق کو چھپانے والا ہے، باطل گفتگو کرنے والا، بولنے والا شیطان ہے، اللہ کا نافرمان ہے۔ اکثر لوگ اپنی گفتگو اور خاموشی میں منحرف ہوتے ہیں، وہ انھی مذکورہ دو قسموں میں سے ہوتے ہیں، بیچ والی قسم کے لوگ۔ جو صراط مستقیم والے ہیں۔ غلط باتوں سے اپنی زبانوں کو بچاتے ہیں، آخرت میں نفع بخش باتوں میں انھیں استعمال کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایسی بات نہیں کرتا جو بے مقصد ہو، چہ جائیکہ وہ آخرت میں مضر ہو، بندہ قیامت کے دن پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر آئے گا، لیکن اسے پتہ چلے گا کہ اس کی زبان نے ان تمام نیکیوں کو برباد کردیا ہے، اور پہاڑوں کے برابر برائیاں لے کر آئے گا، لیکن اسے پتہ چلے گا کہ اس کی زبان نے ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات میں مشغول ہونے کے باعث ان برائیوں کو ختم کردیا ہے۔ ❶

نہ گفتگو کا مطلقاً حکم دیا گیا ہے نہ ہی خاموشی کا، بلکہ بھلی گفتگو کرنا اور بری گفتگو سے بچنا ضروری ہے، لوگ عموماً لایعنی اور بری باتیں کرتے ہیں اور ان پر خاموشی چوں کہ مشکل ہوتی ہے، اس لیے سلف اکثر و بیشتر اس خاموشی کی تعریف کرتے تھے اور اپنے آپ کو لایعنی باتیں نہ کرنے کا عادی بناتے تھے۔ ❷

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے:

''حج، سرحدوں کی حفاظت، جہاد، ان میں سے کوئی بھی زبان کو کنٹرول کرنے سے زیادہ مشکل نہیں، اگر تم اپنی زبان کے تابع ہوگئے تو تمھیں شدید غم لاحق ہوگا۔''

انھی کا قول ہے:

''زبان کی پابندی مومن کی پابندی ہے، اگر تم اپنی زبان کے تابع ہوگئے تو تمھیں شدید غم لاحق ہوگا۔'' ❸

---

❶ الداء و الدواء لابن القیم ص ۳۷۹

❷ جهاد النفس ص ۷۷

❸ جامع العلوم و الحکم ص ۱٦۲

حسن رضی اللہ عنہ کے قول کی شرح:

((كَانَ إِذَا ابْتَدَأَهُ أَمْرَانِ لَا يَرَى أَيُّهُمَا أَقْرَبُ إِلَى الْحَقِّ، نَظَرَ فِيْمَا هُوَ أَقْرَبُ إِلَى هَوَاهُ فَخَالَفَهُ.)) ❶

''جب اس کے نزدیک دو باتوں میں سے کسی کا اقرب الی الحق ہونا واضح نہ ہوتا تو دیکھتا ان میں سے کون سی بات اس کی خواہش کے زیادہ قریب ہے، پھر اس کی مخالفت کرتا۔''

حسن رضی اللہ عنہ "ھــــوی" (نفسانی خواہش) کی مخالفت پر آمادہ کر رہے ہیں، ہوی کہتے ہیں بغیر کسی شرعی ضرورت کے لذت بخش خواہشات کی جانب نفس کے میلان کو۔ ❷ نفسانی خواہشات ان اسباب میں سے ایک اہم سبب ہیں، جن کے باعث بہت ساری قوموں نے اپنے انبیاء کی مخالفت کی، ان کا حکم نہ مانا، ان کی لائی ہوئی شریعت و ہدایت کو ٹھکرا دیا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝﴾ (المائدة: ۷۰)

''ہم نے بالیقین بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا، جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشا کے خلاف تھے تو انھوں نے ان کی ایک جماعت کی تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی داؤد علیہ السلام کو خواہشات کی مخالفت کا حکم دیا ہے:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝﴾ (ص: ۲٦)

''اے داؤد! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنا دیا، تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تمھیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔''

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

---

❶ البداية والنهاية ۱۱/ ۱۹۹

❷ التعريفات للجرجاني ص ۲۵۷

"ھــــوی (جو نفس میں موجود حب و بغض کا جذبہ ہے) بذاتِ خود مستحق ملامت نہیں، اس لیے کہ بسا اوقات اس کی نہیں چلتی، مستحق ملامت اس کی چاہت کے مطابق عمل کرنا ہے۔" ❶

دوسری جگہ انھی کا قول ہے:

"مجرد نفس کے حب و بغض کا نام ہویٰ ہے، جو چیز حرام کی گئی ہے وہ اس کے حب و بغض کی چاہت کے مطابق عمل کرنا ہے۔" ❷

جو آدمی نفسانی خواہشات کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اس کے لیے بہترین دوا اور کامیاب علاج یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر کتاب و سنت کی پیروی کو لازم کرے، سلف صالحین کے منہج کو اپنائے، اپنے نفس میں برابر اللہ کا خوف اور ڈر بسائے رکھے، اپنے افعال پر ہمیشہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے، اس کی خواہشات، بھلاوے اور مکاری سے دھوکہ نہ کھائے، جو کچھ کہنا یا کرنا چاہے اس کے بارے میں اہل علم و ایمان سے زیادہ سے زیادہ مشورہ کرے اور ان کی رائے معلوم کرے، دوسروں سے نصیحت حاصل کرے، درست اور صحیح آراء (چاہے وہ نفسانی خواہشات کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں) کو قبول کرنے پر نفس کو آمادہ کرے، اعمال کو کرگزرنے، احکام کو صادر کرنے میں نفس کو توقف اور ان افعال سے بچنے کا عادی بنائے جن میں افراط و تفریط، غلو و تقصیر، جہالت اور حدود سے تجاوز ہو، زیادہ سے زیادہ اللہ سے عاجزی اور دعا کرے کہ وہ اسے نفسانی خواہشات کے اتباع اور گمراہ کن فتنوں سے بچائے اور خوشی اور ناخوشی دونوں صورتوں میں حق بات کہنے کی توفیق دے، منجانب رسول اللہ ﷺ امت کو سکھائی گئی ان دعاؤں کو زیادہ سے زیادہ پڑھے:

((وَ أَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ .)) ❸

"اے اللہ! میں تجھ سے خوشی و ناخوشی دونوں صورتوں میں حق بات کہنے کی توفیق طلب کر رہا ہوں۔"

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَ الْأَعْمَالِ وَ الْأَهْوَاءِ .)) ❹

"اے اللہ! میں برے اخلاق و اعمال اور بری خواہشات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

۴۔ حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((يَجُوْزُ أَنْ يَظُنَّ السُّوْءَ بِمَنْ عَلِمَ السُّوْءَ مِنْهُ وَ بَدَتْ عَلَيْهِ أَدِلَّتُهُ وَ لَيْسَ يَنْبَغِيْ أَنْ يَظُنَّ بِهِ السُّوْءَ بِمُجَرَّدِ الظَّنِّ فَإِنَّ الظَّنَّ يَكْذِبُ كَثِيْرًا .)) ❺

---

❶ مجموع الفتاوی ۲۸/ ۱۳۱ ❷ مجموع الفتاوی ۲۸/ ۱۳۳

❸ سنن النسائی، کتاب السہو، باب الدعاء بعد الذکر ۳۰۵۵۔ علامہ البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

❹ صحیح سنن الترمذی ۳/ ۱۸۳ ❺ الشہب اللامعة فی السیاسة النافعة للمالقی ص ۱۷۲

''اس کو برا سمجھنا درست ہے جس کی برائی معروف ہو اور اس پر دلیلیں واضح ہوں، صرف گمان کی بنیاد پر کسی کو برا سمجھنا درست نہیں، گمان اکثر و بیشتر جھوٹا ہوتا ہے۔''

حکمت پر مبنی حسن رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ ہوشیار اور بابصیرت مومن جب کسی شخص کے بعض برے احوال، تصرفات، اقوال اور افعال کو جان لے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے برا سمجھے، انسان کے چہرے کے آثار، بعض اقوال و افعال سے اس کے دل کی بعض باتیں نمایاں ہو جاتی ہیں، لیکن اسے برا سمجھنے کی بنا پر اس شخص کو کوئی سزا نہیں دی جا سکتی، بلکہ حسن رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے محتاط رہنے اور بچنے کی ضرورت ہے تاکہ ان جیسے لوگوں کے ساتھ حسن ظن کے باعث کوئی مسلمان مصائب و مشکلات سے دوچار نہ ہو جائے، جس کا لوگوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ جس سے متعلق سوء ظن کے دلائل و شواہد موجود ہوں اس پر اعتماد کرنا کتنا خطرناک ہوتا ہے، لیکن بلا دلائل و شواہد کسی مسلمان کا کسی مسلمان سے سوء ظن رکھنا بالکل مناسب نہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ (الحجرات: ۱۲)

''اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ کا مفہوم یہ بتاتا ہے کہ اہل خیر کے ساتھ بدگمانی گناہ ہے، رہے برے اور فاسق لوگ تو ان کے ظاہری حالات کے مطابق ہم ان کے ساتھ بدگمانی رکھ سکتے ہیں۔ [1]

فرمان نبوی ہے:

((إِيَّاكُمْ وَ الظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ .)) [2]

''تم بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔''

ابن حجر رحمہ اللہ نے کسی مسلمان سے بدگمانی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے، چنانچہ ان کا قول ہے:

''ایسا اس لیے کہ جو شخص محض بدگمانی کے باعث کسی کو برا قرار دیتا ہے شیطان اس کو اسے حقیر سمجھنے، اس کے حقوق کی رعایت نہ کرنے، اس کے احترام میں کوتاہی کرنے اور اس کی عزت و ناموس سے متعلق زبان درازی پر آمادہ کرتا ہے، یہ تمام باتیں باعث ہلاکت ہیں، جسے تم پاؤ کہ وہ لوگوں سے بدگمانی اس لیے کرتا ہے کہ ان کے عیوب کو نشر کرے تو سمجھو کہ وہ بدباطن اور بری نیت والا ہے،

---

[1] الأخلاق بين الطبع و التطبع ص ۲۴۳

[2] صحيح البخاري حديث نمبر ۵۱۴۳، صحيح مسلم حديث نمبر ۲۵۶۳

بلاشبہ مومن اپنی نیک طبیعت کے باعث لوگوں کے لیے مختلف قسم کے عذر تلاش کرتا رہتا ہے، اور منافق اپنی بری طبیعت کے باعث لوگوں کے عیوب تلاش کرتا رہتا ہے۔'' ❶

۵۔ حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((وَاللّٰهِ مَا تَشَاوَرَ قَوْمٌ قَطُّ إِلَّا هَدَاهُمُ اللّٰهُ لِأَفْضَلِ مَا يَحْضُرُهُمْ)) ❷

''اللہ کی قسم جب بھی کوئی قوم باہم مشورہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ ان کی موجودہ رائے سے بہتر رائے کی جانب ان کی رہنمائی کرتا ہے۔''

حسن رضی اللہ عنہ لوگوں کو اپنے تمام معاملات میں باہمی مشورے کی وصیت کر رہے ہیں اور اس پر آمادہ کر رہے ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے شورائیت کا طریقہ سیکھا اور اس کو برتا، خود حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت سے متعلق اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ، چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اور اپنے دوسرے قائدین سے مشورہ کیا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

شورائیت شریعت و احکام کے بنیادی اصول وضوابط میں سے ہے، جو حاکم بھی باعمل علما سے مشورہ نہیں کرتا اس کو اس کے منصب سے ہٹا دینا بالاتفاق واجب ہے۔ ❸

جصاص حنفی اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں ﴿أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اقامت صلاۃ اور ایمان کے ساتھ شورائیت کا ذکر کیا جانا اس کے عظیم المرتبت ہونے کا پتہ دیتا ہے، اور یہ بھی بتاتا ہے کہ ہم اس کے مامور ہیں۔'' ❹

علامہ طاہر بن عاشور کہتے ہیں:

''جصاص کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ شورائیت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے۔'' ❺

امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے:

''ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے کہ ہماری طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شورائیت واجب ہے یا سنت، ان کے نزدیک راجح واجب ہونا ہے اور یہی مختار قول ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا امر صادر کر رہا ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

---

❶ الزواجر ص ۱۱٤

❷ تهذيب الرياسة وترتيب السياسة للقلعي ص ۱۸۳

❸ المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز ۳/ ۳۷۹

❹ أحكام القرآن للجصاص ۳/ ۳۸٦

❺ التحرير والتنوير ٤/ ۱٤۹

''اور کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھیں۔''

اور جمہور فقہاء و محقق اصولیین کے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔''❶

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

''حاکم وقت مشاورت سے مستغنی نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اس کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

''ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھیں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کریں بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

بلاشبہ شورائیت اسلامی نظام کے ان بنیادی امور میں سے ہے جو اسلامی معاشرے کے قیام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، بہت سارے عظیم مقاصد اور اعلیٰ مصلحتوں کے پیش نظر شورائی نظام مشروع قرار دیا گیا، اس میں معاشرے، امت اور حکومت کی بھلائی اور برکت پر مبنی بہت سارے عظیم فوائد اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

☆ شوریٰ ایک طرح کھلم کھلا بحث و مناقشہ ہے، یہ رائے عامہ کو ہموار اور واضح کرنے، حاکم و محکوم، رئیس و مرؤوس کے مابین محبت و اعتماد کے اسباب کو مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، ڈکٹیٹر شپ میں پروان چڑھنے والے شکوک کو ختم کرنے، اندیشوں کو دور کرنے، شبہات کے ازالے اور افواہوں کو روکنے میں حکومت کے لیے ایک بہترین طریقہ ہے۔

☆ اسلامی مبادیات کا تقاضا ہے کہ ہر فرد یہ محسوس کرے کہ معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں اس کا ایک کردار ہے، شورائیت ہر فرد کو موقع دیتی ہے کہ وہ معاشرے کی بھلائی کے لیے اپنی ہر ممکن کوشش، فکر، رائے اور صلاحیت کو بروئے کار لائے، نیز عام معاملات میں ہر شخص کو اظہار رائے کا موقع فراہم کرتی ہے۔

☆ شورائیت افراد امت کو فکری جمود اور گرم جذبات سے روکتی ہے، وہ ہر فرد کو اپنی ذاتی، فکری اور انسانی اہمیت کا احساس دلاتی ہے، افراد امت کو محنت، ایجاد اور رضامندی پر آمادہ کرتی ہے، امت کو مختلف طاقت وقوت عطا کرتی اور اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے۔

☆ شورائیت سخت قسم کے دباؤ اور پوشیدہ کینوں کا کامیاب علاج ہے، مخفی غم وغصہ کو ختم کرتی ہے، رعایا کو فائدہ

❶ شرح النووی علی صحیح مسلم ٤/ ٧٦

پہنچانے کا عادی، نیز نظامِ حکومت کو مضبوط کرنے اور حاکمِ وقت کی سچی وفاداری کا حریص بناتی ہے۔

٭ شورائی نظام امت کو باور کراتا ہے کہ وہی صاحبِ حکومت ہے، اور حاکمِ وقت کو باور کراتا ہے کہ وہ حکومت و سربراہی میں امت کی نیابت کر رہا ہے۔

٭ شورائیت میں اللہ کے حکم کی بجا آوری اور رسول اللہ ﷺ کی اقتداء ہے، مذکورہ خصوصیتوں کے بالمقابل یہ خصوصیت زیادہ اہم ہے، یہی شورائی نظام کی کامیابی کا سب سے اہم سبب ہے۔ [1]

چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ شورائی نظام کا اہتمام کرنے، اس کو برتنے اور بروئے کار لانے پر لوگوں کو ابھار رہے ہیں، اس لیے وہ کہتے ہیں:

"جب بھی کوئی قوم باہم مشورہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی موجودہ رائے سے بہتر رائے کی جانب ان کی رہنمائی کرتا ہے۔" [2]

۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

((یا ابن آدم عِفَّ عَنْ محارم اللّٰہِ تَکُنْ عَابِدًا، و ارْضَ بِما قسَمَ اللّٰہُ لَكَ تَکُنْ غنیًّا، و أَحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جاوَرَكَ تَکُنْ مُسْلِمًا، وَ صَاحِبِ النَّاسَ بِمِثْلِ مَا تُحِبُّ أَنْ یُصَاحِبُوْكَ بِمِثْلِهٖ تَکُنْ عَادِلًا، إِنَّهٗ كَانَ بَیْنَ أَیْدِیْکُمْ قَوْمٌ یَجْمَعُوْنَ كَثِیْرًا وَ یَبْنُوْنَ مَشِیْدًا وَ یَأْمُلُوْنَ بَعِیْدًا، أَصْبَحَ جَمْعُهُمْ بُوْرًا وَ عَمَلُهُمْ غُرُوْرًا وَ مَسَاكِنُهُمْ قُبُوْرًا، یَابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَمْ تَزَلْ فِيْ هَدْمِ عُمْرِكَ مُنْذُ سَقَطْتَ مِنْ بَطْنِ أُمِّكَ، فَجُدْ بِمَا فِيْ یَدِكَ لِمَا بَیْنَ یَدَیْكَ، فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ یَتَزَوَّدُ وَ الْكَافِرُ یَتَمَتَّعُ وَ تَلَا هٰذِهِ الْآیَةَ: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی﴾ ....)) (البقرۃ: ۱۹۷) [3]

"اے ابن آدم! اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچ جا، عابد ہو جائے گا، اللہ نے تیرے لیے جو کچھ مقدر کر دیا ہے اس پر راضی ہو جا غنی ہو جائے گا، پڑوسیوں کے لیے اچھا پڑوسی بن جا مسلمان ہو جائے گا، لوگوں کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمھارے ساتھ پیش آئیں تو عادل بن جاؤ گے، تم سے پہلے کچھ لوگ تھے جو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرتے تھے، مضبوط و پختہ عمارات بناتے تھے، ان کی آرزوئیں دراز ہوتی تھیں، ان کا جمع کردہ مال تباہ ہوگیا، ان کے اعمال

---

[1] الشوریٰ بین الأصالة والمعاصرة لعز الدین التمیمی ص ۳۳، ۳۴
[2] [illegible] ص ۱۱۳
[3] [illegible] الأخبار للمنتجی ص ۱۲۱، الحسن بن علی ص ۲۸

برباد ہو گئے، ان کی عمارات قبروں میں تبدیل ہو گئیں۔ اے ابن آدم! تیرے پیدا ہونے کے بعد ہی سے تیری عمر گھٹ رہی ہے، اس لیے جو کچھ تیرے پاس ہے آخرت کے لیے خرچ کر، بلاشبہ مومن توشۂ آخرت جمع کرتا ہے، اور کافر دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ (توشۂ آخرت جمع کرو سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے)''

حسن رضی اللہ عنہ کے خطبے کی مختصر شرح:

ا: ((يَا ابْنَ آدَمَ عِفَّ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ تَكُنْ عَابِدًا .)) ❶

''اے ابن آدم! اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچ، عابد ہو جائے گا۔''

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنے اس قول میں لوگوں کو حرام چیزوں سے بچنے کی تلقین کر رہے ہیں، اور حرام چیزوں سے بچنے والے کو وہ عابد سمجھتے ہیں، محرمات کا ارتکاب انسان کو غافل اور اللہ کے غیظ وغضب اور سزا کا مستحق بنا دیتا ہے، اسی طرح محرمات کا ارتکاب اور اطاعت الٰہی سے غفلت دونوں دنیا و آخرت کے بہت سارے نقصانات ومفاسد کے دو سبب ہیں۔ ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے:

''قلت توفیق، فساد رائے، حق کا عدم ظہور، دل کا فساد، گمنامی، وقت اور چہرے کی تر و تازگی کا ضیاع، رب اور بندے کے مابین وحشت، دعاؤں کی عدم قبولیت، دل کی سختی، رزق وعمر کی بے برکتی، علم سے محرومی، ذلت، منجانب عدو رسوائی، سینے کی تنگی، دل اور وقت کو خراب کرنے والے برے ساتھیوں سے پالا پڑنا، طویل ہموم وغموم، زندگی کی تنگی اور پراگندہ حالی یہ تمام چیزیں ذکر الٰہی سے غفلت اور معصیت کے نتیجے میں وجود میں آتی ہیں، جس طرح کھیتی کا وجود پانی سے اور جلنے کا وجود آگ سے ہے، نیز ان مذکورہ چیزوں کی متضاد چیزیں اطاعت کے نتیجے میں وجود میں آتی ہیں۔'' ❷

معلوم ہوا کہ محرمات سے دوری اطاعتوں کی راہ ہے اور اسی سے مسلمان عابد ہو جاتا ہے، اسی بنا پر حسن رضی اللہ عنہ نے کہا "عِفَّ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ تَكُنْ عَابِدًا" اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچ جا، عابد ہو جائے گا۔ ❸

ب: ((وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ غَنِيًّا .)) ❹

''اللہ نے تیرے لیے جو کچھ مقرر کر دیا ہے اس پر راضی ہو جا، غنی ہو جائے گا۔''

---

❶ نور الابصار، ص ۱۲۱ ❷ الفوائد ص ۳۲
❸ الحسن بن علی، ص ۲۸، نور الابصار، ص ۱۲۱
❹ الحسن بن علی، ص ۲۸

حسن رضی اللہ عنہ منجانب اللہ بندے کے لیے مقدر چیزوں پر راضی ہونے اور اس کے استغناء کا باعث ہونے سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں، اللہ سے رضا مندی کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اللہ کے قضا و قدر کو ناپسند نہ کرے۔[1] اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ الٰہی قضا و قدر کے خیر و شر پر دل خوش اور نفس مطمئن رہے، قضا و قدر پر ایمان، ایمان کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اس قسم کی رضا مندی ایمانیات کا اعلیٰ درجہ ہے، اس لیے کہ اس نے دینی مدارج کی اصل کو تھام لیا ہے، یہی ان کی روح و حیات ہے۔ یہی رضا مندی توکل اور اس کی حقیقت، یقین، محبت اور شکر کی روح، نیز سچی محبت اور شکر کی دلیل ہے،[2] اسی سے اللہ اور لوگوں کے ساتھ حسن خلق کا دروازہ کھلتا ہے، بلاشبہ حسن خلق اللہ کے قضا و قدر پر رضا مندی اور سوء خلق عدم رضا مندی کا نتیجہ ہیں، بلکہ بعض علما نے رضا کی تعریف اللہ کے ساتھ حسن خلق سے کی ہے، نیز تعریف کی علت بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

> ''ایسا اس لیے کہ وہ رضا مندی بندے پر لازم قرار دیتی ہے کہ اللہ کی بادشاہت میں اعتراض نہ کرے، نیز ایسی فضول گفتگو سے بچے جو حسن خلق کے منافی ہو، چنانچہ وہ اللہ کے قضا و قدر کو کوئی مذموم نام نہیں دیتا، اس لیے کہ وہ رضا کے منافی ہے۔''[3]

بنا بریں قرآن نے اس رضا پر کافی توجہ دیتے ہوئے اس کے بارے میں کئی آیتوں میں گفتگو کی ہے۔ چنانچہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبۃ: ۱۰۰)

''اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔''

قرآن کی مذکورہ توجہ اس بات کی دلیل ہے کہ رضا ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے، اس لیے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوقات و کائنات اور شریعت میں اللہ کے قضا و قدر سے متعلق بندہ اللہ کے ساتھ حسن خلق سے پیش آئے اور اسے پوری خوشی، اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ قبول کر لے، اس میں کسی طرح کی کوئی تنگ دلی نہ محسوس کرے، تدبیر کائنات میں اللہ کی حکمت کو جاننے کے باعث کائنات کی تدبیر، عدم و وجود سے متعلق اس کے قضا و قدر پر اعتراض نہ کرے، اور نہ ہی کتاب و سنت میں بندوں کے لیے منجانب اللہ مقرر کردہ تشریعات پر اعتراض کرے، اس لیے کہ یہی سراسر حق اور ہدایت ہے۔

مذکورہ حسن خلق سے متصف شخص مذکورہ باتوں کو چاہت کے ساتھ قبول کر لیتا ہے اور ان سے متعلق اللہ کے قضا و قدر پر خوش رہتا ہے، اس لیے کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال، تدبیر اور قضا و قدر میں حکیم ہے،

[1] المفردات للراغب ص ۱۹۷ [2] مدارج السالکین ۲/ ۲۱۸
[3] مدارج السالکین ۲/ ۲۲۰

اپنے بندوں پر مہربان ہے، جو کچھ وہ ان کے لیے کرتا ہے، وہ سراسر خیر ہی ہوتا ہے، چاہے بظاہر انھیں شر معلوم ہو۔ ❶

اس سلسلے میں حسن رضی اللہ عنہ کے نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مثال اور بہترین نمونے تھے، چنانچہ آپ نے بیان کر دیا ہے کہ نفس، مال، اولاد اور اقارب سے متعلق زندگی میں منجانب اللہ جو پریشانیاں آئیں ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح راضی رہے، اسی طرح مکہ، مدینہ اور طائف میں دعوت الی اللہ کے نتیجے میں اپنی ذات کو لاحق ہونے والی اذیتوں پر مکمل طور سے راضی رہے، اذیتیں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ آپ کا کام تمام کر دینے کی متعدد کوششیں ہوئیں، لیکن کامیاب نہ ہوئیں، آپ نے ان سے صرف ان کے برے ارادے کا اعتراف کرا لیا، پھر انھیں معاف کر دیا۔

قلتِ مال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کی پوری انسانیت میں کوئی نظیر نہیں ملتی، چنانچہ آپ دعا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا .)) ❷

''اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کو صرف اتنی روزی دے جس سے ان کے جسم و جان کا رشتہ برقرار رہ سکے۔''

اسی طرح نرینہ اولاد کے انتقال کے بعد، بڑھاپے میں آپ کے صاحبزادے اور حسن رضی اللہ عنہ کے ماموں ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، لیکن اٹھارویں مہینے ہی میں انتقال کر جانے پر قضا و قدر سے متعلق آپ کی رضامندی متزلزل نہ ہوئی، بلکہ اس پر اپنی رضامندی کا اعلان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

((إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَ الْقَلْبَ يَحْزَنُ وَ لَا نَقُوْلُ إِلَّا بِمَا يَرْضَي رَبَّنَا ، وَ إِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ .)) ❸

''بے شک آنکھیں اشک بار ہیں اور دل غمگین ہے، لیکن ہم وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو راضی کر دے اور اے ابراہیم ہم تیری جدائی پر یقیناً غمزدہ ہیں۔''

آپ کے اعزہ و اقارب آپ کے اور آپ کی دعوت کے دفاع کی راہ میں آپ کے سامنے پچھاڑے گئے، لیکن آپ اس سے تنگ نہ آئے، بلکہ تاریخ میں آتا ہے کہ آپ کے چچا، اللہ و رسول کے شیر، حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید کر دیے گئے، ❹ ان کا مثلہ کر دیا گیا، آپ نے اپنے لیے سب سے زیادہ دردناک منظر دیکھا، دیکھا کہ چچا کا مثلہ کر دیا گیا ہے، لیکن آپ نے صرف اتنا کہا:

---

❶ أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم في القرآن والسنة ١/ ٩٦

❷ صحيح البخاري، الرقائق، حديث نمبر ٦٤٦٠

❸ صحيح مسلم حديث نمبر ٢٣١٥

❹ طبقات ابن سعد، ٣/ ٨

((رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ ، إِنْ كُنْتَ مَا عَلِمْتُكَ إِلَّا وُصُوْلًا لِلرَّحِمِ فَعُوْلًا لِلْخَيْرَاتِ ، وَاللّٰهِ لَوْلَا حُزْنٌ مِنْ بَعْدِكَ عَلَيْكَ لَسَرَّنِيْ أَنْ أَتْرُكَكَ حَتَّى يَحْشُرَكَ اللّٰهُ فِيْ بُطُوْنِ السِّبَاعِ .)) ❶

''اللہ آپ پر رحم فرمائے، بلاشبہ آپ صلہ رحمی کرنے والے، بھلے کاموں کو انجام دینے والے تھے، اللہ کی قسم اگر آپ کے بعد والے آپ پر غم نہ کرتے تو مجھے یہ بات بھی پسند تھی کہ میں آپ کو اس طرح چھوڑ دوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو درندوں کے پیٹ سے اٹھائے۔''

جس طرح آپ ہر حال میں اللہ سے مکمل طور پر راضی برضا تھے، اسی طرح آپ ہمیشہ یہ دعا کرتے رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید رضا مندی اور اس پر ثبات کی توفیق دے۔ ❷ چنانچہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((وَ أَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ ، وَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَ لَذَّةَ النَّظْرِ إِلَى وَجْهِكَ ، وَ الشَّوْقَ إِلَى لِقَائِكَ ، وَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ ضَرَّاءِ مَضَرَّةٍ ، وَ فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ ، اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْإِيْمَانِ ، وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِيْنَ)) ❸

''(اے اللہ) میں تجھ سے قضا وقدر کے بعد رضا، موت کے بعد زندگی کی راحت، تیرے چہرے کے دیدار کی لذت، تجھ سے ملنے کی چاہت کا طلبگار ہوں، میں گمراہ کن فتنے اور نقصان دہ پریشانی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت سے مزین کر دے اور ہمیں راہ یافتہ اور رہنما بنا۔''

آپ رضی اللہ عنہ اپنے اقوال کے ذریعہ سے صرف اپنے اس خلق عظیم کو بیان ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ اس کی اہمیت کو بیان کرتے، اس پر عند اللہ اجر عظیم اور ثواب جزیل کو واضح کرتے تاکہ اپنی امت کو اس پر آمادہ کریں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ: وَ أَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ ، رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا وَّ رَسُوْلًا وَ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا غَفَرَلَهُ ذَنْبَهُ .)) ❹

❶ تفسیر ابن کثیر ۲/ ۵۹۲ ، ابن کثیر نے اس کی نسبت بزار کی طرف کی ہے، اور اپنی سند سے اس کو ذکر کرنے کے بعد اس کے بارے میں کہا: اس کی سند ضعیف ہے، اسے ابن ہشام نے ابن اسحاق سے مرسلاً اپنی سیرت ۳/۱۷۱ میں ذکر کیا ہے۔

❷ اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القرآن و السنۃ ۱/ ۱۰۰

❸ سنن النسائی ، باب السهو ۳/ ۵۵ ، اس کی سند حسن ہے۔

❹ صحیح مسلم ، حدیث نمبر ۳۸٦

''جس نے اذان سن کر یہ دعا پڑھی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود برحق صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے، اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، میں اللہ سے بحیثیت رب، محمد ﷺ سے بحیثیت نبی و رسول اور اسلام سے بحیثیت دین راضی ہوگیا، تو اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔''

یہ بات قابل غور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کس طرح اس دعا کو دن میں پانچ مرتبہ پیش آنے والے معاملات سے جوڑ دیا ہے تاکہ یہ دعا اور اس کا مفہوم مسلمان مردوں اور عورتوں کے ذہنوں میں رچ بس جائے۔

نیز فرمان نبوی ہے:

((ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُوْلًا .)) ❶

''جو اللہ سے بحیثیت رب، اسلام سے بحیثیت دین اور محمد ﷺ سے بحیثیت رسول راضی ہوگیا، اسے ایمان کی چاشنی مل گئی۔''

آپ ﷺ نے ان دونوں حدیثوں میں اللہ سے رضامندی کے اس خلق عظیم کو بیان کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ خلق عظیم گناہوں کی مغفرت کا سبب، اور ایمان کی مٹھاس پانے کا باعث ہے، ایسا اس لیے کہ اس خلق عظیم سے متصف شخص کو یقین ہوتا ہے کہ اسے جو کچھ ملنا ہے مل کر رہے گا، اور جو کچھ نہیں ملنا ہے نہیں ملے گا، اس کے لیے اللہ کی تدبیر، اس کی تدبیر سے بہتر ہے، آرام ہو یا تکلیف بہرصورت وہ اس دنیا میں چین کی زندگی بسر کرتا ہے، آسانی و پریشانی ہر ایک کو منجانب اللہ سمجھتے ہوئے ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتا ہے، انسان کے لیے دنیا میں ایسی زندگی سے زیادہ راحت بخش اور کون سی چیز ہوسکتی ہے؟ ❷ اسی لیے حسن رضی اللہ عنہ نے اس خلق عظیم پر زبان حال و مقال سے ابھارتے ہوئے فرمایا:

((وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ غَنِيًّا .))❸

''اللہ کی مقدر کردہ چیزوں پر راضی ہوجا، مالدار ہوجائے گا۔''

ج: ان کا قول:

((وَ أَحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا .))❹

---

❶ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۷۵۸

❷ أخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القرآن و السنة ۱ / ۱۰۱

❸ الحسن بن علی، ص ۲۸، نور الابصار، ۱۲۱

❹ الحسن بن علی، ص ۲۸

''پڑوسیوں کے ساتھ اچھا پڑوسی بن جا، مسلمان ہو جائے گا۔''

حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو اچھا پڑوسی بننے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی پر بہت بڑا حق ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْيَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ﴾ (النساء: ٣٦)

''اور ماں باپ سے بھلائی کے ساتھ پیش آؤ اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار پڑوسی سے اور اجنبی پڑوسی سے۔''

نیز فرمان نبوی ہے:

((مَازَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ .)) ❶

''مجھے جبریل (علیہ السلام) پڑوسی کے ساتھ برابر حسن سلوک کی تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وراثت میں (بھی) شریک ٹھہرا دیں گے۔''

اسلام میں پڑوسی کے بہت سارے حقوق و آداب ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

☆ کسی بھی قول و عمل سے پڑوسی کو تکلیف نہ دینا، چنانچہ فرمان نبوی ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ .)) ❷

''جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔''

اس لیے انسان پر واجب ہے کہ وہ قول یا فعل یا اشارے سے پڑوسی کو تکلیف دینے سے بچے، اس کو تکلیف دینا ہر حال میں حرام ہے۔

☆ ہمیشہ اور ہر ممکنہ صورت میں اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، جیسا کہ فرمان نبوی ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلٰی جَارِهٖ وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ، وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ))❸

''جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، جو

❶ صحیح البخاری، حدیث نمبر ٦٠١٥

❷ صحیح البخاری، حدیث نمبر ٦٠١٨

❸ صحیح مسلم، حدیث نمبر ٤٨

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ مہمان کی عزت کرے، اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ کلمۂ خیر کہے یا پھر خاموش رہے۔''

اسلام میں پڑوسی کی عظیم اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اللہ اور یوم آخرت پر سچے ایمان کو پڑوسی کے حسن سلوک کے ساتھ جوڑا ہے، اگر ہم اپنے معاشرے میں پڑوسیوں کے ساتھ اس تعلیم نبوی پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارے معاشرے باہمی تعاون کی جیتی جاگتی مثال بن جائیں اور لوگ اچھی زندگی بسر کرنے لگیں۔

☆ پڑوسی کی تکالیف کو برداشت کرنا اور اس پر صبر کرنا، اس لیے کہ حسن جوار صرف یہ نہیں کہ پڑوسی کو تکلیف دینے سے باز رہا جائے بلکہ اس کی تکلیف کو بھی برداشت کیا جائے، اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کی ایذا رسانی کو برداشت کرتے ہوئے اس پر صبر کرے، اس کا بدلہ احسان سے دے، اس طریقے سے وہ شیطان کا دروازہ بند کر دے گا۔

☆ اسے کھانا کھلا کر بالخصوص جب وہ فقیر ہو اس کی غم خواری کرنا، فرمان نبوی ہے:

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَشْبَعُ وَ جَارُهُ جَائِعٌ جَنْبَهُ .)) ❶

''ایسا شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر کھائے اور اس کے بغل میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔''

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا طَبَخَ أَحَدُكُمْ قِدْرًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَهَا، ثُمَّ لِيُنَاوِلْ جَارَهُ مِنْهَا .)) ❷

''جب کوئی سالن تیار کرے تو اس کا شوربہ بڑھا دے، پھر اس میں سے اپنے پڑوسی کو بھی دے۔''

نیز فرمان نبوی ہے:

((يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَ لَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ .)) ❸

''اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کوئی ہدیہ کم تر نہ سمجھے اگر چہ وہ (ہدیہ) بکری کا کھر ہی ہو۔''

ہر مسلمان کو چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی اس اعلیٰ تعلیم کا خیال رکھے، اس میں کوتاہی نہ کرے، اس کا پڑوسی پر بڑا اچھا اثر ہوتا ہے، نیز یہ اس بات کی دلیل ہے مسلم معاشرے کے افراد باہم ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں، ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں، اور ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ ❹ حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ

❶ المستدرك ٤/ ١٦٧، السلسلة الصحيحة، حديث نمبر ١٤٨

❷ مجمع الزوائد ٨/ ١٦٥، صحيح الجامع للألباني، حديث نمبر ٦٧٦

❸ صحيح مسلم حديث نمبر ١٠٣٠ ❹ موسوعة الآداب الإسلامية ١/ ٢٩٩

حتی الامکان پڑوسی کے لباس، دوا وغیرہ جیسی ضروریات کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

☆ اس کی خوشی اور غم میں شریک ہونا، جب پڑوسی کے یہاں کوئی ایسا خوشی کا موقع ہو جس میں معصیت نہ ہو، تو اس کے یہاں جا کر اس کی خوشی میں شریک ہونا چاہیے، نیز اس کے یہاں اگر کوئی غمی کا موقع ہو تو اس کے یہاں جا کر اس کی غمی میں شریک ہونا چاہیے، اچھی باتوں سے اس کی غمخواری کرنی چاہیے، اسے ڈھارس بندھانی چاہیے، یہ سب ایک مسلمان کے حقوق ہیں جو اس کے مسلمان بھائی پر عائد ہوتے ہیں، اور پڑوسی ان حقوق کا زیادہ حقدار ہے۔

☆ جب گھر بیچ کر دوسری جگہ جانا چاہے تو پہلے پڑوسی سے گھر بیچنے کی بات کرے، ہوسکتا ہے کہ وہ اسے خریدنا چاہے، یہی معاملہ زمین یا کسی بھی غیر منقولہ جائداد کا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَأَرَادَ بَيْعَهَا فَلْيَعْرِضْهَا عَلَى جَارِهِ.)) ❶

''جو اپنی کوئی زمین بیچنا چاہے تو چاہیے کہ وہ اس کے بیچنے کی بات (پہلے) اپنے پڑوسی سے کرے۔''

یہ اس کی دل جوئی کی ایک اچھی شکل ہے، اس سلسلے میں اگر لوگ کوتاہی کریں گے تو باہمی عداوت، نزاع اور جھگڑوں کا دروازہ کھولیں گے۔

☆ اپنی دیوار میں پڑوسی کو کھونٹی گاڑنے سے منع نہ کرے، پڑوسی کو جب اس کی ضرورت ہو تو اس کو اس کی اجازت دے دے، فرمان نبوی ہے:

((لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِسَ خَشَبَةً فِيْ جِدَارِهِ.)) ❷

''کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے نہ روکے۔''

پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا لِيْ أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ وَاللّٰهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ.))

''کیا وجہ ہے کہ (اس فرمان نبوی کے باوجود) میں تمھیں اس حکم سے منہ پھیرتے ہوئے دیکھتا ہوں، اللہ کی قسم! میں اس کو تمھارے کندھوں کے درمیان پھینک کے رہوں گا۔''

یعنی میں اسے تمھارے درمیان ضرور بیان کروں گا چاہے وہ بات تمھیں کتنی ہی بری کیوں نہ لگے اور تمھارے لیے باعث تکلیف ہو۔ ❸

---

❶ سنن ابن ماجه حديث نمبر ٢٤٩٣، صحيح سنن ماجه حديث نمبر ٢٠٢٢

❷ صحيح البخاری حديث نمبر ٢٤٦٣

❸ موسوعة الآداب الإسلامية ١/ ٣٠١

حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ پڑوسی کو جس طرح کا بھی تعاون درکار ہو دوسرے پڑوسی کو وہ تعاون کرنا چاہیے بشرطیکہ اس میں اس کا نقصان نہ ہو۔

☆ پڑوسی کی عزت و آبرو کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھنا، اس کا راز فاش کر کے، اس کی عزت کو برباد کر کے، اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کر کے اس کی خیانت نہ کرنا، اس لیے کہ یہ گناہِ کبیرہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

((أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ، قِيْلَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ تُزَانِي حَلِيْلَةِ جَارِكَ.)) ❶

''تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گی، پوچھا گیا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو۔''

بلکہ چاہیے کہ ایک پڑوسی اپنے پڑوسی کی ذات، مال و دولت، عزت و آبرو کی حفاظت کرے، تاکہ اس سے اس کا پڑوسی بے خوف رہے، فرمان نبوی ہے:

((وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، قِيْلَ: وَمَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ.)) ❷

''اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، عرض کیا گیا: اللہ کے رسول کون؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔''

یعنی اس کی غداری اور خیانت سے، ❸ اسی لیے حسن رضی اللہ عنہ اپنے وعظ اور تقریروں میں لوگوں کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک اور حسن جوار کی تلقین کیا کرتے تھے، آپ نے فرمایا:

((وَأَحْسِنْ جَوَارَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا.)) ❹

''اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا پڑوسی بن جا، مسلمان ہو جائے گا۔''

د: ان کا قول:

((وَصَاحِبِ النَّاسِ بِمِثْلِ مَا تُحِبُّ أَنْ يُصَاحِبُوْكَ بِمِثْلِهِ تَكُنْ عَادِلًا.))

''لوگوں کے ساتھ اسی طرح پیش آؤ جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمھارے ساتھ پیش آئیں، تو عادل

---

❶ صحیح مسلم حدیث نمبر ٨٦ ❷ صحیح البخاری حدیث نمبر ٦٠١٦

❸ موسوعة الآداب الإسلامية ١ / ٣٠١

❹ الحسن بن علی، ص ٢٨، نور الابصار، ص ١٢١۔

بن جاؤ گے۔"

حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو عدل وانصاف اپنانے اور ظلم سے بچنے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ عدل وانصاف ایک اچھی عادت وخصلت ہے، جو نفس مطمئنہ، وسیع نظر اور دور رس نگاہ کا پتہ دیتی ہے، اس سے اصحابِ حقوق کے حقوق پورے پورے مل جاتے ہیں، عدل پسند حضرات اور اچھی سیاست والے ان حقوق کو دلواتے ہیں۔ ❶

لوگوں کے عدل وانصاف کے بارے میں ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"تم لوگوں کے حقوق ادا کرو، ان سے ایسی چیزوں کا مطالبہ نہ کرو جن کے تم مستحق نہیں ہو، انھیں ان کی طاقت سے زیادہ مکلف نہ کرو، ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ وہ تمھارے ساتھ کریں، اور جیسا بدلہ تم پسند کرتے ہو ویسا ہی بدلہ انھیں دو، اور اپنے مفاد میں یا اپنے خلاف جیسا فیصلہ کرتے ہو ویسا ہی فیصلہ ان کے ساتھ کرو۔" ❷

عدل وانصاف دو لازم وملزوم چیزیں ہیں، جس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان فضائل کے حصول اور رذائل سے اجتناب کے ذریعہ سے عالی ہمت اور بری الذمہ ہو جائے۔ ❸

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انصاف کا حکم دیا ہے اور اس بات سے منع کیا ہے کہ کفار کا بغض وعناد ہمیں ان کے خلاف عدم انصاف پر آمادہ کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝﴾

(المائدۃ: ۸)

"اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمھیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو، جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔"

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع کر دیا کہ کفار کا بغض وعناد مومنوں کو خلاف عدل پر آمادہ کرے تو اہل ایمان میں سے کسی فاسق، بدعتی اور تاویل کرنے والے کے بغض کا معاملہ ہی دوسرا ہوگا، وہ بدرجۂ اولیٰ کسی مومن کو خلاف عدل پر آمادہ نہیں کرے گا۔" ❹

❶ الاخلاق بین الطبع و التطبع ص ۲۲۸　❷ زاد المعاد ۲/ ۴۰۷، معمولی تصرف کے ساتھ۔

❸ التوفیق علی مهمات التعریف للمناوی ص ٦٤　❹ الإستقامة ١/ ٣٨

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''یعنی کسی قوم سے بغض تمھیں ترک عدل پر آمادہ نہ کرے، ہر حال میں ہر شخص کے لیے ہر شخص پر عدل کرنا واجب ہے۔'' ❶

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ﴾ (المائدۃ: ۲)

''جن لوگوں نے تمھیں مسجد حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گزر جاؤ۔''

ابوعبیدہ اور فراء کا قول ہے کہ کسی قوم کا بغض تمھیں حق چھوڑ کر باطل اختیار کرنے اور عدل چھوڑ کر ظلم کرنے پر آمادہ نہ کرے۔ ❷

انسان عدل و انصاف سے متصف ہو یہ بڑی اچھی بات ہے۔ یہ ان اللہ والوں کی صفت ہے جو صرف حق چاہتے ہیں۔ ❸ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و تعر من ثوبين من يلبسهما

يلق الردى بمذمة وهو ان

''ایسے دو کپڑوں کو مت پہن، جنھیں جو بھی پہنتا ہے ذلیل اور رسوا ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔''

ثوب من الجهل المركب فوقه

ثوب التعصب بئست الثوبان

''جہل مرکب کا کپڑا، اس پر تعصب کا کپڑا، یہ دونوں ہی کپڑے نہایت برے ہیں۔''

و تحل بالإنصاف أفخر حلة

زينت بها الأعطاف و الكتفان

''انصاف کا مایۂ ناز جوڑا پہن، جس سے انسان کو زینت حاصل ہوتی ہے۔''

متنبی کا قول ہے:

---

❶ تفسیر ابن کثیر ۲/ ۷

❷ تفسیر القرطبی ٦/ ٤٥

❸ الأخلاق بین الطبع و التطبع ص ۲۲۹

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (البقرة: ۲۱۲)

''جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کے لیے دنیا کی زندگی بڑی محبوب و دل پسند بنا دی گئی ہے، ایسے لوگ ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں مگر قیامت کے روز پرہیزگار لوگ ہی ان کے مقابلے میں عالی مقام پر ہوں گے، رہا دنیا کا رزق، تو اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے بے حساب دے۔''

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ دنیا حقیر شے ہے، انسان کو اس میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہیے، چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝﴾ (التكاثر: ۱-۸)

''زیادتی کی چاہت نے تمھیں غافل کر دیا یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے، ہرگز نہیں تم عنقریب معلوم کر لو گے، ہرگز نہیں پھر تمھیں جلد معلوم ہو جائے گا، ہرگز نہیں، اگر تم یقینی طور پر جان لو تو بے شک تم جہنم دیکھ لو گے اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہوگا۔''

یعنی دنیا، اس کی نعمتیں اور اس کی چمک دمک نے تمھیں طلبِ آخرت سے غافل کر دیا ہے، تمھاری یہی حالت باقی رہی تا آنکہ تمھاری موت آ پہنچی اور تم قبر تک جا پہنچے اور اس میں دفن کر دیے گئے۔ [1]

امام احمد نے عبداللہ بن شخیر کی حدیث کو روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں:

((اِنْتَهَيْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ هُوَ يَقُوْلُ: (أَلْهٰكُمُ التكاثر) قَالَ: يَقُوْلُ ابْنُ آدَمَ: مَالِيْ مَالِيْ، قَالَ وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ مِنْ مَالِكَ، إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ.)) [2]

''میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ الھکم التکاثر (تمھیں زیادتی کی چاہت نے غافل کر دیا) کی تلاوت کر رہے تھے، پھر آپ نے فرمایا: انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال

---

[1] معنى الزهد والمقالات وصفة الزاهدين لأبي سعيد البعري ص ۹

[2] صحيح مسلم حديث نمبر ۲۹۵۸

حالاں کہ اے انسان تیرا مال (ایک تو وہ ہے) جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا (دوسرا) پہن کر بوسیدہ کر دیا یا (تیسرا) صدقہ کر کے (آخرت کے لیے) آگے بھیج دیا۔''

نیز فرمان نبوی ہے:

((یَقُوْلُ الْعَبْدُ: مَالِیْ مَالِیْ، وَ اِنَّ مَالَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ: مَا أَکَلَ فَأَفْنَی، أَوْ لَبِسَ فَأَبْلَی، أَوْ تَصَدَّقَ فَأَمْضَی. فَمَا سِوٰی ذٰلِکَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَ تَارِکُهُ لِلنَّاسِ.)) ❶

''بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، جب کہ اس کا مال صرف تین ہے، جو کھا کر ختم کر دیا، پہن کر بوسیدہ کر دیا، صدقہ کر کے (آخرت کے لیے) آگے بھیج دیا۔ اس کے علاوہ سب مال ختم ہونے والا اور (صاحب مال) اس کو لوگوں کے لیے چھوڑ کر جانے والا ہے۔''

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یَتْبَعُ الْمَیِّتَ ثَلَاثَةٌ فَیَرْجِعُ اثْنَانِ وَ یَبْقٰی مَعَهُ وَاحِدٌ، یَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَ عَمَلُهُ فَیَرْجِعُ أَهْلُهُ وَ مَالُهُ وَیَبْقٰی عَمَلُهُ.)) ❷

''تین چیزیں میت کے پیچھے جاتی ہیں، دو واپس آ جاتی ہیں ایک اس کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے، اس کے گھر والے، اس کا مال (غلام، نوکر چاکر) اور اس کا عمل، پھر اس کے گھر والے اور اس کا مال (نوکر چاکر) واپس آ جاتے ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ ہی باقی رہ جاتا ہے۔''

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَ تَبْقٰی مَعَهُ اثْنَتَانِ الْحِرْصُ وَالْأَمَلُ.)) ❸

''انسان بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے تب بھی اس کے ساتھ دو چیزیں رہ جاتی ہیں، حرص اور آرزو۔''

احنف بن قیس رحمہ اللہ نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھ کر پوچھا: یہ درہم کس کا ہے؟ اس نے کہا: میرا ہے۔ انھوں نے کہا: وہ تمھارا ہوگا جب تم اسے ثواب کے لیے یا شکر ادا کرنے کے لیے خرچ کر دو گے، پھر شاعر کا یہ شعر پڑھ کر سنایا:

أنت للمال إذا أمسكته
فإذا أنفقته فالمال لك ❹

''تم مال کے ہوتے ہو جب تک تم اسے بچاتے رہتے ہو، جب اسے خرچ کر دیتے ہو تو وہ مال تمھارا

---

❶ صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۹۵۹
❷ صحیح البخاری حدیث نمبر ٦٥١٤
❸ صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۰٤۷
❹ معنی الزهد والمقالات وصفة الزاهدین ص ۱۰

ہو جاتا ہے۔''

فرمان الٰہی ہے:

﴿ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴾ (التکاثر : ۸)

''پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہوگا۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں تندرستی، امن اور رزق وغیرہ کی جو نعمتیں دی ہیں ان کے شکریہ کے بارے میں تم سے اس دن ضرور سوال ہوگا۔ ❶

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ۝ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝ ﴾ (طٰه : ۱۳۱-۱۳۲)

''اور اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا کی دے رکھی ہیں، تاکہ انھیں اس میں آزمالیں، تیرے رب کا دیا ہوا ہی (بہت) بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے، اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جما رہ، ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا پرہیزگاری ہی کا ہے۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ان کفار کی دنیوی زینت اور ان کی ٹیپ ٹاپ کو تو حسرت بھری نگاہوں سے نہ تک، یہ تو ذرا سی دیر کی چیزیں ہیں، یہ صرف ان کی آزمائش کے لیے انھیں یہاں ملی ہیں کہ دیکھیں شکر و تواضع کرتے ہیں یا ناشکری اور تکبر کرتے ہیں، حقیقتاً شکر گزاروں کی کمی ہے، ان کے مالداروں کو جو کچھ ملا ہے اس سے تجھے تو بہت ہی بہتر نعمت ملی ہے۔''

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود قدرت اور دسترس کے دنیا سے نہایت ہی بے رغبت تھے، جو ہاتھ لگتا اسے فی سبیل اللہ تقسیم کر دیتے، اور اپنے لیے کچھ بھی محفوظ نہ رکھتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَا يَفْتَحُ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا قَالُوْا: وَ مَا زَهْرَةُ الدُّنْيَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: بَرَكَاتُ الْأَرْضِ .)) ❷

---

❶ معنى الزهد والمقالات وصفة الزاهدين ص ۱۰

❷ صحيح البخاري حديث نمبر ٦٤٢٧

''مجھے تو تم پر سب سے زیادہ خوف اس وقت کا ہے جب اللہ تعالیٰ تمھارے قدموں میں دنیا کی آرائش کے سامان ڈال دے گا، لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! دنیا کی آرائش کے سامان کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: زمین کی برکتیں۔''

قتادہ و سدی کا قول ہے کہ زھرۃ الحیاۃ سے مراد دنیاوی زندگی کی زینت ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ ''لنفتنهم فيه'' سے مراد ہے: ''تا کہ ہم انھیں آزمائیں۔'' فرمان الٰہی: ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ کا مطلب ہے اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرو تا کہ وہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں اور خود بھی پابندی کے ساتھ اس کی ادائیگی کرو، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم : ٦)

''اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم سے بچالو۔''

فرمان الٰہی: ﴿لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ کا مطلب یہ ہے: نماز کی پابندی کرلو، اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے روزی پہنچائے گا جو خواب و خیال میں بھی نہ ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ﴾

(الطلاق : ۲ - ۳)

''اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا چھٹکارا کردیتا ہے، اور بے سان و گمان جگہ سے روزی پہنچاتا ہے۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ امام ثوری کا قول ہے: ''لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا'' کا مطلب ہے ہم تمھیں طلب رزق کی تکلیف نہیں دیتے ہیں۔ ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((وكانت الأنبياء إذا نزل بهم أمر فزعوا إلى الصلاة .)) [1]

''انبیاء کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو وہ نماز کا رخ کرتے۔''

زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَ جَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ ، وَ لَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ ، وَ مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ جَمَعَ لَهُ أَمْرَهُ وَ جَعَلَ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهِ وَ أَتَتْهُ الدُّنْيَا وَ هِيَ رَاغِمَةٌ .)) [2]

''دنیا کے غموں میں ہی، اس کی فکروں میں ہی گھٹ جانے والے کے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ

---

[1] معنی الزهد والمقالات وصفة الزاهدين، ص ۱۱

[2] سنن ابن ماجة حديث نمبر ٤١٠٥، علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

پریشانیاں ڈال دے گا اور اس کی محتاجی اس کی آنکھوں کے سامنے کر دے گا اور دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی مقدر میں ہے اور جو اپنے دل کا مرکز آخرت کو بنالے گا اور اپنی نیت وہی رکھے گا، اللہ تعالیٰ اسے ہر کام میں اطمینان نصیب فرما دے گا، اس کے دل کو مالدار کر دے گا، اور دنیا اس کے قدموں کی ٹھوکروں میں آیا کرے گی۔''

فرمان الٰہی "وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی" کا مطلب ہے دنیا و آخرت کا بہترین انجام جنت متقیوں کے لیے ہے۔ ❶

((وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: اِضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى حَصِيْرٍ ، فَأَثَّرَهُ فِيْ جَنْبِهٖ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ جَعَلْتُ أَمْسَحُ عَنْهُ ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَا آذَنْتَنَا فَبَسَطْنَا شَيْئًا يَقِيْكَ مِنْهُ فَتَنَامُ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَالِيْ وَ لِلدُّنْيَا ، مَا أَنَا وَ الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ سَارَ فِيْ يَوْمٍ صَائِفٍ فَقَالَ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ تَرَكَهَا .)) ❷

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) ایک چٹائی پر سوئے جس سے آپ کے پہلو میں (چٹائی کے) نشان پڑ گئے، جب آپ بیدار ہوئے تو میں اس پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں کیوں نہیں خبر دی ہم کوئی چیز بچھا دیتے، جو نشان نہ پڑنے دیتی اور آپ سوتے، آپ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کچھ مطلب نہیں، میری اور دنیا کی مثال ایک مسافر کی ہے جو کسی گرم دن میں سفر کرتے ہوئے کسی درخت کے نیچے قیلولہ کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، چنانچہ وہ سب بھی دنیا سے حد درجہ بے رغبت، اور آخرت کا حد درجہ خیال رکھنے والے تھے، ان کی نگاہوں میں دنیا فانی اور آخرت باقی رہنے والی چیز تھی، دنیا سے اتنا ہی لیا جتنا ایک مسافر زاد سفر لیتا ہے، ان کے دل و نگاہ میں صرف آخرت کا تصور رہتا تھا، انھیں معلوم تھا کہ اس چند روزہ دنیا کو چھوڑ کر جانا ہے اس کے لیے انھوں نے بہت کم مشقت اٹھائی، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے ہوا، اللہ کی محبوب چیزیں انھیں پسند اور اس کی مبغوض چیزیں ناپسند تھیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تابعین سے کہا: تمھارے اعمال صحابہ کرام سے زیادہ ہیں، لیکن وہ تم سے بہتر تھے، وہ دنیا سے حد درجہ بے رغبت اور آخرت سے سب سے زیادہ رغبت رکھنے والے تھے، چنانچہ بعض تابعین صحابہ سے زیادہ تہجد گزار، روزے دار اور عبادت گزار تھے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان پر سبقت حاصل ہے، اس

❶ ففروا إلى الله لأبي ذر القلموني ص ٦٢ نقلا عن تفسير ابن كثير۔

❷ سنن الترمذي حديث نمبر ٢٣٧٧ ، علامہ البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، صحيح الجامع ، حديث نمبر ٥٦٦٨

لیے کہ ان میں زہد، یقین اور اللہ پر توکل زیادہ تھا، بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زہد کو سیکھا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو مہینوں کی مدت میں تین چاند گزر جاتے تھے، اور آپ کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ❶

و: حسن رضی اللہ عنہ کا قول:

((فإن المومن یتزود و الکافر یتمتع و تلا ھذہ الآیۃ ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی﴾ (البقرۃ: ۱۹۷)

''مومن توشۂ آخرت جمع کرتا ہے، اور کافر دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (توشۂ آخرت جمع کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے۔)''

اس آیت میں تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے اور ثواب کی امید کی جائے، اسی کے بتانے کے مطابق اس کی معصیت سے بچا جائے اور اس کے عذاب سے ڈرا جائے، بندے سے مطلوب یہ ہے کہ اس کا صرف اللہ تعالیٰ سے قلبی لگاؤ ہو، اسی سے محبت کرے، اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت کرے، منجانب اللہ متقیوں کے لیے مقرر کردہ نعمتوں کی چاہت رکھے، اس کی ناراضی، سزا اور عذاب سے ڈرتا رہے، تقویٰ کے بہت سارے اچھے نتائج ہیں، جن کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ ہر پریشانی سے چھٹکارا اور بے سان و گمان جگہ سے روزی، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۝ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾

(الطلاق: ۲-۳)

''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل بنا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔''

۲۔ علم نافع عطا کرنا، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ﴾ (البقرۃ: ۲۸۲)

''اور اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ تمھیں تعلیم دے رہا ہے۔''

۳۔ نور بصیرت عطا کرنا، فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال: ۲۹)

''اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز (نور بصیرت) دے گا۔''

---

❶ صحیح البخاری حدیث نمبر ٦٥٦٧، صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۹۷۲

۴۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کی محبت اور روئے زمین میں قبولیت، فرمان الٰہی ہے:

﴿ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران: ۷۶)

''کیوں نہیں (مواخذہ ہوگا) البتہ جو شخص اپنا عہد و قرار پورا کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا أَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ قَالَ لِجِبْرِيْلَ ، قَدْ أَحْبَبْتُ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ علیہ السلام ، ثُمَّ يُنَادِيْ فِيْ أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللّٰهَ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ .)) ❶

''جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بتلاتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر جبریل علیہ السلام آسمان والوں (فرشتوں) میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر اس شخص کے لیے زمین میں بھی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (یعنی اہل زمین میں بھی وہ مقبول اور محبوب ہو جاتا ہے)''

۵۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید، یہی اس معیت کا مفہوم ہے جو اس آیت میں مذکور ہے:

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ: ۱۹۴)

''اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔''

چنانچہ یہ معیت نصرت و تائید کی معیت ہے یہی انبیاء، اولیاء اور متقیوں کے ساتھ اللہ کی معیت ہے، اور وہ نصرت و تائید، مدد اور حفاظت کو مستلزم ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فرمایا:

﴿ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ: ۴۶)

''تم دونوں مطلقاً خوف نہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا رہوں گا۔''

معیت عامہ کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں کیا ہے:

﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ (الحدید: ۴)

''اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔''

---

❶ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلۃ، حدیث نمبر ۶۹۳۷

﴿وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ﴾

(النساء: ۱۰۸)

''وہ اللہ سے نہیں چھپ سکتے، راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔''

معیت عامہ بندے سے ڈر، خوف اور اللہ کے مراقبے کا مطالبہ کرتی ہے۔

۶۔ آسمان وزمین کی برکتیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾

(الاعراف: ۹٦)

''اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے۔''

۷۔ دنیاوی زندگی میں نیک خوابوں، لوگوں کی تعریف اور محبت کی بشارت، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ﴾ (یونس: ٦۲-٦٤)

''یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر متقیوں کو بشارت دی ہے، نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:

((اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ)) [1]

''نیک خواب منجانب اللہ ہوتا ہے۔''

نیز آپ ﷺ سے مروی ہے:

((لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ.)) [2]

''نبوت کے حصوں میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں، صحابہ کرام نے پوچھا: مبشرات (خوش

[1] صحیح البخاری، کتاب الرؤیا، حدیث نمبر ٦٩٨٦

[2] صحیح البخاری، حدیث نمبر ٦٩٩٠

خبری دینے والے) سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: نیک خواب۔''

((وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رضي الله عنه قَالَ: قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّجُلُ يَعْمَلُ الْعَمَلَ لِلّٰهِ وَ يُحِبُّهُ النَّاسُ فَقَالَ: تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ)) ❶

''ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: آدمی اللہ کے لیے نیک عمل کرتا ہے، اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ مومن کے لیے پیشگی خوش خبری ہے۔''

ہم نے بہت سارے اللہ والوں کو دیکھا ہے کہ لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔

۸۔ دشمنوں کے مکر وفریب سے حفاظت، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴾

(آل عمران: ۱۲۰)

''تم اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی کر رہا ہے کہ اللہ پر توکل، تقویٰ اور صبر اختیار کر کے فاجروں کے مکر وفریب اور دشمنوں کی برائی سے بچو۔ اللہ تعالیٰ دشمنوں کی ہر ہر حرکت سے واقف ہے، کسی شر سے بچنے اور کسی نیکی کو کرنے کی توفیق صرف اللہ کی ذات سے مل سکتی ہے، جو چاہا وہ ہوا، جو نہیں چاہا نہیں ہوا۔ ❷

۹۔ اللہ کی عنایت سے کمزور اہل وعیال کی حفاظت، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ لْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۪ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴾ (النساء: ۹)

''اور چاہیے کہ وہ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے (ننھے ننھے) ناتواں بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے (تو ان کی چاہت کیا ہوتی) پس اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور جچی تلی بات کہا کریں۔''

آیت میں ان لوگوں کو جنہیں ناتواں بچوں کو چھوڑنے کا خوف ہوتا ہے تمام معاملات میں تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم دی جا رہی ہے تاکہ ان کے بچے محفوظ ہو جائیں، اللہ کی حفاظت اور دیکھ ریکھ میں داخل ہو جائیں، اور اس بات کی دھمکی ہے کہ اگر وہ تقویٰ ترک کر دیں گے تو ان کے بچے ضائع ہو جائیں گے، نیز اس جانب

❶ صحیح مسلم ٤/ ٢٠٣٤ ❷ تفسیر القرآن العظیم ١/ ٣٢٩

اشارہ ہے کہ اصول کا تقویٰ فروع کی حفاظت کے لیے ضروری ہے، نیز یہ کہ نیک لوگوں کے بچوں کی حفاظت کی جاتی ہے، جیسا کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے:

﴿وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ (الکہف: ۸۲)

''دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن تھا، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا۔''

چنانچہ دونوں بچوں کی جان اور مال اپنے باپ کی برکت سے محفوظ رہا۔ ❶

۱۰۔ تقویٰ ان اعمال کی قبولیت کا سبب ہے جن میں دنیا وآخرت کی نیک بختی ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (المائدۃ: ۲۷)

''اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔''

۱۱۔ تقویٰ دنیا کے عذاب سے نجات کا باعث ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۚ وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ (فصلت: ۱۷-۱۸)

''رہے ثمود تو ہم نے ان کی بھی رہبری کی پھر بھی انھوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی جس کی بنا پر انھیں (سراپا) ذلت کے عذاب کی کڑک نے ان کے کرتوتوں کے باعث پکڑ لیا اور ہاں ایمان والوں اور پارساؤں کو ہم نے (بال بال) بچا لیا۔''

۱۲۔ گناہوں کو مٹا دینا جو عذاب جہنم سے نجات کا باعث ہے، نیز زیادہ ثواب دینا جو جنت میں اعلیٰ مقام ملنے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا﴾ (الطلاق: ۵)

''اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ مٹا دے گا، اور اسے بڑا بھاری اجر دے گا۔''

۱۳۔ جنت کی وراثت، چنانچہ متقی حضرات ہی جنت کے اہل اور اس کے زیادہ حقدار ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھی کے لیے جنت کو تیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ (مریم: ۶۳)

---

❶ محاسن التأویل للقاسمی ٥/ ٤٧

''یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انھیں بناتے ہیں جو متقی ہوں۔''

وہی اللہ کی جنت کے قانونی وارث ہیں، وہ جنت تک پیدل چل کر نہیں جائیں گے، بلکہ انھیں سوار کر کے لے جایا جائے گا، ساتھ ہی ساتھ ان کی مشقت کو ختم کرنے اور ان کا استقبال کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ جنت کو ان سے قریب کر دے گا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ﴾ (ق : ۳۱)

''اور جنت متقیوں کے لیے بالکل قریب کر دی جائے گی، ذرا بھی دور نہ ہوگی۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا﴾ (مریم : ۸۵)

''جس دن ہم متقیوں کو اللہ رحمان کی طرف بطور مہمان کے جمع کریں گے۔''

چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے پر آمادہ کر رہے ہیں، اس لیے کہ وہ اس بات کے حریص تھے کہ مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں تقویٰ کے یہ مذکورہ فوائد حاصل ہوں، اسی لیے آپ نے کہا:

((فإن المومن يتزود و الكافر يتمتع و تلا هذه الآية ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ ❶ (البقرة:١٩٧) ...))

''مومن توشۂ آخرت جمع کرتا ہے، اور کافر دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی (توشۂ آخرت جمع کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے۔)''

---

❶ الحسن بن علي، ص ٢٨، نور الابصار، ص ١٢١

(۳)

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کی بعض اہم شخصیات

امیر المومنین علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کے حالات پر پیچ اور سخت تھے، اس لیے کہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ جاری تھی، انھی حالات میں اہل کوفہ نے ۴۰ھ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کی بیعت کی، بنابریں حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اداری تبدیلیوں اور گورنروں کے تبادلوں کے لیے کافی وقت نہیں تھا، کوفہ کو چھوڑ کر اور جگہوں میں اپنے والد کے مقرر کردہ گورنروں کو باقی رکھا، کوفہ کا گورنر اس کے سابق گورنر ہانی بن نخعی کے بدلے مغیرہ بن نوفل کو مقرر کیا۔ ❶

سعد بن مسعود ثقفی مدائن کے گورنر باقی رہے۔ ❷ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی جانب سے وہی اس شہر کے گورنر تھے۔ ❸ حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی خلافت میں باقی رکھا، اور ان کی خلافت کے آخری وقت تک گورنر رہے، بعض روایتوں کے مطابق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خلیفہ راشد علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے، اور وہ حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ مصالحت تک اس کے گورنر رہے، پھر سیاست چھوڑ کر تعلیم وتعلم کی غرض سے مکہ کا رخ کیا۔ ❹ فارس کے گورنر زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے، ❺ علی رضی اللہ عنہ نے انھیں فارس کچھ باغیوں کو ٹھیک کرنے کے لیے بھیجا تھا، اس میں انھیں کامیابی ملی اور ان کا خاتمہ کرنے میں کامیاب رہے۔ ❻

پھر حسن رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں فارس کا گورنر مقرر کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت ہونے تک گورنر رہے۔ ❼

اسی طرح حسن رضی اللہ عنہ نے ان موظفین کو باقی رکھا جو ان کے والد علی رضی اللہ عنہ کے لیے کام کر رہے تھے، چنانچہ عبید اللہ بن ابی رافع کو کاتب ❽، شریح بن حارث کو کوفہ کا قاضی ❾، معقل بن قیس کو پولیس محکمہ کا ذمہ دار باقی رکھا۔ ❿

---

❶ تاریخ خليفة بن خياط نقلا عن "الحسن بن علي"، فيحان ص ۸۵، "التبيين في أنساب القرشيين"، ص ۸۰-۸۱

❷ أنساب الاشراف ٥/ ٢١٤، نهاية الأرب ٢/ ٢٦٦

❸ التاريخ الكبير للبخاري ٤/ ٥٠ ❹ الحلة السيراء القضاعي نقلا عن الحسن بن علي، فتيخان ص ۸

❺ الحسن بن علي ص ۸٦ ❻ الحسن بن علي ص ۸٦

❼ مروج الذهب ٣/ ١٥، الحسن بن علي ص ۸٦

❽ محاضرة الأبرار لابن العربي ١/ ٦٦، الحسن بن علي، ص ١١

❾ مختصر التاريخ لابن الكمازروني ص ۸۰

❿ نهاية الأرب ٥/ ٢٢٣

آپ کے دورِ خلافت کی اہم شخصیت آپ کے سگے بھائی حسین بن علی رضی اللہ عنہما تھے، ان پر ایک مستقل کتاب انشاء اللہ لکھوں گا، اسی طرح آپ کے دورِ خلافت کی اہم شخصیات میں قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی، عبید اللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی، عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب ہاشمی رضی اللہ عنہم تھے، آخری تین شخصیات کی سوانح درج ذیل ہے:

اولاً:...... قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ:

آپ کا نسب:...... قیس بن سعد بن عبادہ بن دُلیم بن حارثہ بن ابوخزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب۔ کنیت: ابوعبداللہ ہے۔ آپ امیر، مجاہد، خزرج کے سردار، ان کے سردار ابوثابت کے بیٹے، انصاری، خزرجی، ساعدی، صحابی رسول اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے تھے۔ ❶

آپ کا شمار صاحب فضیلت صحابہ، دور اندیش اور شریف عربوں میں ہوتا تھا، بہتر رائے والے، دلیر و بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ جنگی چالوں سے بخوبی واقف تھے، سردار گھرانے کے اور بلامقابل اپنی قوم کے سردار تھے۔ ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں، انہی میں سے درج ذیل حدیثیں ہیں:

۱۔ ((عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ كَانَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَيْنِ بِالْقَادِسِيَّةِ فَمَرَّتْ بِهِمَا جَنَازَةٌ فَقَامَا فَقِيْلَ إِنَّمَا هُوَ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَقَالَا: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّتْ بِهِ جَنَازَةٌ، فَقَامَ، فَقِيْلَ: إِنَّمَا هِيَ جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ، فَقَالَ: أَلَيْسَتْ نَفْسًا.)) ❸

''ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہتے ہیں: سہل بن حنیف اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ قادسیہ میں کسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں کچھ لوگ ادھر سے ایک جنازہ لے کر گزرے، یہ دونوں کھڑے ہوگئے، عرض کیا گیا: جنازہ تو ذمیوں کا ہے، اس پر انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اسی طرح سے ایک جنازہ گزرا تھا، آپ اس کے لیے کھڑے ہوگئے، پھر آپ سے کہا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ تھا، آپ نے فرمایا: کیا یہودی کی جان نہیں ہے؟''

اس حدیث میں انسان کی بحیثیت انسان تکریم ہے۔

۲۔ ((وَ عَنْ أَبِيْ عَمَّارٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَصُوْمَ عَاشُوْرَاءَ قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ رَمَضَانُ، فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ لَمْ يَأْمُرْنَا وَ لَمْ يَنْهَنَا وَ نَحْنُ نَفْعَلُهُ)) ❹

''ابوعمار قیس بن سعد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا: رمضان کے روزوں کی مشروعیت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے، رمضان کے روزوں کی مشروعیت کے بعد نہ آپ

❶ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۱۰۲ ‏ ❷ أسد الغابة ٤/ ٤٥٠
❸ صحیح البخاری حدیث نمبر ۱۳۱۲ ‏ ❹ مسند أحمد ۳/ ٤٢٢

ہمیں حکم دیتے، نہ منع کرتے اور ہم اس روزے کو رکھا کرتے تھے۔"

۳۔ ((وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شَرَحْبِيلَ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: أَتَانَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَوَضَعْنَا لَهُ مَاءً فَاغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَيْنَاهُ بِمِلْحَفَةٍ وَرْسِيَّةٍ، فَالْتَحَفَ بِهَا فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَثَرِ الْوَرْسِ عَلَى عُكَنِهِ)) ❶

"محمد بن شرحبیل قیس بن سعد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے، ہم نے آپ کے لیے پانی رکھا، آپ نے غسل کیا، پھر ہم نے آپ کو ورس سے رنگی ہوئی چادر دی، آپ نے اسے اوڑھ لیا، آپ کے پیٹ کی تہ پر میں ورس کا اثر دیکھ رہا تھا۔"

آپ سے انس، ثعلبہ بن ابو مالک، ابو میسرہ، عبدالرحمن بن ابولیلیٰ، عروہ، ❷ عبداللہ بن مالک جیشانی، ابوعمار ہمدانی، میمون بن ابوشبیب، عریب بن حمید ہمدانی، ولید بن عبدہ اور دوسرے لوگوں نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ❸

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے کوفہ، شام اور مصر میں حدیثیں بیان کیں، ❹ وہ بھاری جسم، خوبصورت اور اتنے لمبے تھے کہ جب گدھے پر سوار ہوتے تو آپ کے پاؤں زمین پر پہنچتے تھے۔ ❺ آپ کی ماں آپ کے والد کے چچا کی بیٹی تھیں، ان کا نام فکیہہ بنت عبید بن ولیم ہے۔ ❻ رسول اللہ ﷺ کے یہاں آپ کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسی کسی حاکم کے یہاں پولیس محکمہ کے ذمہ داری ہوتی ہے۔ بعض غزوات میں آپ نبی کریم ﷺ کا جھنڈا اٹھانے والے رہے۔ آپ نے انھیں صدقات جمع کرنے کا ذمہ دار بنایا۔ ❼ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ ❽ بعض ایسی لڑائیوں میں بھی شریک رہے جس میں رسول اللہ ﷺ شریک نہیں تھے، ان میں سے بعض درج ذیل ہے:

ا۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سیف البحر کی جانب لشکر کشی:

سیف البحر کی جانب ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی قریش کو اقتصادی طور پر کمزور کرنے، اور لمبی مدت تک ان کے اقتصادی محاصرے سے متعلق نبی کریم ﷺ کی فوجی حکمت عملی کا حصہ تھی، آپ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو تین سو سواروں کے ساتھ ساحل کی جانب بھیجا تاکہ وہ قریش کے قافلے کی تاک میں رہیں، وہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ زاد سفر ختم ہونے لگا، ابوعبیدہ کے حکم کے مطابق فوج کا زادِ سفر اکٹھا کیا گیا جو دو تھیلی

❶ تاریخ دمشق ۲/ ۲۷۱
❷ الإصابة ۵/ ۳۶۱
❸ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۱۰۲
❹ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۱۰۲
❺ الإصابة ۵/ ۳۶۰
❻ الإصابة ۵/ ۳۶۰
❼ البداية والنهاية ۱۱/ ۳۵٤
❽ الإصابة ۵/ ۳۶۰، ۳۶۱

کھجور تھا، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ انھیں اس میں سے تھوڑا تھوڑا کھانے کے لیے دیتے تھے، تا آنکہ آخر میں ایک آدمی کے حصے میں صرف ایک کھجور آتی تھی، فوج والوں کو اس مشکل وقت کا پورا احساس تھا، اس لیے انھوں نے بغیر غصہ و ناراضی کشادہ دلی سے اس فیصلے کو قبول کرلیا، بلکہ اپنے قائد کے اس تنگ دستی والے منصوبے کو کامیاب کرنے میں پورا پورا حصہ بٹایا، اور کوشش کرنے لگے کہ ایک کھجور کو زیادہ سے زیادہ وقت تک باقی رکھیں۔ ❶

جابر رضی اللہ عنہ جو اس فوج کے ایک فرد تھے کہتے ہیں: ہم اس کھجور کو بچے کی طرح چوستے تھے پھر پانی پی لیتے تھے اور یہ ہمارے لیے دن بھر کافی ہوتا تھا۔ ❷

وہب بن کیسان رضی اللہ عنہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ایک کھجور سے کیا ہوتا ہے؟ جواب دیا، ختم ہو جانے کے بعد اس کے نہ ملنے کا ہمیں شدید احساس تھا۔ ❸

وہ فوج درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہوگئی، جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ہم اپنی چھڑیوں سے درخت کے پتے توڑ کر پانی میں بھگو کر کھاتے تھے، ❹ اس لیے اس فوج کا نام ''جیش الخبط'' رکھا گیا۔ ❺

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس فوج میں تھے، اس معاملے نے ان کو کافی متاثر کیا، چنانچہ انھوں نے فوج کے لیے تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، پھر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انھیں منع کر دیا۔ ❻

تاریخ ابن عساکر میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی مذکورہ سخاوت بالتفصیل مذکور ہے، چنانچہ داؤد بن قیس، ابراہیم بن محمد، خارجہ بن حارث سے مروی ہے۔ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ ساحل بحر کی جانب ایک خاص مدت کے لیے بھیجا، جس میں انصار و مہاجرین تھے، ان کی تعداد تین سو تھی، انھیں سخت بھوک سے دوچار ہونا پڑا، (یہ حالت دیکھ کر) قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: کون مجھ سے اونٹوں کے بدلے کھجور خریدے گا، یہاں مجھے اونٹ دے دے میں اسے مدینہ میں کھجور دے دوں گا، چنانچہ قبیلۂ جہینہ کا ایک آدمی ملا، قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ سے چند اونٹ بیچ دو، میں مدینہ میں تمھیں چند وسق کھجور دے دوں گا۔ جہینہ کے اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم میں تمھیں نہیں پہچانتا، تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: میں سعد بن عبادہ بن دلیم کا بیٹا ہوں، اس جہنی شخص نے کہا: میں آپ کے نسب کو اچھی طرح جانتا ہوں، اور کچھ دوسری باتیں ذکر کیں، چنانچہ اس سے پانچ

---

❶ السرایا و البعوث النبویۃ ص ۱۱۸
❷ شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۳/ ۸٤
❸ فتح الباری ۸/ ۷۷ ❹ شرح النووی ۱۳/ ۸٤
❺ فتح الباری ۸/ ۷۸ ❻ فتح الباری ۸/ ۷۸

اونٹ خریدے، ہر اونٹ ایک وسق کھجور کے بدلے، اس جہنی بدوی نے آل ویمن کی سخت اور ذخیرہ کی ہوئی کھجور کی شرط لگائی، قیس رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کر لیا، اس نے کہا: اس پر انصار کے چند لوگوں کو گواہ بناؤ، ان کے ساتھ کچھ مہاجرین بھی تھے، قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: جسے تم چاہو گواہ بنالو، جنھیں اس نے گواہ بنایا ان میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے کہا: میں گواہ نہیں بنوں گا، یہ قرض لے رہے ہیں جب کہ ان کے پاس کوئی مال نہیں ہے، مال ان کے باپ کا ہے، اس پر جہنی نے کہا: اللہ کی قسم چند وسق کھجور کے لیے سعد اپنے بیٹے کو رسوا نہیں کریں گے، میں انھیں اچھی ذات اور اچھے اخلاق والا سمجھتا ہوں، قیس نے اونٹوں کو لے لیا اور ان سے لیے تین جگہوں پر اونٹوں کو ذبح کیا، ہر دن ایک اونٹ، جب چوتھا دن ہوا تو امیر نے انھیں روک دیا اور کہا: تمھارے پاس مال بھی نہیں ہے کیا تم چاہتے ہو کہ اپنا ذمہ توڑ دو؟ ❶

دوسری روایت میں ہے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے اور کہا: میں تمھیں سختی کے ساتھ حکم دے رہا ہوں کہ اونٹوں کو ذبح نہ کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اپنا ذمہ توڑ دو؟ قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعبیدہ! آپ کا کیا خیال ہے، ابوثابت جو لوگوں کا قرض ادا کر دیتے ہیں، بے سہاروں کا سہارا بنتے ہیں، قحط سالی میں کھانا کھلاتے ہیں کیا وہ فی سبیل اللہ مجاہدین کے لیے میری جانب سے چند وسق کھجور نہیں ادا کریں گے؟ قریب تھا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے لیے نرم پڑ جائیں، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: آپ سختی سے حکم دیں، چنانچہ سختی سے حکم دیتے ہوئے اونٹوں کو ذبح کرنے سے روک دیا، دو اونٹ باقی رہ گئے، ان پر باری باری سوار ہو کر قیس رضی اللہ عنہ مدینہ اپنے والد سعد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، انھوں نے پوچھا: بھوک کے وقت تم نے کیا کیا؟ کہا: میں نے اونٹ ذبح کیے۔ کہا: ٹھیک کیا۔ کہا: پھر کیا کیا؟ کہا: اونٹ ذبح کیا۔ کہا: ٹھیک کیا۔ کہا: پھر کیا کیا؟ کہا: اونٹ ذبح کیے۔ کہا: ٹھیک کیے۔ کہا: پھر کیا کیا؟ کہا: مجھے منع کر دیا گیا۔ کہا: کس نے تمھیں منع کیا؟ کہا: میرے امیر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے۔ کہا: پھر کیا ہوا؟ کہا: ان کا خیال تھا کہ میرے پاس تو کوئی مال نہیں ہے، مال تو میرے والد کا ہے، تو میں نے کہا: میرے والد دور کے لوگوں کا قرض ادا کر دیتے ہیں، بے سہاروں کا سہارا بنتے ہیں، قحط سالی میں کھانا کھلاتے ہیں، کیا وہ میرے ساتھ ایسا نہیں کریں گے؟ کہا: تمھیں چار باغ دے رہا ہوں، جن میں سے کم تر باغ ایسا ہے جس سے تم پچاس وسق کھجور توڑ سکتے ہو۔ ❷ بدوی قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا تھا، اسے مطلوبہ پچاس وسق کھجور دی، اسے سواری مہیا کر دی اور کپڑا بھی پہنایا۔ ❸

❶ تاریخ ابن عساکر ۵۲/ ۲۸۰

❷ تاریخ ابن عساکر ۵۲/ ۲۸۰

❸ تاریخ ابن عساکر ۵۲/ ۲۸۰

اس واقعے میں بہت ساری عبرت انگیز اور سبق آموز باتیں ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

أ: دعاۃ کو صبر کی ضرورت، اس لیے کہ وہ بہت ساری مشقتوں سے گزرتے ہیں۔

ب: بچوں کو سخاوت، انسانیت اور مکارم اخلاق کی تربیت دینے کی اہمیت، سعد رضی اللہ عنہ کی جانب سے اپنے بیٹے قیس رضی اللہ عنہ کی تربیت میں یہ چیز نمایاں ہے، چنانچہ انھوں نے ان کو بہت سارا مال اس لیے دے دیا کہ انسانیت اور سخاوت سے متعلق ان کی ہمت افزائی کریں۔

ج: نیک بندے کے پاس پاک وصاف مال ہونے کی اہمیت، اگر سعد رضی اللہ عنہ کے پاس زیادہ مال نہ ہوتا تو قیس رضی اللہ عنہ بھوک کے بحران کو حل کرنے میں حصہ نہیں بٹا سکتے تھے۔

د: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ هَبْ لِيْ حَمْدًا وَ مَجْدًا لَا مَجْدَ إِلَّا بِفِعَالٍ، وَ لَا فَعَالَ إِلَّا بِمَالٍ، اَللّٰهُمَّ لَا يُصْلِحُنِيَ الْقَلِيْلُ.)) [1]

''اے اللہ! میں تجھ سے قابل تعریف کام اور عزت وشرافت کا طالب ہوں، عزت وشرافت بغیر اچھے کاموں کے ناممکن ہے، اور اچھے کام بغیر مال کے ناممکن ہیں، اے اللہ میرے لیے کم مال مناسب نہیں۔''

۲۔ فتح مکہ کے دن:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر احرام کالی پگڑی پہنے مکہ میں داخل ہوئے۔ [2] اللہ نے چوں کہ آپ کو فتح سے سرفراز کیا تھا، اس لیے اللہ کے لیے تواضع کا اظہار کرتے ہوئے آپ اپنے سر کو جھکائے ہوئے تھے، یہاں تک کہ آپ کی ٹھوڑی کجاوے کے درمیانی حصے کو چھو رہی تھی، آپ سورۂ فتح کی تلاوت کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ [3] آپ کو نصرت وتائید، گناہوں کی بخشش اور فتح کی نعمتوں کا احساس ہو رہا تھا۔ [4] مکہ میں (جو جزیرۃ العرب کا قلب اور اس کا روحانی وسیاسی مرکز ہے) جب آپ فاتحانہ شان سے داخل ہوئے تو وہاں عدل ومساوات، تواضع وانکساری کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر اپنے پیچھے قریش اور بنو ہاشم کے کسی فرد کے بجائے اپنے غلام زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا۔ یہ واقعہ جمعہ ۲۰ / رمضان ۸ھ کا ہے۔ [5]

---

[1] تاریخ ابن عساکر ۵۲/ ۲۸٤ [2] صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۳۵۸

[3] صحیح البخاری، کتاب المغازی، حدیث نمبر ٤۲۸۱

[4] صور و عبر من الجهاد النبوي في المدينة ص ۳۹٦

[5] السيرة النبوية لأبي الحسن الندوي ۳۳۷

فتح مکہ کے دن جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ اس بات کے حریص تھے کہ مکہ کے داخلی محاذ کو پرامن رکھا جائے، اس لیے جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "اَلْیَوْمُ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، اَلْیَوْمُ تُسْتَحَلُّ الْكَعْبَةُ" آج کا دن خونریزی کا دن ہے، آج ہم کعبہ کو حلال سمجھیں گے۔ اور یہ بات آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

((هٰذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيهِ الْكَعْبَةَ وَيَوْمٌ تُكْسٰى فِيهِ الْكَعْبَةُ .)) ❶

"یہ ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت عطا کر رہا ہے، اور ایسا دن ہے جس میں کعبہ پر غلاف چڑھایا جائے گا۔"

آپ ﷺ نے علم جہاد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو تھما دیا، آپ نے اس حکیمانہ تدبیر سے ایک ثانوی لڑائی کو ٹال دیا جس کی ضرورت نہیں تھی، ساتھ ہی ساتھ آپ نے نہ ان کو بھڑکایا نہ ہی انصار کو، آپ نے علم جہاد کسی انصاری سے لے کر کسی مہاجر یا کسی دوسرے انصاری کو نہیں دیا، بلکہ ایک انصاری سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا، اور یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان اپنے لڑکے کو چھوڑ کر کسی کو اپنے سے افضل نہیں دیکھنا چاہتا، ❷ اس حادثے سے نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی ابھر کر سامنے آتی ہے کہ آپ غلطی کا ازالہ کیسے کرتے تھے، لوگوں کے ساتھ آپ کے تعامل کا کیا اسلوب ہوتا تھا، چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ کی غلطی باقی نہیں رہنے دی، ساتھ ہی ساتھ ان کی نفسیات کا خیال رکھا۔ سعد رضی اللہ عنہ کی غلطی کا ازالہ کیا، اور علم جہاد ان کے صاحبزادے کو دے دیا۔

۳۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مابین خاندانی روابط بہت مضبوط تھے، قیس رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہن قریبہ بنت ابوقحافہ سے شادی کی۔ ❸ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس صحیح خبر کو نقل کیا ہے:

"سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو ان کے ذریعے سے استقرار پانے والے حمل کا انھیں علم نہ ہوسکا، مدینہ سے جاتے ہوئے انھوں نے اپنی پوری جائیداد موجودہ اولاد میں تقسیم کر دی، چنانچہ جب بچے کی پیدائش ہوئی تو اس سلسلے میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے قیس رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی، اور ان سے مطالبہ کیا کہ سعد رضی اللہ عنہ کی تقسیم کو کالعدم کردیں، انھوں نے جواباً کہا: میرا حصہ اس مولود کے لیے

---

❶ صحیح البخاری کتاب المغازی، ۵/ ۱۰۸، حدیث نمبر ۴۲۸۰
❷ قیادۃ الرسول السیاسیۃ و العسکریۃ ص ۱۹۶
❸ البدایۃ والنہایۃ ۱۱/ ۲۵۵

ہوگا، میں اپنے والد کے انجام دیے ہوئے کام کو کالعدم نہیں کروں گا۔''

یہ ثقہ راویوں کی روایت کردہ صحیح خبر ہے۔ ❶

یہ صحیح خبر اس روایت کو باطل قرار دیتی ہے جو انصار کے سردار پر مسلمانوں کے مابین اختلاف و انتشار پیدا کرنے کی تہمت لگاتی ہے، مہاجرین کی خاطر ایثار، قربانی اور نصرت و تائید جو کچھ انھوں نے پیش کیا اس کا انکار کرتی ہے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہونے والے قول کا سہارا لیتے ہوئے ان کے اسلام کو مطعون کرتی ہے۔ منسوب قول یہ ہے:

''میں تمھارے لیے بیعت نہیں کروں گا تا آنکہ میں اپنے ترکش کے تمام تیر نہ استعمال کرلوں، اپنے نیزے کی انی کو خون سے نہ رنگ دوں، اور اپنی تلوار کا استعمال نہ کرلوں۔''

چنانچہ وہ ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے نہ ان کی مجلس میں شریک ہوتے تھے، نہ ان کے فیصلوں کو مانتے تھے، نہ ان کے ساتھ حج کے لیے جاتے تھے، یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔ ❷

انصار و مہاجرین کی سچی اخوت اور ان کے باہمی اتحاد کو مطعون کرنے کے لیے مذکورہ باطل روایت کا استغلال کیا گیا، اس کا راوی گمراہ، غیر ثقہ اور ساقط الاعتبار مؤرخ ہے۔ ❸

ایک دوسری نہایت ضعیف روایت میں ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے، چنانچہ اس روایت میں ہے:

''جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے ان سے ملاقات کی، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے سعد کہو، جواباً کہا: اے عمر کہو، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم ساتھی ہو، تم ساتھی نہیں ہو؟ کہا: ہاں، اور اب یہ معاملہ تمھیں معلوم ہوگیا (اور تمھارے ساتھی اللہ کی قسم میرے نزدیک تم سے زیادہ محبوب تھے) اور میں تمھارے پڑوس کو ناپسند کرنے لگا ہوں، کہا: جو اسے ناپسند کرے وہ اسے چھوڑ کر چلا جائے، چنانچہ جلد ہی وہ شام چلے گئے، اور مقام حوران میں وفات پائی۔'' ❹

صحیح روایت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی میں ہوچکا تھا، نیز یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ سقیفۂ بنوساعدہ میں بحث و مناقشہ کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے امارت کے

---

❶ الاستیعاب ۳/ ۱۲۸۹ ❷ تاریخ الطبری ٤/ ٤٢

❸ میزان الاعتدال فی نقد الرجال ۳/ ۲۹۹۲

❹ سیر أعلام النبلاء ۱/ ۲۷۷ ۔ اس کی سند حد درجہ ضعیف ہے، کیونکہ اس میں واقدی متروک ہے، اور محمد بن صالح التمار صدوق ہے لیکن خطا کرتا ہے اور زبیر بن منذر مستور ہے۔

دعوے سے تنازل کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کر کے بیعت کر لی تھی، ان کے چچا زاد بھائی بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

کسی بھی صحیح روایت سے کسی معمولی یا غیر معمولی بحران کا ثبوت نہیں ملتا، اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کے کئی گروہ تھے اور ہر گروہ کا امیدوار خلافت کا متمنی تھا، جیسا کہ بعض مورخین کی خام خیالی ہے، اس کے برعکس اسلامی اخوت جیسی تھی، ویسی ہی باقی رہی، بلکہ اور زیادہ پختہ ہوئی جیسا کہ صحیح روایتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح کسی بھی صحیح روایت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت پر قبضہ کرنے کی سازش کی تھی۔ ❶ اس لیے کہ وہ ایسا کرنے میں اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ ❷

بعض گمراہ مورخین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خزرج کے سردار ابوقیس سعد بن عبادہ انصاری، خزرجی، ساعدی، مدنی رضی اللہ عنہ ❸ مہاجرین کے مخالف تھے، اور غلط طریقے سے خلیفہ بننا چاہتے تھے، اس کے لیے سازشیں کرتے تھے اور تفریق بین المسلمین کا ہر حربہ استعمال کرتے تھے۔

اس آدمی (سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو قیس رضی اللہ عنہ کے والد تھے) کی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں اور اس رائے کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کارناموں کی بنا پر آپ کا شمار چنندہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا، دنیا آپ کی سب سے بڑی چاہت اور منتہائے علم نہ تھی، بیعت عقبۂ ثانیہ میں آپ اپنے قبیلے کے ذمہ دار تھے، اسی لیے قریش نے مکہ کے قریب آپ کا تعاقب کیا، ان کی مشکیں باندھ کر قیدی بنا کر مکہ لے کر آئے، پھر انھیں جبیر بن مطعم بن عدی رضی اللہ عنہ نے چھڑایا اس لیے کہ وہ ان کی مدینہ میں مدد کیا کرتے تھے۔ آپ بدری صحابی تھے، ❹ عنداللہ اہل بدر کا مقام و مرتبہ آپ کو نصیب ہوا، آپ کا تعلق جود و سخاوت والے گھرانے سے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی گواہی دی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بعد آپ پر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے تھے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر عیینہ بن حصن فزاری کو مدینہ کی تہائی کھجور دینے سے متعلق ان دونوں سے مشورہ کیا، دونوں سعد رضی اللہ عنہ کا جواب پختہ ایمان اور عظیم قربانی کا پتہ دے رہا تھا۔ ❺

---

❶ إستخلاف أبي بكر، لجمال عبدالهادي، ص: ۵۱، ۵۳

❷ أبوبكر الصديق، للصلابي ص ۱۴۴ ❸ سير أعلام النبلاء، ۳/ ۲۷۰

❹ الاستيعاب في معرفة الأصحاب ۲/ ۵۹۴

❺ الخلافة و الخلفاء الراشدون لسالم البهساوي ص ۴۹

بہرکیف سعد رضی اللہ عنہ کے کارنامے مشہور و معروف ہیں، ان جیسے جلیل القدر صحابی کے بارے میں جن کا خدمت اسلام سے متعلق شاندار ماضی ہے، یہ بات غیر معقول ہے کہ وہ سقیفہ بنوساعدہ کے اجتماع میں جاہلی عصبیت کو زندہ کر کے اس کی آڑ میں منصب خلافت کو حاصل کرنا چاہتے تھے، اسی طرح بعض تاریخی کتابوں میں موجود یہ بات بھی صحیح اور ثابت نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد وہ لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے، اور نہ ہی ان کے ساتھ حج کے لیے جاتے تھے۔ ❶

گویا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی جماعت سے نکل گئے تھے، یہ سراسر باطل اور جھوٹی تہمت ہے، چنانچہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی، سقیفۂ بنوساعدہ کے دن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انصار کی فضیلت ذکر کرتے ہوئے کہا: تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول معلوم ہے:

((لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَ سَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِي الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ .)) ❷

''اگر لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر چلیں تو میں انصار کا راستہ اختیار کروں گا۔''

پھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ایسی دلیل کے ساتھ ذکر کیا جسے رد نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ کہا: اے سعد! تمھیں معلوم ہے کہ جب تم بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا:

((قُرَيْشٌ وَلَاةُ هٰذَا الْأَمْرِ فَبَرُّ النَّاسِ تَبَعٌ لِبَرِّهِمْ وَ فَاجِرُهُمْ تَبَعٌ لِفَاجِرِهِمْ قَالَ سَعْدٌ صَدَقْتَ نَحْنُ الْوُزَرَاءُ وَ أَنْتُمُ الْأُمَرَاءُ .)) ❸

''قریش کے لوگ ہی حاکم ہوں گے، اچھے لوگ اچھے لوگوں کے موافق ہوں گے اور برے لوگ بروں کے، سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے سچ کہا: ہم لوگ وزیر ہیں اور آپ لوگ حاکم۔''

چنانچہ لوگ بیعت کرنے لگے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی۔ ❹

اس سے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ثابت ہوتی ہے، نیز یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر انصار کا اجماع تھا، اس کے بعد کسی باطل روایت کی ترویج کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے، بلکہ یہ حقیقتِ واقعہ کے بالکل متضاد ہوگا اور یہ ایک خطرناک تہمت ہوگی کہ انصار کے سردار مسلمانوں کے مابین اختلاف پیدا کرنا چاہتے

---

❶ الخلافة و الخلفاء الراشدون ص ٤٩

❷ صحيح البخاري كتاب التمني حديث نمبر ٧٢٤٤

❸ مسند أحمد حديث نمبر ١٨، السلسلة الصحيحة حديث نمبر ١١٥٦

❹ تاريخ الطبري ٣/ ٢٢٣، الأنصاري في العصر الراشدي، ص ١٠٢

تھے، اس طرح انھوں نے مہاجرین کی جو کچھ مدد کی، ان کے لیے جو قربانیاں پیش کیں، ان کا انکار ہوگا اور یہ ایک ایسے باطل قول کو ان کی جانب منسوب کرکے ان کے اسلام کو مطعون کرنا ہوگا، جس کی سند حد درجہ ضعیف ہے، اور اس کا متن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی سیرت، سمع و اطاعت پر ان کی بیعت اور ان کے فضائل و مناقب کے بالکل خلاف ہے۔ ❶

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی تھی:

''اے بیٹے! میں تجھے ایک وصیت کر رہا ہوں، اسے محفوظ رکھنا، اگر تم نے اسے ضائع کر دیا تو دوسری چیزوں کو اس سے زیادہ ضائع کرنے والے ہوگے۔ وضو کرو تو کامل وضو کرو، جب نماز پڑھو تو اس شخص کی طرح پڑھو جو دنیا کو چھوڑ کر جا رہا ہو، ظاہر کرو کہ تمھیں لوگوں سے کچھ نہیں چاہیے، حقیقت میں یہی مالداری ہے، لوگوں سے ضرورت کی چیزیں طلب کرنے سے بچو، حقیقت میں یہی فقیری ہے، ایسی ہر چیز سے بچو جس میں معذرت کرنی پڑے۔'' ❷

۴۔ علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں:

عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور محمد بن ابی حذیفہ مصر کی گورنری پر غاصبانہ قبضہ کیے ہوئے تھے، کیوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں وہاں کا گورنر نہیں مقرر کیا تھا، عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد انھیں علی رضی اللہ عنہ نے تھوڑے وقت کے لیے مصر کا گورنر مقرر کیا، اس لیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر مصر کے نواحی علاقے میں بھیجا جس نے محمد بن ابی حذیفہ کو پکڑ کر قید کر دیا پھر قتل کر دیا۔ ❸

اس بات کا بھی تذکرہ آتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں مصر کا گورنر نہیں مقرر کیا تھا، بلکہ انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا تھا، جب قتل کر دیے گئے تو علی رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ ❹ چنانچہ ان سے کہا: مصر چلے جاؤ، میں نے تمھیں وہاں کا گورنر بنا دیا ہے، اپنے معتمدین اور جنھیں تم اپنے ساتھ پسند کرو انھیں اکٹھا کرکے لے جاؤ، جب تم وہاں لشکر لے کر پہنچو گے تو یہ تمھارے دشمن کو زیادہ مرعوب کرنے والی اور تمھارے حاکم کی زیادہ عزت افزائی والی بات ہوگی، جب تم اللہ کی مشیت سے وہاں پہنچ جاؤ تو بھلے لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو، اور غلط لوگوں پر سختی کرو، عام اور خاص لوگوں کے ساتھ نرمی برتو، بلاشبہ نرمی باعث برکت ہوتی ہے۔ ❺

---

❶ الأنصار فی العصر الراشدی ص ۱۰۲، ۱۰۳ ❷ تاریخ ابن عساکر ۲۲/ ۱۸۱
❸ ولاۃ مصر للکندی ص ۴۲، ۴۳، الولایۃ علی البلدان ۲/ ۹
❹ ولاۃ مصر ص ۴۴، النجوم الزاهرۃ ۱/ ۹۴
❺ الکامل فی التاریخ ۲/ ۳۵۴

بہت سارے معاملات میں قیس رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور حسنِ تدبیر کا ثبوت ملتا ہے، جب وہ مصر جا رہے تھے تو وہاں ایک گروہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے ناراض تھا، اور دوسرا گروہ ان کے قتل میں شریک تھا، مصر میں داخل ہونے سے پہلے سعد رضی اللہ عنہ سے چند گھڑ سواروں کی ملاقات ہوئی، آپ نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا: ہم عثمان رضی اللہ عنہ کی شکست خوردہ فوج کے سپاہی ہیں، ہم ایسے لوگوں کی تلاش میں ہیں جن کے یہاں ہم پناہ لیں، پھر ان کے تعاون سے اللہ کے لیے بدلہ لیں، انھوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ آپ نے کہا: قیس بن سعد، انھوں نے کہا: جاؤ، چنانچہ آپ چل پڑے اور مصر میں داخل ہو گئے۔

قیس رضی اللہ عنہ اپنی اس تدبیر سے مصر میں داخل ہو سکے، پھر اس کے بعد اعلان کیا کہ وہ گورنر ہیں، اگر آپ نے ان گھڑ سواروں کو بتا دیا ہوتا کہ آپ گورنر ہیں تو وہ آپ کو مصر میں داخل ہی نہ ہونے دیتے، جیسا کہ ان کے ساتھ پیش آیا جن کو علی رضی اللہ عنہ نے شام کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، شام کی فوجوں کو جب معلوم ہو گیا کہ انھیں گورنر بنا کر بھیجا گیا ہے تو شام میں داخل ہونے سے روک دیا۔ ❶

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے فسطاط پہنچ کر منبر پر اہل مصر کو خطاب کیا، انھیں علی رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر سنایا اور ان کے لیے بیعت کا مطالبہ کیا۔ ❷ اس موقع پر اہل مصر دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ نے علی رضی اللہ عنہ کے لیے قیس رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی، دوسرے گروہ نے بیعت نہیں کی اور الگ ہو گیا، قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے دونوں گروہوں کے ساتھ بڑی حکمت سے کام لیا، بیعت نہ کرنے والوں کو مجبور نہیں کیا۔ ❸ بلکہ ان کو اپنی حالت پر نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ ان کے پاس عطیات و تحائف بھیجے، ان میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کے ساتھ اکرام و احسان کا سلوک کیا۔ ❹

اس اچھے سلوک نے ان کے ٹکراؤ کو ٹال دیا، اس سے مصر کے حالات کو پرسکون کرنے میں آپ کو مدد ملی، آپ نے وہاں کے امور کو منظم کیا، مختلف شعبوں کے ذمہ داران کو ادھر ادھر بھیجا، ٹیکس کے امور کو مرتب کیا، پولیس افسران کی تعیین کی۔ ❺ اس طرح دوسری گورنری کو منظم کر کے تمام گروہوں کو راضی کر سکے۔ ❻

اب شام میں معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی سیاسی گرفت اور فوجی اہمیت کا احساس کرنے لگے، چوں کہ مصر شام سے قریب تھا، اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے وہاں کے امور کو منظم و مرتب کر لیا تھا، اور ان کی

---

❶ الولایۃ علی البلدان ۲/ ۱۰ نقلا عن نهایة الأرب فی تاریخ العرب للنویری

❷ تہذیب تاریخ دمشق ۴/ ۳۹

❸ ولاۃ مصر ص ٤٤ ❹ ولاۃ مصر ص ٤٤

❺ الولایۃ علی البلدان ۲/ ۱۱ ❻ الولایۃ علی البلدان ۲/ ۱۱

دوراندیشی و معاملہ فہمی مشہور تھی، ان باتوں کو دیکھتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خوف لاحق ہوگیا کہ وہ مصر سے نکل کر ان کے خلاف فوجی کارروائیاں نہ کریں، اس بنا پر مصر میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے خط و کتابت شروع کردی، انھیں دھمکی دیتے، ساتھ ہی ساتھ اپنے ساتھ ہوجانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے، قیس بن سعد رضی اللہ عنہ ان خطوط کا بڑی ہوشیاری سے جواب دیتے، یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے رجحان اور یہ کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں اس کا پتہ نہ چل سکا، جب کہ ان کے مابین متعدد خطوط آئے گئے۔ ❶

کتب تاریخ میں ابومخنف کی ذکر کردہ معاویہ و قیس رضی اللہ عنہما کے مابین خطوط سے متعلق شیعی روایتیں عام لوگوں میں پھیل گئیں، جب کہ وہ سراسر غلط اور باطل ہیں۔ ان کو تنہا ابومخنف نے ذکر کیا ہے جسے اصحاب جرح و تعدیل نے ضعیف قرار دیا ہے، نیز ان روایتوں کی متن میں بہت ساری عجیب وغریب باتیں ہیں۔ ان میں سے نمایاں باتیں درج ذیل ہیں:

أ۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے ساتھ مصر والوں کے لیے علی رضی اللہ عنہ نے جو خط بھیجا تھا اس میں یہ بات مذکور ہے:

''پھر ان دونوں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کے بعد وہ (عثمان رضی اللہ عنہ) خلیفہ مقرر کیے گئے، امت کو ان کی بعض باتوں پر اعتراض ہوا، پھر لوگ اس بات سے ناراض ہوگئے اور اس منکر بات کا خاتمہ کردیا۔''

اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے باغی امت کے اچھے لوگ تھے، اور انھی لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرکے اس منکر بات کا خاتمہ کردیا، جب کہ علی رضی اللہ عنہ اس اعتراض سے بالکل بری ہیں اور یہ یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین اوباش لوگ تھے اور آپ کا قتل سراسر ظلم اور جرم تھا، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کے اقوال ان باتوں پر دلالت کرتے ہیں، ان اقوال میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کبھی عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتے ہوئے نہیں سنا۔ ❷

حاکم اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اے اللہ! میں تیرے حضور عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، قتل کے دن میں حواس باختہ ہوگیا تھا، میں اپنے آپ کو نہیں پہچان پا رہا تھا، لوگ میرے پاس بیعت کرنے آئے تو میں نے کہا: اللہ کی قسم میں اللہ سے شرمندہ ہوں کہ ایسے لوگوں سے بیعت لوں جنھوں نے ایسے شخص کو قتل کردیا ہے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((أَلَا أَسْتَحِيي مِمَّنْ تَسْتَحِيي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ .))

---

❶ الكامل ۲/ ۳۵۵، الولاية على البلدان، ۲/ ۱۱

❷ تاريخ ابن عساكر ترجمة عثمان ص ۳۹۵

''کیا میں اس شخص سے شرم نہ کروں جن سے فرشتے شرم کرتے ہیں۔''

میں اللہ سے شرمندہ ہوں کہ میں بیعت لوں اور عثمان رضی اللہ عنہ مقتول پڑے ہیں، اب تک ان کی تدفین نہیں ہوئی ہے، چنانچہ وہ سب لوٹ گئے، جب تدفین ہوگئی تو پھر آئے اور بیعت لینے کا مطالبہ کرنے لگے، میں نے کہا: اے اللہ! جو میں کرنے جا رہا ہوں اس سے میں ڈر رہا ہوں، پھر ہمت بندھی اور بیعت لی، جب لوگوں نے امیر المومنین کہہ کر پکارا تو ایسا لگا کہ دل پھٹ گیا ہو اور خون کے آنسو جاری ہو گئے ہوں۔ ❶

آپ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لیے بھیجا تھا، اس سلسلے میں آپ کے اقوال بہت سارے ہیں۔ ❷ میں نے انھیں اپنی کتاب "تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ أمیر المؤمنین عثمان بن عفان" ❸ میں جمع کیا ہے۔

ب: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کا قول:

((أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا بَايَعْنَا خَيْرَ مَا نَعْلَمُ بَعْدَ نَبِيِّنَا ﷺ.))

''لوگو! ہم نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل شخص سے بیعت کر رہے ہیں۔''

یہ قول سراسر مردود و مرفوض ہے، اس لیے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما علی رضی اللہ عنہ اور بقیہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ اس کی صراحت خود علی رضی اللہ عنہ نے کی ہے، اس میں اس زمانے کے کسی صحابی یا غیر صحابی کو شک نہیں تھا، اس لیے اس قول کی نسبت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما یا کسی دوسرے صحابی کی جانب صحیح نہیں ہے، یہ قول صرف بعد کے شیعوں کے یہاں مشہور ہوا ہے۔ ❹

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

''متقدم شیعہ سب کے سب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو افضل قرار دینے پر متفق ہیں۔'' ❺

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تفضیل کی بہت ساری دلیلیں ہیں، انھی میں سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ہے جس میں کہتے ہیں:

((كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَنُخَيِّرُ أَبَابَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ.)) ❻

---

❶ المستدرك ٢/ ٣٥٥

❷ مرویات أبی مخنف، د. یحیی الیحیی ص ٢١١

❸ عثمان بن عفان، للصلابی ص ٤٠٧-٤٠٩

❹ مرویات أبی مخنف ص ٢١١ ❺ منهاج السنة ١/ ١١١

❻ صحیح البخاری حدیث نمبر ٣٦٩٧

''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کے مابین موازنہ کرتے تھے تو ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو، پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیتے تھے۔''

اس سلسلے کی حدیثیں بکثرت اور مشہور و معروف ہیں۔ ❶

صحیح روایتوں کے مطابق حقیقت واقعہ یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا تھا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو انھیں سونپ دیں اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اہمیت نہیں دی۔

ج: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی جانب معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط اور اس میں ان کا اس جانب اشارہ کہ علی رضی اللہ عنہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ میں فریق تھے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایسا اشارہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس سلسلے میں علی رضی اللہ عنہ کی براءت (جیسا کہ گزر چکا ہے) بالکل واضح تھی، معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے ناواقف نہیں تھے کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ ان کے لیے اسے ثابت کرتے ہیں، محمد بن سیرین رحمہ اللہ (جو کبار تابعین میں سے تھے اور انھیں وہ زمانہ ملا تھا) کہتے ہیں:

عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے، اور میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو ان کے قتل میں علی رضی اللہ عنہ کو متہم کرتا ہو۔ ❷

نیز وہی کہتے ہیں: جس دن عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا، انھی میں عبداللہ بن عمر اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی گردن میں تلوار لٹکائے موجود تھے، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں سختی سے حکم دے رکھا تھا کہ وہ لڑائی نہ کریں۔ ❸

ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے محمد بن حنفیہ کی روایت نقل کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: میدان، پہاڑ، خشکی اور تری ہر جگہ اللہ تعالیٰ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو ملعون قرار دے۔ ❹ اس معنی کے صحیح نصوص بہت سارے ہیں ❺ جو بالتاکید ثابت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کی ناپسندیدگی مشہور تھی۔ ❻

د: معاویہ رضی اللہ عنہ کا قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں انصار کو متہم کرنا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ اتہام درست نہیں ہے اس لیے کہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ دفاع کرنے والے انصار تھے، چنانچہ ابن سعد نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جب کہ وہ

---

❶ مرویات أبی مخنف فی تاریخ الطبری ص ۲۱۲

❷ مرویات أبی مخنف ص ۲۱۲، تاریخ ابن عساکر ترجمة عثمان، ص ۳۹۵

❸ تاریخ ابن عساکر ترجمة عثمان ص ۳۵۰

❹ المصنف ۱۵/ ۲٦۸

❺ تاریخ ابن عساکر ترجمة عثمان ص ۳۹۵

❻ مرویات أبی مخنف فی تاریخ الطبری ص ۲۱٤

محصور تھے آئے اور کہا: دروازے پر موجود انصار کہہ رہے ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم دوبارہ انصار اللہ بننے کے لیے تیار ہیں، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جواباً آپ نے فرمایا: رہا لڑائی کا معاملہ تو لڑائی مت کرو۔ ❶

ھ: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک جھوٹا خط تیار کرنا:

یہ ایسا جھوٹ ہے جس کا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صادر ہونا غیر معقول ہے، اس لیے کہ عرب جھوٹ کو سب سے قبیح صفت سمجھتے تھے جس سے شریف لوگ بہت دور رہا کرتے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قصہ جب کہ وہ مشرک تھے نقل کیا ہے کہ جب ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ جھوٹ کو نقل کر دیں گے تو آپ کے بارے میں جھوٹ بول دیتا۔ ❷ عربوں کے نزدیک جھوٹ ایک قبیح صفت تھی، اور مسلمانوں کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ قبیح صفت ہے۔

کوئی کہنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک چال تھی، اور جنگ چال ہی کا نام ہے، اس لیے کہ چال کے معنی جھوٹ نہیں ہیں جیسا کہ کلام عرب میں معلوم ہے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت ایسا کرنے میں مانع تھی۔ ❸

و: اس تسلسل اور باریکی کے ساتھ علی، معاویہ اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہم کے مابین بہت سارے خطوط کی روایت قاری کو شک میں مبتلا کر دیتی ہے اس لیے کہ ان خطوط سے آگاہی رکھنے والے اور ان کو نقل کرنے والے مجہول ہیں۔

ڈاکٹر یحییٰ الیحیی کہتے ہیں: امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر پر قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی گورنری متفق علیہ ہے۔ ❹ قیس رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی لکھنے والوں نے ان تفصیلات کو ذکر نہیں کیا ہے ❺ جنھیں ابومخنف نے اپنی روایات میں ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ مصر کے معتبر مورخوں نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ❻ ابن الاثیر، ابن کثیر، ابن خلدون اور ابن تغری بردی نے ابومخنف کی روایت کو طبری سے حذف و اختصار کے بعد نقل کیا ہے۔ ❼ کندی نے عبدالکریم حارث سے بھی روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو قیس رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بھاری لگنے لگا تو مدینہ میں بنی امیہ کے بعض لوگوں کو لکھا: اللہ تعالیٰ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو جزائے خیر دے اور اسے راز میں رکھنا، مجھے خوف ہے کہ اگر ان کے اور ہمارے موافقین کے مابین جو تعلقات ہیں ان کی خبر علی رضی اللہ عنہ

❶ الطبقات ۳/ ۷۰، اس کی سند صحیح ہے۔
❷ صحیح البخاری حدیث نمبر ۷
❸ مرویات أبی مخنف ص ۲۱٤
❹ تاریخ خلیفة ص ۲۰۱، فتوح مصر، ص ۲۷٤، سیر اعلام النبلاء ۳/ ۱۲
❺ طبقات ابن سعد ٦/ ٥۲، تاریخ بغداد ۱/ ۱۷۷، سیر أعلام النبلاء ۳/ ۱۰۲
❻ النجوم الزاهرة ۱/ ۹۷، البداية والنهاية ۷/ ۲٥۱
❼ مرویات أبی مخنف فی تاریخ الطبری ص ۲۱۰

کو پہنچ گئی تو علی رضی اللہ عنہ انھیں معزول کر دیں گے، چنانچہ یہ خبر جب علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو ان کے ساتھ موجود اہل عراق و اہل مدینہ کے سرداروں نے کہا: قیس (رضی اللہ عنہ) بدل چکے ہیں (یعنی اپنی وفاداری بدل لی ہے) جواب میں علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھارا ناس ہو، انھوں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے، اس لیے مجھ سے کچھ نہ کہو، ان لوگوں نے کہا: آپ ضرور انھیں معزول کریں بلاشبہ وہ بدل چکے ہیں، وہ اس پر مصر رہے تا آنکہ علی رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا: مجھے آپ کی قربت کی ضرورت ہے، اس لیے کسی کو اپنا نائب بنا کر چلے آؤ۔ ❶

ڈاکٹر یحییٰ الیحییٰ اپنی کتاب "مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري" میں اس روایت کو راجح قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

☆ یہ ایک ثقہ مصری کی روایت ہے جو اپنے ملک کو دوسرے سے زیادہ جانتا ہے۔

☆ اس کو ایک مصری مورخ نے نقل کیا ہے۔

☆ یہ غرابت سے خالی ہے۔

☆ اس کا متن ان لوگوں کی سیرت سے میل کھاتا ہے۔

☆ اس روایت نے یہ واضح کر دیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ قیس رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کر رہے تھے، تا آنکہ لوگوں نے ان سے اصرار کے ساتھ مطالبہ کیا، پھر انھیں اپنے پاس باقی رکھا، اس طرح ایک کامیاب قائد پریشانیوں کے وقت ذہین قیادتوں کے حق میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ ❷

بعض لوگوں نے علی اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے تعلقات کو خراب کرنا چاہا تا کہ وہ انھیں معزول کر دیں، آخر میں علی رضی اللہ عنہ کے بعض مشیروں نے ان سے قیس رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کا مطالبہ کر دیا، اور ان سے متعلق پھیلائی گئی افواہوں کی تصدیق کرتے ہوئے معزول کرنے پر اصرار کیا، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا: "مجھے تمھاری کی قربت کی ضرورت ہے، تم کسی کو نائب بنا کر چلے آؤ۔" ❸

یہ خط مصر کی گورنری سے قیس رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے قائم مقام تھا، اکثر اقوال کے مطابق ان کی جگہ علی رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو مقرر کیا۔ ❹ مصر جانے سے پہلے اشتر نخعی سے علی رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی، اہل مصر کی باتوں اور خبروں سے آگاہ کیا، اور فرمایا: وہاں کے لیے تم ہی مناسب ہو، اگر میں تمھیں وصیت نہ بھی کروں تو میں تمھاری رائے پر اکتفا کر سکتا ہوں، اپنے پیش آمدہ مسائل میں اللہ سے مدد طلب کرو، سختی اور نرمی دونوں استعمال کرو، جب

---

❶ ولاة مصر ص ٤٥، ٤٦، اس کی سند کے راوی صدوق ہیں، لیکن یہ ثقہ ہیں مگر یہ روایت مرسل ہے۔
❷ مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري ص ٢١٠
❸ ولاة مصر ص ٤٥، ٤٦
❹ فتوح البلدان ص ٢٢٩، الولاية على البلدان ٢/ ١٢

تک نرمی مؤثر ہو نرمی کرو، اور جب سختی کے بغیر کام نہ چلے تو سختی کرو۔ ❶

اشتر اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مصر کے لیے روانہ ہوا، بحرقلزم (بحر احمر) کے قریب پہنچا تو مصر میں داخل ہونے سے پہلے انتقال کر گیا۔ دوسری روایت کے مطابق اسے زہر ملایا ہوا شہد کا شربت پلایا گیا جس کی وجہ سے وہ وفات پا گیا، خراج دینے والے کچھ لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر تہمت لگائی ہے کہ انھی کے اکسانے پر ان لوگوں نے زہر دیا تھا۔ ❷

اشتر کو زہر دے کر قتل کرنے سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگائی گئی تہمت کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، ابن کثیر ❸ وابن خلدون ❹ نے اس کا انکار کیا ہے، ڈاکٹر یحییٰ الیحیٰی ❺ بھی انھی کی رائے سے متفق ہیں، میرا بھی یہی رجحان ہے۔ اشتر مصر میں اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے سے پہلے انتقال کر گیا، پھر بھی تاریخی مصادر اس کا تذکرہ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر کے ایک گورنر کی حیثیت سے کرتے ہیں، اس کے بعد محمد بن ابوبکر مصر کے گورنر بنائے گئے، ❻ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مصر میں رہ چکے تھے، روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے چلے جانے سے پہلے ہی وہ مصر پہنچ گئے تھے، دونوں کے مابین گفتگو ہوئی جس میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے محمد کو بہت ساری نصیحتیں کیں، بالخصوص ان لوگوں کے بارے میں جو قتلِ عثمان سے ناراض تھے، اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت نہیں کی تھی، قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالقاسم! تم امیر المومنین کی جانب سے آئے ہو، مجھے ان کا معزول کر دینا تمھاری اور ان کی خیرخواہی سے مانع نہیں، مجھے تمھارے اس معاملے کی اچھی طرح واقفیت ہے، انھیں اور ان کے ساتھیوں کو (یعنی جن لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کے لیے بیعت نہیں کی ہے) ان کی حالت پر چھوڑ دو، اگر تمھارے پاس آئیں تو انھیں قبول کرو، اگر نہ آئیں تو ان کے پیچھے نہ پڑو، لوگوں کو حسبِ مراتب عزت دو، اگر تم مریضوں کی بیمار پرسی اور جنازوں میں شرکت کر سکو تو کرو، اس میں تمھارا کوئی نقصان نہیں۔ ❼ پھر قیس رضی اللہ عنہ مدینہ لوٹ آئے، پھر کوفہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے، ان کے ساتھ معرکۂ صفین میں شریک ہوئے، وہی صفین کے دن ان اشعار کے کہنے والے ہیں:

---

❶ النجوم الزاهرة ١/ ١٠٣

❷ النجوم الزاهرة ١/ ١٠٤، سير أعلام النبلاء، ٤/ ٣٤

❸ البداية و النهاية ٨/ ٣٠٣

❹ تاريخ ابن خلدون ٤/ ١١٢

❺ مرويات أبي مخنف، ص ٢٢٤

❻ النجوم الزاهرة ١/ ١٠٦

❼ تاريخ ابن عساكر ٢٢/ ١٨١

هذا اللواء الذى كنا نحف به

مع النبى و جبريل لنا مدد

"یہ علم جہاد جسے ہم نبی ﷺ کے ساتھ گھیرے میں لیے رہتے تھے اور جبریل علیہ السلام ہماری مدد کرتے تھے۔"

ما ضر من كانت الأنصار عيبته

أن لا يكون له من غيرهم أحد

"جس کے راز دار انصار ہوں، اس کے لیے یہ چیز مضر نہیں کہ ان کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا نہ ہو۔"

قوم إذا حاربوا طالت أكفهم

بالمشرفية حتى يفتح البلد

"یہ ایسے لوگ ہیں کہ جنگ میں جب تلوار اٹھاتے ہیں تو شہروں کو فتح کر لیتے ہیں۔"

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک انھی کے ساتھ رہے، پھر حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے، ان کے وفد کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، جب حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی تو قیس رضی اللہ عنہ بھی ان کی بیعت میں داخل ہو گئے، [1] اور مدینہ لوٹ کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ [2]

۵۔ قیس رضی اللہ عنہ کا قول:

((إِنَّا لَا نَعُوْدُ فِي شَيْءٍ أَعْطَيْنَاهُ.))

"جو ہم دے دیتے ہیں واپس نہیں لیتے ہیں۔"

موسیٰ بن ابوعیسیٰ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے تیس ہزار قرض لیا، جب واپس کرنے لگا تو نہیں لیا اور کہا:

((إِنَّا لَا نَعُوْدُ فِي شَيْءٍ أَعْطَيْنَاهُ.)) [3]

"جو ہم دے دیتے ہیں واپس نہیں لیتے ہیں۔"

۶۔ قیس رضی اللہ عنہ کا قول:

((لَقَدْ سَأَلْتَ فَأَحْسَنْتَ.))

"تو نے طلب کر کے اچھا کیا۔"

---

[1] أسد الغابة ٤/ ٤٥٢ [2] الاستيعاب ٣/ ١٢٩٠

[3] الاستيعاب ٣/ ١٢٩١

ایک بوڑھی عورت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئی جسے آپ پہچانتے تھے، چنانچہ اس سے خیریت دریافت کی: کہا تم کیسی ہو؟ کہا: اللہ کا شکر ہے، میرے گھر میں ایک بھی چوہیا نہیں جو ادھر ادھر کودے، آپ نے کہا: تم نے طلب کرکے اچھا کیا، میں یقیناً تمھارے گھر کو چوہوں سے بھر دوں گا، چنانچہ آپ نے بہت سارا آٹا، تیل اور ضرورت کی دوسری چیزیں دینے کا حکم دیا اور وہ چلی گئی۔ ❶ یہ واقعہ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مشہور قصہ ہے اور صحیح ہے۔ ❷

۷۔اس شخص کی حالت جس کی طرح ہو جانے کی قیس رضی اللہ عنہ نے تمنا کی تھی:

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ایک شخص کو دیکھا اور اسی کی طرح ہو جانے کی تمنا کی، ہم شام سے آ رہے تھے، ایک گھر کے پاس پہنچے، ہم نے کہا: یہاں رک جاتے ہیں، گھر میں صرف ایک عورت تھی، تھوڑی ہی دیر میں ایک شخص اپنے اونٹوں کو لے کر آیا اور اپنی عورت سے کہا: یہ لوگ کون ہیں؟ کہا: تمھارے مہمان ہیں، چنانچہ وہ ایک اونٹنی لے کر آیا، اس کے دونوں کونچوں کو مار کر کہا: لوگو! یہ اونٹنی لو اسے نحر کرو، ہم نے نحر کیا، اس کے عمدہ گوشت کو ہم نے کھایا، دوسرے دن دوسری اونٹنی لے کر آیا، اس کے دونوں کونچوں کو مار کر کہا: لوگو! اس کو نحر کرو، ہم نے نحر کیا، ہم نے کہا: ہمارے پاس تو کل ہی کا بھی گوشت ہے، اس نے کہا: ہم اپنے مہمانوں کو باسی گوشت نہیں کھلاتے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اس شخص کے پاس اگر ہم ٹھہرے رہے تو اس کے پاس ایک اونٹ بھی باقی نہیں رہے گا، چلو چلتے ہیں، میں نے اپنے منتظم سے کہا: جو تمھارے پاس ہو اکٹھا کرو، کہا: میرے پاس صرف چار سو درہم ہیں، میں نے کہا: اسے اور میرے کپڑوں کو لاؤ، اسے اکٹھا کرکے میں نے کہا: اسے جلدی دے آؤ، ہم نے اس کی بیوی کو دے دیا، پھر چل پڑے، تھوڑی ہی دیر میں ہم نے ایک شبیہ دیکھی، میں نے کہا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں جانتے، جب قریب ہوا تو دیکھا ایک شخص نیزہ لیے اپنے گھوڑے پر سوار تھا، اور وہ وہی مذکورہ شخص تھا، میں نے کہا: بڑا برا ہوا، اللہ کی قسم جتنا ہم نے دیا ہے اس کو اس نے کم سمجھا ہے، اور قریب ہوا تو کہا: یہ تمھاری متاع ہے اسے لے لو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس یہی تھا جو تم دیکھ رہے ہو، اسے ہم نے اپنے پاس سے اکٹھا کرکے دیا ہے، اس نے کہا: جو تم لوگ سوچتے ہو اللہ کی قسم وہ میرا مقصد نہیں، اسے لے لو، ہم نے کہا: ہم نہیں لیں گے، اس نے کہا: اللہ کی قسم میں اپنے نیزے سے حملہ کرتا رہوں گا جب تک تم میں کوئی بھی باقی رہے یا تو اسے لے لو، چنانچہ ہم نے لے لیا، اور واپس جاتے ہوئے اس نے کہا:

((إِنَّا لَا نَبِيْعُ الْقِرَى أَيِ الضِّيَافَةَ .)) ❸

---

❶ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸۶ ❷ الاستیعاب، ۳/ ۱۲۹۲

❸ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸۵

''ہم مہمان نوازی کو بیچتے نہیں ہیں۔''

۸۔ کون زیادہ سخی ہے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ یا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ یا عرابہ اوسی:

تین آدمی سخی لوگوں کے بارے میں بحث کرنے لگے، ایک نے کہا: سب سے زیادہ سخی عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، دوسرے نے کہا: اس زمانے میں سب سے زیادہ سخی قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں، تیسرے نے کہا: سب سے زیادہ سخی عرابہ اوسی ہیں، وہ آپس میں سختی سے جھگڑنے لگے، جب کعبے کی صحن میں ان کا شور وغل زیادہ ہوگیا، تو ایک شخص نے ان سے کہا: تم بہت جھگڑ چکے، کوئی بات نہیں، تم میں سے ہر ایک اپنے سخی کے پاس جاکر مانگے، دیکھے وہ کیا دیتا ہے؟ اور ہم دیکھ کر فیصلہ کریں گے، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ والا شخص ان کے پاس گیا، وہ اپنی ایک جاگیر پر جانے کے لیے سوار ہو چکے تھے، اس نے کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی! کہا: کہو کیا چاہتے ہو؟ کہا: میں ایک مسافر ہوں، زاد و راحلہ نہیں ہے، چنانچہ وہ سواری سے اتر پڑے اور کہا کہ تم اونٹنی پر سوار ہو جاؤ اور تھیلے میں جو کچھ ہے لے لو، تلوار بھی جو علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی تلواروں میں سے ہے لے لو اور جاؤ، چنانچہ وہ اونٹنی اور تھیلے کو لے کر آیا جس میں ریشم کے دھاری دار کپڑے تھے، ان میں چار ہزار دینار تھے، ان سے بھی بڑھ کر اور اہم تلوار تھی۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ والا شخص گیا، ان سے نہیں مل سکا، لوٹنے لگا تو اس سے لونڈی نے کہا: وہ سو رہے ہیں، ان سے تمھاری کیا ضرورت ہے؟ کہا: میں مسافر ہوں، زاد و راحلہ نہیں ہے۔ اس نے کہا: تمھاری اس ضرورت پر انھیں جگانے کی ضرورت نہیں، یہ تھیلی ہے اس میں سات سو دینار ہیں، آج قیس رضی اللہ عنہ کے گھر میں اس کے علاوہ مال نہیں ہے، اس جگہ جاؤ جہاں ہمارے آقا کے اونٹ رہتے ہیں، ایک سواری اور اس کے لوازمات نیز ایک غلام لے لو، اور چلے جاؤ، ایک روایت کے مطابق قیس رضی اللہ عنہ اپنی نیند سے بیدار ہوئے تو لونڈی نے جو کچھ کیا تھا بتایا تو اسے آزاد کر دیا اور کہا: تو نے مجھے جگا کیوں نہیں دیا کہ میں اسے اپنے گھر کے سامان میں سے کچھ زیادہ دے دیتا، جو کچھ تو نے دیا ہے شاید اس کی ضرورت وہ پوری نہ کرے۔ عرابہ اوسی والا شخص گیا، ان کے پاس پہنچا، وہ دو غلاموں کے سہارے گھر سے نکل کر نماز کے لیے جا رہے تھے، وہ نابینا تھے، کہا: اے عرابہ! کہا: کہو کیا چاہتے ہو؟ کہا: میں مسافر ہوں، زاد و راحلہ نہیں ہے: کہا ان دونوں غلاموں کے علاوہ کوئی مال نہیں ہے، انھیں لے لو، میں انھیں تمھارے لیے چھوڑ رہا ہوں، چاہو آزاد کرو، چاہو لے کر جاؤ، اور خود دیوار کے سہارے چلے گئے۔ چنانچہ وہ انھیں لے آیا، لوگوں نے فیصلہ کیا کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے عظیم مال کی سخاوت کی ہے، یہ ان کے حق میں انوکھی بات نہیں، ہاں تلوار بہت اہم ہے، اور یہ کہ قیس رضی اللہ عنہ سخاوت کرنے والوں میں سے ایک ہیں، اپنی لاعلمی میں اپنے مال میں اپنی لونڈی کے تصرف کو صحیح ٹھہرایا، جو کچھ اس نے کیا اس کی تعریف کی اور اس کو آزاد کر دیا، اور سب نے اس پر اتفاق کیا کہ تینوں میں سب سے زیادہ سخی عرابہ اوسی ہیں اس لیے کہ ان کی

سخاوت کم مایہ آدمی کی طاقت کے بقدر ہے۔ ❶ اس زمانے کی واضح ترین قدروں میں سے جود و سخا اور بھلائی کرنے میں مسابقت کا جذبہ تھا۔

۹۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ایک خبر جو صحیح نہیں ہے:

قیصر نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے پاس پیغام بھیجا کہ عربوں میں سے سب سے طویل شخص کا پاجامہ میرے پاس بھیج دو۔ انھوں نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے خیال میں مجھے آپ کے پاجامے کی ضرورت ہے، چنانچہ ایک گوشے میں جا کر اپنا پاجامہ لے آئے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، میرا مقصد یہ نہیں تھا، آپ گھر جا کر اسے میرے پاس بھیج سکتے تھے۔ قیس رضی اللہ عنہ نے کہا:

أردت بها كي يعلم الناس أنها
سراويل قيس و الوفود شهود

''میرا مقصد ہے کہ لوگ جان جائیں کہ وہ قیس کا پاجامہ ہے، اور وفود حاضر رہیں۔''

وألا يقولوا غاب قيس و هذه
سراويل عادي نمته ثمود

''اور یہ نہ کہیں کہ قیس غائب ہوگیا اور یہ قوم عاد کے کسی شخص کا پاجامہ ہے، جس کی حیثیت کو قوم ثمود نے بڑھایا ہے۔''

و إني من الحي اليماني لسيد
و ما الناس إلا سيد و مسود

''اور میں بلاشبہ یمنی قبیلے کا سردار ہوں، اور لوگ یا تو سردار ہوتے ہیں یا دوسرے کی سرداری قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔''

فكدهم بمثلي إن مثلي عليهم
شديد و خلقي في الرجال مديد

''ان کے ساتھ میرے جیسے شخص کے ذریعہ سے چال چلو، بلاشبہ میں ان کے ساتھ سخت ہوں اور میرا قد لوگوں میں لمبا ہے۔''

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوج کے سب سے لمبے شخص کو حکم دیا، اس نے اس کو اپنی ناک پر رکھا تو زمین تک پہنچ گیا، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پاجامہ طلب کیا، آپ کے پاس لایا گیا، قیس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اپنے ان کپڑوں کو ہٹا

❶ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸٦

دو، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

أمـا قـريـش فـأقـوام مسـرولة
واليثـربيـون أصـحـاب التبـابيـن

"قریش والے پاجامہ پہننے والے ہیں اور مدینہ والے تو تہبند والے ہیں۔"

قیس رضی اللہ عنہ نے کہا:

تـلـك اليهـود التـي يعـنـي ببـلـدتـنـا
كـمـا قـريـش هـم أهـل الـسـخـاخـيـن ❶

"وہ یہود جو ہمارے شہر میں ہیں قریش کے مانند ہیں جو قصابوں کی چھریوں والے ہیں۔"

دوسری روایت میں ہے کہ قیصر نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا: میں آپ کے پاس دو آدمیوں کو بھیج رہا ہوں، ان میں سے ایک میرے ملک کا سب سے طاقتور آدمی ہے، دوسرا سب سے لمبا ہے، اس طرح کے مقابلے بادشاہوں میں چلتے رہتے تھے، اپنی حکومت سے ان میں سے ہر ایک کا مدمقابل پیش کرو، اگر تمھارے لوگ غالب آ گئے تو میں تمھارے پاس مال اور اتنے اتنے مسلمان قیدی بھیج دوں گا، اور اگر ہمارے لوگ غالب آ گئے تو میرے تین سال آرام اور آسانی سے گزریں گے، جب قیصر کا خط معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملا تو اس کو اہم سمجھتے ہوئے اپنے لوگوں سے مشورہ کیا، جواباً کہا گیا: طاقتور کے مقابلے کے لیے یا تو محمد بن حنفیہ کو بلایئے یا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو، محمد بن حنفیہ کو بلایا جب کہ رومی طاقتور موجود تھے، ان کو بلانے کا مقصد بتایا، محمد نے اس رومی سے پوچھا: تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہم میں سے ہر ایک بیٹھے اور دوسرے کو اپنا ہاتھ دے دے، جو دوسرے کو اپنی جگہ سے ہٹا دے یا اٹھا دے وہ کامیاب ہوگا، اور جو عاجز رہے اور اس کے ساتھی نے اس کو مجبور کر دیا ہو تو وہ مغلوب ہوگا۔ محمد نے کہا: تمھاری یہ بات منظور ہے، تم ہی بتاؤ کون پہلے بیٹھے؟ اس نے کہا: تم ہی بیٹھو، چنانچہ آپ بیٹھے اور اپنا ہاتھ اسے دے دیا، وہ پوری کوشش کرنے لگا کہ آپ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے لیکن محمد بن حنفیہ نے اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہ کی، حاضرین کے سامنے رومی کا عاجز ہونا واضح ہو گیا، پھر اس سے محمد نے کہا: اب تم بیٹھو، وہ بیٹھا، آپ نے اس کے ہاتھ کو پکڑتے ہی اس کو اپنی جگہ سے اٹھا لیا، پھر زمین پر پھینک دیا، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر موجود مسلمانوں کو خوشی ہوئی، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ اور رومی سے کہا: تم دونوں لمبائی میں مقابلہ کرو، قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنا پاجامہ نکالتا ہوں، اسے یہ مدمقابل پہنے، اس سے ہماری لمبائی کا پتہ چل جائے گا، اپنا پاجامہ نکال کر رومی کو دیا، اس نے پہنا تو سینے تک پہنچ گیا، جب کہ بقیہ حصہ زمین پر گھسٹ رہا تھا، اس پر بھی لوگ خوش ہوئے،

❶ تاريخ دمشق، ١٢/ ٢٩٣-٢٩٤

قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر انصار نے کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے آپ نے بے وقار ہونے کا ثبوت دے دیا، اگر گھر جا کر اور پاجامہ ان کے پاس بھیج دیا ہوتا تو بہتر ہوتا، اس پر آپ نے کہا:

أردت بها كي يعلم الناس أنها
سراويل قيس و الوفود شهود

''میرا مقصد ہے کہ لوگ جان جائیں کہ وہ قیس کا پاجامہ ہے، اور وفود حاضر رہیں۔''

وألا يقولا غاب قيس و هذه
سراويل عادى نمته ثمود

''اور یہ نہ کہیں کہ قیس غائب ہو گیا اور یہ قوم عاد کے کسی شخص کا پاجامہ ہے، جس کی حیثیت کو قوم ثمود نے بڑھایا ہے۔''

و إني من القوم اليمانين سيد
و ما الناس إلا سيد و مسود

''اور میں بلاشبہ یمنیوں کا سردار ہوں، اور لوگ یا تو سردار ہوتے ہیں یا دوسرے کی سرداری قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔''

و فضلني في الناس أصلي و والدي
و باع به أعلو الرجال مديد ❶

''مجھے لوگوں میں افضل بنایا ہے میرے نسب، میرے والد اور اس لمبے قد نے جس سے میں لوگوں پر غالب آ جاتا ہوں۔''

اندلس کے مشہور عالم حافظ ابوعمر ابن عبدالبر کا قول ہے:

''معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کے پاجامہ کی خبر سراسر گھڑا ہوا جھوٹ ہے، اس کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ہی قیس رضی اللہ عنہ کے اخلاق، سیرت اور پاکیزگی سے میل کھاتا ہے یہ گھڑا ہوا واقعہ اور مزور شعر ہے۔''❷

۱۰۔ فتنہ برپا ہونے کے وقت عربوں کے زبردست مدبر لوگ:

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مدبر لوگوں میں سے تھے، ابن شہاب کا قول ہے:

''فتنے کے وقت عربوں میں پانچ لوگ زبردست مدبر شمار کیے جاتے تھے، اپنی تدبیروں میں انھیں

❶ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۹٤
❷ الاستیعاب ۳/ ۱۲۹۳

عقلمند قرار دیا جاتا ہے، معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن عاص، قیس بن سعد، مغیرہ بن شعبہ اور مہاجرین میں عبداللہ بن بدیل خزاعی رضی اللہ عنہم، مغیرہ رضی اللہ عنہ سرزمین طائف میں الگ تھلگ تھے تا آنکہ دونوں حکم نے فیصلہ کیا اور سب مقام ''اذرح'' میں جمع ہو گئے۔'' ❶

قیس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((لَوْلَا الْإِسْلَامُ لَمَكَرْتُ مَكْرًا لَا تُطِيْقُهُ الْعَرَبُ .)) ❷

''اگر اسلام مانع نہ ہوتا تو میں ایسی چال چلتا جس کا عربوں کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔''

۱۱۔ ہم خواہش کیا کرتے تھے کہ قیس رضی اللہ عنہ کے لیے داڑھی اپنے پیسوں سے خرید لیں:

زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور قاضی شریح رحمہ اللہ کے چہروں پر داڑھی کا کوئی بال نہیں تھا، زبیر بن بکار کے علاوہ دوسروں نے ذکر کیا ہے کہ انصار کہا کرتے تھے:

''ہم خواہش کیا کرتے تھے کہ قیس رضی اللہ عنہ کے لیے داڑھی اپنے پیسوں سے خرید لیں، اس کے باوجود آپ خوب صورت تھے۔'' ❸

۱۲۔ قیس رضی اللہ عنہ کا قول:

''تمھاری رائے میں عیادت کرنے والوں کی تعداد کم کیوں ہے۔''

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے کوئی جائداد نوے ہزار میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیچ دی، اہل مدینہ میں آپ نے منادی کرا دی: جسے قرض چاہیے وہ سعد کے گھر پہنچے، چنانچہ چالیس پچاس ہزار قرض دے دیا اور باقی لے لیا، ہر قرض لینے والے سے دستاویز لکھوائی، جب آپ بیمار ہوئے تو عیادت کرنے والوں کی تعداد بہت کم رہتی تھی، آپ نے اپنی بیوی قریبہ (جو ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں) سے کہا: اے قریبہ! تمھاری رائے میں عیادت کرنے والوں کی تعداد کم کیوں ہے؟ جواب دیا: آپ کے قرض کی وجہ سے، چنانچہ آپ نے ہر قرض دار کے پاس اس کی دستاویز بھیج دی۔ ❹ دوسری روایت کے مطابق آپ بیمار ہوئے، عیادت کرنے والے نہیں آ رہے تھے، آپ کو بتایا گیا، لوگ آپ کے قرض کے باعث شرما رہے ہیں، چنانچہ آپ نے منادی کرا دی: جس پر بھی قیس کا قرض تھا وہ معاف ہے۔ یہ سن کر اس قدر لوگ آنے لگے کہ وہ سیڑھی منہدم ہوگئی، جس پر چڑھ کر لوگ آپ کے پاس پہنچتے تھے۔ ❺

❶ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸۸
❷ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸۷
❸ الاستیعاب ۳/ ۱۲۹۲
❹ تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۸٤
❺ الاستیعاب ۳/ ۱۲۹۳

۱۳۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سفر میں لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے:

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ جب نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں ہوتے تو لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے، آپ کی ایک بڑی رکابی تھی، آپ جہاں بھی جاتے آپ کے پاس رہتی تھی، آپ کے پاس موجود چیزیں جب ختم ہو جاتیں تو قرض لیتے، ہر روز گوشت اور ثرید کی دعوت دیتے۔ (1)

۱۴۔ قیس و معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ایک خبر جو صحیح نہیں ہے:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: تم ایک یہودی پوپ ہو، اگر ہم غالب آگئے تو تمھیں قتل کر دیں گے اور اگر تم غالب آئے تو ہم تمھیں معزول کر دیں گے، تو انھوں نے جوابا کہا: تم اور تمھارے باپ جاہلیت کے دو بت ہو، تم دونوں نہ چاہتے ہوئے اسلام میں داخل ہوئے، اور چاہت کے ساتھ اس سے نکل گئے۔ (2) امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ خبر منقطع ہے اور منقطع ضعیف کی قسموں میں سے ہے۔

۱۵۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی وفات:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں آپ کی وفات ہوئی، خلیفہ بن خیاط (3) اور امام ذہبی (4) کی یہی رائے ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں: عبدالملک کے دور خلافت ۸۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (5) ابن حجر نے خلیفہ بن خیاط اور امام ذہبی کی موافقت کی ہے۔ (6)

ابن عبدالبر کہتے ہیں: ''قیس رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی، عبادت میں مشغول ہو گئے تا آنکہ وہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت ۶۰ھ میں وفات پائی، دوسری روایت کے مطابق ۵۹ھ میں، آپ بہت لمبے اور بے ریش تھے۔'' (7)

ثانیا:...... ابو محمد عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ

آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ (8) آپ کی والدہ ام الفضل لبابہ کبری بنت حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ رضی اللہ عنہا تھیں، (9) نیز آپ عبداللہ، کثیر، فضل، قثم، معبد اور تمام رضی اللہ عنہم کے بھائی تھے۔ (10)

---

(1) تاریخ دمشق ۵۲/ ۲۱۳
(2) سیر أعلام النبلاء ۳/ ۱۱۱
(3) الإصابة ۵/ ۳۶۱
(4) سیر أعلام النبلاء ۳/ ۱۱۲
(5) الإصابة ۵/ ۳۶۱
(6) الإصابة ۵/ ۳۶۱
(7) الاستيعاب ۳/ ۱۲۹۳
(8) الطبقات تحقيق السلمي ۱/ ۲۱٤، سير أعلام النبلاء ۳/ ۵۱۲
(9) الطبقات، تحقيق السلمي ۱/ ۲۱۲
(10) سير أعلام النبلاء ۳/ ۵۱۲

ا۔آپ کے بچے اور بیویاں:

عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد:

(۱)......محمد (انھی سے آپ کی کنیت ابومحمد تھی، ان کی والدہ قرعہ ❶ بنت قطن بن حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن ہلال بن عامر تھیں۔)

(۲)......عباس ❷

(۳)......عالیہ (ان سے علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب نے شادی کی، انھی کے بطن سے محمد بن علی پیدا ہوئے جن کی اولاد میں عباسی خلافت رہی۔)

(۴)......میمونہ (ان تینوں کی والدہ عائشہ بنت عبداللہ بن مذحج تھیں۔)❸

(۵)......لبابہ

(۶)......ام محمد (ان دونوں کی ماں عمرہ بنت غریب حمیری ❹ تھیں)

(۷)......عبدالرحمن

(۸)......قثم (ان دونوں کی والدہ ام حکیم بنت قارظ بن خالد کنانیہ ❺ تھیں)

(۹)......عبداللہ

(۱۰)......جعفر

(۱۱)......ام کلثوم

(۱۲)......عمرہ

(۱۳)......ام عباس (ان سب کی والدہ ام ولد یعنی لونڈی تھیں)❻

۲۔آپ کی عمر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت:

عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک سال چھوٹے تھے۔❼ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر بارہ سال تھی، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور آپ سے حدیث کی سماعت کی تھی۔❽ سنن النسائی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی روایت کردہ حدیث یہ ہے:

---

❶ الطبقات، بتحقیق السلمی، ۱/ ۲۱۲
❷ الطبقات، بتحقیق السلمی، ۱/ ۲۱۲
❸ الطبقات، بتحقیق السلمی، ۱/ ۲۱۲
❹ الطبقات ۱/ ۲۱۲
❺ الطبقات ۱/ ۲۱۳
❻ الطبقات ۱/ ۲۱٤، نسب قریش، ص ۳۱.
❼ الاستیعاب ۳/ ۱۰۰۹
❽ الطبقات ۱/ ۲۱٤

((إِنَّ الْغُمَيْصَاءَ أَوِ الرُّمَيْصَاءَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ تَشْتَكِيْ زَوْجَهَا أَنَّهُ لَا يَصِلُ إِلَيْهَا ، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ زَوْجُهَا فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هِيَ كَاذِبَةٌ ، وَ هُوَ يَصِلُ إِلَيْهَا وَ لٰكِنَّهَا تُرِيْدُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ ذٰلِكَ حَتّٰى تَذُوْقِي عُسَيْلَتَهُ .)) ❶

''غمیصاء یا رمیصاء نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر اپنے شوہر کی شکایت کرنے لگیں کہ وہ ان کے پاس نہیں آتا ہے، جلد ہی ان کے شوہر آ گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول یہ جھوٹی ہے، میں اس کے پاس جاتا ہوں، لیکن وہ اپنے پہلے شوہر کے پاس لوٹ جانا چاہتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: ایسا نہیں ہوگا تا آنکہ تم اس کا مزہ چکھ لو۔''

امام احمد نے اسی سند سے ہیثم کے طریق سے نقل کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں، مگر اس میں واقعہ کے وقت عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے حاضر ہونے کی صراحت نہیں ہے۔ ❷ ہیثمی نے اس کو عبید اللہ و فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے مختصراً مجمع الزوائد ❸ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے: اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ ❹ امام ذہبی مذکورہ حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مرسل ہے۔ ❺

ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ، عطاء، ابن سیرین اور سلیمان بن یسار وغیرہ نے حدیثوں کو روایت کیا ہے، وہ امیر، شریف، سخی اور لوگوں کے نزدیک لائق تعریف تھے۔ ❻

الف:...... رسول اللہ ﷺ عباس رضی اللہ عنہ کے لڑکوں عبد اللہ، عبید اللہ اور کثیر رضی اللہ عنہم کو ایک قطار میں کھڑا کرتے تھے:

((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصِفُ عَبْدَاللّٰهِ وَ عُبَيْدَ اللّٰهِ وَ كَثِيْرًا بَنِي الْعَبَّاسِ ثُمَّ يَقُوْلُ: مَنْ سَبَقَ إِلَيَّ فَلَهُ كَذَا فَيَسْتَبِقُوْنَ إِلَيْهِ فَيَقْعُوْنَ عَلَى ظَهْرِهِ وَ صَدْرِهِ فَيُقَبِّلُهُمْ وَ يُلْزِمُهُمْ .)) ❼

---

❶ سنن النسائی ٦/ ١٤٨ ، اور مطبوع نسخے میں محرف ہو کر عبد اللہ ہو گیا ہے۔
❷ مسند أحمد ١/ ٢١٤
❸ مجمع الزوائد ٤/ ٣٤٠ ، رواہ ابو یعلی ، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔
❹ سیر أعلام النبلاء ٣/ ٥١٣
❺ سیر أعلام النبلاء ٣/ ٥١٣
❻ سیر أعلام النبلاء ، ٣/ ٥١٣
❼ مسند أحمد ١/ ٤٥٩ حدیث نمبر ١٨٣٦

''عبداللہ بن حارث سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹوں عبداللہ، عبیداللہ اور کثیر رضی اللہ عنہم کو قطار میں کھڑا کر کے کہتے: جو دوڑ کر سب سے پہلے مجھ تک پہنچے گا اسے انعام ملے گا، چنانچہ وہ سب دوڑ لگاتے، اور آپ کی پیٹھ اور سینے پر گر پڑتے آپ انھیں بوسہ دیتے اور چمٹا لیتے۔''

ب: ......عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک عبیداللہ رضی اللہ عنہ، قثم رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب تھے۔

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اور عباس رضی اللہ عنہما کے دو بیٹے قثم اور عبیداللہ رضی اللہ عنہما بچے تھے، کھیل رہے تھے، نبی کریم ﷺ سواری پر سوار ہو کر پہنچے اور کہا: اسے مجھے اٹھا دو، چنانچہ آپ نے مجھے اپنے سامنے سوار کر لیا، اور قثم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا: اسے مجھے اٹھا دو، چنانچہ انھیں اپنے پیچھے سوار کر لیا، حالاں کہ عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک عبیداللہ رضی اللہ عنہ قثم رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب تھے، آپ نے چچا کی پروا نہ کرتے ہوئے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر قثم رضی اللہ عنہ کو سوار کر لیا۔ ❶

۳۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا انھیں (عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو) یمن کا گورنر بنانا:

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنایا، انھیں امیر الحج مقرر کیا، چنانچہ ۳۶ھ و ۳۷ھ میں لوگوں نے آپ کی امارت میں فریضۂ حج ادا کیا، ۳۸ھ میں بھی انھیں امیر الحج بنا کر بھیجا، اور اسی سال معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن شجرہ الرہاوی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا، دونوں کی ملاقات ہوئی، دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے سے مطالبہ تھا کہ وہ تابع ہو جائیں، لیکن دونوں نے اس بات کو نہ مانا، ان کے مابین اس پر مصالحت ہوئی کہ حج کے موقع پر لوگوں کو شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں، اس خبر سے متعلق سیرت نگاروں کے مابین اختلاف ہے، بعض لوگوں کے نزدیک اس خبر کا تعلق قثم بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے۔

خلیفہ کا قول ہے: ۴۰ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ابی ارطاۃ عامری رضی اللہ عنہ کو گورنر بنا کر یمن بھیجا، جب کہ وہاں کے گورنر عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے اور علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک باقی رہے۔ ❷

۴۔ بسر بن ابو ارطاۃ رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے دو لڑکوں کے قتل کی حقیقت:

بعض تاریخی کتابوں میں ذکر آتا ہے کہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو لڑکوں عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور قثم رضی اللہ عنہ کو یمن میں بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا، نیز علی رضی اللہ عنہ کے بعض دوسرے مؤیدین کو بھی قتل کیا، پھر شام لوٹ گئے، اس سے پہلے امیر المومنین نے جاریہ بن قدامہ سعدی کو بھیجا تھا، چنانچہ انھوں نے بھی بسر رضی اللہ عنہ کی طرح یمن

❶ تاریخ دمشق ۳۹/ ۳۵۳، الطبقات، بتحقیق السلمی، ۲/ ۱۴؛ اس کی سند حسن ہے۔

❷ الاستیعاب ۳/ ۱۰۰۹

میں عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض محبین کو قتل کر دیا تھا۔ ❶

ابن کثیر کا قول ہے:

''سیرت نگاروں کے یہاں یہ خبر مشہور ہے، لیکن میرے نزدیک اس کی صحت مشکوک ہے۔'' ❷

بلاشبہ اس مرحلے میں حتی کہ بسر و صفین کے دنوں میں جب کہ طرفین کے مابین جنگ جاری تھی، بے گناہوں کا قتل نہیں ہوا، تو امن کے مرحلے میں بچوں اور بے گناہوں کا قتل کیسے ہو سکتا ہے، بنا بریں مسلمانوں کے دین، اخلاق اور معاملات کے خلاف یہ معاملات قابل قبول نہیں ہو سکتے۔ ❸

اسی طرح دو بچوں کے بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کی روایت کو ابن سعد نے واقدی کے طریق سے ذکر کیا ہے، جب کہ وہ متروک ہے، اور اسے طبری نے بھی اپنی تاریخ میں آنے والی سند سے ذکر کیا ہے۔ ❹ زیاد بکائی سے مروی ہے وہ عوانہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا...... یہ سند منقطع ہے، ساتھ ہی ساتھ عوانہ بن حکم اخباری متکلم فیہ ہیں۔ ❺

ابن عبدالبر نے الاستیعاب ❻ میں عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لڑکے کو بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کا واقعہ ہشام کلبی کے طریق سے ذکر کیا ہے، وہ ابومخنف سے روایت کرتے ہیں، جب کہ وہ دونوں متروک ہیں۔ ❼

شیعیت میں ہشام بن محمد بن سائب کلبی کے غلو پر سب کا اتفاق ہے، امام احمد کا قول ہے:

''اس سے کوئی حدیث بیان کرتا ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اس سے حدیث بیان کرتا ہو۔''

دارقطنی کا قول ہے:

''وہ متروک ہے۔'' ❽

ابن حبان کا قول ہے:

''وہ شیعیت میں غلو پسند تھا۔'' ❾

ابن عساکر کا قول ہے:

''وہ رافضی اور غیر ثقہ ہے۔'' ❿

---

❶ تاریخ الطبری ٦/ ٥٥
❷ البداية والنهاية ٧/ ٣٣٤
❸ الإنصاف د. حامد ص ٥٧٥
❹ تاريخ الطبری ٥/ ١٣٩، الطبقات بتحقيق السلمی ١/ ٢١٣
❺ الطبقات بتحقيق السلمی ١/ ٢١٣
❻ الاستيعاب ١/ ٨٩
❼ الطبقات بتحقيق السلمی ١/ ٢١٣
❽ المجروحين لابن حبان ٣/ ٩١، تذكرة الحفاظ ١/ ٣٤٣
❾ المجروحين ٣/ ٩١
❿ تذكرة الحفاظ ١/ ٣٤٣

امام ذہبی کا قول ہے:

''وہ رافضی نسب گو ہے۔'' ❶

ابومخنف لوط بن یحییٰ:

''اس کے بارے میں ابن عدی کا قول ہے: وہ سخت قسم کا شیعی اور ان کی خبروں کو بیان کرنے والا ہے۔'' ❷

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کو شیعوں میں شمار کیا ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے:

''وہ متروک اور کذاب ہے۔'' ❸

یمن اور حجاز میں علی رضی اللہ عنہ کے مؤیدین کو بسر رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کا واقعہ ثقہ مورخ خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ ❹ اور طبقات ❺ میں ذکر نہیں کیا ہے، البتہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے انھیں یمن اور حجاز پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجنے کا تذکرہ کیا ہے، اسی طرح امام بخاری نے التاریخ الکبیر ❻ اور حاکم نے المستدرك ❼ میں کیا ہے۔

اس طرح کسی بھی حال میں یمن میں عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے دولڑکوں کو بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ کا قتل کرنا صحیح نہیں ہے، بل شام کا خیال ہے کہ بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثوں کو سنا ہے، اور وہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جنھیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مصر کو فتح کرنے میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے بھیجا تھا، ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض مورخین نے کہا: وہ چار تھے، زبیر، عمیر بن وہب، خارجہ بن حذافہ اور بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہم۔ اکثر مورخین کا قول ہے کہ وہ زبیر، مقداد، عمیر بن وہب اور خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہم تھے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ ❽

پہلی حدیث: بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں روایت کی ہیں:

((لَا تُقْطَعُ الْأَيْدِيْ فِي الْمَغَازِيْ .)) ❾

---

❶ سیر أعلام النبلاء ۱۰/ ۱۰۲

❷ الکامل فی ضعفاء الرجال ٦/ ۲۱۱۰

❸ منهاج السنة ٥/ ۸۲ ❹ تاریخ خلیفة ص ۱۹۸

❺ طبقات ابن خیاط ص ۲۷

❻ التاریخ الکبیر للبخاری ۲/ ۱۲۳

❼ المستدرك ۳/ ۵۹۱ ❽ الاستیعاب ۱/ ۸۸

❾ مسند أحمد ٤/ ۱۸۱، حدیث صحیح ہے۔

"جنگوں میں ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔"

دوسری حدیث دعا کے سلسلے میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْأَمُوْرِ کُلِّھَا وَ أَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ.)) ❶

"اے اللہ! تمام کاموں میں ہمارا انجام ٹھیک کردے، اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں بچا لے۔"

غیر جانبدارانہ بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ عامری کے ہاتھوں عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دولڑکوں کا قتل ثابت نہیں ہے۔ کتب تاریخ و ادب میں موجود دونوں بچوں کی والدہ عائشہ بنت عبداللہ کی جانب منسوب درج ذیل اشعار بے بنیاد اور بے اصل ہیں:

ھا من أحسن بابنی اللذین هما
کالدرتین تشظی عنهما الصدف

"کون ہے جس نے سیپ سے نکلے دو موتیوں کے مانند میرے دونوں بچوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔"

ھا من أحسن بابنی اللذین هما
سمعی وعقلی، فقلبی الیوم مختطف

"کون ہے جس نے میرے ان دونوں بچوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جو میرے کان اور میری عقل تھے، آج میرا دل چھین لیا گیا ہے۔"

حدثت بسرا و ما صدقت ما زعموا
من میلهم و من الاثم الذی اقترفوا

"مجھے خبر ملی ہے کہ بسر نے (جب کہ میں لوگوں کی اس تہمت کی تصدیق نہیں کرتی کہ وہ بھٹک گئے تھے اور جرم کا ارتکاب کیا تھا)"

أنحی علی ودجی ابنی مرهفة
مشحوذة، و کذاك الاثم یقترف

"میرے بچوں کی شہ رگ پر تیز اور دھار دار تلوار سے حملہ کر کے قتل کیا، اور گناہ کا ارتکاب ایسے ہی

❶ مسند احمد ٤/ ١٨١، اس کی سند حسن ہے۔

کیا جاتا ہے۔"

لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھی تھیں، چنانچہ ایام حج میں جا بجا کھڑی ہو کر ان اشعار کو پڑھتی تھیں اور ماری ماری پھرتی تھیں۔ ❶

اسی طرح عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب اشعار بے بنیاد ہیں، مورخین نے ذکر کیا ہے کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت کے زمانے میں آئے، تھوڑی گفتگو کے بعد عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے:

يـابـن صـخـر و ابـن حرب تبيّن

مـن تـقيسـون بـعبـد الـمـطـلـب

"اے صخر و حرب کے بیٹے سوچو کس کو عبدالمطلب کے برابر کر رہے ہو؟"

مـن إذا رأت قـريـش وجـهـه

عـظـمـوا الـمـرء و خـروا للركب

"جسے قریش کے لوگ دیکھ کر گھٹنوں کے بل ہو کر تعظیم کرتے ہیں۔"

صـاحـب الـفيـل و سـاقي زمزم

ثـمـت الـفدية رأس فـي الـعـرب

"جو صاحب فیل، صاحب زمزم، صاحب فدیہ اور عربوں کا سردار ہے۔"

و هـدى آخـرنـا و آخـركـم

فيـه الـمـلك لـكم أجرى الحقب

"ہمارا اور تمھارا رہبر ہے، ایک زمانے تک تمھارا حکمراں رہا۔"

إن بسـرا قتـل ابـنـي و مـا

بيـن بسـر و بـنـي فهـر نسب

"بسر نے میرے دو بیٹوں کو قتل کر دیا، بسر اور بنو فہر کے مابین کوئی خاندانی رشتہ نہیں۔"

فـأقتل الـعبـد بـفـرخـي هـاشم

إن هـذا مـن بـواء الـعـجـب

"کیا میں بنو ہاشم کے دو بچوں کے بدلے اس کو قتل کر دوں گا، بلاشبہ یہ تعجب خیز بدلہ ہوگا؟"

---

❶ الاستیعاب ۱/ ۸۹

أجــعــل الــفــضة فيـنــا ذهبــا
ونـضـــار الـقـوم فيـنـا كـالـغـرب

''کیا میں کسی چاندی کو اپنے سونے اور اپنے خالص سونے کو عام سونے کے برابر مان لوں گا؟''

لا يــقـــر الـــعيـــن إلا قتـل مـن
سبـــب الــقتـل و لـلـقتـل سبب

''قتل میں جن کا بھی ہاتھ تھا، ان سب کو قتل کرنے سے آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی اور قتل میں لوگوں کا ہاتھ ہوا کرتا ہے۔''

ذاك مـــا ذاك ابـــن حـــرب إنـــه
قـطـــب الشـــر و للشـر قطـب ❶

''وہ ابن حرب ہی نہیں، بلاشبہ وہ جنگ کا محور ہے، اور جنگ کا محور ہوتا ہے۔''

لوگوں کا خیال ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اشعار میں ان اشعار کا جواب دیا، جن میں سے بعض اشعار یہ ہیں:

إن بســـرا قتــل ابـــنيك عـــلـــى
غيـر جـرم قـــاطـعـــا منك النسب

''بلاشبہ بسر نے تمھارے دو لڑکوں کو بغیر جرم اور تعلقات کو ختم کرتے ہوئے قتل کر دیا۔''

أنـــزل الــلّـــه ببســـر بـــأســـه
و عـلـى بسر مـن الـلّـه الغضب

''اللہ تعالیٰ بسر کو سزا دے اور بسر پر اللہ کا غضب نازل ہو۔''

أضـــرب الـعبـد عـلـــى يـافوخـه
ضـــربة تـذهـــب منـه مـا ذهـب

''میں اس شخص کی پیشانی پر تلوار کا ایسا وار کروں گا جو اس کا کام تمام کر دے جس طرح''

فـي مـقيـل الـدهـر من ضعف بـه
لـيـــس هـــذا مـن مـنـاف بعجب ❷

''اس نے زمانۂ گزشتہ میں کمزوروں کا کام تمام کیا ہے، یہ قبیلۂ مناف سے بعید چیز نہیں۔''

❶ تاريخ دمشق ٣٩/ ٣٥٤، ٣٥٥

❷ تاريخ دمشق ٣٩/ ٣٥٥

۵۔عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا قول:

((وَاللّٰهِ لَهُوَ اَسْخَى مِنَّا وَأَجْوَدُ وَ إِنَّمَا أَعْطَيْنَاهُ بَعْضَ مَا نَمْلِكُ وَ جَادَ هُوَ عَلَيْنَا وَآثَرْنَا عَلَى مُهْجَةِ نَفْسِهِ وَ وَلَدِهِ .)) ❶

عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک سفر پر نکلے، آپ کے ساتھ آپ کا ایک غلام تھا، راستے میں ایک بدوی کا گھر پڑا، اپنے غلام سے کہا: اگر کوئی میزبان ہوتا تو ہم اس کے گھر ٹھہر جاتے اور یہیں رات گزارتے، یہ کہہ کر جانے لگے، آپ خوب صورت اور بلند آواز تھے، بدوی نے جب آپ کو دیکھا تو تعظیم سمجھتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا: ایک شریف آدمی ہمارا مہمان ہے، کیا شام کے کھانے کے لیے کچھ ہے؟ کہا: اس بکری کے علاوہ کچھ نہیں جس کے دودھ سے تمھاری بچی کی زندگی ہے، کہا: ہر حال میں اسے ذبح کرنا ہے، کہا: کیا آپ اپنی بچی کو مار ڈالنا چاہتے ہیں؟ کہا: اگر چہ ایسا ہی ہو، پھر بکری اور چھری کو لے کر کہنے لگا:

یا جارتی لا توقظی البنیة

إن توقظها تنتحب علیه

''اے میری بیوی! بچی کو بیدار مت کر، اگر اسے بیدار کرے گی تو پھوٹ پھوٹ کر روئے گی۔''

و تنزع الشفرة من یدیّه ❷

''اور میرے ہاتھوں سے چھری چھین لے گی۔''

پھر بکری کو ذبح کر دیا، کھانا تیار کر کے عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام کو کھلایا، عبیداللہ رضی اللہ عنہ بدوی اور اس کی بیوی کی گفتگو سن چکے تھے، صبح کو انھوں نے اپنے غلام سے کہا: کیا تمھارے پاس کچھ ہے؟ کہا: ہاں پانچ سو دینار بچے ہوئے ہیں، کہا: اسے بدوی کو دے دو، کہا: سبحان اللہ! اس نے آپ کے لیے پانچ درہم کی بکری ذبح کی اور آپ اسے پانچ سو دینار دیں گے؟ کہا: تیرا بھلا ہو:

((وَاللّٰهِ لَهُوَ اَسْخَى مِنَّا وَأَجْوَدُ وَ إِنَّمَا أَعْطَيْنَاهُ بَعْضَ مَا نَمْلِكُ وَ جَادَ هُوَ عَلَيْنَا وَآثَرْنَا عَلَى مُهْجَةِ نَفْسِهِ وَ وَلَدِهِ .))

''اللہ کی قسم! وہ ہم سے زیادہ فیاض اور سخی ہے ہم نے اسے اپنی بعض چیزیں دی ہیں اور اس نے سخاوت کی ہے اور ہمیں اپنی اور اپنے بچوں کی جان پر ترجیح دی ہے۔''

اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو کہا: کتنا عجیب ہے عبیداللہ کا کام! ان کا خاندان کتنا اچھا ہے۔ ❸

❶ اسد الغابۃ ۳/ ۵٤۳ ❷ أسد الغابة ۳/ ۵٤۳

❸ أسد الغابة ۳/ ۵٤۳

دوسری روایت میں ہے: عبیداللہ جود وسخا کے معلم ہیں، وہ اللہ کی قسم ویسے ہی ہیں جیسا کہ حطیئہ نے کہا ہے:

اولئك قوم إن بنوا احسنوا إلينا

و إن عاهدوا أوفوا و إن عقدوا شدوا

''وہ ایسے لوگ ہیں جو اعلیٰ قدروں کے معمار ہیں، عہد کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں، معاملہ کرتے ہیں تو ان کا معاملہ مضبوط ہوتا ہے۔''

و إن كانت النعمى عليهم جزوا به

و إن انعموا لاكدروها و لا كدوا ❶

''اپنے اوپر احسان کا بدلہ دیتے ہیں، جب وہ خود احسان کرتے ہیں تو احسان جتا کر نہ تو مکدر کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں پر بوجھ لادتے ہیں۔''

۶۔ عبداللہ بن جعفر، حسن بن علی اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے مابین موازنہ:

ابوالزناد کہتے ہیں، پوچھا گیا: تینوں میں کون زیادہ سخی ہیں، عبداللہ بن جعفر، یا حسن بن علی یا عبیداللہ بن عباس؟ تو انھوں نے جواب دیا: زیادہ مقدار میں حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ دینے والا ہم نے نہیں دیکھا، اور زیادہ یا کم مقدار میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے زیادہ دینے والا نہیں دیکھا، اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے گھر سے جب بھی گزر ہوا تو تازہ کھانا دیکھا، اپنے مجزرہ میں ہر دن اونٹ ذبح کرتے تھے، اور یہی مجزرۂ ابن عباس کی وجہ تسمیہ ہے، میں نے کہا: اونٹ کی قیمت پندرہ بیس دینار ہوگئی ہے تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے ڈانٹتے ہوئے کہا: اس کی قیمت جوڑی نہیں جاتی، اللہ کی قسم میں اسے کبھی ترک نہیں کروں گا۔ ❷

۷۔ بلا اطلاع عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے گھر مہمان آ گئے:

مدینہ کے ایک شخص نے عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو تکلیف اور نقصان پہنچانا چاہا، چنانچہ وہ مدینہ کے بڑے لوگوں کے پاس گیا اور کہا کہ عبیداللہ نے تمھیں کھانے کی دعوت دی ہے، لوگ اتنی تعداد میں آئے کہ ان کا گھر بھر گیا جب کہ عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو کوئی خبر نہیں، انھوں نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ جواب ملا کہ آپ کی جانب سے ایک شخص نے جا کر کھانے کی دعوت دی ہے، آپ کو سازش کا پتہ چل گیا، چنانچہ آپ کے حکم سے دروازہ بند کر دیا گیا، بازار سے مختلف پھل مالٹا، شہد، کیلا وغیرہ منگا کر لوگوں کو اسی میں مشغول کر دیا، پھر کھانا پکانے کا حکم دیا اور جلد ہی کھانا تیار ہوگیا، ابھی پھلوں سے فارغ بھی نہ ہو پائے تھے کہ کھانا پیش کر دیا گیا، جب کھا چکے تو عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے

❶ تاریخ دمشق ۲۹/ ۳۶۰

❷ تاریخ دمشق ۳۹/ ۳۵۷، الطبقات ۲/ ۲۳، اس کی سند ضعیف ہے۔

کہا: کیا جب بھی میں چاہوں تو ایسا ہوگا؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: جو بھی میرے پاس آئے مجھے اس کی پروا نہیں۔ ❶

۸۔ ایک مصیبت زدہ عورت:

ایک دفعہ قحط سالی والے سال ایک عورت بصرہ آئی، اس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے، سال بھی نہیں گزرا کہ ان کا انتقال ہو گیا، اور اس نے ان دونوں کو دفن کر دیا اور دونوں کی قبر کے درمیان بیٹھ کر کہنے لگی:

فللّه عيناي اللذان نراهما
قريبين مني و المزار بعيد

''اللہ کی قسم میرے انھی دونوں نور نظر نے جن کو ہم اپنے سے قریب دیکھتے ہیں جب کہ گھر دور ہے۔''

هما تركا عينيّ لا ماء فيهما
و شكا سواد القلب فهو عميد

''میری دونوں آنکھوں کا آنسو خشک کر دیا، اور دل کو بہت تکلیف پہنچائی ہے چنانچہ وہ بہت رنجیدہ ہے۔''

مقيمان بالبيداء لا يبرحانها
و لا يسألان الركب أين يريد

''یہ دونوں چٹیل میدان میں پڑے ہیں آنے والے قافلوں سے پوچھ بھی نہیں سکتے کہ کہاں جا رہے ہو۔''

اس کو بتایا گیا کہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر اپنی پریشانی بیان کرو، چنانچہ وہ آپ کے پاس پہنچی اور کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی! نہ تو میں کسی رشتہ دار کے پاس ہوں جو میری حفاظت کرے، اور نہ ہی قبیلے کے پاس جو مجھے پناہ دے، میں ایسے شخص کا پتہ چلا رہی تھی جس سے توقع قائم کی جا سکے، جس کے عطیہ کی امید کی جا سکے، جو مانگنے والے کو دیتا ہو، چنانچہ آپ کی جانب میری رہنمائی کی گئی، اس لیے میرے لیے تین میں سے کوئی ایک کام کر دیجیے، یا تو میری پریشانی ختم کر دیں، یا اچھا عطیہ دیں، یا مجھے میرے اہل وعیال تک پہنچا دیں، عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھاری تینوں خواہشیں پوری کی جائیں گی۔ ❷

❶ تاریخ دمشق ۳۹/ ۳۵۷

❷ تاریخ دمشق ۳۹/ ۳۵۸

۹۔ عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں خوبصورتی، تفقہ اور جود وسخا:

ابوالعباس احمد طبری مکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے تراجم پر مشتمل اپنی کتاب "ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی" میں ذکر کیا ہے:

''کہا جاتا تھا کہ جسے خوبصورتی، تفقہ اور جود وسخا یکجا چاہیے وہ عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں چلا جائے، خوب صورتی فضل رضی اللہ عنہ کے پاس، تفقہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس اور سخاوت و فیاضی عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔'' ❶

۱۰۔ دنیا و آخرت کی بھلائی عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں:

ایک بدوی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں داخل ہوا، اس کے ایک کنارے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے جو ہر سوال کا جواب دیتے تھے، اور دوسری طرف عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے جو ہر آنے والے کو کھانا کھلاتے تھے، چنانچہ بدوی نے کہا: جسے دنیا و آخرت کی بھلائی یکجا چاہیے وہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے گھرانے میں آئے، یہ فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو شریعت کے احکام سے آگاہ کرتے ہیں اور یہ کھانا کھلاتے ہیں۔ ❷

مصعب بن عبداللہ سے مروی ہے کہتے ہیں بعض اہل علم کا قول ہے: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما لوگوں کو خوش دلی کے ساتھ علم دیتے تھے، اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ انھیں فراخی کے ساتھ کھانا دیتے تھے ❸ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ (آخرت کی) تجارت کرتے تھے۔ ❹

۱۱۔ حکیم المعضلات (مشکلات کو حکمت و دانائی سے حل کرنے والے) تیار الفرات (دریائے فرات کا دھارا):

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا لقب حکیم المعضلات (مشکلات کو حکمت و دانائی سے حل کرنے والے) اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا لقب تیار الفرات (دریائے فرات کا دھارا) تھا، یہ ہر دن کھانا کھلاتے تھے، چنانچہ ان سے ان کے والد نے کہا: اے میرے لاڈلے! کیا بات ہے تم دوپہر کا کھانا کھلاتے ہو اور شام کا کھانا نہیں کھلاتے؟ جب دوپہر کا کھلاتے ہو تو شام کا بھی کھلاؤ، چنانچہ عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے کہا: صبح کو بھی اونٹ ذبح کرو، اور شام کو بھی۔ ❺

---

❶ ذخائر العقبی ص ۳۹٤ ❷ تاریخ دمشق ۳۹/ ۳٥٦
❸ تاریخ دمشق ۳۹/ ۳٥٦ ❹ الاصابۃ ٤/ ۳۳۱
❺ تاریخ دمشق ۳۹/ ۳٥٦، الاصابۃ ٤/ ۳۳۱

۱۲۔ان کی سخاوت وفیاضی سے متعلق اشعار:

معاویہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ قریش کو سخاوت وفیاضی سکھلائی ہے، وہ عربوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، ان کے بارے میں قریش کے ایک شاعر نے کہا:

وعـلـمـهـا عبيد الله مـا لـم

تـكـن تـأتيهـا من شيم الكـرام

''عبیداللہ نے قریش کو اچھے لوگوں کے وہ اعلیٰ اخلاق سکھلائے جو ان میں نہیں پائے جاتے تھے۔''

وورثـهـا مـكـارم ثـابـتـات

تـنـفـي عـنـهـا بهـا لـوم اللـئـام

''ان میں وہ ٹھوس مکارم اخلاق پیدا کیے، جن کے ذریعہ سے مذمت کرنے والوں کی ملامت کو ختم کر دیا۔''

وصية هـاشـم وبـنـي أبيـه

قـصـي ، والهـمـام بـن الهـمـام ❶

''وہ ہاشم وقصی کے جانشین اور بہادر وسخی باپ کے بہادر وسخی بیٹے تھے۔''

۱۳۔ یوم عرفہ کو ان کا روزہ رکھنا:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو عرفہ کے دن کھانے کی دعوت دی، انھوں نے کہا: میں روزے سے ہوں، کہا: تم ائمہ میں سے ہو جن کی اقتدا کی جاتی ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو آج ہی کے دن دیکھا کہ آپ نے دودھ منگا کر پیا۔ ❷

۱۴۔آپ کا طلب علم:

عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: آپ علم کیوں حاصل کرتے ہیں؟ جواب دیا: نشیط ہونے کی صورت میں علم میری لذت ہے، اور مغموم ہونے کی حالت میں میری دلجوئی ہے۔ ❸

۱۵۔ایک بوڑھی عورت اور اس کے تین بچوں کے ساتھ آپ کا احسان:

عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک صاحب اولاد بوڑھی عورت کے پاس پہنچے، اس نے ان کی عزت اور اچھی میزبانی کی، عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ احسان کرنا چاہا، جب وہ عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے تو انھیں اپنے قریب کر کے کہا: میں تمھارے اور تمھاری ماں کے پاس کسی ناپسندیدہ چیز کے لیے نہیں آیا

❶ تاریخ دمشق ۳۹/ ۳۵۵ ❷ الإصابة ٤/ ٣٣١، اس کی سند صحیح ہے۔

❸ الإصابة ٤/ ٣٣٢، تاريخ دمشق، ٣٩/ ٣٦٤

ہوں، انھوں نے کہا: پھر کس لیے؟ کہا: میں چاہتا ہوں کہ تمھارا معاملہ ٹھیک کروں اور تمھاری پراگندہ حالی دور کروں، انھوں نے کہا: ایسا سلوک یا تو مانگنے پر ہوتا ہے یا کسی پرانے کام کے بدلہ میں، جواب دیا: دونوں میں سے کوئی سبب نہیں، بلکہ رات میں تمھارے ساتھ رہا، دل میں خیال آیا کہ میں اپنا کچھ مال اللہ کے محبوب کاموں میں خرچ کروں، ان لوگوں نے کہا: ہمیں دینا اللہ کے محبوب کاموں میں سے نہیں ہے اگر ہم خوش حال ہوں اور ضرورت بھر روزی مل جاتی ہو، اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو جو اس کے مستحق ہوں انھیں دیں، اور اگر بغیر مانگے آپ عطیہ اور ہدیہ دینا چاہتے ہیں تو آپ کے اس احسان کا شکریہ، اور آپ کی بھلائی قابل قبول ہے، چنانچہ عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے انھیں دس ہزار درہم اور تیس اونٹ دینے کا حکم دیا، اور ان کا بار دوسرے خچروں اور جانوروں کی جانب منتقل کروا دیا گیا، نیز فرمایا: میرے خیال میں عرب وعجم میں اس ضعیفہ اور ان نوجوانوں کی طرح کوئی نہیں، ضعیفہ نے نوجوانوں سے کہا: تم میں سے ہر ایک اس معزز شخص کے بارے میں شعر کہے، چنانچہ بڑے لڑکے نے کہا:

شهـدت عـليك بـطيـب الـكـلام

و طيـب الـفـعـال و طيـب الـخبـر

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کی گفتگو اچھی، آپ کے کارنامے اچھے اور آپ کے بارے میں خبر اچھی ہے۔''

اور منجھلے لڑکے نے کہا:

تبـرعـت بـالـجـود قبل السـؤال

فـعـال كـريـم عـظيـم الـخـطـر

''مانگنے سے پہلے آپ نے فیاضی کی ہے یہ ایک اہم اور شریف شخص کا کام ہوتا ہے۔''

اور چھوٹے لڑکے نے کہا:

و حـق لـمـن كـان ذا فـعـلـه

بـأن يسـتـرق رقـاب البشـر

''جس کا یہ کارنامہ ہو اسے حق ہے کہ لوگوں کو اپنا غلام بنا لے۔''

اور بوڑھی عورت نے کہا:

فـعـمـرك الـلـه من مـاجـد

و وقيـت سـوء الـردى و الـحـذر [1]

---

[1] الإصابة ٤ / ٢٣٢ [illegible]

''تجھ جیسے شریف کی اللہ تعالیٰ عمر دراز کرے، بری موت اور برا زوال تجھ سے دور رہے۔''

۱۶۔ آپ کی وفات:

آپ کی وفات کے سال سے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بخاری ❶ اور فسوی ❷ نے کہا کہ آپ کی وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ ❸ خلیفہ بن خیاط ❹ وغیرہ کا قول ہے کہ آپ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی۔ ❺ ابوعبید اور ابوحسان زیادی کا قول ہے کہ آپ کی وفات ۸۷ھ میں ہوئی۔ ❻ ایک قول کے مطابق آپ کی وفات یزید کے زمانہ میں ہوئی اور یہی اکثر لوگوں کا قول ہے۔ آپ کی موت مدینہ میں ہوئی۔ دوسرے قول کے مطابق یمن میں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ❼

عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے بھائیوں کی وفات میں ہمارے لیے عبرت اور زندہ دل لوگوں کے لیے نصیحت ہے، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما طائف میں دفن ہوئے، معبد رضی اللہ عنہ افریقہ میں شہید کیے گئے، قثم رضی اللہ عنہ سمرقند میں ❽ اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں دفن کیے گئے جب کہ وہ سب سگے بھائی تھے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان: ۳۴)

''اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا، نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے۔''

ثالثاً: ...... عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ہاشمی رضی اللہ عنہ:

آپ سردارِ عالم، ابوجعفر، عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم، قرشی، ہاشمی ہیں۔ آپ کی ولادت حبشہ میں ہوئی، سکونت مدینہ میں رہی، آپ سخی ابن سخی ہیں۔ آپ کا لقب ذوالجناحین ہے۔ ❾

---

❶ لبخاری فی تاریخہ الصغیر ص ۱۳

❷ المعرفۃ و التاریخ ۳/ ۳۲۲

❸ تاریخ الإسلام، حوادث سنۃ ۸۱۔ ۱۰۰ ھـ ص ۱۴۷.

❹ فی تاریخہ ص ۲۲۵

❺ تاریخ الإسلام حوادث سنۃ ۸۱-۱۰۰ھ ص ۱۴۷

❻ تاریخ الإسلام حوادث ۸۱-۱۰۰ھ ص ۱۴۷

❼ أسد الغابۃ ۳/ ۵۴۴

❽ تاریخ دمشق ۳۹/ ۳۵۰

❾ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۴۵۶

آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی اخیافی بہن ہیں، ان کے بطن سے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ میں پیدا ہوئے، آپ کی ولادت ان کی مسلم اولاد میں سب سے پہلے ہوئی۔ ❶ وہیں آپ کے بطن سے محمد و عون پیدا ہوئے۔ ❷ اسماء رضی اللہ عنہا کے بطن سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے چند دنوں بعد نجاشی کے ایک بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ چنانچہ جعفر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ آپ نے اپنے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے؟ جواب دیا: عبداللہ۔ چنانچہ نجاشی نے بھی اپنے بیٹے کا نام عبداللہ رکھا۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اسے لے کر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دودھ پلانے لگیں، اور دونوں کا ایک ساتھ دودھ چھڑایا، بنابریں ان کے نزدیک آپ بڑی قدر ومنزلت کی مستحق ہوگئیں چنانچہ جو حبشی بھی اسلام لاتا وہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آکر حبشیوں کے حالات سے آگاہ کرتا۔ ❸

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کے بعد اسماء رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی۔ انھی کے بطن سے محمد بن ابوبکر کی ولادت ہوئی، اس کے بعد ان سے علی رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو ان کے بطن سے یحییٰ پیدا ہوئے۔ ❹ اس طرح عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما، محمد بن ابوبکر صدیق اور یحییٰ بن علی ابن ابی طالب کے اخیافی بھائی تھے۔ ❺ بنو ہاشم کے سب سے آخری فرد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما تھے جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت نصیب ہوئی تھی۔ ❻

ا۔ آپ کی اولاد اور بیویاں:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پچیس بچے تھے:

(۱)...... جعفر اکبر (انھی سے آپ کی کنیت ابوجعفر تھی، ان کی والدہ امیہ تھیں، جن کی کنیت ام عمرو بنت خراش عبسیہ تھی) ❼

(۲)...... محمد

(۳)...... عباس

(۴)...... ام کلثوم (ان سب کی ماں زینب بنت علی بن ابی طالب تھیں، اور زینب کی ماں فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں) ❽

---

❶ الإصابة ٤/ ٣٦
❷ الطبقات تحقيق السلمى ٢/ ٧
❸ الإصابة ٤/ ٣٧
❹ الطبقات ٢/ ٧
❺ أسد الغابة ٣/ ١٩٩
❻ البداية والنهاية ١٢/ ٣٠٠
❼ الطبقات الكبرى بتحقيق السلمى ٢/ ٦
❽ الطبقات الكبرى بتحقيق السلمى ٢/ ٦

(۵)......حسین

(۶)......عون

(۷)......عون اصغر (عون اصغر، حسین بن علی کے ساتھ قتل کر دیے گئے، ان کا کوئی جانشین نہیں رہا۔[1] اور دونوں کی ماں جمانہ بنت مسیّب بن نجبہ بن ربیعہ بن عوف بنو فزارہ میں سے تھیں۔)[2]

(۸)......ابوبکر

(۹)......عبیداللہ

(۱۰)......محمد (ان سب کی ماں خوصاء بنت حصفہ بنت ثقیف بن عابد بن عدی بن حارث بن تیم اللہ بن ثعلبہ بن بکر بن وائل تھیں)[3]

(۱۱)......صالح

(۱۲)......یحییٰ

(۱۳)......ہارون

(۱۴)......موسیٰ (ان میں سے کسی کا بھی کوئی جانشین نہ رہا)

(۱۵)......جعفر

(۱۶)......ام ابیہا

(۱۷)......ام محمد (ان سب کی ماں لیلیٰ بنت مسعود بن خالد تھیں)

(۱۸)......حمید

(۱۹)......حسن (ان دونوں کی ماں ام ولد تھیں)

(۲۰)......جعفر

(۲۱)......ابوسعید (ان دونوں کی ماں ام الحسن بنت کعب بن عبداللہ بن ابوبکر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ تھیں)[4]

(۲۲)......معاویہ

(۲۳)......اسحاق

---

[1] الطبقات الکبریٰ بتحقیق السلمی ۲/ ٦
[2] الطبقات الکبریٰ بتحقیق السلمی ۲/ ٦
[3] الطبقات الکبریٰ بتحقیق السلمی ۲/ ٦
[4] الطبقات الکبریٰ بتحقیق السلمی ۲/ ٦

(۲۴)..... قثم (ان کا کوئی جانشین نہیں رہا)

(۲۵)..... ام عون (ان سب کی ماں مختلف ام ولد تھیں) ❶

۲۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اپنے خاندان سمیت حبشہ سے مدینہ آنا:

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والے فتح خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس (حبشہ سے واپس) آئے، آپ کے ساتھ آپ کی بیوی اسماء، اور بیٹے عبداللہ، عون اور محمد رضی اللہ عنہم تھے، ان کے آنے پر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے، آپ ﷺ نے انھیں نجاشی کے پاس سے لانے کے لیے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، چنانچہ وہ انھیں دو کشتیوں میں لے کر چلے، آپ کے پاس فتح خیبر کے دن پہنچے، جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے قبیلے کے دوسرے لوگ بھی آئے، چنانچہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم یمن میں تھے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے کی خبر ملی، آپ کی جانب ہجرت کرتے ہوئے میں اور میرے دو بھائی نکلے، میں سب سے چھوٹا تھا، ان دونوں میں سے ایک ابوبردہ تھے، دوسرے ابورہم، ہم اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کے ساتھ نکلے، ہم سب کی تعداد ترپن یا باون تھی، ہم کشتی میں سوار ہوئے، کشتی نے ہمیں حبشہ کے نجاشی کے پاس پہنچا دیا، چنانچہ ہم جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے، ہم سب نے وہیں قیام کیا، پھر فتح خیبر کے وقت ہم سب نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ ❷

۳۔ اے کشتی والو تمھاری دو ہجرتیں ہیں:

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لوگ ہم سے کہتے تھے کہ ہم ہجرت میں تم پر سبقت لے گئے، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گئیں، وہ نجاشی کی جانب ہجرت کرنے والی تھیں، عمر رضی اللہ عنہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے جب کہ اسماء رضی اللہ عنہا ان کے پاس تھیں، اسماء رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر پوچھا، یہ کون ہیں؟ جواب دیا: عمیس کی بیٹی اسماء ہیں، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہی حبشہ کی جانب سمندری راستے سے ہجرت کرنے والی ہیں؟ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ہجرت میں تم لوگوں پر سبقت لے گئے، اس لیے ہم رسول اللہ ﷺ کے تم سے زیادہ حق دار ہیں، یہ سن کر وہ ناراض ہوگئیں اور کہا: اللہ کی قسم ہرگز نہیں، تم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے، آپ بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے، جاہل کو وعظ و نصیحت کرتے تھے، اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہم حبشہ کی دور دراز اور ناپسندیدہ سرزمین میں تھے، اللہ کی قسم میں کھاؤں اور پیوں گی نہیں تا آنکہ میں رسول اللہ ﷺ تک آپ کی بات پہنچا کر آپ سے پوچھ نہ لوں، اللہ کی قسم نہ تو میں جھوٹ بولوں گی نہ ہیرا پھیری کروں گی، نہ بات میں کچھ اضافہ

❶ الطبقات الکبری بتحقیق السلمی ۲۰۳

❷ صحیح البخاری کتاب المغازی حدیث نمبر ۴۲۳۰، ۴۲۳۱، معین السیرۃ، ص ۲۵۳

کروں گی، چنانچہ جب انھوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس آکر ایسی اور ایسی بات کہی، تو آپ نے فرمایا: وہ میرے تم سے زیادہ حقدار نہیں ہیں، ان کی اور ان کے ساتھیوں کی ایک ہجرت ہے اور تم کشتی والوں کی دو ہجرتیں ہیں۔ ❶ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی والدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ پیغامِ مسرت ان کے وفد میں شریک تمام لوگوں تک جہاں بھی تھے پہنچا دیا، ❷ جیسا کہ وہ خود بیان کرتی ہیں: لوگ گروہ در گروہ میرے پاس آکر اس حدیث کے بارے میں پوچھتے تھے، ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے زیادہ خوش کرنے والی اور اس سے قیمتی کوئی چیز نہیں تھی، ❸ فتح خیبر میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اجازت لے کر آپ نے ان لوگوں کو مالِ غنیمت میں شریک کیا۔ ❹

۴۔ غزوۂ موتہ میں جعفر بن عبداللہ ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت:

یحییٰ بن ابویعلیٰ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے، مجھے یاد ہے جب رسول اللہ ﷺ نے میری والدہ کے پاس آکر والد کی شہادت کی خبر دی، میں آپ کی جانب دیکھ رہا تھا، آپ میرے اور میرے بھائی کے سر پر دستِ شفقت پھیر رہے تھے، آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں، داڑھی سے قطرے ٹپک رہے تھے، پھر فرمایا: اے اللہ! بلاشبہ جعفر اچھے بدلے کی جانب جا چکے، اس لیے ان کے بچوں کی بہترین دیکھ ریکھ کر، پھر فرمایا: اے اسماء! کیا میں تمھیں خوشخبری نہ سناؤں، کہا: کیوں نہیں؟ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جعفر کو دو بازو عطا کر دیے ہیں، جن سے وہ جنت میں اڑتے ہیں، یہ سن کر انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ لوگوں میں اس کا اعلان کر دیں، چنانچہ آپ ﷺ اٹھے، میرا ہاتھ پکڑا سر پر دستِ شفقت پھیرتے رہے، منبر پر چڑھ کر مجھے اپنے سامنے بٹھایا، آپ پر غم کے آثار نمایاں تھے، گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: سن لو، بلاشبہ جعفر شہید ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بازو عطا کر دیے ہیں جن سے وہ جنت میں اڑتے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے، مجھے لے کر اپنے گھر میں گئے، میرے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ تیار کیا گیا، میرے بھائی کو بھی بلا بھیجا، ہم نے آپ کے پاس اچھا اور بابرکت کھانا کھایا، آپ کی خادمہ سلمٰی نے جو لے کر پیسے، پھر چھلنی سے چھانا، پھر پکایا، میں اور میرے بھائی نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ ❺

---

❶ صحیح البخاری، کتاب المغازی حدیث نمبر ٤٢٣١

❷ فقه السيرة للغضبان ص ٥٣٥

❸ صحیح مسلم حدیث نمبر ٢٥٠٢، ٢٥٠٣

❹ الصراع مع اليهود لابی فارس ٣/ ٩٦

❺ الطبقات تحقيق السلمی ٢/ ٨، اس کی سند ضعیف ہے، اس کے بعض شواہد ہیں۔

۵۔ آج کے بعد میرے بھائی پر گریہ وزاری مت کرنا:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین دن بعد خبر دے کر ان کے پاس آئے اور فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر گریہ وزاری مت کرنا، پھر فرمایا: میرے بھائی کے بچوں کو میرے پاس لاؤ، ہمیں لایا گیا جب کہ ہم چھوٹے تھے، آپ نے فرمایا: حجام کو بلاؤ، آپ نے حکم دیا، اس نے ہمارا سر مونڈا، پھر فرمایا: محمد تو ہمارے چچا ابوطالب جیسے ہیں، اور عبداللہ ساخت واخلاق میں میرے مشابہ ہیں، پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھایا اور فرمایا: اے اللہ! جعفر کے بچوں کی دیکھ ریکھ کر، اور عبداللہ کی تجارت میں برکت دے، کہتے ہیں پھر ہماری والدہ آئیں اور ہماری یتیمی کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا: تمھیں ان کے فقر و فاقہ کا خوف ہے جب کہ میں دنیا و آخرت میں ان کا ولی ہوں۔ ❶

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انھیں اپنی سواری پر سوار کرنا:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر سے آتے تو اپنے گھرانے کے بچوں سے ملتے، کہتے ہیں: آپ ایک سفر سے تشریف لائے، چنانچہ مجھے آپ تک لے جایا گیا، آپ نے مجھے اپنے سامنے سوار کر لیا، کہتے ہیں، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دونوں بیٹوں میں سے ایک (حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ) کو لایا گیا، آپ نے انھیں پیچھے سوار کر لیا، کہتے ہیں کہ ایک سواری پر ہم تین آدمی مدینہ میں داخل ہوئے۔ ❷

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے لیے دعا کرنا:

عمرو بن حریث سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، آپ نے فرمایا: اے اللہ! عبداللہ کی تجارت میں برکت عطا فرما۔ ❸

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر تین مرتبہ دست شفقت پھیرا اور ہر مرتبہ یہ دعا فرمائی: اے اللہ جعفر کے بچوں کی حفاظت فرما۔ ❹

۸۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کی بیعت:

ہشام بن عروہ اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی جب کہ وہ سات سال کے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انھیں دیکھا تو ہنس

---

❶ مسند أحمد ۱/ ۲۰٤، اس کی سند قوی ہے۔
❷ صحیح مسلم حدیث نمبر ۲٤۲۸
❸ سیر أعلام النبلاء ۳/ ٤٥۸، مجمع الزوائد ۹/ ۲۸٦، دونوں کے رجال ثقہ ہیں۔
❹ مسند أحمد ۱/ ۲۰٤، اس کی سند قوی ہے۔

پڑے، اپنا ہاتھ پھیلایا اور ان دونوں سے بیعت لی۔ ❶ صحیح بات یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہجرت کے سال پیدا ہوئے۔ ❷

۹۔رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کی خبر گیری:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا بات ہے، میرے بھائی کے بچے دبلے پتلے ہیں، کیا انھیں فقر و فاقہ لاحق ہے؟ کہا: نہیں، لیکن انھیں نظر بد جلد لگ جاتی ہے، کیا میں ان پر دعا پڑھ کر دم کر دیا کروں؟ پوچھا: کون سی دعا؟ چنانچہ انھوں نے آپ سے دعا ذکر کی، آپ نے فرمایا: پڑھ کر ان پر دم کر دیا کرو۔ ❸

۱۰۔میری والدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے مجھے وہ قول سکھلایا جسے رسول اللہ ﷺ نے انھیں مصیبت کے وقت کہنے کا حکم دیا تھا:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: مجھے میری والدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے وہ قول سکھلایا جسے آپ ﷺ نے انھیں مصیبت کے وقت کہنے کا حکم دیا تھا:

((اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّیْ لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا .)) ❹

''اللہ، اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔''

۱۱۔رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کی شکایت:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیا، آپ نے چپکے سے مجھ سے ایک ایسی حدیث بیان کی جسے میں کبھی کسی سے بیان نہ کروں گا، رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے وقت پردے کے لیے کسی اونچی عمارت یا کھجور کے گھنے باغ کو پسند کرتے تھے، چنانچہ ایک دن آپ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے، اچانک ایک بیٹھے ہوئے اونٹ نے آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، رسول اللہ ﷺ جب اس کی پیٹھ اور کان پر ہاتھ پھیرنے لگے، تو وہ پرسکون ہو گیا، آپ نے پوچھا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ میرا ہے، آپ نے فرمایا: کیا تم اس جانور کے سلسلے میں اللہ سے نہیں ڈرتے، جس نے تمھیں اس کا مالک بنا دیا ہے، اس اونٹ

---

❶ المستدرك ٣/ ٥٦٦، ٥٦٧، اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش ضعیف ہیں۔

❷ الإصابة ٤/ ٣٨

❸ الطبقات تحقیق السلمی ٢/ ١٨، اس کی سند ضعیف ہے۔

❹ الطبقات بتحقیق السلمی ٢/ ١١، اس کی سند ضعیف ہے۔

نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور تھکا دیتے ہو۔ ❶

نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر دس سال تھی۔ ❷ آپ کا صحابی رسول ہونا ثابت ہے، آپ نے نبی ﷺ سے حدیثیں روایت کی ہیں، آپ نے اپنی والدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور چچا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے حدیثوں کو روایت کیا ہے۔ آپ سے آپ کے بیٹے اسماعیل، اسحاق، معاویہ اور محمد بن علی بن حسین، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن ملیکہ، عبداللہ بن شداد بن الہاد، شعبی، عباس بن سہل بن سعد، مورق عجلی، خالد بن سارہ، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابورافع نے روایت کیا ہے۔ ❸

۱۲۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو سلام کرنا:

شعبی کا قول ہے:

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو سلام کرتے تو کہتے:

((اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا ابْنَ ذِی الْجَنَاحَیْنِ .)) ❹

۱۳۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی تعلیم کا حریص ہونا:

عبداللہ بن شداد سے مروی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا میں تمہیں وہ باتیں نہ سکھلا دوں جو حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو نہیں سکھلائی ہیں، جب تم اللہ سے کچھ مانگو اور چاہو کہ تمہیں کامیابی ملے تو یہ دعا پڑھو:

((لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰـهُ وَحْـدَهُ لَا شَـرِیْكَ لَهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ .)) ❺

''صرف اللہ ہی معبود برحق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ عظمت اور بڑے مرتبے والا ہے، صرف وہی معبود برحق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ بردبار اور کریم ہے۔''

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اپنے چچا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے، صفین کے دن آپ کے کمانڈروں میں سے تھے۔ ❻

ان کے جود و سخا کا تذکرہ:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما فیاض، خوش مزاج، بردبار، پاکباز اور سخی تھے، آپ کا لقب بحر الجود ❼ اور قطب السخا

---

❶ الطبقات بتحقیق السلمی ۲/ ۱۳، ۱٤، اس کی سند صحیح ہے۔
❷ الإصابة ٤/ ۳۷
❸ تاریخ دمشق ۲۹/ ۱٦۹
❹ سیر أعلام النبلاء، ۳/ ٤٥۹، صحیح البخاری، ۷/ ٦۲
❺ الطبقات بتحقیق السلمی ۲/ ۱٦، اس کی سند صحیح ہے۔
❻ الإصابة ٤/ ۳۷
❼ الاستیعاب ۳/ ۸۸۱

تھا۔ ❶ کہا جاتا ہے کہ ان کے زمانے میں مسلمانوں میں ان سے زیادہ سخی کوئی نہیں تھا، لوگوں کا خیال ہے: اسلام میں زیادہ سخاوت کرنے والے عرب دس تھے، اہل حجاز میں سب سے زیادہ سخی عبداللہ بن جعفر، عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہم تھے، اور اہل کوفہ میں بنو رباح بن یربوع کے عتاب بن ورقاء، اسماء بن خارجہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ، بنو تیم اللہ بن ثعلبہ کے عکرمہ بن ربعی فیاض تھے، اہل بصرہ میں عمرو بن عبید بن معمر، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما بن خلف خزاعی، بنو ملیح کے طلحۃ الطلحات اور عبید اللہ بن ابوبکرہ تھے، اہل شام میں خالد بن عبداللہ بن خالد بن اسد بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس تھے، ان تمام لوگوں میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے زیادہ سخی کوئی نہیں تھا، جود و سخا میں کوئی بھی مسلمان ان کے مرتبے کو نہیں پہنچتا تھا، اس پر ان کی سرزنش کی گئی تو کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک عادت کا عادی بنا دیا ہے اور میں نے لوگوں کو ایک عادت کا عادی بنا دیا ہے، مجھے خوف ہے کہ اگر لوگوں کے ساتھ اپنی عادت کو ختم کر دوں تو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عادت نہ ختم ہو جائے۔ ❷

علی بن حسین رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے ہمیں جود و سخا سکھلایا ہے۔ ❸ یہ حسین رضی اللہ عنہ کو تواضع ہے، ورنہ وہ اور ان کے بھائی حسن رضی اللہ عنہ جود و سخا اور خرچ کرنے میں بہت آگے تھے، جود و سخا میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے بعض واقعات درج ذیل ہیں:

ا۔ تمھیں دینے کے لیے ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن تم ابن جعفر کے پاس جاؤ:

تاریخ میں اس بات کا تذکرہ آتا ہے کہ ایک بدوی موسم حج میں مدینہ میں مروان کے پاس پہنچا، مانگا تو انھوں نے کہا: تمھیں دینے کے لیے ہمارے پاس نہیں ہے، لیکن ابن جعفر کے پاس جاؤ، چنانچہ آپ کے پاس بدوی آیا تو سامانِ تجارت جا چکا تھا، دروازے پر ایک سواری تھی، جس پر اس کا ساز و سامان اور ایک تلوار تھی، بدوی یہ اشعار پڑھنے لگا:

أبو جعفر من أهل بيت نبوة
صلاتهم للمسلمين طهور

''ابو جعفر نبوی گھرانے کے ہیں، جن پر درود بھیجنا مسلمانوں کے لیے پاکیزگی ہے۔''

أبا جعفر ضن الامير بماله
و أنت على ما في يديك امير

''اے ابو جعفر! امیر نے اپنے مال میں بخل کیا اور تو جو کچھ تیرے پاس ہے اس کا امیر ہے۔''

---

❶ الإصابة ٤/ ٣٧ ❷ الاستيعاب ٣/ ٨٨٢
❸ تاريخ دمشق ٢٩/ ١٨٧

أبـا جعفـر يـا ابن الشهيد الذی لـه
جنـاحـان فـی أعـلـی الـجـنان يطير

''اے ابوجعفر! اے اس شہید کے بیٹے جن کے دو بازو ہیں جن سے وہ فردوس اعلیٰ میں اڑتے رہتے ہیں۔''

أبا جعفر ما مثلك اليوم أرتجی
فـلا تـتـركـنـی بـالفلاة أدور ❶

''اے ابوجعفر! آج کے دن آپ جیسا کوئی نہیں جس سے میں مانگوں، اس لیے مجھے چٹیل میدانوں میں حیران و سرگرداں نہ چھوڑیے۔''

آپ نے کہا: اے بدوی! سامان تجارت جاچکا ہے، اس لیے یہ سواری مع ساز و سامان لے لو، تلوار کے بارے میں تمھیں دھوکہ نہیں ہونا چاہیے میں نے اسے ایک ہزار دینار میں لیا ہے۔ ❷

۲۔ہم نے اسے فنا ہونے والی چیز دی ہے اور اس نے ہماری تعریف کی ہے جو بیان کی جائے گی اور ایسی ستائش کی ہے جو باقی رہے گی:

ایک شاعر نے آپ کی تعریف کی، آپ نے اسے اونٹ، گھوڑے، کپڑے، دراہم اور دنانیر دیے، آپ سے کہا گیا: اس مقدار میں اس کالے کلوٹے کو دے رہے ہیں؟ آپ نے کہا: اگر وہ کالا ہے تو اس کے اشعار سفید ہیں، اپنے اشعار کے بدلے جو کچھ پایا ہے اس سے زیادہ کا وہ حقدار ہے، ہم نے تو اسے فنا ہونے والی چیز دی ہے اور اس نے ہماری تعریف کی ہے جو بیان کی جائے گی، ایسی ستائش کی ہے جو باقی رہے گی، ایک قول کے مطابق یہ معاملہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اور عبیداللہ بن قیس الرقیات کے درمیان کا ہے۔ ❸ نیز انھوں نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے بارے میں درج ذیل اشعار بھی کہے ہیں:

و مـا كـنـت إلا كـالأغـر بـن جعفر
رأی الـمـال لا يـبـقی فأبقی له ذكرا ❹

''اے ابن جعفر! آپ اس معزز شخص کی طرح ہیں جس کا خیال ہے کہ مال باقی رہنے والا نہیں، اس خیال کے باعث اس نے اپنی یاد کو باقی رکھا۔''

❶ تاريخ الإسلام حوادث و وفيات ٦١-٨٠، ص ٣١
❷ سير أعلام النبلاء ٣/ ٤٥٩
❸ الاستيعاب ٣/ ٨٨٢
❹ الإصابة ٤/ ٣٨

نیز یہ بھی انھی کے اشعار ہیں:

نفذت بی الشهباء نحو ابن جعفر

سواء علیها لیلها و نهارها

"اونٹنی نے مجھے رات و دن سفر کر کے ابن جعفر تک پہنچایا۔"

تزور امرأ قد یعلم اللّٰه انه

تجود له کف قلیل غرارها

"ایسے شخص سے ملاقات کرنے پہنچی جس کا دست سخاوت اللہ کے علم میں دھوکہ نہیں دیتا۔"

فو اللّٰه لو لا أن تزور ابن جعفر

لكان قليلا فی دمشق قرارها

"اللہ کی قسم اگر وہ ابن جعفر سے نہ ملاقات کرتی تو دمشق میں بہت کم ٹھہر پاتی۔"

أتيتك أثنی بالذی أنت أهله

علیك كما أثنی علی الروض جارها

"میں آپ کے پاس آ کر آپ کی شایانِ شان تعریف کر رہا ہوں، جیسا کہ خوبصورت باغ کا پڑوسی اس کی تعریف کرتا ہے۔"

ذكرتك إذ فاض الفرات بارضنا

وجلل اعلی الرقتين بحارها

"آپ کی سخاوت کا سیلاب مجھے یاد آیا جب جب دریائے فرات میں سیلاب اور سمندروں میں طوفان آیا ہے۔"

فإن مت لم یوصل صدیق و لم تقم

طریق من المعروف أنت منارها

"آپ کے مر جانے پر نہ تو دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا، اور نہ ہی بھلائی و احسان کا وہ راستہ باقی رہے گا جس کی علامت آپ ہیں۔"

مصعب بن عبداللہ کا قول ہے کہ عبدالملک بن مروان نے کہا: اے ابن قیس تیرے لیے بربادی ہو، ابن جعفر کے بارے میں یہ شعر کہتے ہوئے ذرا نہیں:

اتـت رجـلا قـد يـعـلـم الـلّـه أنّـه

يـجـولـه كف قـلـيـل غـرارهـا

''وہ اونٹنی ایسے شخص کے پاس پہنچی جس کا دستِ سخاوت اللہ کے علم میں دھوکہ نہیں دیتا۔''

تو نے "قد يعلم اللّه" کے بجائے "قد يعلم الناس" کیوں نہیں کہا؟ ابن قیس نے ان سے کہا: اللہ کی قسم یہ چیز اللہ کو معلوم ہے، تمہیں بھی معلوم ہے اور لوگوں کو بھی معلوم ہے۔ ❶

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی تعریف میں شماخ بن ضرار نے کہا:

إنك يـا ابـن جـعـفـر نـعـم الـفـتـى

و نـعـم مـاوى طـارق إذا أتـى ❷

''اے ابن جعفر! آپ کتنے اچھے نوجوان ہیں، اور رات کو آنے والے کے لیے کتنی اچھی پناہ گاہ ہیں۔''

و رب ضيف طـرق الـحـى سـرى

صـادف زادا و حـديـثـا مـا اشـتـهـى ❸

''بہت سے مہمان جو رات میں قبیلے میں پہنچتے ہیں تو وہ من پسند کھانا اور اچھی گفتگو پاتے ہیں۔''

ایک بدوی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا جب کہ انھیں بخار تھا، چنانچہ کہنے لگا:

كـم لـوعة لـلـنـدى و كـم قـلـق

لـلـجـود والـمـكـرمـات من قلقك

''آپ کی پریشانی وتپش کے باعث جود وسخا اور داد ودہش کو کتنی پریشانی وتپش ہے۔''

البسك الـلّـه مـنـه عـافية

فـي نـومك الـمـعـتـرى و فـي أرقك

''سوتے جاگتے ہر حال میں اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے عافیت عطا کرے۔''

أخـرج مـن جـسـمك الـسـقـام كـمـا

أخـرج ذم الـفـعـال مـن عـنـقك

''آپ کی جسمانی بیماری آپ سے دور کردے جس طرح بری عادتوں کو آپ سے دور کردیا ہے۔''

❶ الإصابة ٤/ ٣٨ ❷ تاريخ دمشق ٢٩/ ١٨٥
❸ الإصابة ٤/ ٣٩

چنانچہ آپ نے اسے ایک لاکھ دینار دینے کا حکم صادر کر دیا۔ ❶

ایک دن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سفر میں تھے، آپ کا گزر چند نوجوانوں کے پاس سے ہوا جو ہانڈی میں کچھ پکا رہے تھے، ان میں سے ایک نے آپ کے پاس پہنچ کر کہا:

أقـــول لـــــــه حيـــن ألـــفيتـــــه
عــــليك الســــلام أبـــا جــعـفـــر

''ان سے ملنے پر میں نے کہا: اے ابوجعفر آپ پر سلامتی ہو۔''

چنانچہ انھوں نے رک کر جواب دیا: عليك السلام و رحمة الله، پھر اس نے کہا:

و هـــذی ثيـــابـــی قـــد أخـلـقـــت
و قـــد عـــقّـــنـــی زمـــن مـــنـكـــر

''یہ میرے کپڑے بوسیدہ ہو چکے ہیں، اجنبی زمانے نے مجھ سے تعلق توڑ لیا ہے۔''

کہا: ان کے بدلے میرا یہ ریشمی جوڑا لے لو، یہ تمھاری پریشانی میں کام آئے گا، اس پر اس نے کہا:

فـــأنـــت كـــريـم بـنـــی هـــاشـم
و فـــی البيـــت مـــنهـــا الـذی يـذكـر

''آپ بنو ہاشم کے اچھے آدمی ہیں، اور اس کے مشہور خاندان سے آپ کا تعلق ہے۔''

اس پر آپ نے کہا: ارے بھائی، ایسی ذات تو رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ ❷ ایک شخص نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو ایک رقعہ لکھ کر ان کے گاؤ تکیہ کے نیچے رکھ دیا، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تکیہ کو پلٹا تو رقعہ پر نظر پڑی، پڑھ کر اسی جگہ رکھ دیا، نیز اسی کے ساتھ ایک تھیلی میں پانچ ہزار دینار بھی رکھ دیے، وہ آدمی آپ کے پاس آیا، آپ نے اس سے کہا: گاؤ تکیہ پلٹو، دیکھو اس کے نیچے جو ہے لے لو، چنانچہ وہ تھیلی لے کر یہ کہتے ہوئے جانے لگا:

زاد مـــعـــــروفك عـــنـــدی عـظـــمـــا
أنــــــه عـــــنـــدك مستـــور حـــقيـــر

''آپ کے احسان کی عظمت اس سے بڑھ جاتی ہے کہ وہ آپ کے نزدیک حقیر ہے اور آپ نے اس کا اعلان نہیں کیا ہے۔''

---

❶ تاريخ دمشق ٢٩/ ١٩٤

❷ تاريخ دمشق ٢٩/ ١٩٩

تتناساه كأنه لم تأته
وهو عند الله مشهور كبير ❶

''آپ اس کو اس طرح بھلا دیتے ہیں گویا آپ نے اسے انجام نہیں دیا جب کہ وہ عند اللہ عظیم و معروف ہے۔''

۳۔ زبیر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مابین قرض:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے زبیر کو دس لاکھ قرض دیا، جب ان کی وفات ہوگئی تو زبیر کے بیٹے نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہا: مجھے اپنے والد کے نوشتہ میں ملا ہے کہ ان کا آپ پر دس لاکھ درہم باقی ہے، آپ نے کہا: انھوں نے سچ لکھا ہے، چاہو تو لے لو، پھر جب بعد میں ملاقات ہوئی تو کہا: مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مذکورہ قرض آپ کا ان پر ہے، آپ نے کہا: میں ان کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں، انھوں نے کہا میں ایسا نہیں چاہتا۔ ❷

ابن عساکر کی روایت کے مطابق جب زبیر کے بیٹے نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہا: میں ایسا نہیں چاہتا، تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر چاہو تو میں ان کے حق میں معاف کر دیتا ہوں، اور اگر تم اسے ناپسند کرتے ہو تو تم جتنی مہلت چاہو اتنی مہلت ہے، اگر یہ بھی نہیں چاہتے تو اس کے بدلے ان کا کوئی مال مجھ سے بیچ دو، کہا: میں بیچوں گا، لیکن پہلے قیمت کا تخمینہ کراوں، چنانچہ وہ قیمت کا تخمینہ لگا کر آپ کے پاس آئے اور کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ کے اور میرے علاوہ کوئی دوسرا نہ رہے، ابن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا: حسن وحسین رضی اللہ عنہما رہیں گے جو تمھارے گواہ ہوں گے، انھوں نے کہا: میں چاہتا ہوں کوئی نہ رہے، کہا: چلو، چنانچہ آپ کے ساتھ وہ چل پڑے اور آپ کو ایک بنجر غیرآباد زمین دی، جب خرید وفروخت ہو چکی تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے کہا: اس جگہ مصلیٰ بچھاؤ، چنانچہ اس نے اس زمین کے سخت ترین حصے میں مصلیٰ بچھایا، لمبے سجدوں کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرنے لگے، جب اپنی مطلوبہ دعا کر چکے تو غلام سے کہا: میرے سجدے کی جگہ کھودو، چنانچہ اس نے کھدائی کی تو ایسا چشمہ ملا کہ کھودے ہوئے حصے کو بھر دیا، اس پر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: بیع ختم کر کے زمین مجھے واپس کر دیں، آپ نے کہا: میں نے دعا کی، اللہ نے قبول کر لی، اس لیے میں واپس نہیں کروں گا، چنانچہ آپ کے حصے کی زمین ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس باقی رہ جانے والی زمین سے زیادہ کارآمد ہوگئی۔ ❸

---

❶ تاريخ دمشق ۲۹/ ۱۸۹
❷ تاريخ الإسلام [illegible] وفيات ٦١ ـ ٨٠ هـ، ص ٤٣١
❸ تاريخ دمشق ـ ١٨٧

۴۔ اللہ کی قسم اگر اللہ نے ہم سے اخروی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے تو آپ نے دنیوی نعمت کو پہلے پیش کر دیا ہے:

محمد بن عبید اللہ بن ابوملیکہ سے مروی ہے، وہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ابن ابی عمار (جو ان دنوں اہل حجاز کے فقیہ تھے) ایک غلام فروش کے پاس گئے، اس سے ایک لونڈی دکھانے کے لیے کہا، چنانچہ انھیں ان کے پاس موجود قیمت سے زیادہ قیمتی ایک لونڈی دکھائی، وہ بہت خوبصورت تھی، اس پر فدا ہو گئے، ان کی حالت کافی دگرگوں ہوگئی، غلام فروش اسے تاڑ گیا، چنانچہ خوب زیادہ قیمت بتائی، وہ اس کی یاد میں پاگل ہو گئے، عطاء، طاؤس اور مجاہد ان کے پاس جا کر ملامت کرنے لگے تو جواباً انھوں نے کہا:

يلومني فيك أقوام أجالسهم
فما أبالي أطار اللوم أم وقعا

''تمھارے بارے میں میری ملامت وہ لوگ کرتے ہیں جن کے ساتھ میں اٹھتا بیٹھتا ہوں، مجھے ملامت کی کوئی پروا نہیں۔''

کہتے ہیں اس کی خبر عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو پہنچی، انھوں نے لونڈی کے آقا کو بلا بھیجا، اس سے اس لونڈی کو چالیس ہزار درہم میں خرید لیا، اپنی لونڈیوں کی ذمہ دار کو حکم دیا کہ اس کا بناؤ سنگار کردے، زیورات پہنا دے، اس نے ایسا کیا، آپ مدینہ آئے، لوگ آپ سے ملنے آتے رہے، اہل حجاز کے اکثر لوگ آئے، آپ نے کہا: کیا بات ہے میں ملاقاتیوں میں ابن ابی عمارہ کو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ اس کی خبر انھیں دی گئی، چنانچہ آپ کے پاس آئے، جب جانے کا ارادہ کیا تو انھیں بیٹھ کر کہا: فلاں سے تمھاری محبت نے کیا اثر کیا ہے؟ کہا: اس کی محبت گوشت پوست، ہڈی وخون، دل و دماغ، رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہے، پھر ان سے پوچھا: کیا دیکھ کر اسے پہچان جاؤ گے؟ کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، جب جب تصور کرتا ہوں، اس کا سراپا میری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم جب سے میں اس کا مالک ہوا ہوں، اس کو دیکھا نہیں، اے لونڈی اسے نکال، چنانچہ بہترین لباس اور زیورات زیب تن کیے ہوئے نکلی تو پوچھا: کیا وہ یہی ہے؟ تو وہ کہنے لگے:

هي التي هام قلبي من تذكرها
والنفس مشغولة أيضا بذكراها

''یہی ہے جس کی یاد میں میرا دل دیوانہ ہے، اس کی یاد جان ودل پر چھائی ہوئی ہے۔''

آپ نے کہا: تمھارا معاملہ اس کے ساتھ ہے، اس کو لے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمھیں اس میں برکت عطا کرے،

انھوں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، آپ نے ایسی چیز دے دی جس کے دیے جانے کی اللہ کے علاوہ کسی اور سے امید نہیں تھی، جب اسے لے کر وہ جانے لگے تو کہا: اے غلام! اس کے ساتھ ایک لاکھ درہم بھی دے دو، تاکہ دونوں میں سے کسی کو دوسرے سے کوئی دکھ نہ پہنچے، یہ سن کر ابن ابی عمار کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے، پھر یہ آیت پڑھی:

﴿ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ (الانعام: ۱۲٤)

''اس موقع کو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔''

اللہ کی قسم میں آپ پر قربان جاؤں اگر اللہ نے ہم سے اخروی نعمتوں کا وعدہ کیا ہے تو آپ نے دنیوی نعمت کو پہلے پیش کر دیا ہے۔ [1]

۵۔ جود وسخا میں بنو عذرہ کے بوڑھے ہی نے ہمیں مغلوب کیا:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے غلام بدیح سے مروی ہے، کہتے ہیں: ایک سفر میں میں عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، بادلوں سے بنے ایک خیمے کے پاس ہم نے پڑاؤ ڈالا، خیمہ والا بنو عذرہ کا ایک آدمی تھا، ہم ابھی اس حالت میں تھے کہ ایک بدوی ایک اونٹنی لیے ہوئے ہمارے پاس پہنچا اور کہا: اے لوگو مجھے چھری دو، ہم نے اسے چھری دی، اس نے اسے ذبح کیا اور کہا: اسے لے لو، دوسرے دن بھی ہم ٹھہرے رہے، پھر بنو عذرہ کا وہ بوڑھا دوسری اونٹنی لے کر پہنچا اور کہا: لوگو مجھے چھری دو، ہم نے کہا: ہمارے پاس گوشت ہے، اس نے کہا: کیا میری موجودگی میں آپ لوگ باسی گوشت کھائیں گے؟ ہم نے چھری دی، اس نے ذبح کیا، پھر کہا: اس سے اپنی ضرورت پوری کرو، تیسرے دن بھی ہم رکے رہے، وہی عذری بوڑھا ایک اونٹنی لیے ہمارے پاس پہنچا، کہا: لوگو مجھے چھری دو، ہم نے کہا: تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے پاس گوشت ہے، اس نے کہا: کیا آپ لوگ میری موجودگی میں باسی گوشت کھائیں گے؟ میرے خیال میں آپ لوگ کنجوس ہیں، مجھے چھری دو، اس نے ذبح کیا، پھر کہا: اسے آپ لے لیجیے، جب ہم لوگ کوچ کرنے کی تیاری کرنے لگے تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم سے کہا: تمھارے پاس کیا ہے؟ کہا: کپڑوں کی گٹھری اور چار سو دینار، کہا لے جاؤ اور عذری بوڑھے کو دے آؤ، لے کر گیا تو خیمہ میں ایک لونڈی تھی، اسے مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا: یہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا ہدیہ ہے، اسے لے لو، اس نے جواب دیا: ہم لوگ مہمان نوازی کا بدلہ نہیں قبول کرتے، اس نے عبداللہ بن جعفر کے پاس آکر بتایا، آپ نے کہا: دوبارہ اس کے پاس جاؤ، اگر لے لیتی ہے تو ٹھیک، ورنہ خیمے کے دروازے پر پھینک کر چلے آنا، وہ دوبارہ اس کے پاس گیا، اس نے کہا: اللہ تمھیں برکت دے، چلے جاؤ، ہم مہمان نوازی کا بدلہ قبول نہیں کرتے، اللہ کی

قسم! اگر میرے آقا آ گئے اور تمھیں یہاں دیکھ لیا تو تمھیں ماریں گے بھی، چنانچہ وہ کپڑے کی گٹھڑی اور دینار کی تھیلی خیمے کے دروازے پر پھینک کر چلا آیا، پھر ہم چل پڑے، تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ ایک شخص نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے آ رہا تھا، قریب ہوا تو پتہ چلا کہ یہ وہی عذری بوڑھا ہے، جو کپڑے کی گٹھڑی اور دینار کی تھیلی لیے آ پہنچا ہے، دونوں کو ہماری طرف پھینکا اور مڑ کر جانے لگا، ہم اسے دیکھنے لگے کہ کیا وہ پلٹتا ہے تو ایسا نہیں ہوا، چنانچہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: جود وسخا میں عذری بوڑھے نے ہی ہمیں مغلوب کیا۔ ❶

۶۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات میں نے نہیں سنی:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سفر حج پر نکلے، راستے میں تھے، ان کا ساز وسامان ایک سواری پر آگے چلا گیا تھا، آپ ایک خیمے کے دروازے پر بیٹھی ایک عورت کے پاس پہنچے، سواری سے اتر کر ساتھیوں کو دیکھنے لگے، اس عورت نے جب آپ کو دیکھا تو آپ کے پاس آ کر کہا: میرے یہاں تشریف لایے، اللہ آپ کو نیک لوگوں کی جگہوں میں رکھے، کہتے ہیں کہ آپ کو اس کی بات بہت اچھی لگی، اس کے خیمے پر گئے، اس نے آپ کو چمڑے کا گدا دیا، آپ اس پر بیٹھے، اس نے خیمے کے ایک گوشے میں موجود اپنی بکری کو ذبح کیا، بہت جلد اس کا ایک ٹکڑا بھون کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ کھانے لگے، آپ کے ساتھی آئے، آپ کو دیکھ کر وہ بھی اتر پڑے، بکری کا بقیہ حصہ اس نے پیش کر دیا، سب نے کھایا، نیز اپنے توشہ دان کو بھی نکالا، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب مجھے دن بھر تمھارے کھانے کی ضرورت نہیں، جب کوچ کا ارادہ کیا تو اخراجات کے ذمہ دار اپنے غلام کو بلا کر کہا: اخراجات میں سے تمھارے پاس کچھ ہے؟ کہا: ہاں، کہا: کتنا؟ کہا: ایک ہزار دینار، کہا: پانچ سو اسے دے دو، باقی خرچ کے لیے رکھ لو، چنانچہ وہ دینے لگا، اس نے لینے سے انکار کیا، عبداللہ رضی اللہ عنہما اس سے بات کرتے رہے اور وہ کہتی رہی، اللہ کی قسم میں اپنے شوہر کی ملامت کو ناپسند کرتی ہوں، عبداللہ رضی اللہ عنہ اس سے اصرار کرتے رہے آخر اس نے قبول کر لیا، آپ اور اس کے ساتھی چل پڑے، جلد ہی ایک بدوی اپنے اونٹوں کے ساتھ آتا دکھائی دیا، عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے معاملہ گڑبڑ دکھائی دے رہا ہے، کوئی جا کر معلومات حاصل کر کے ہمارے پاس آئے، چنانچہ ایک شخص لوٹ کر گیا اور اس کے قریب اترا، عورت نے جب بدوی کو آتے دیکھا تو اس کے استقبال میں کھڑی ہو کر کہنے لگی: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اور یہ اشعار پڑھنے لگی:

توسمته لما رأيت مهابة

عليه فقلت: المرء من آل هاشم

''جب میں نے اس کی وجاہت کو دیکھا تو تاڑ گئی اور دل میں کہا کہ یہ شخص بنو ہاشم قبیلے کا ہے۔''

---

❶ تاریخ دمشق ۲۹/ ۱۹۰

و إلا فمن آل المرار فإنهم
ملوك ملوك من ملوك أعاظم

''یا بنو مرار قبیلے کا ہے جو بڑے بڑے بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔''

فقمت إلى عنز بقية أعنز
فأذبحها فعل امرئ غير نادم

''چنانچہ بچی ہوئی بکری کو ذبح کر دیا، اور مجھے اس پر کچھ بھی ندامت و افسوس نہیں۔''

يعوضني منها عنَّانٌ و لم يكن
يساوي لحيم العنز خمس دراهم ❶

''ایک بہت نمایاں شخص نے مجھے اس کا معاوضہ دیا ہے جب کہ بکری کا تھوڑا سا گوشت پانچ درہم کے مساوی بھی نہیں تھا۔''

پھر اس کے سامنے دینار پیش کر کے پورا واقعہ بیان کیا، اس نے کہا: اللہ کی قسم کیا ہی بری مہمان نواز ہو تم، کیا تم نے اپنی مہمان نوازی کو ایسی چیز کے عوض بیچ دیا جو میرے نزدیک پتھر کے برابر ہے؟ جواب دیا: اللہ کی قسم مجھے یہ چیز ناپسند تھی، اور مجھے ملامت کا خوف تھا، کہا: تجھے ملامت کا خوف تھا اور طعنے کا خوف نہیں رہا؟ وہ لوگ کس طرف گئے؟ اس نے راستے کی جانب اشارہ کیا، اور جسے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا اس کے بارے میں کہا: یہ تمھاری مدد کرے گا، چنانچہ اس نے کہا: گھوڑے پر زین کسو، پوچھا: کیا کرو گے؟ کہا؟ میں لوگوں کے پاس جاؤں گا اگر میری مہمان نوازی (بغیر معاوضہ) انھوں نے قبول کر لی تو ٹھیک ورنہ میں ان سے جنگ کروں گا، اس نے کہا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ تم ایسا نہ کرو اور نہ انھیں تکلیف پہنچاؤ، وہ اسے مارتے ہوئے کہنے لگا: کیا تم مہمان نوازی کو ختم کر دینا چاہتی ہو؟ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوا، اور نیزہ لے کر چل پڑا، جسے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا، وہ اس کے ساتھ چلتے رہے اور کہتے رہے: میں نہیں سمجھتا کہ آپ ان لوگوں کو پا سکیں گے، کہا: اللہ کی قسم وہ چاہے جہاں پہنچ جائیں میں ان تک ضرور بالضرور جاؤں گا، جب وہ سمجھ گئے کہ وہ اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں ہے تو کہا: ٹھہرو، میں تمھیں ان لوگوں سے ملاتا ہوں، اور انھیں تمھارے بارے میں بتلاتا ہوں، چنانچہ آگے بڑھ کر اس نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو پورے معاملے کی جانکاری دی، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہنے لگے، اس بدوی عورت کو اسی پریشانی کا ڈر تھا، جب وہ بدوی شخص ان کے قریب پہنچا تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اسے سلام کیا، نیز اس عورت کے اچھے سلوک کی اسے خبر دی، اس نے کہا: میرے خیال میں یہی پوری بات نہیں، آپ اس سے بات

❶ تاريخ دمشق ۲۹/ ۱۹۲

کرتے اور قبول کر لینے پر اصرار کرتے رہے، مگر بدوی واپس کرنے پر مصر رہا، جب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے یہ معاملہ دیکھا تو کہا ہمیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ جو ہم نے دے دیا ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہمیں واپس لوٹا دیا جائے، چنانچہ وہ اٹھا ایک گوشے میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر اٹھا، گھوڑے پر سوار ہوا، اور اپنے تیر و کمان نکال لیے، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: یہ دو رکعت نماز کیسی؟ کہا: میں نے اس میں تم سے لڑنے سے متعلق اپنے رب سے استخارہ کیا ہے۔ پوچھا: تو تمھیں کس چیز کا اشارہ ملا ہے؟ کہا: اچھائی ہی کا اشارہ ملا ہے، الا یہ کہ تم اپنے دنانیر واپس لے لو، اور ہماری مہمان نوازی کو قبول کر لو، جواب میں عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ہم ایسا کریں گے، چنانچہ دنانیر واپس لے لیے گئے، بدوی مڑ کر واپس جانے لگا تو اس سے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم تمھیں (کھانا کا) توشہ نہ دے دیں؟ اس نے کہا: قبیلہ قریب ہے تو کیا کوئی ضرورت ہو سکتی ہے؟ کہا: ہاں، پوچھا: کیا؟ کہا: (توشہ نہ دینے کی صورت میں) تم بیوی سے ہمارے برے سلوک کو بتاؤ گے، اس پر بدوی ہنس پڑا اور مڑ کر واپس چل دیا، اس کے بعد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ کے پاس آئے اور بدوی کا واقعہ بیان کیا تو یزید نے کہا: میں نے اس سے زیادہ تعجب خیز بات نہیں سنی۔ [1]

۷۔ فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا:

ایک عورت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک نوکری میں ایک مرغی لے کر آئی جو ذبح کی ہوئی تھی، اور اس کے پر نکال دیے گئے تھے، آپ سے کہا: میرے باپ آپ پر قربان ہوں، یہ مرغی میری بیٹی کی طرح مجھے بہت محبوب تھی، میں اس کے انڈے کھاتی تھی، اور یہ میری انسیت کا سامان تھی، چنانچہ میں نے قسم کھائی تھی کہ حسب استطاعت سب سے اچھی جگہ میں اس کو دفن کروں گی، اللہ کی قسم آپ کے پیٹ سے اچھی کوئی دوسری جگہ نہیں، آپ نے کہا: اسے لے لو، اور اس کو اتنا گیہوں، اتنی کھجور، اتنے درہم دے دو، آپ نے مختلف چیزیں گنائیں، اس پر اس عورت نے کہا: آپ پر میرے باپ قربان ہوں، اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ [2]

۸۔ مدینہ کی بازار میں آئے ہوئے سامان کا نہ بکنا:

بصرہ کا ایک شخص شکر لے کر مدینہ آیا، شکر بک نہیں رہی تھی، چنانچہ اس نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، آپ نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ وہ خرید کر تقسیم کر دے۔ [3] دوسری روایت کے مطابق لوگوں نے اس آدمی سے کہا: عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ، وہ آپ کے پاس آیا آپ نے اس سے خرید لی اور کہا: جو چاہے لے لے، اس آدمی نے کہا: میں بھی لے لوں؟ آپ نے کہا: لے لو۔ [4]

---

[1] تاریخ دمشق ۲۹/ ۱۹۳

[2] تاریخ الإسلام ۶۱-۸۰ هـ، ص ۴۳۱، ۴۳۲

[3] الطبقات تحقیق السلمی ۲/ ۱۹

[4] تاریخ دمشق ۲۹/ ۱۹۳

۹۔ یزید بن معاویہ کی جانب سے آئے ہوئے مال کو خرچ کر دینا:

یزید بن معاویہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے پاس بطور ہدیہ بہت سارا مال بھیجا، آپ نے اسے اہل مدینہ میں تقسیم کر دیا اور گھر کچھ نہ لے گئے، اس بارے میں عبیداللہ بن قیس الرقیات نے کہا:

و مـا كـنـت إلا كـالأغـر بـن جعفر

رأى الـمـال لا يـبـقى فأبقى له ذكرا ❶

''اے ابن جعفر! آپ اس معزز شخص کی طرح ہیں جس کے خیال میں مال باقی نہیں رہتا، اس خیال کے باعث اس نے اپنی یاد کو باقی رکھا۔''

جس وقت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما یزید کے پاس آئے تو اس نے آپ کو بیس لاکھ دینے کا حکم دیا، امام ذہبی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: یہ کوئی بڑی چیز نہیں، یہ دنیاوی بادشاہ کا انعام ہے اور یہ انعام ایسے شخص کے لیے تھا جو خلافت کا اس سے زیادہ حقدار تھا۔ ❷

۱۰۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے لیے ایک بدوی کی دعا:

ایک بدوی نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کی: اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی مصیبت میں نہ مبتلا کرے جس پر آپ صبر نہ کر سکیں اور نہ آپ کو ایسی نعمت سے نوازے جس کا آپ شکر نہ ادا کر سکیں۔ ❸

۱۱۔ وہ میرا مال تھا جس میں میں نے فیاضی کی:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو بھاؤ میں ایک درہم کم کراتے دیکھا گیا تو ان سے کہا گیا: آپ ایک درہم کم کرانے میں لگے ہیں جب کہ آپ اتنا اتنا مال خرچ کر دیتے ہیں، آپ نے کہا: وہ میرا مال تھا اس میں میں نے فیاضی کی، یہ میری عقل ہے جس کی وجہ سے میں بخیل بن رہا ہوں۔ ❹

۱۲۔ یہ ایسے آدمی ہیں جو چاہتے ہیں کہ لوگ بخیل ہو جائیں، احسان کی بارش کرتے رہو:

بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے یہ شعر پڑھا:

إن الـصـنـيـعـة لا تـكـون ضيـعـة

حتـى يـصـاب بـهـا طـريق المقنع

''احسان نفع بخش نہیں ہو سکتا، تا آنکہ اطمینان بخش جگہ پر کیا جائے۔''

اس پر محمد بن عبداللہ مہرانی نے کہا: یہ ایسے آدمی ہیں جو چاہتے ہیں کہ لوگ بخیل ہو جائیں، احسان کی بارش

❶ الإصابة ٤/ ٣٨ ❷ سير أعلام النبلاء ٣/ ٤٥٧

❸ تاريخ دمشق ٢٩/ ٢٠١ ❹ تاريخ دمشق ٢٩/ ٢٠١

کرتے رہو، اگر احسان مناسب جگہ پہنچا تو یہی تمھاری چاہت ہے ورنہ تمھاری جانب لوٹ آئے گا۔ ❶

۱۳۔ حقیقت میں فیاض وسخی وہ ہے جو بے مانگے دے:

ذوالجناحین عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا: مانگنے کے بعد جو دیتا ہے وہ حقیقت میں فیاض وسخی نہیں، اس لیے کہ جو سائل کو اپنے چہرے کی بشاشت اور اچھی گفتگو سے نوازتا ہے اس کی یہ نوازش سائل کو عطیہ دینے والے کے عطیہ سے بہتر ہوتی ہے، حقیقت میں فیاض وسخی تو وہ ہوتا ہے جو بغیر مانگے دے۔ ❷

۱۴۔ ہم احسان کی قیمت نہیں لیتے:

ایک جاگیردار نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے درخواست کی کہ اس کی ایک ضرورت سے متعلق امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے یہاں سفارش کر دیں، چنانچہ آپ نے سفارش کر دی اور اس کی ضرورت پوری ہوگئی، جاگیردار نے آپ کے پاس چالیس ہزار درہم بھیج دیے، لوگوں نے بتایا کہ اس جاگیردار نے اپنا قاصد بھیجا ہے، آپ نے قاصد سے کہا: جا کر اسے بتا دو کہ ہم اہل بیت احسان کو نہیں بیچتے۔ دوسری روایت کے مطابق ہم احسان کی قیمت نہیں لیتے۔ ❸

۱۵۔ وہ اور دوسرے لوگ ان کے مال میں شریک تھے:

معاویہ بن عبداللہ بن جعفر سے پوچھا گیا: عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی سخاوت کس قدر تھی؟ کہا: لوگوں کو چھوڑ کر ان کے پاس کچھ نہیں تھا، وہ اور دوسرے لوگ ان کے مال میں شریک تھے، جو آپ سے مانگتا اسے دیتے، جو آپ سے کوئی چیز طلب کرتا اسے آپ وہ چیز دے دیتے، ان کے خیال میں دینے سے کم نہیں ہوتا کہ وہ نہ دیں، اور نہ ہی وہ آئندہ کی ضروریات کے لیے ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔ ❹

معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے معاملات:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ معاویہ اور عبدالملک کے پاس جاتے تھے، آپ عظیم الشان، معزز، سخی اور امام وقت تھے۔ ❺ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کے تعلقات بہت اچھے اور مضبوط تھے، حتیٰ کہ اپنے ایک بچے کا نام آپ نے معاویہ رکھا، ابان بن تغلب سے مروی ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہر سال آیا کرتے تھے، آپ انھیں ایک لاکھ درہم دیتے تھے، جس سے وہ اپنی ضرورت پوری کرتے تھے۔ ❻

---

❶ تاريخ دمشق ۲۹/ ۲۰۱ ❷ تاريخ دمشق ۲۹/ ۲۰۰
❸ تاريخ دمشق ۲۹/ ۱۸٦، ۱۸۷
❹ تاريخ دمشق ۲۹/ ۱۹۸ ❺ سير أعلام النبلاء ۳/ ٤٥٨
❻ سير أعلام النبلاء ۳/ ٤٥٩

تاریخ و ادب کی کتابوں میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابن جعفر رضی اللہ عنہ سے متعلق بہت سے واقعات مذکور ہیں جو صحیح نہیں ہیں، انھی میں سے وہ واقعہ ہے جسے یحییٰ بن سعید بن دینار نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ایک رات دمشق میں ''خضراء'' نامی معاویہ رضی اللہ عنہ کے محل میں انھی کے ساتھ تھے، اسی وقت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک رنجیدہ کرنے والا خط پہنچا جس سے وہ رنجیدہ ہوگئے، اسے زمین پر پھینک کر کہا: ابوتراب (علی رضی اللہ عنہ) کے بیٹے سے مجھے کون انصاف دلائے گا؟ اللہ کی قسم جی میں آتا ہے کہ میں ان کی ایسی تیسی کردوں، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما ان کی ہاں میں ہاں ملاتے اور خوشامد کرتے رہے تا آنکہ اٹھ کر چلے گئے، میری نگاہ دونوں پر تھی، جب اپنے گھر پہنچے، سواری طلب کی، بیٹھے اور اسی وقت مدینہ کی جانب روانہ ہوگئے، معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی فاختہ بنت قرظہ کے پاس رنجیدہ حالت میں پہنچے اور کہا: اس رات میں نے ابن جعفر کے ساتھ کیا کردیا، میرا سلوک ان کے ساتھ اچھا نہیں رہا، آپ کے چچازاد بھائی کے بارے میں آپ کو کچھ ناپسندیدہ باتیں سنادی ہیں، ہم سے آپ کی محبت اور دوستی نے آپ کو ایسا ہی کرنے سے روک دیا، یہ سن کر بیوی نے کہا: آپ نے بہت غلط کیا، آپ نے بہت برا کیا، چنانچہ رنجیدہ حالت میں جاگتے رہے، بار بار اپنے کیے کو یاد کرتے اور ان کو نیند نہیں آتی، تا آنکہ رات کا پچھلا پہر ہوگیا، وہ اٹھے، وضو کیا اور کہا: میں ہی ان کو نیند سے بیدار کروں گا، چنانچہ وہ آپ کے پاس گئے، دیکھا گھر میں کوئی نہیں ہے، آپ کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ آپ کے پاس سے آتے ہی مدینہ کے لیے روانہ ہوگئے، آپ کی تلاش میں لوگوں کو بھیجا اور کہا: اگر وہ مل جائیں تو انہیں واپس لے آؤ، چاہے اپنے گھر میں داخل ہو چکے ہوں، بالآخر آپ کو واپس لایا گیا، معاویہ رضی اللہ عنہ رات والے معاملے پر آپ سے معذرت کرنے لگے اور کہا: جاتے ہوئے آپ کا گزر ہماری جن جن چیزوں سے ہوا ہے، ان سب کو میں نے آپ کے لیے ہبہ کردیا، آپ کا گزر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت سارے اونٹوں اور بکریوں پر ہوا تھا، انھوں نے سب کے بارے میں حکم دے دیا اور آپ نے وہ سب لے لیا اور دل کی رنجش ختم ہوگئی۔ ❶

یہ واقعہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے، یحییٰ بن سعید بن دینار سعدی، واقدی کے استاد ہیں اور مجہول ہیں۔ ❷ یہ واقعہ بطور مثال ہے، ورنہ دوسرے بہت سارے واقعات ہیں۔

تاریخ و ادب کی کتابوں میں معاویہ و عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے مابین شعری مقابلوں کے تذکرے موجود ہیں، مثلاً یونس بن میسرہ سے مروی ہے کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو تنگ حالی لاحق ہوگئی ہے تو ان کے پاس دو شعر لکھ کر بھیجے:

❶ الطبقات تحقیق السلمی ۲/ ۱۹، ۲۰، اس کی سند ضعیف اور منقطع ہے۔

❷ الطبقات تحقیق السلمی ۲/ ۱۹

لمال المرء یصلحه فیغنی

مفاقره أعف من القنوع

''آدمی اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے تو وہ اس کے اسبابِ غربت کو ختم کرتا ہے اور وہ از حد سوال سے بچنے والا ہوتا ہے۔''

یسد به نوائب تعتریه

من الأیام کالنهر الشروع

''اسی کے ذریعہ سے بہتے دریا کی طرح مسلسل پیش آنے والی زمانے کی گردشوں کا مقابلہ کرتا ہے۔''

ان کے پاس لکھا کہ وہ میانہ روی اختیار کریں، اس کی ترغیب دلائی، سفر سے روکا اور اسے معیوب قرار دیا، چنانچہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے درج ذیل اشعار سے جواب دیا:

سلی الطارق المعتر یا أم خالد

إذا ما أتانی بین ناری و مجزری

''اے ام خالد! رات میں آنے والے تنگ حال لوگوں سے پوچھو جب وہ کھانا تیار ہونے کے وقت میرے پاس آتے ہیں۔''

أأبسط وجهی أنه أول القری

و أبذل معروفی بهم دون منکری

''کیا میں خندہ پیشانی سے ان کا استقبال نہیں کرتا کہ یہ پہلی میزبانی ہے؟ اور ان کے ساتھ بھلائی میں تم سے سبقت لے جاتا ہوں۔''

و قد أشتری عرضی بمالی و ماعسی

أخوك إذا ما ضیع العرض یشتری

''مال سے اپنی عزت کو باقی رکھتا ہوں اور جب عزت چلی جاتی ہے تو اسے خریدا نہیں جا سکتا۔''

یؤدی إلی اللیل إتیان ماجد

کریم و مالی سارح مال مقتر

''رات میں معزز مہمان آتے ہیں، اور مجھ جیسے تنگدست کا مال خرچ ہوتا ہے۔''

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اور گانا سننا:

ادب و تاریخ کی بہت ساری کتابوں میں ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما گانا سنتے اور گانے والی لونڈیوں میں

مشغول رہتے تھے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے اور نہ ہی اس کا صحیح ثبوت ہے، کچھ ضعیف روایتیں ہیں، چنانچہ مدینہ میں رہنے والے قبیلۂ قریش کے بوڑھوں کی ایک جماعت سے ابن عساکر نے ایک طویل روایت نقل کی ہے، جس میں گانے والی ''عمارۃ'' کا ذکر ہے، اور یہ کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اس پر حد درجہ فریفتہ تھے۔ ❶ ابن کثیر نے اس قصے کو صیغۂ تمریض ''قیل'' کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ❷ ابوعمر بن عبدالبر نے نقل کیا ہے:

''اور کہا جاتا ہے.......... کہ وہ گانا سننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔'' ❸

امام ذہبی نے اس سلسلے میں کوئی معتمد سند نہیں ذکر کی ہے۔ ❹

چنانچہ اس طرح کے اقوال بے بنیاد و بے اصل ہیں، اس لیے میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ وہ گانے والی لونڈیوں کے گانے سنتے تھے، اور ان سے عشق و محبت کرتے تھے، جیسا کہ جھوٹی روایتیں اشارہ کرتی ہیں۔

ان کی وفات:

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی وفات ۸۰ھ میں ہوئی، اس سال کو ''عام الجُحَاف'' کہا جاتا ہے، ❺ اس لیے کہ اس سال ایسا سیلاب آیا تھا جو مکہ کی ہر چیز بہا لے گیا، وادی مکہ سے حاجیوں، لدے لدائے اونٹوں، مردوں اور عورتوں کو بہا لے گیا، کوئی انھیں بچا نہیں سکا۔ پانی ''حجون'' ❻ تک پہنچ گیا، بہت سی مخلوق ڈوب گئی، ایک روایت کے مطابق سیلاب اس قدر بڑھا کہ قریب تھا کہ خانۂ کعبہ کو ڈبو دے۔ ❼

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کی وفات ۸۴ھ یا ۸۵ھ میں ہوئی، اور اس وقت آپ کی عمر اسّی سال تھی۔ ابن عبدالبر نے ۸۰ھ میں آپ کی وفات کو راجح قرار دیا ہے۔ عبدالملک بن مروان کی جانب سے مدینہ کے گورنر ابان بن عثمان نے صلاۃِ جنازہ پڑھائی۔ ❽ ان کی قبر کے پاس درج ذیل دونوں شعر لکھے گئے:

مقيم إلى أن يبعث الله خلقه
لقاؤك لا يرجى و أنت قريب

---

❶ تاریخ دمشق ۲۹/ ۱۹۵
❷ البداية والنهاية ۱۲/ ۳۰۱
❸ الاستيعاب ۳/ ۸۸۱
❹ سير أعلام النبلاء ۳/ ٤٦٢
❺ الطبقات بتحقيق السلمي ، ۲/ ۲۵
❻ الحجون: مکہ کے بالائی حصہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔ معجم البلدان ۲/ ۲۱۵
❼ البداية والنهاية ۱۲/ ۲۹٦
❽ الاستيعاب ۳/ ۸۸۱

''تا قیامت آپ یہیں رہیں گے، قریب ہونے کے باوجود آپ سے ملاقات نہیں ہوگی۔''

تــزیــد بــلــی فــی کــل یــوم و لیــلة
و تُــنســی کــمــا تبــلــی و أنت حبیب ❶

''ہر دن آپ کی بوسیدگی میں اضافہ ہوگا، آپ محبوب ہونے کے باوجود جیسے بوسیدہ ہوں گے بھلا دیے جائیں گے۔''

---

❶ تاریخ دمشق ۲۸/ ۲۰٤

(۴)

جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی مصالحت

حسن رضی اللہ عنہ کے لیے عام بیعت انجام پائی، آپ کے ہاتھوں پر آپ کے والد کے ساتھ رہنے والے گورنروں اور ان تمام لوگوں نے بیعت کی جنھوں نے آپ کے والد کے لیے بیعت کی تھی۔ آپ نے بحیثیت خلیفہ ذمہ داریوں کو سنبھالا، گورنروں اور حاکموں کو مقرر کیا، فوجیوں کو منظم کیا، عطیات تقسیم کیے، مجاہدوں کے عطیات میں سو سو کا اضافہ کیا، جس سے آپ کو ان کی خوشنودی حاصل ہوگئی۔ ❶

آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک خونریز جنگ چھیڑ سکتے تھے، سیاسی، فوجی، اخلاقی اور دینی حیثیت سے آپ کی منفرد شخصیت اس سلسلے میں آپ کی معاون ثابت ہوتی، ساتھ ہی ساتھ دوسرے اسباب وعوامل بھی معاون ہوتے جیسے قیس بن سعد بن عبادہ، حاتم بن عدی طائی وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے جرنیلوں کا موجود ہونا، جو فوجی قیادت کی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے، ان سب کے باوجود حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے امن وامان اور صلح ومصالحت کو ترجیح دی تاکہ خونریزی سے بچاؤ، امت کا اتحاد، دنیاوی حکومت سے بے رغبتی، اللہ کی رضا اور ان جیسے دوسرے مقاصد (جن کی تفصیل آرہی ہے) حاصل ہوسکیں۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مصالحت کے منصوبے کو آگے بڑھایا جس کے نتیجے میں امت متحد ہوگئی، معاملے کی باگ ڈور آپ کے اور آپ کے مؤیدین کے ہاتھوں ہی میں رہی، صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ کی فوجی طاقت مضبوط تھی، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس بات کو اپنے اس قول میں بیان کیا ہے:

((إِنِّیْ لَأَرَی کَتَائِبَ لَاتَوَلّٰی حَتّٰی تَقْتُلَ أَقْرَانُهَا .)) ❷

''بلاشبہ میں ایسی فوجوں کو دیکھ رہا ہوں جو اپنے دشمنوں کو قتل کیے بغیر واپس ہونے والی نہیں ہیں۔''

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

((کَانَتْ جَمَاجِمُ الْعَرَبِ بِیَدِیْ تُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُ وَ تُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُ)) ❸

''عرب سردار میری مٹھی میں تھے، میں جن سے جنگ کرتا ان سے جنگ کرتے، جن سے صلح کرتا ان

❶ تاریخ العراق فی ظل الحکم الأموی ص ۸۷، مقاتل الطالبیین۔ ص ٥٥

❷ صحیح البخاری کتاب الصلح حدیث نمبر ٢٧٠٤

❸ المستدرک، ۳/ ۱۷۰

سے صلح کرتے۔''

اگر حسن رضی اللہ عنہ کا رعب و دبدبہ نہ ہوتا تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان سے گفتگو کرنے اور ان کے شرائط و مطالبات کو مان لینے کی ضرورت نہ ہوتی، جاسوسوں کے ذریعہ سے ان کی کمزوری اور طاقت وقوت کا فقدان معلوم ہو جاتا، کسی سے گفتگو اور اس کے شرائط و مطالبات کو تسلیم کیے بغیر کوفہ پر قبضہ کر لیتے، بلاشبہ حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف معاویہ رضی اللہ عنہ کو طاقت وقوت کی برتری حاصل تھی، تو کیا اسی سبب سے حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی تھی؟ ❶

ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس سلسلے میں ''منہاج السنۃ'' میں فرماتے ہیں:

''ان لوگوں کی طرح جنھوں نے اپنے اعوان و انصار کی قلت کے باوجود دشمنوں سے جنگیں لڑیں، حسن رضی اللہ عنہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑ سکتے تھے، اگرچہ ان کے ساتھی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے کم تھے، لیکن حسن رضی اللہ عنہ اختلاف و انتشار اور فتنہ کو سخت ناپسند کرتے تھے اور امن و امان اور مصالحت کو ترجیح دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے امت کا اختلاف ختم کر کے انھیں متحد کر دیا۔'' ❷

آپ کا نظریہ نہایت واضح مصالحت کا تھا جو مختلف اسباب و عوامل کے باعث اور مختلف مراحل میں انجام پائی، رکاوٹیں دور ہو گئیں، شرائط لکھی گئیں اور اس کے بہت سارے نتائج برآمد ہوئے، اس مصالحت کا شمار ہمیشہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے قابلِ فخر کارناموں میں ہوگا۔ ڈاکٹر خالد الغیث حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کرنے میں حسن رضی اللہ عنہ کی حیثیت جمعِ قرآن میں عثمان رضی اللہ عنہ کی سی اور حروب ردہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سی ہے۔'' ❸

حسن رضی اللہ عنہ کا یہ کارنامہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اس پر صراحت کے ساتھ وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے امام بخاری نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے نقل کیا ہے:

((قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ ، وَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى جَنْبِهِ وَ هُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَ عَلَيْهِ أُخْرَى وَ يَقُوْلُ: إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ .)) ❹

---

❶ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین بطفیلة ص ٦٠، ٦١

❷ منهاج السنة ٤/ ٥٣٦، دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین، ص ٦١

❸ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری، خالد الغیث ص ١٣٤

❹ صحیح البخاری حدیث نمبر ٧١٠٩

"فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا، حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) آپ کے بغل میں تھے، آپ ایک مرتبہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تو دوسری بار ان کی طرف، آپ فرما رہے تھے، میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین مصالحت کرائے گا۔"

بلا شبہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت اسلامی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے، اس کی اس عظمت کے بہت سارے اسباب ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

۲۔ اس مصالحت کے نتیجہ میں مسلمان خونریزی سے بچ گئے، اور کئی سالوں کے اختلاف و انتشار کے بعد ایک حاکم پر متفق ہو گئے۔

۳۔ مسلمانوں کے مابین مصالحت کی خاطر حسن رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے قوت کے باوجود بغیر کسی دباؤ کے منصب خلافت سے تنازل کر کے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا۔

۴۔ آپ خلفاء علیٰ منہاج النبوۃ میں سے آخری خلیفہ تھے۔

ان اور ان جیسے دوسرے اسباب کے باعث عقیدہ و حدیث، تاریخ و ادب وغیرہ کی کتابیں حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کی خبروں سے بھری پڑی ہیں، ان کتابوں بالخصوص تاریخ طبری کو پڑھنے والا آسانی سے اندازہ کر سکتا ہے کہ مصالحت کی روایتیں کتنی زیادہ اور باہم متضاد ہیں، صحیح وضعیف باہم خلط ملط ہیں، ساتھ ہی ساتھ اسے یہ معلوم ہوگا کہ ان کتابوں نے واقعات کی تاریخی ترتیب کی رعایت نہیں کی ہے جب کہ واقعات کے سمجھنے میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ [1]

محترم ڈاکٹر خالد الغیث نے بڑی محنت سے ان کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے، ان سے صحیح روایتوں کو اخذ کر کے مصالحت کے واقعات کی تاریخی ترتیب میں انھی پر اعتماد کیا ہے، ساتھ ہی واقعات کی تفصیلات کو مکمل کرنے کے لیے صحیح روایات کے موافق بعض ضعیف روایات سے بھی استفادہ کیا ہے، جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب "مرویات خلافۃ معاویۃ فی تاریخ الطبری" میں اپنا منہج بیان کیا ہے۔ [2] ان کی اس بہترین کوشش اور مصالحت کے واقعات کی انوکھی ترتیب اور عمدہ تسلسل سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

---

[1] مرویات خلافۃ معاویۃ فی تاریخ الطبری ص ۱۲۵

[2] مرویات خلافۃ معاویۃ فی تاریخ الطبری ص ۱۲۵

مصالحت کے اہم مراحل

پہلا مرحلہ:

حسن رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے مابین صلح کرائے، اس مبارک دعا نے حسن رضی اللہ عنہ کو پورے اعتماد اور عزم مصمم کے ساتھ اس مصالحت پر آمادہ کر دیا، [1] چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ .)) [2]

''میرا یہ لڑکا سردار ہے اور توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے۔''

حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محض پیشین گوئی نہیں تھی کہ اسے حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان سنیں اور دوسری پیشین گوئیوں کی طرح اس کی تصدیق کریں، بلکہ وہ ان کی شاہراہ حیات، افعال و کردار کی جہت متعین کرنے والی بات تھی، جو ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکی تھی، ان کے جذبات و خیالات پر حاوی تھی، ان کے گوشت پوست میں سرایت کر چکی تھی، آپ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت تصور کرتے تھے، آپ کے نانا جب یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کر رہے تھے، تو آپ نے ان کے چہرے پر خوشی کے آثار اور آنکھوں میں چمک دیکھی تھی، چنانچہ آپ نے اس وصیت کو اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد اور مستقبل کا اعلیٰ ترین آئیڈیل سمجھا۔

اس پیشین گوئی کے اثرات آپ کی حرکات و سکنات میں نمایاں تھے، یہاں تک کہ والد بزرگوار کے ساتھ ان کی گفتگو میں بھی، جن سے آپ ویسی ہی محبت کرتے تھے جیسا کہ فرماں بردار بچے اپنے ان عظیم والدین سے کرتے ہیں، جنھیں خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ نے مختلف صلاحیتوں اور فضائل و مناقب سے نوازا ہو، آپ ایک بیٹے اور صحابی کی حیثیت سے ان فضائل و مناقب کو اچھی طرح جانتے تھے اور اپنے والد کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد آپ نے اپنے والد علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا تھا کہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر کہیں چلے جائیں تاکہ عربوں کے دور کے سینے ختم ہو جائیں اور ان سے کہا تھا:

---

[1] مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۲۵

[2] صحیح البخاری حدیث نمبر ۷۱۰۹

''اگر آپ گھر کے بل میں بھی ہوں گے تو وہ لوگ آپ کو ڈھونڈ نکالیں گے اور آپ کے لیے خود بخود بیعت کریں گے۔''

جب علی رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے جنگ اور اس کی تیاری کا عزم کیا اور اپنے فرماں برداروں کے تعاون سے نافرمانوں سے جنگ کے ارادے سے مدینہ سے نکلے تو آپ کے پاس حسن رضی اللہ عنہ آئے اور کہا:

((یَا أَبَتِ دَعْ هٰذَا فَإِنَّ فِیْهِ سَفْكَ دِمَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ وُقُوْعَ الْاِخْتِلَافِ بَیْنَهُمْ)) ❶

''اے والد محترم! اس عزم کو ترک کر دیں، اس سے مسلمانوں کا خون بہے گا اور ان کے مابین اختلاف وانتشار بڑھے گا۔''

لیکن علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کا مشورہ نہیں مانا، آپ کی رائے تھی کہ لوگوں کو فتنے میں نہ چھوڑا جائے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جائے، معاملے کو ٹھیک کیا جائے، حق کو اہل حق تک پہنچایا جائے، ہر ایک کی اپنی رائے ہوتی ہے۔ ❷ یہاں علی رضی اللہ عنہ کی رائے درست تھی۔

حسن رضی اللہ عنہ کی اسلامی تربیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ تربیت کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ وہ ایک جلیل القدر سردار ہوئے، سرداری زبردستی، خونریزی، مال کے ضیاع اور محترم چیزوں کے احترام کی پامالی سے نہیں ملتی، بلکہ ان کی حفاظت اور آپس کی عداوت ودشمنی کو ختم کر کے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ مصالحت اور مسلمانوں کی خونریزی کو روک کر آپ نے سرداری کا اعلیٰ مقام حاصل کر لیا جسے کوئی بھی بزور بازو حاصل نہیں کر سکتا۔

حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لی، جب کہ آپ کے ساتھ ہزاروں لوگ تھے، ان میں کچھ تو لالچی اور غیر مخلص تھے، لیکن اکثریت وفادار اور مخلص تھی، لیکن آپ نے چاہا کہ آپ کی وجہ سے اس سلسلے میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہے اور نہ ہی کوئی مسلمان زخمی ہو، اگر قوموں کی سرداری ان کی حفاظت، بچاؤ اور ترقی کے لیے نہ ہو تو وہ سراسر اندھی سرکشی، احمقانہ ناعاقبت اندیشی اور خطرات مول لینا ہے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی، ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، ایسا کرنے والے اللہ کے غضب اور تاریخ کی لعنت کا شکار ہوتے ہیں، دنیاداری، سرداری اور حکومت کی لالچ کے نتیجے ہی میں ہمیشہ انسانوں کے خون بہتے رہے ہیں۔ ❸

حسن رضی اللہ عنہ کو دنیا، حکومت اور سرداری کی کوئی رغبت نہیں تھی، اگر آپ کو رغبت ہوتی تو آپ سالہا سال کی خونریز جنگ چھیڑ سکتے تھے، لیکن آپ کی نگاہ آخرت پر تھی، امت محمدیہ کو خوں ریزی سے بچانا چاہتے تھے، حسن

---

❶ البدایة والنهایة ۷/ ۲۲۹، ۲۳۰، نقلا عن المرتضی للندوی، ص ۱۹۸

❷ المرتضی للندوی ص ۱۹۸

❸ الدوحة النبویة الشریفة ص ۹٤

بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حسن رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو ناحق ان کے سبب کچھ بھی خون نہیں بہا، ❶ آپ اس کا صراحت سے اظہار کرتے اور اس پر فخر کرتے تھے، نبوی وصیت کی تنفیذ اور ایمانی تربیت کی راہ پر چلنے کو عزت افزائی کا سبب سمجھتے تھے۔'' ❷

اللہ تعالیٰ نے حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اہل عراق اور ساری امت کے مابین صلح کرائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کا شمار حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کیا ہے، اگر ترک خلافت اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کے بجائے جنگ ہی مطلوب ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب فعل کے ترک اور غیر مطلوب فعل کو انجام دینے نیز افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کام کو کرنے پر آپ کی تعریف نہ کرتے، معلوم ہوا کہ حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت ہی اللہ اور اس کے رسول کو پسند تھی نہ کہ جنگ۔ ❸

دوسرا مرحلہ:

اہل عراق کی بیعت کو قبول کرنے کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کی بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ لوگ ان لوگوں سے صلح کریں گے جن سے وہ صلح کریں گے، اور جن سے وہ جنگ کریں گے ان سے وہ لوگ بھی جنگ کریں گے، ❹ چنانچہ میمون بن مہران سے مروی ہے کہتے ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے بعد اہل عراق سے دو باتوں کی بیعت لی، خلافت کی اور اس بات کی کہ وہ وہی کریں گے جو وہ کریں گے اور جس پر وہ راضی ہو جائیں گے اس پر وہ لوگ بھی راضی ہو جائیں گے۔ ❺

خالد بن مضرب کے طریق سے مروی ایک دوسری روایت ہے کہتے ہیں: میں نے حسن رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا اللہ کی قسم! میں تم سے اپنی اس بات پر بیعت لوں گا، لوگوں نے پوچھا: وہ کون سی بات ہے؟ آپ نے فرمایا: میں جن سے صلح کروں گا ان سے تم صلح کرو گے اور جن سے میں جنگ کروں گا ان سے تم جنگ کرو گے۔ ❻

دونوں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لیے خلیفہ بنائے جانے سے پہلے ہی مصالحت کی پختہ نیت کر چکے تھے۔ ❼

حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی شرط سے عراقیوں کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ مصالحت کا معاملہ قابل بحث و

---

❶ دلائل النبوة للبیهقی ٦/ ٤٤٣، الدوحة النبویة الشریفة، ص ٩٥

❷ الدوحة النبویة الشریفة ص ٩٥ ❸ الفتاوی ٢٨/ ٣٠٠

❹ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ١٥٦

❺ الطبقات تحقیق السلمی ١/ ٣١٦، ٣١٧، اس کی سند حسن ہے۔

❻ الطبقات تحقیق السلمی ١/ ٣٨٦، ٣٨٧، اس کی سند صحیح ہے۔

❼ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ١١١

مناقشہ ہے، اس شرط میں جنگ کے مقابل صلح ہی کا متعین ارادہ نہیں ہے، بلکہ اس میں دونوں چیزیں شامل ہیں اگرچہ صلح کی جانب خاص اشارہ ہے، اس سے آپ کی عبقریت، حسنِ قیادت اور معاملات میں مہارت کا پتہ چلتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر آپ نے خلافت کو قبول کرلیا تھا۔

تیسرا مرحلہ:

خلیفہ بنائے جانے کے بعد جلد ہی جب آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ کو جان سے مارنے کی پہلی کوشش کی گئی، اس کی جانب درج ذیل روایتیں اشارہ کرتی ہیں:

ابو جمیلہ کے طریق سے ابن سعد نے "الطبقات" میں نقل کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک شخص آپ پر جھپٹ پڑا، اور خنجر سے وار کردیا جب کہ آپ سجدے میں تھے، حصین بن عبدالرحمٰن سلمی کے خیال کے مطابق حملہ کرنے والا بنو اسد کا آدمی تھا، حصین کہتے ہیں کہ میرے چچا وہاں موجود تھے، کہتے ہیں کہ خنجر آپ کے کولھے پر لگا جس سے آپ کئی مہینہ بیمار رہ کر شفایاب ہوئے، پھر منبر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے عراقیو! ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو، ہم تمھارے خلیفہ اور مہمان ہیں، ہم وہ اہل بیت ہیں جن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾

(الاحزاب: ۳۳)

"اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کردے اور تمھیں خوب پاک کردے۔"

راوی کہتے ہیں کہ آپ یہی بات دہراتے رہے تا آنکہ مسجد میں موجود ہر شخص سسک سسک کر رونے لگا۔ [1]

ابن سعد نے "الطبقات" میں ہلال بن یساف کے طریق سے نقل کیا ہے کہتے ہیں: میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ کہہ رہے تھے: اے اہل کوفہ! ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو، ہم تمھارے خلیفہ اور مہمان ہیں، ہم وہ اہل بیت ہیں جن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾

(الاحزاب: ۳۳)

"اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کردے اور تمھیں خوب پاک کردے۔"

---

[1] الطبقات تحقیق السلمی ۱/ ۳۲۳

راوی کہتے ہیں: اس دن سے زیادہ روتے ہوئے میں نے آپ کو کسی دن نہیں دیکھا۔ ❶

چوتھا مرحلہ:

حسن رضی اللہ عنہ کا عراقی فوج کو کوفہ سے لے کر مدائن تک جانا اور وہاں سے مقدمۃ الجیش (جسے شرطة الخميس کہا جاتا تھا) کو قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کی قیادت میں آگے مقام ''مسکن'' تک بھیجنا، ابن سعد نے ''الطبقات'' میں شعبی کے طریق سے جو روایت نقل کی ہے وہ اسی جانب اشارہ کرتی ہے کہتے ہیں: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد اہل عراق نے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کی، پھر آپ سے کہا: ان لوگوں پر چڑھائی کیجیے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے، گناہِ عظیم کا ارتکاب کیا ہے، لوگوں پر ظلم و زیادتی کی ہے، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں مغلوب کر دے گا، چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ نے اہل شام پر چڑھائی کر دی، اور بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل مقدمۃ الجیش کا قائد قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو مقرر کیا۔ ❷

مذکورہ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ عراق نے حسن رضی اللہ عنہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اہل شام سے جنگ کے لیے نکلنے پر زبردستی آمادہ کیا، ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی جانب اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے:

> ''حسن رضی اللہ عنہ کی کسی سے بھی جنگ کی نیت نہیں تھی، لیکن ان لوگوں نے آپ کو اپنی رائے ترک کرنے پر زبردستی آمادہ کیا، چنانچہ انھوں نے ایک بہت بڑا اجتماع کیا، حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل مقدمۃ الجیش کا امیر قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، اور انھیں پہلے بھیجا، انھی کے پیچھے بلاد شام پر چڑھائی کرنے کے لیے فوجوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے، جب مدائن پہنچے تو وہاں پڑاؤ کیا اور مقدمۃ الجیش کو آگے بھیج دیا۔'' ❸

حسن رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی ہوشیاری کا ثبوت دیا جس سے آپ کی ذہنی وسعت، تدبیر اور بصیرت کا پتہ چلتا ہے، وہ ہوشیاری یہ تھی کہ شروع ہی سے اہل عراق پر یہ ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتے تھے کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت اور خلافت انھی کے حوالے کر دینا چاہتے ہیں. اس لیے کہ آپ بغیر سوچے سمجھے ان کے کسی معاملے میں دخل انداز ہونے سے واقف تھے، چنانچہ آپ نے چاہا کہ انھی کے تصرفات سے ان کے بارے میں اپنی رائے کی سچائی اور اپنی نیت و ارادے کی صحت پر دلیل فراہم کر دیں، اس لیے معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے کوچ کرنے پر ان کی موافقت کی اور فوج کو تیار کیا۔ ❹

---

❶ الطبقات تحقیق السلمی ۱/ ۳۸۱، اس کی سند صحیح ہے۔

❷ الطبقات تحقیق السلمی ۱/ ۳۱۹-۳۲۱، اس کی سند لاباس بہ ہے۔

❸ البدایة والنهایة ۱۱/ ۱۳۲

❹ العالم الاسلامی فی العصر الاموی، د. عبد الشافی محمد ص ۱۰۱

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا کوفہ سے مدائن کی جانب کوچ ڈاکٹر خالد الغیث کی ترجیح کے مطابق صفر ۴۱ھ میں انجام پایا۔ ❶

پانچواں مرحلہ:

کوفہ سے مدائن کی جانب حسن رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی کی خبر سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شام سے نکل پڑے، اس سلسلے میں ابن سعد "الطبقات" میں فرماتے ہیں:

''حسن رضی اللہ عنہ سے جنگ کے ارادے سے معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کو لے کر نکل پڑے تا آنکہ ''جسر منبج'' نامی گاؤں کے پاس پڑاؤ کیا۔''

مزید فرماتے ہیں:

''پھر ''جسر منبج'' سے مقام ''مسکن'' تک کا سفر پانچ دن میں طے کیا اور چھٹے دن داخل ہوئے۔'' ❷

حسن رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی کی خبر سننے کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی میں قدرے تاخیر ہوئی، سبب یہ تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس قاتلانہ حملہ میں شدید زخمی ہو گئے تھے، جس کا ارتکاب برک بن عبداللہ تمیمی نامی خارجی شخص نے کیا تھا، جب آپ صلاۃ فجر کے لیے نکلے تھے، یہ حملہ بھی اسی دن فجر کے وقت ہوا تھا جس دن علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا، صحیح قول کے مطابق یہ ۱۷رمضان ۴۰ھ جمعہ کے دن فجر کا وقت تھا۔ ❸ جندب کے طریق سے خلال نے جو روایت نقل کی ہے اس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے زخم کی شدت کو بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں:

''ہم ایک قافلے میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، سعد رضی اللہ عنہ ٹھہرے اور میں بھی، میں نے آپ کے ٹھہرنے کو غنیمت جانا، میں آپ کے ساتھ ساتھ پیدل چلنے لگا، میں نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد کہا: معاویہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی کر دیے گئے ہیں، میرے خیال میں وہ زخم شاید ان کا کام تمام کر دے، اور بلاشبہ خوارج بقیہ اصحاب شوریٰ و صحابہ کرام کو قتل کرنا چاہتے ہیں، اس لیے اگر آپ خلیفہ بنائے جائیں تو میں آپ کو اللہ کا واسطہ دلاتا ہوں کہ آپ نہ تو ان میں اختلاف و انتشار پیدا ہونے دیں گے اور نہ ہی ہلاکت و بربادی کی جانب دعوت دیں گے۔''

چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''اللہ کی قسم! نہ تو میں ان میں اختلاف و انتشار پیدا ہونے دوں گا اور نہ ہی ہلاکت و بربادی کی

---

❶ مرویات خلافۃ معاویۃ فی تاریخ الطبری ص ۱۳۰

❷ الطبقات، تحقیق السلمی ۱/ ۳۲۳

❸ البدایۃ والنہایۃ ۱۱/ ۱۳۱

جانب دعوت دوں گا، تا آنکہ لوگ تلوار لے کر آئیں اور کہیں: یہ مومن ہے اس کو چھوڑ دیجیے، اور یہ کافر ہے اس کو قتل کر دیجیے۔'' ❶

حسن رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے کہ عراقیوں میں سے کسی نے بآواز بلند اعلان کر دیا کہ قیس (رضی اللہ عنہ) قتل کر دیے گئے، نتیجتاً فوج میں افراتفری پھیل گئی، اہل عراق میں عدم ثبات کی فطرت عود کر آئی، حسن رضی اللہ عنہ کے خیمے پر ہلہ بول دیا، سارا سامان لوٹ لیا حتیٰ کہ جس چادر پر بیٹھے تھے اسے بھی چھین لیا اور آپ کو زخمی بھی کر دیا۔

یہاں ایک نہایت اہم اور معنی خیز واقعہ پیش آیا، علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدائن کے گورنر سعد بن مسعود ثقفی تھے، ان کے پاس ان کا بھتیجا مختار بن ابی عبید بن مسعود آیا جو اس وقت نو جوان تھا، ان سے کہا: کیا آپ مالدار اور اچھے مقام و مرتبہ والے بننا چاہتے ہیں؟ کہا: کیسے؟ کہا: حسن رضی اللہ عنہ کو قید کر لیں اور اس کے بدلے معاویہ رضی اللہ عنہ سے امن حاصل کر لیں، چچا نے سخت جواب دیا: تم پر اللہ کی لعنت ہو، کیا میں نواسۂ رسول کے خلاف جرأت کر کے انھیں قید کر سکتا ہوں؟ تم بہت ہی برے آدمی ہو۔ ❷

حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھیوں کا سلوک دیکھ کر یہ یقین ہو گیا کہ ان سے کسی فائدے اور مدد کی توقع نہیں کی جا سکتی، شروع ہی سے یہی بات آپ کے دل و دماغ میں تھی، چنانچہ اسی کے باعث صلح کی جانب آپ کے قدم اور بڑھے اور اس سے مزید قریب ہو گئے۔

چھٹا مرحلہ:

حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ایلچیوں کا آنا جانا، اور دونوں کے مابین صلح ہو جانا، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں امت مسلمہ کی تاریخ کے ان مشکل ترین لمحات کو ذکر کیا ہے جب شامی اور عراقی فوجیں آمنے سامنے ہوئی تھیں۔ چنانچہ حسن بصری کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے، کہتے ہیں: اللہ کی قسم پہاڑوں کے برابر فوجی دستوں کو لے کر حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا سامنا کیا، اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسے فوجی دستوں کو دیکھ رہا ہوں جو اپنے مدِ مقابل کا کام تمام کر کے ہی واپس جائیں گے، ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ (جو دونوں میں بہتر تھے) نے کہا: اے عمرو! اگر یہ لوگ ان کو اور وہ ان کو قتل کر دیں گے تو لوگوں کے معاملات، ان کی عورتوں اور بچوں کا کون ذمہ دار ہوگا؟ چنانچہ قریش کے دو آدمیوں عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو ایلچی بنا کر بھیجتے ہوئے کہا: اس آدمی کے پاس جاؤ، ان کے کچھ مطالبات تسلیم کر لینے اور اپنے کچھ مطالبات منوانے سے متعلق گفتگو کرو، چنانچہ دونوں آپ کے پاس گئے، گفتگو کی، دونوں سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم بنو عبدالمطلب اس

---

❶ السنۃ للخلال، تحقیق د. الزہرانی ص ٤٧٤، ٤٧٥، اس کی سند صحیح ہے۔

❷ تاریخ الطبری ٥/ ١٥٩ نقلا عن العالم الاسلامی فی العصر الأموی ص ١٠١

انجام سے آگاہ ہو چکے ہیں، امت اپنے خون میں لت پت ہو چکی ہے۔ دونوں نے کہا: وہ (معاویہ رضی اللہ عنہ) آپ کے کچھ مطالبات تسلیم کر لینا اور اپنے کچھ مطالبات منوانا چاہتے ہیں، آپ نے کہا: میرے لیے اس کی ضمانت کون لے گا؟ دونوں نے کہا: ❶ ہم، چناں چہ جس چیز کی ان دونوں سے ضمانت طلب کی وہ اس کی ضمانت کے لیے تیار ہو گئے، اس طرح آپ نے ان (معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ صلح کر لی۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا تھا، آپ کے بغل میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے، آپ ایک بار لوگوں کی جانب متوجہ ہوتے تھے اور دوسری بار ان کی جانب، اور کہہ رہے تھے:

> ''میرا یہ لاڈلا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے مابین صلح کرائے۔'' ❷

صلح کی اس مذکورہ حدیث سے مستنبط درج ذیل فوائد کو حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے:

۱۔ اس واقعے میں نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے فضائل میں سے ایک فضیلت ہے، آپ نے دنیاوی حکومت کو چھوڑ دیا، قلت تعداد، کمزوری یا کسی اور سبب سے نہیں بلکہ مسلمانوں کو خونریزی سے بچا کر اللہ کے پاس موجود نعمتوں کے لالچ کے سبب، آپ نے دین اور امت مسلمہ دونوں کی مصلحت کی رعایت کی۔

۳۔ خوارج جو علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نیز معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو کافر قرار دیتے تھے اس روایت میں ان کی تردید ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کے بارے میں مسلمان ہونے کی شہادت دی ہے۔

۴۔ اس روایت میں لوگوں کے مابین صلح کی فضیلت ہے خصوصاً جب اس کے نتیجے میں مسلمان خونریزی سے بچ جائیں۔

۵۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ رعایا پر مہربان اور مسلمانوں پر شفیق تھے، آپ میں حکمرانی کی اعلیٰ صلاحیت تھی اور نتائج و عواقب پر آپ کی گہری نظر تھی۔

۶۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول خلیفہ بن سکتا ہے، اس لیے کہ حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں خلیفہ ہوئے، جب کہ سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما باحیات تھے جو بدری صحابہ ہیں۔

❶ فتح الباری، ۱۳/ ۶۹، ۷۰

❷ صحیح البخاری حدیث نمبر ۷۱۰۹

۷۔ اس واقعے میں اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ مسلمانوں کی بھلائی کی خاطر اپنے آپ کو خلافت سے الگ کرسکتا ہے، مال کے عوض دینی و دنیاوی منصب سے تنازل جائز ہے، اس سلسلے میں مال لیا اور دیا جاسکتا ہے، ان شرطوں کے ساتھ کہ جس کے لیے تنازل کیا جارہا ہو وہ تنازل کرنے والے سے بہتر ہو، نیز یہ کہ دیا جانے والا مال شخصی ملکیت کا ہو، اور اگر معاملہ عام ولایت یعنی خلافت کا ہو اور دیا جانے والا مال بیت المال کا ہو تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس میں مصلحت عام ہو۔ ❶

جیسا کہ صلح سے متعلق ابن سعد نے درج ذیل روایت نقل کی ہے جو امام بخاریؒ کی روایت سے کم اہم نہیں ہے بلکہ اسی کا تکملہ سمجھی جاتی ہے اور وہ عمرو بن دینار کے طریق سے منقول ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ فتنے کو سب سے زیادہ ناپسند کرنے والے تھے، جب علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایلچی بھیج کر، خفیہ طور پر اپنے اور ان کے درمیان اختلافات کو ختم کرلیا، اور حسن رضی اللہ عنہ سے یہ عہد لینا چاہا کہ اگر ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آتا ہے اور وہ زندہ رہتے ہیں تو اپنے بعد خلافت کے لیے ان کا نام پیش کریں، اور معاملہ انھی کے حوالے کردیں گے، جب حسن رضی اللہ عنہ نے اس عہد کی توثیق کردی تو ابن جعفر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم میں حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا، اٹھنے لگا تو میرا کپڑا کھینچتے ہوئے کہا: ارے بھائی بیٹھو، بٹھایا تو میں بیٹھ گیا، کہنے لگے: میں نے ایک رائے قائم کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اس میں میری موافقت کرو، میں نے پوچھا: وہ کون سی رائے ہے؟ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ میں مدینہ جاکر وہیں قیام کرلوں اور یہ معاملہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے چھوڑ دوں، فتنہ بہت طویل ہوچکا، بہت خونریزیاں ہوچکیں، بہت سارے رشتے ناتے ٹوٹ چکے، بہت ساری راہیں مسدود ہوچکیں، سرحدیں بے حفاظت ہوچکیں۔ ابن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا: امت محمدیہ کی جانب سے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ہم اس رائے میں آپ کے ساتھ ہیں، حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: حسین کو بلاؤ، انھیں بلایا گیا وہ آئے تو ان سے کہا: اے برادرِ محترم! میری ایک رائے ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اس میں میری موافقت کرو، پوچھا: کون سی رائے ہے؟ تو ان سے وہی بات کہی تو ابن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہی تھی، حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ آپ کو اس بات سے پناہ میں رکھے، کہ آپ علی (جو قبر میں مدفون ہیں) کی تکذیب اور معاویہ کی تصدیق کریں، اس پر حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم تم میرے ہر ارادے کی مخالفت کرتے ہو، اللہ کی قسم جی میں آتا ہے کہ تمھیں ایک گھر میں اس وقت تک کے لیے بند کردوں جب تک میں اپنے معاملے کا فیصلہ نہ کردوں۔ راوی کہتے ہیں: جب حسین رضی اللہ عنہ آپ کے غصہ کو بھانپ گئے تو کہا: آپ والدِ محترم کے بڑے بیٹے ہیں، ہمارا معاملہ آپ کے تابع ہے آپ کی سمجھ میں جو آئے کیجیے۔ ❷

---

❶ فتح الباری ۱۳/ ۷۱، ۷۲ ❷ الطبقات تحقیق السلمی ۱/ ۳۳۰، ۳۳۱

امام بخاری اور ابن سعد دونوں کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ سے رابطہ کرنے اور صلح کی پیشکش کرنے میں پہل کرنے والے معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ❶

صلح کی جانب پہل کرنے والے حسن رضی اللہ عنہ تھے یا معاویہ رضی اللہ عنہ؟

کوئی پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ صلح کی جانب پہل کرنے والے حسن رضی اللہ عنہ تھے (جن کے بارے میں صلح سے متعلق حدیث رسول وارد ہے، جو قریب تھا کہ پہلے قاتلانہ حملہ میں قتل کر دیے جاتے، اس حملہ کا سبب وہ شرط تھی جو آپ نے اہلِ عراق سے بیعت لینے میں لگائی تھی اور اسی سے آپ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کی نیت کا پتہ چلتا تھا) یا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صلح کی چاہت دونوں کے یہاں تھی، حسن رضی اللہ عنہ بیعت کے ابتدائی لمحات ہی سے صلح کے لیے کوشاں تھے اور اس کے لیے منصوبہ بندی کر رہے تھے، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس صلح کی تکمیل کر دی جس کی ابتدا حسن رضی اللہ عنہ نے کی تھی، اس طرح دونوں میں سے ہر ایک کا عمل دوسرے کے عمل کو مکمل کرنے والا تھا۔ ❷ صلح سے متعلق کوشش میں حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ زیادہ تھا۔

ساتواں مرحلہ:...... حسن رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کی دوسری کوشش:

حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح کے مذاکرات کامیاب ہو جانے کے بعد حسن رضی اللہ عنہ صلح کو مان لینے کے لیے اپنے لوگوں کو تیار کرنے لگے، ان کے درمیان تقریر کرنے لگے تاکہ انھیں اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین طے ہونے والی باتوں سے آگاہ کریں، تقریر کے دوران ہی میں آپ کے بعض فوجیوں نے قتل کے ارادے سے آپ پر حملہ کر دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کی طرح اس بار بھی بچایا۔ بلاذری حسن رضی اللہ عنہ کی تقریر اور قاتلانہ حملے کو ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''مجھے امید ہے کہ میں لوگوں کا سب سے زیادہ خیرخواہ ہوں، مجھے نہ کسی سے کینہ ہے اور نہ ہی حسد، نہ کسی کے لیے مصیبت چاہتا ہوں اور نہ ہی برائی، اجتماعیت میں جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو وہ تمھارے لیے اس چیز سے بہتر ہے جسے تم اختلاف میں پسند کرتے ہو، میں تمھارے لیے تم سے زیادہ بہتر سوچنے والا ہوں، تم میری مخالفت نہ کرو، اور نہ ہی میری بات کا انکار کرو، اللہ میری اور تمھاری بخشش کرے۔ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! انھوں نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مصالحت کا پختہ ارادہ کر لیا ہے، وہ کمزور ہیں اور ہمت ہار چکے ہیں، وہ سب آپ کے خیمے

---

❶ مرویات خلافۃ معاویۃ فی تاریخ الطبری ص ۱۳۸

❷ مرویات خلافۃ معاویۃ فی تاریخ الطبری ص ۱٤۱

میں گھس گئے، آپ کے نیچے سے مصلی کھینچ لیا، آپ کے کپڑے لوٹ لیے، پھر عبدالرحمن بن عبداللہ بن ابوجعال ازدی آپ کی جانب بڑھا، آپ کی چادر کو گردن سے کھینچ لیا آپ صرف تلوار لٹکائے ہوئے دکھائی دینے لگے، جس سے آپ کے ہوش اڑ گئے، پھر آپ کا ہوش کام کرنے لگا، چنانچہ آپ گھوڑے پر سوار ہوکر لوگوں میں گھومنے لگے، بعض آپ کو عاجز اور کمزور کر رہے تھے اور بعض دوسرے انھیں آپ سے دور کر رہے تھے اور ہٹا رہے تھے، بنونصر بن قعین کے قبیلہ بنواسد بن خزیمہ کا جراح بن سنان نامی شخص جو خوارج میں سے تھا جا کر ''مظلم ساباط'' نامی مقام پر آپ کی گھات میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا، جب وہاں سے حسن رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو اس نے آپ کی سواری سے قریب ہوکر نکیل پکڑ لی، پھر اپنے ساتھ موجود پھاوڑا نکال کر کہا: اے حسن تم نے شرک کیا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے تمھارے باپ نے شرک کیا ہے، پھر پھاوڑے سے ران پر حملہ کر دیا، قریب تھا کہ زخم ہڈی تک پہنچ جائے، حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے چہرے پر مارا، پھر دونوں ایک دوسرے سے الجھ گئے اور زمین پر گر پڑے، عبداللہ بن فضل طائی نے کود کر جراح کے ہاتھ سے پھاوڑا چھین لیا، ظبیان بن عمارہ تمیمی نے اس کی ناک کاٹ لی، اینٹ کا ایک ٹکڑا لے کر اس کے چہرے اور سر کو کچل دیا، جس سے وہ مر گیا، اور حسن رضی اللہ عنہ کو مدائن لے جایا گیا ... پھر سعد بن مسعود نے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے طبیب مہیا کرایا جو آپ کی دیکھ بھال کرتا رہا تا آنکہ آپ شفایاب ہوگئے، پھر آپ کو مدائن کے قصر ابیض میں منتقل کر دیا۔'' ❶

مذکورہ تقریر کے سلسلے میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت سے پہلے ابوحنیفہ دینوری اور بلاذری کے یہاں اس تقریر کا وجود ملتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی فوج کے وصف سے متعلق صحیح بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی فوج میں کافی قوت اور مضبوطی تھی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مدائن میں جب عراقی فوج شامی فوج کے مدمقابل تھی تو وہ مادی اور معنوی اعتبار سے بہت بہتر حالت میں تھی، اس کی حالت حسن رضی اللہ عنہ کی مذکورہ تقریر کے بعد بگڑ گئی تھی، اور اس کے بعد عراقی فوج میں شامی فوج سے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہی، اس لیے حقیقت سے قریب تر بات یہی ہے کہ عراقی اور شامی فوجوں کے باہم ٹکرانے اور حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کے بعد ہی حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے سامنے تقریر کی تھی۔ ❷

---

❶ الأنساب للبلاذری مخطوطة نقلا عن مرویات خلافة معاویة ص ۱۴۲

❷ الطبقات، السلمی، ص ۱/ ۳۱۷

نیز حسن رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر اپنے ساتھیوں کو، اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ہونے والی مصالحت سے باخبر کرنے کی تمہید تھی، درج ذیل روایتیں اس بات کو واضح کرتی ہیں:

ابن سعد نے ریاح بن حارث کے طریق سے نقل کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''ہر آنے والی چیز قریب ہوتی ہے، لوگ اگرچہ ناپسند کریں، اللہ کا فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے، اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ میں امت کی کوئی ایسی ادنیٰ ذمہ داری قبول کروں جس میں خون کا کوئی قطرہ بہایا جائے، مجھے اپنا نفع ونقصان معلوم ہے، اس لیے تم لوگ اپنی راہ لو۔''❶

کوئی اعتراض کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس روایت کا تعلق تو کوفہ سے معلوم ہوتا ہے مدائن سے نہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسی روایت کو ریاح بن حارث کے طریق اور صحیح سند سے نقل کیا ہے اس میں الفاظ اس طرح ہیں:

((إِنَّ النَّاسَ اجْتَمَعُوْا إِلَى الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ فِي الْمَدَائِنِ ...))❷

''لوگ مدائن میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس اکٹھا ہوئے۔''

پھر ابن سعد کی بقیہ روایت ذکر کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ تقریر مدائن میں کی گئی، نیز یہ بھی راجح ہے کہ یہ تقریر حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کے بعد کی گئی تھی، اس لیے کہ اس تقریر سے متعلق انھی باتوں کا ذکر ملتا ہے جنھیں حسن رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے متعلق ذکر کیا جاتا ہے جسے بلاذری نے نقل کیا ہے، بلکہ یہ تقریر بلاذری کی نقل کردہ تقریر کا ایک جز ہے، جس سے حسن رضی اللہ عنہ کی فوج میں اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔

فوج میں جو کچھ ہوا اس پر حسن رضی اللہ عنہ کا موقف کیا رہا؟ اس جانب وہ روایت اشارہ کرتی ہے جسے ابن سعد نے ہلال بن خباب کے طریق سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ نے قصر مدائن میں اپنے اہم ساتھیوں کو جمع کر کے کہا: اے اہلِ عراق! میں تمھاری تین باتیں نہیں بھول سکتا، میرے والد کو قتل کرنا، میری ران کی جڑ پر حملہ کر کے شدید زخمی کر دینا، میرے مال واسباب کو لوٹ لینا، بلاشبہ تم لوگوں نے مجھ سے بیعت کی ہے کہ میں جس سے صلح کروں گا اس سے تم صلح کرو گے اور جس سے میں جنگ کروں گا اس سے تم جنگ کرو گے، میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی ہے اس لیے ان کی بات سنو اور مانو۔ راوی کہتے ہیں: پھر آپ منبر سے اترے اور قصر میں داخل ہو گئے۔❸

---

❶ مرويات خلافة معاوية ص ١٤٢ ❷ فضائل الصحابة ٢/ ٧٧٣

❸ الطبقات، السلمي، ص ١/ ٣٢٤

ا۔ صلح سے متعلق شرطة الخميس کا رویہ:

صلح سے متعلق شرطة الخميس (جو مسکن کی جانب بھیجا جانے والا عراقی مقدمة الجیش تھا) کے رویہ کو وہ روایت واضح کرتی ہے جسے امام حاکم نے ابوا لغریف کے طریق سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہم بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل حسن رضی اللہ عنہ کے مقدمة الجیش میں تھے، اہل شام سے جنگ کے لیے ہماری تلواریں از حد تیز تھیں، ہمارے قائد ابوعمرطہ عمیر بن یزید کندی تھے، جب حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کی خبر ہم تک پہنچی تو ایسا محسوس ہو کہ غیظ وغضب سے ہماری کمر ٹوٹ گئی ہو، حسن رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو ہم میں سے ابوعامر سفیان بن لیل نے ان کے پاس جاکر کہا:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ .))

''اے مومنوں کو رسوا کرنے والے تم پر سلامتی ہو۔''

یہ سن کر حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعامر! ایسا نہ کہو، میں نے مومنوں کو رسوا نہیں کیا ہے، بلکہ حکمرانی کی خواہش میں میں نے ان کے قتل کو ناپسند کیا ہے۔ [1]

لگتا ہے کہ ابوعمرطہ مقدمة الجیش کے کسی گروپ کا امیر تھا، اسی میں ابوالغریف تھا اس لیے کہ یہ ثابت ہے کہ مقدمة الجیش کے عمومی قائد قیس بن سعد رضی اللہ عنہما تھے۔

صحیح روایات میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا، کہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مقدمة الجیش میں موجود تھے، اس سے اس زمانے میں عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عراق میں موجود ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔ [2] ان باطل وموضوع روایات کا کوئی اعتبار نہیں جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مالی رشوتیں مل جانے کے باعث عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیانت کی تھی۔

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے شروع میں صلح کو تسلیم نہیں کیا تھا، اور اپنے ماتحتوں کو لے کر الگ ہو گئے تھے، پھر منجانب اللہ آپ کو شرح صدر حاصل ہو گیا اور صلح کو تسلیم کر کے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی، مصالحت کی خبر آنے پر قیس رضی اللہ عنہ کا کیا رویہ تھا؟ اسے درج ذیل روایتیں واضح کرتی ہیں:

حبیب بن ابی ثابت کے طریق سے ابن عساکر نے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت کا پیغام بھیجا، اور اس کی خبر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو دی، تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت فوجیوں میں کھڑے ہو کر انھیں خطاب کیا: اے لوگو! تمہارے لیے دو باتوں میں سے ایک ضروری ہے، فتنہ

---

[1] المستدرك ۳/ ۱۷۵

[2] مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبري ص: ۱۱۲

میں داخل ہونا یا بغیر حاکم کے جنگ کرنا، لوگوں نے پوچھا: کیا مطلب؟ انھوں نے کہا کہ حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر چکے ہیں، چنانچہ لوگوں نے لوٹ کر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ ❶

مذکورہ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مقدمۃ الجیش کے بہت سارے لوگوں نے صلح کی خبر کو سنتے ہی صلح کو قبول کرلیا، لیکن اس میں ان کے قائد قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے صلح کو قبول کر لینے کا ذکر نہیں ہے، اس کی جانب ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مقدمۃ الجیش کے امیر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت وفرمانبرداری قبول کرلیں، قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے انکار کردیا، انھوں نے دونوں کی اطاعت وفرمانبرداری کو ترک کردی، اور اپنے ماتحتوں کو لے کر الگ ہوگئے، پھر معاملے پر غور کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ ❷

اسی طرح صلح سے متعلق قیس بن سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کے موقف کے بارے میں ابن ابی شیبہ گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ہاشم بن عروہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: قیس بن سعد رضی اللہ عنہ، حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے مقدمۃ الجیش کے امیر تھے، ان کے ساتھ پانچ ہزار فوجیوں نے علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اپنا سر منڈوالیا، اور موت پر باہمی معاہدہ کیا، جب حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کرلی تو قیس رضی اللہ عنہ نے انکار کردیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا: جو تم چاہو گے میں وہی کروں گا، اگر تم چاہو تو تمھیں لے کر جنگ کروں تا آنکہ ہم میں پہلے مرنے والا مرجائے، اور اگر چاہو تو میں تمھارے لیے امان حاصل کروں، انھوں نے کہا: آپ ہمارے لیے امان لے لیں، چنانچہ انھوں نے ان کے لیے امان لے لی، اور یہ کہ انھیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی، اپنے لیے کچھ نہیں لیا۔ جب مدینہ کی جانب کوچ کیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر چلے تو ان کے لیے روزانہ اونٹ ذبح کیا تا آنکہ مدینہ پہنچ گئے۔'' ❸

مذکورہ روایت میں - باوجودیکہ اس میں واقعات کے تسلسل میں تقدیم وتاخیر ہے - اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل مقدمۃ الجیش میں سے کتنے لوگوں نے قیس رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا تھا۔ ❹

❶ المطالب العلیة ٤/ ٣١٧-٣١٩، اس کی سند صحیح ہے۔
❷ البدایة والنہایة ٨/ ١٦
❸ مصنف ابن أبی شیبة ٧/ ٤٧٢
❹ البدایة والنہایة ٨/ ١٦

۲۔ صلح سے متعلق علی رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ گورنروں کے رویے:

اس سلسلے میں ان گورنروں کے رویے مختلف اور متضاد تھے، بعض نے اسے قبول کرلیا، بعض نے ناپسند کیا، ذیل میں ان کے رویوں کا ذکر ہے:

أ: صلح کو قبول کرنے اور اسے بہتر سمجھنے کا رویہ، اس میں سرفہرست عبید اللہ بن جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ تھے۔

ب: پہلے انکار پھر قبول کرنے کا رویہ، اس میں سرفہرست قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ج: ایک تیسرا فریق تھا جس نے صلح کو ناپسند کرتے ہوئے اسے قبول کیا تھا، اس میں دو گروہ تھے۔ ایک گروہ یہ سمجھ رہا تھا کہ صلح پر عمل صرف حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی تک ضروری ہے، ان کے نمائندہ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ تھے، دوسرا گروہ یہ سمجھ رہا تھا کہ صلح پر عمل معاویہ و حسن رضی اللہ عنہما دونوں کی زندگی تک یا ان میں سے جو بھی بعد میں انتقال کرتا ہے، اس کے انتقال تک ضروری ہے، ان کے نمائندہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما تھے۔

آٹھواں مرحلہ:

حسن رضی اللہ عنہ کی فوج میں جو فتنہ پیدا ہوا منجانب اللہ اس سے نجات اور مدائن چھوڑ کر کوفہ آجانے کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کا خلافت چھوڑ کر اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کردینا۔

بلاذری حسن رضی اللہ عنہ کے سفرِ کوفہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: جب حسن رضی اللہ عنہ نے مدائن سے کوفہ کا سفر کرنا چاہا تو آپ کے پاس ابن عامر اور ابن سمرہ رضی اللہ عنہما صلح کی دستاویز لے کر آئے جس میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے مطالبات کو تسلیم کیا تھا، اس موقع پر آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ایسا ہوسکتا ہے کہ تمھیں کوئی چیز ناپسند ہو اور من جانب اللہ تمھارے لیے اس میں بہت ساری بھلائیاں مقدر ہوں، پھر کوفہ کی جانب چل پڑے۔ ❶ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ مسکن سے نخیلہ نامی مقام کی جانب چل پڑے، اس سلسلے میں بلاذری کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ مسکن سے کوفہ کی جانب چل پڑے، نخیلہ اور دار الرزق کے مابین پڑاؤ کیا۔ ❷ پھر حسن رضی اللہ عنہ کوفہ سے نخیلہ آئے تاکہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرکے معاملہ ان کے حوالے کردیں۔

مجالد ❸ شعبی ❹ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: مقام نخیلہ میں جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو میں وہاں موجود تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب یہ بات طے ہوگئی تو آپ کھڑے ہوکر لوگوں کو بتادیں کہ

---

❶ أنساب الاشراف مخطوط ہے، اسی سے مرویات خلافۃ معاویۃ ص ۱۵۰ میں منقول ہے۔

❷ أنساب الاشراف نقلا عن مرویات خلافۃ معاویۃ ص ۱۵۰

❸ مجالد بن سعید ہمدانی متکلم فیہ ہیں۔

❹ عامر شعبی ثقہ ہیں۔

اس امر خلافت کو آپ نے میرے حوالے کر دیا ہے، غالبا سفیان کے الفاظ ہیں: لوگوں کو اس امر خلافت کے بارے میں بتا دیں جسے آپ نے میرے لیے چھوڑ دیا ہے، چنانچہ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ شعبی کہتے ہیں اور میں سن رہا تھا۔ پھر فرمایا: سب سے ذہین متقی ہوتا ہے اور سب سے احمق نافرمان ہوتا ہے، یہ امر خلافت جس میں میرا اور معاویہ کا اختلاف تھا، اگر میں اس کا مستحق تھا تو امت کی خونریزی روکنے اور اس کی بھلائی کی خاطر میں اسے معاویہ کے لیے چھوڑ دیتا ہوں یا کوئی دوسرا اس کا زیادہ مستحق تھا تو میں اس کو اس کا حق دیتا ہوں۔

﴿وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ﴾ ❶ (الانبیاء: ۱۱۱)

''مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے یہ تمھاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ (پہنچانا) ہے۔''

طبرانی کی طرح اس روایت کو شعبی کے طریق سے ابن سعد ❷، حاکم ❸، ابونعیم اصفہانی ❹، بیہقی ❺ اور ابن عبدالبر ❻ نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح بیعت کی روایت کو احمد بن حنبل نے انس بن سیرین کے طریق سے نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں: جس دن حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی فرمایا: جابلص اور جابلق ❼ کے مابین میرے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جس کے نانا نبی ہوں، میں نے امت محمدیہ کا اتحاد چاہا ہے، اور میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، بلاشبہ میں نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے بیعت کر لی ہے، مجھے معلوم نہیں، ممکن ہے یہ تمھاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک فائدہ پہنچانا ہو۔ ❽

عمرو بن دینار کے طریق سے ابن سعد نے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے: حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! میں اس معاملے کے ابتدائی حصے کو سب سے زیادہ ناپسند کرنے والا تھا، اور اس کے آخری حصے کی میں نے اصلاح کر دی ہے، حق والے کو جو اس کا زیادہ مستحق تھا میں نے حق دے دیا، یا وہ میرا حق تھا، جسے میں نے امت محمدیہ کی بھلائی کے لیے قربان کر دیا ہے، اے معاویہ! اللہ تعالیٰ نے کسی بھلائی یا برائی کے لیے (جسے وہی جانتا ہے) آپ کو خلافت عطا کی ہے:

﴿وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ﴾ (الانبیاء: ۱۱۱)

---

❶ المعجم الکبیر ۳/ ۲٦۔ اس کی سند حسن ہے۔

❷ الطبقات ۱/ ۳۲۹ ❸ المستدرك ۳/ ۱۷۵

❹ حلیة الاولیاء ۲/ ۳۷ ❺ دلائل النبوۃ ٦/ ٤٤٤

❻ الاستیعاب ۱/ ۳۸۸، ۳۸۹ ❼ جابلص اور جابلق دو شہر ہیں، ایک مشرق میں ہے دوسرا مغرب میں۔

❽ فضائل الصحابة ۲/ ۷٦۹، اس کی سند صحیح ہے۔

"مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے یہ تمھاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک کا فائدہ (پہنچانا) ہو۔"
پھر آپ منبر سے اتر گئے۔

لیکن وہ روایت جو اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ جب حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی تو عمرو بن عاص اور ابواعور سلمی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ حسن (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیں کہ وہ منبر پر چڑھ کر تقریر کریں اور وہ تقریر نہیں کر پائیں گے اس طرح لوگ ان سے بیزار ہو جائیں گے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا نہ کرو، اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ ان کی زبان اور ہونٹوں کو اپنی زبان سے چاٹ رہے تھے، اور ایسی زبان اور ہونٹ گفتگو سے عاجز نہیں ہو سکتے، جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاٹا ہو، لیکن وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات نہیں مانے، چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی.........

یہ روایت متن اور سند دونوں اعتبار سے باطل ہے، اس کی سند ضعیف ہے، اور متن منکر ہے۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ حسن رضی اللہ عنہ کی تقریر اور بلاغی صلاحیتوں سے ناواقف نہیں تھے۔

بلاذری نے ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت کرنے گئے تھے، چنانچہ جریر بن حازم سے مروی ہے کہتے ہیں، میں نے محمد بن سیرین کو کہتے ہوئے سنا ہے: جب حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے تیار ہو گئے تو حسن رضی اللہ عنہ ان کے پاس ان کے لشکرگاہ میں گئے، اپنے ساتھ اپنے پیچھے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو بھی بٹھا کر لے گئے، جب دونوں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کر لی، پھر قیس رضی اللہ عنہ سے کہا: تم بھی بیعت کر لو، قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: ایسے ہی بیعت کر لوں، اور ہاتھ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب بڑھانے کے بجائے سمیٹ لیا، اور اسے معاویہ کی جانب نہیں بڑھایا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت تخت پر تھے انھوں نے گھٹنوں کے بل ہو کر اپنے ہاتھ کو بڑھایا اور قیس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو چھو لیا۔ جریر بن حازم کہتے ہیں: جیسا انھوں نے کیا تھا اس کی نقل کر کے محمد بن سیرین نے ہمیں بتایا۔ اور ہنسنے لگے، قیس رضی اللہ عنہ لحیم شحیم تھے۔ ❷

خلافت سے حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لینے پر ہی خلافت راشدہ کی مدت ختم ہو جاتی ہے جو تیس سالوں پر محیط ہے، اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے:

((خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ: ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ، أَوْ مَلَكَهُ مَنْ يَّشَاءُ.)) ❸

❶ الطبقات تحقیق السلمی ۱/ ۳۲۵، اس کی سند ضعیف ہے اور متن منکر ہے۔
❷ أنساب الأشراف للبلاذری، اس سے مرویات خلافۃ معاویۃ ص ۱۵٤ میں منقول ہے، اس کی سند صحیح ہے۔
❸ صحیح سنن أبی داؤد للألبانی ۳/ ۸۷۹، سنن ابی داود مع شرح عون المعبود، ۱۲/ ۲۵۹

"خلافت علی منہاج النبوۃ کی مدت تیس سال ہے پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بادشاہت عطا کرے گا۔"

دوسری حدیث میں ہے:

((اَلْخِلَافَةُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ)) [1]

"میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی، پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔"

ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کے خاتمے پر تیس سال پورے ہو جاتے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں انھوں نے خلافت سے تنازل ربیع الاول ۴۱ھ میں کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر یہاں تک تیس مکمل ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔ [2] اس طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہما پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔" [3]

صلح کے اہم اسباب ومحرکات

وہاں بہت سارے اسباب وعوامل تھے جنھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح پر آمادہ کر دیا:

اولاً:...... امت کی بھلائی کا ارادہ اور اخروی نعمتوں کی رغبت:

نفیر حضرمی نے جب حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو خلافت کا لالچ ہے تو اس کے جواب میں فرمایا: عرب سردار میری مٹھی میں تھے میں جس سے صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے، لیکن میں اسے (خلافت کو) اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ رہا ہوں۔ [4]

اور اپنی اس تقریر میں جس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے کا اعلان کیا تھا، فرمایا تھا:

"اگر میرا حق تھا بھی تو امت کی بھلائی کے لیے میں اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے چھوڑ رہا ہوں۔" [5]

حسن رضی اللہ عنہ کا تصور آخرت، اللہ کی رضا کو مقدم رکھنا، اتحاد واتفاق اور میل ملاپ کا حریص ہونا، صلح کے اہم اسباب وعوامل تھے، صلح کا اسلام میں عظیم مقام ومرتبہ ہے، معاشرتی اخلاق میں اس کی بہت اہمیت ہے، مادی اور

---

[1] سنن الترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۶/ ۳۹۵-۳۹۷، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[2] البدایۃ و النہایۃ ۸/ ۶

[3] مآثر الإنافۃ، ۱/ ۱۰۵، للقلقشندی مرویات خلافۃ معاویۃ، فی تاریخ الطبری۔ ص ۱۵۵

[4] البدایۃ والنہایۃ ۱۱/ ۲۰۶

[5] المعجم الکبیر للطبرانی ۳/ ۲۶، اس کی سند حسن ہے۔

معاشرتی طور پر باہمی تعامل کرنے والوں کے مابین جو جھگڑے اور لڑائیاں ہو جاتی ہیں اسی سے ختم ہوتی ہیں، اسی کے باعث باہم لڑنے والوں کے مابین محبت و اخوت لوٹ آتی ہے۔ اس لیے کہ یہی چیز جھگڑے کی بنیاد ختم کر کے طرفین کو راضی کرتی ہے، مذکورہ وجوہ کی بنا پر صلح ایک اہم ترین شرعی مقصد ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے وہ بھائی چارگی پیدا ہو، جو مسلمانوں کے لیے مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ان کی صفت بتاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۰)

''(یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو۔''

اور یہ ایسی اخوت ہے جس سے باہمی اختلافات اور جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ ❶

اس لیے قرآن کریم میں صلح کی بڑی تاکید ہے، اس کا حکم بھی ہے اور اس کی ترغیب بھی دلائی ہے، صلح اور اہل صلح کی بڑی تعریف کی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ صلح کا حکم:

درج ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے صلح کا حکم دیا ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (الانفال: ۱)

''یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح سے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔''

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (الحجرات: ۹-۱۰)

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو، اور عدل کرو بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (یاد رکھو) سارے

❶ أخلاق النبیؐ فی القرآن و السنة ۲/ ۹۶۹

مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اللہ کے بندوں کے مابین رشتۂ اخوت ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ انھیں باہمی صلح اور میل ملاپ کا حکم دیتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں صراحت سے بیان کیا ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ﴾ (الحجرات: ۱۰)

''سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دو۔''

اس آیت نے مسلمانوں کے مابین صلح کرانے کے حکم کی علت کو صیغۂ حصر میں بیان کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ بھائی چارگی کی صفت تو مومنوں ہی کی ہے۔ اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو باہمی صلح کرانے کے حکم کو بتاکید ثابت کیا جائے اس لیے کہ ان کے مابین ایسا مضبوط ایمانی رشتہ ہے جس کا مقصد جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنا ہے، اس طرح ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ کا جملہ مسلمانوں کے مابین صلح کرانے کے وجوب کو بتاتا ہے۔

ان قرآنی احکام سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے مابین صلح کرانا کوئی نفلی چیز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ قدرت رکھنے والوں کو اس کا مکلّف بناتا ہے، تاکہ مسلمانوں کے مابین اخوت ایمانی کے رشتے کمزور نہ ہوں، ساتھ ہی ساتھ یہ بر و تقویٰ کے لیے باہمی تعاون اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قبیل سے ہے، جن کا اللہ تعالیٰ نے بہت ساری آیتوں میں حکم دیا ہے، نیز مسلمانوں کے معاشرتی تعلقات سے متعلق شرعاً یہ ایسی واجب چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں مکلّف بنایا ہے۔

یہ تمام باتیں مسلمانوں بلکہ عام لوگوں کے مابین صلح کرانے کو ایک مسلمان پر واجب و لازم قرار دیتی ہیں تاکہ معاشرتی زندگی میں محبت و بھائی چارگی کا دور دورہ ہو۔ [1] انھی باتوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کی کوشش پر آمادہ کیا۔

۲۔ صلح کرانے کی ترغیب:

اللہ تعالیٰ نے اس کی بڑی فضیلت بیان کی ہے اور اللہ کی رضا کی خاطر صلح کرانے والے کے لیے اجر عظیم مقرر کیا ہے:

﴿ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (النساء: ۱۱٤)

''ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں، ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک

[1] أخلاق النبی ﷺ فی القرآن و السنۃ ۲/ ۹۷۱

بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے اور جو شخص صرف اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے۔''

نیز ایسا کرنے والوں کے لیے رحمت ومغفرت کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (النساء: ۱۲۹)

''اگر تم صلح کراؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے۔''

اس آیت میں صلح کرانے والوں کے لیے اللہ کی مغفرت و رحمت کا اشارہ ہے جیسا کہ دو صفتوں اللہ کی مغفرت اور رحمت پر آیت کے خاتمے سے پتہ چلتا ہے۔ ❶

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (البقرۃ: ۱۸۲)

''ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے پس وہ ان میں آپس میں صلح کرا دے تو اس پر گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

پہلی آیت کی طرح اس میں بھی صلح کرانے والوں کے لیے اللہ کی رحمت ومغفرت کی جانب واضح اشارہ ہے۔ ❷

اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ﴾ (الاعراف: ۱۷۰)

''ہم صلح کرنے والوں کا ثواب ضائع نہ کریں گے۔''

۳۔ صلح اور صلح کرانے والوں کی اچھے لفظوں میں تعریف:

قرآن میں صلح کرانے پر رحمت ومغفرت اور اجر کے وعدوں کا بار بار ذکر ہے جس سے اللہ کے نزدیک اس کے بلند مقام ومرتبہ کا پتہ چلتا ہے، اسی لیے اس پر عمدہ بدلہ اور اجر عظیم مقرر کیا ہے، نیز اس کے بلند مقام ومرتبے کا پتہ اس سے بھی چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اچھے لفظوں میں تعریف کی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء: ۱۲۸) ''اور صلح بہتر چیز ہے۔''

صلح کو بہتر قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، اس کو بہتر قرار دینا اس لیے ہے کہ لوگوں کے اس باہمی میل ملاپ میں اس کی عظیم تاثیر ہوتی ہے، جسے صاحب شریعت

❶ أخلاق النبیؐ فی القرآن و السنة ۲/ ۹۷۱

❷ أخلاق النبی فی القرآن والسنة ۲/ ۹۷۱

انسانی معاشروں میں دیکھنا چاہتا ہے، نیز اس سے صلح کرانے والے اور اس پر راضی ہونے والے کے اخلاق کریمانہ کا پتہ چلتا ہے، اسی لیے یہ چیز رسولوں کے اہم اخلاق میں سے تھی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کی زبانی ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ ﴾

(هود: ۸۸)

''میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہے، میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے، اسی پر میرا بھروسا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کو نقل کیا ہے جس میں انھوں نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو مخاطب کیا تھا:

﴿ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ ﴾

(الاعراف: ۱۴۲)

''اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے بعد قوم کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔''

ان دونوں آیتوں میں اصلاح عام ہے جو دین و دنیا کی اصلاح، نیز جھگڑا وغیرہ (جس سے کوئی انسانی معاشرہ خالی نہیں ہوتا) ہو جانے پر لوگوں کے مابین صلح کرانے کو شامل ہے۔ [1]

اسی قرآنی مقصد کے لیے حسن رضی اللہ عنہ صلح پر آمادہ ہوئے، صلح کی چاہت میں اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلح کرانے کی انتھک کوشش کرتے تھے، ایک دن اہل قباء میں جھگڑا کیا، ان کے مابین سنگباری ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: چلو ہم ان کے مابین صلح کرائیں۔ [2]

غور کیجیے مسلمانوں میں اختلاف ہو جانے کے بعد اسے ختم کرانے اور معاملے کو طول پکڑنے سے پہلے ان کے مابین اتحاد و اتفاق اور صلح کرانے کے لیے جانے میں آپ نے ذرا بھی سستی و کوتاہی نہیں کی۔ [3]

لوگوں کے مابین صلح کی اہمیت و فضیلت کے پیش نظر اسلام نے جھگڑنے والوں کے مابین صلح کرانے کی غرض سے جھوٹ کی اجازت دی ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

---

[1] أخلاق النبيّ في القرآن و السنة ۲/ ۹۷۱

[2] صحيح البخاري كتاب الصلح حديث نمبر ۲۶۹۰

[3] أخلاق النبيّ في القرآن والسنة ۲/ ۹۷۹

((لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِيْ خَيْرًا أَوْ يَقُوْلُ خَيْرًا)) ❶

''وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے مابین صلح کراتا ہے پس وہ بھلی بات آگے پہنچاتا ہے یا بھلی بات کہتا ہے۔''

نیز ارشاد نبوی ہے:

((لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ إِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ اَلرَّجُلُ يُحَدِّثُ امْرَأَتَهُ لِيُرْضِيَهَا ، وَ الْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ ، وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ .)) ❷

''جھوٹ صرف تین چیزوں میں جائز ہے، آدمی کا اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے گفتگو میں جھوٹ بولنا، جنگ میں جھوٹ، لوگوں کے مابین صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔''

ایسا اس لیے ہے کہ مسلمانوں کا باہمی اختلاف و انتشار بہت خطرناک چیز ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے:

((إِيَّاكُمْ وَ سُوْءَ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّهَا الْحَالِقَةُ .)) ❸

''باہمی بگاڑ اور اختلاف سے بچو، بلاشبہ یہ چیز ہلاک و برباد کرنے والی ہے۔''

یعنی ایسی چیز جو دین کو ختم کر دے جس طرح استرا بالوں کو ختم کر دیتا ہے۔ ❹

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے اجر عظیم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَ الصَّلَاةِ وَ الصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ .)) ❺

''کیا میں تمھیں روزہ، نماز اور زکوٰۃ سے بہتر چیز نہ بتلا دوں؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: وہ باہمی صلح اور میل ملاپ ہے، بلاشبہ باہمی بگاڑ ہلاک و برباد کر دینے والی چیز ہے۔''

اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے نواسے حسن رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں بڑی امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے

---

❶ صحیح البخاری کتاب الأدب حدیث نمبر ٤٩٠٠

❷ سنن أبی داؤد مع عون المعبود ١٣/ ٢٦٣ ، حدیث نمبر ٤٩٠٠

❸ سنن الترمذی حدیث نمبر ٢٥٠٨ ، امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ صحیح حدیث ہے۔

❹ جامع الأصول لابن الاثیر ٦/ ٦٦٨

❺ سنن الترمذی حدیث نمبر ٢٥٠٩ ، امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اس باہمی اختلاف کو ختم کر کے صلح کرائے گا جس اختلاف کے آپ کی وفات کے بعد وقوع پذیر ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے رکھی تھی۔ چنانچہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

((قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ وَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى جَنْبِهِ وَ هُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَ عَلَيْهِ أُخْرَى وَيَقُوْلُ: إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَّ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ .)) [1]

''کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر دیکھا آپ کی بغل میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ ایک بار لوگوں کی جانب متوجہ ہوتے، دوسری بار ان کی جانب، اور کہہ رہے تھے: میرا یہ لاڈلا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے۔''

ثانیاً:...... میرا یہ لاڈلا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے:

رسول اللہ ﷺ کی اس دعا (اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے) نے حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کی منصوبہ بندی، اس سے متعلق رکاوٹوں کو دور کرنے، اور اس کے لیے نفسیاتی طور پر تیار ہونے پر آمادہ کر دیا، یہی حدیث نبوی طرز زندگی، تصرفات اور میلانات میں حسن رضی اللہ عنہ کے لیے رہنما تھی، یہی رہنمائی آپ کے دل کی گہرائیوں میں پیوست تھی، آپ کے شعور و احساس پر چھائی ہوئی تھی، آپ کے گوشت پوست میں رچ بس گئی تھی، اسی رہنمائی کی روشنی میں آپ نے صلح کا منصوبہ تیار کیا، اس کے مراحل کی تقسیم کی، اور اس کے نتائج پر آپ کو یقین تھا، اس طرح صلح کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کے تیار ہو جانے میں اسی حدیث کا مرکزی کردار تھا اور وہی بنیادی سبب بنی۔

ثالثاً:...... مسلمانوں کی خونریزی کو روکنا:

حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے: میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ قیامت کے دن ستر ہزار یا کچھ کم و بیش لوگ اس حال میں آئیں کہ ان کی رگوں سے خون جاری ہو اور سب کے سب خونریزی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے بدلہ دلانے کا مطالبہ کریں۔ [2]

نیز انھی کا قول ہے:

''بلاشبہ اللہ کا حکم اگرچہ لوگ ناپسند کریں نافذ ہو کر رہے گا، مجھے یہ چیز بالکل پسند نہیں کہ میں امت

[1] صحیح البخاری حدیث نمبر ۷۱۰۹

[2] البدایة والنهایة ۱۱/ ۲۰۶

محمدیہ کی کوئی ایسی ادنیٰ ذمہ داری لوں جس میں معمولی بھی خونریزی ہو، میں اپنا فائدہ اور نقصان سمجھتا ہوں تم سب اپنا راستہ لو۔'' ❶

آپ نے اپنی اس تقریر میں جس میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا تھا فرمایا تھا:

''حق خلافت اگر میرا تھا تو میں امت کی بھلائی اور خون ریزی سے بچاؤ کی خاطر اسے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے چھوڑ رہا ہوں۔'' ❷

حسن رضی اللہ عنہ کی گفتگو اللہ تعالیٰ سے آپ کے شدید خوف پر غماز ہے، اسی خوف نے آپ کو صلح پر آمادہ کیا، اور اللہ تعالیٰ نے خوف الٰہی پر اپنے انبیاء و اولیاء کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ﴾

(الانبیاء: ۹۰)

''یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ، طمع، ڈر اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔''

﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾

(الرعد: ۲۱)

''اور اللہ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں۔''

اللہ کا خوف ہی علم پر ابھارتا ہے، تمام نفسانی خواہشات کو ملدر کرتا ہے، دل کو دنیا سے بے رغبت کرتا ہے اور دنیا سے دور رہنے کی دعوت دیتا ہے، نہ وہ نفسیاتی الجھنوں، جس کی گناہوں سے روکنے اور اچھے کاموں کو بجا لانے میں کوئی تاثیر نہ ہو اور نہ ہی وہ مایوسی جو نا امیدی کا باعث ہو۔ ❸

حسن رضی اللہ عنہ نے قربت الٰہی کی غرض سے مسلمانوں کو خونریزی سے بچانا چاہا، قیامت کے دن خونریزی سے متعلق اللہ کے محاسبہ سے ڈر گئے، چاہے اس کے لیے خلافت چھوڑنا ہی پڑے، چنانچہ اسی چیز نے آپ کو صلح پر آمادہ کیا۔

---

❶ تاریخ دمشق ۱۲/ ۸۹

❷ المعجم الکبیر للطبرانی ۳/ ۲٦، اس کی سند حسن ہے۔

❸ جامع العلوم و الحکم ص ۳٦۳، الإیمان أولاً، ص ۱۱۷

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو مسلمانوں کی خونریزی کی خطرناکی کا اچھی طرح احساس تھا، اس لیے کہ وہ سب سے خطرناک چیز ہے، جو انسانیت کے وجود کو ہلا کر رکھ دیتی ہے، بنا بریں اس کی حرمت، اس پر وعید اور اس کی سزا کتاب وسنت کے بہت سارے نصوص میں وارد ہے، قیامت کے دن سب سے پہلے خون کے فیصلے کیے جائیں گے، اس سے قتل نفس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، کہتے ہیں:

((قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ .)) ❶

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے مابین سب سے پہلے خونوں سے متعلق فیصلے کیے جائیں گے۔''

قیامت کے دن خون کا معاملہ بہت عظیم ہوگا، دنیا میں خون کی حفاظت کے لیے کام کرنا شریعت کا ایک اہم مقصد ہے۔ اسی لیے حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے صلح کے حریص تھے۔

اسلامی شریعت (جس کی پوری سمجھ حسن رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی) نے نفس انسانی کو بڑی اہمیت دی ہے، چنانچہ ایسے احکام کو مشروع قرار دیا ہے، جن سے اس کی مصلحتیں حاصل ہوتی ہے اور نقصانات دور ہوتے ہیں، شریعت نے ایسا اس کی حفاظت، بچاؤ اور اس پر ظلم سے روکنے کے لیے کیا ہے، اس لیے کہ انسانی جانوں کے ضائع اور ہلاک ہونے سے اللہ کی عبادت کے مکلف لوگ ہلاک ہوں گے جس کا آخری نتیجہ دین کا ضیاع ہوگا اور جن نفوس کی حفاظت کا شریعت نے اہتمام کیا ہے وہ وہی نفوس ہیں جو اسلام لاکر جزیہ و امان سے محفوظ ہیں۔ ❷

بنا بریں صلح پر بعض اعتراض کرنے والوں نے جب حسن رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے ''یـــا عـــار المؤمنین'' (اے مومنوں کے لیے باعث شرم) کہا تو آپ نے اس کے جواب میں کہا: ''لـلـعار خیر من النار۔'' ❸ (باعث شرم ہونا جہنم کی آگ سے بہتر ہے)۔

ابن سعد کی روایت میں ہے:

((.....إِنِّي اخْتَرْتُ الْعَارَ عَلَى النَّارِ .)) ❹

ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنے متبعین سے مناقشہ کرتے، صلح کے اسباب کو بیان کرتے

---

❶ صحیح البخاری کتاب الدیات حدیث نمبر ٦٨٦٤

❷ روضة الطالبین ٩/ ١٤٨، مقاصد الشریعة للیوبی، ص ٢١١

❸ تاریخ دمشق ١٤/ ٨٨

❹ الطبقات تحقیق السلمی ١/ ٣٢٩، اس کی سند ضعیف ہے۔

اور اس پر مقتنع کرنے کی کوشش کرتے تھے، آپ ایسے نہیں تھے کہ لوگ جہاں چاہیں آپ کو لے جائیں، اور جس کا وہ مطالبہ کریں وہ آپ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں، بلکہ حقائق کی سمجھ اور اپنے خیالات و افکار کے مطابق آپ نے اپنا راستہ متعین کیا، اللہ کی رضا اور مسلمانوں کی مصلحت والے راستوں پر چلتے ہوئے لوگوں کے دباؤ کو قبول نہیں کیا، یہ بہت سارے اسلامی قائدین کے لیے بہت بڑا سبق ہے، کہ قائد ہی کو عام لوگوں کی قیادت کرنی چاہیے اور انھیں ان کے مقاصد تک پہنچانا چاہیے۔ حسن رضی اللہ عنہ جن حالات سے دوچار تھے ان حالات میں قائدین کے سامنے تین چیزیں ہوتی ہیں:

۱۔ جسے عام لوگ چاہیں وہی وہ کریں۔

۲۔ یا وہ کسی کا خیال نہ کریں اور نہ ہی کسی کا جواب دیں۔

۳۔ حق اور درست بات پر عمل کریں اور عام لوگوں کو اس حق بات کے لیے مقتنع کریں۔

حسن رضی اللہ عنہ نے تیسرا طریقہ اپنایا تھا، یعنی حق اور درست بات پر عمل کرنا، اور لوگوں کو اپنے متعین کردہ اعلیٰ مقاصد کی جانب لے جانا، اسی لیے صلح سے متعلق واضح تصور، چند مرحلوں میں عملی تدابیر اور تمہیدات کو پیش کیا، کچھ شرطیں رکھیں، اس سلسلے کی رکاوٹوں کو دور کر لیا اور اپنی رائے پر مخالفین کو قانع کرنے کا اہتمام کیا، یہی درست بات تھی۔ واللہ اعلم

رابعاً:...... آپ کا اتحادِ امت کے لیے حریص ہونا:

صلح کے ایک مرحلے میں حسن رضی اللہ عنہ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> ''لوگو! مجھ میں کسی مسلمان کے لیے کوئی حسد و کینہ نہیں، میں تمھیں اپنا سمجھتا ہوں، میری ایک رائے ہے تم میری رائے کو رد نہ کرو، جس اتفاق و اتحاد کو تم ناپسند کرتے ہو، وہ اس اختلاف سے بہتر ہے جسے تم پسند کرتے ہو۔'' ❶

اللہ کے فضل و کرم پھر اتحاد امت کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کے حریص ہونے کے باعث وہ عظیم مقصد حاصل ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ٹھہری کہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں تاکہ مسلمانوں کی خونریزی روکی جا سکے، اور فتنے کے استمرار، خون بہنے، رشتے داریوں کے ٹوٹنے، باہمی روابط خراب ہونے، سرحدوں کے غیر محفوظ ہونے وغیرہ جیسی عظیم خرابیوں سے بچا جا سکے، اور بحمد اللہ ایک ختم ہو جانے والے دنیوی مفاد سے تنازل کے نتیجے میں امت میں اتحاد ہو گیا، اس لیے اس سال کو ''عام الجماعۃ'' (اتحاد کا سال) کہا جاتا ہے۔ ❷ یہ حسن رضی اللہ عنہ کی

---

❶ الأخبار الطوال ص ۲۰۰

❷ اعتبار المآلات و مراعاۃ نتائج التصرفات ص ۱۶۷

بہترین فہم کی دلیل ہے کہ آپ انجام ونتائج کے اعتبار ورعایت کو اچھی طرح جانتے تھے، اور اس طرح کی اچھی سمجھ کے قرآن مجید میں بہت سارے مظاہر ودلائل ہیں، اللہ تعالیٰ نے نتائج کے تقاضوں کے مطابق بعض احکام مرتب کیے ہیں اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

ا۔ مشرکین کو گالی دینے کی ممانعت:

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الانعام: ۱۰۸)

''اور گالی نہ دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ جہالت سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔''

باوجودیکہ مشرکین کے معبودان باطلہ کو برا بھلا کہنا جائز ہے اس لیے کہ اس میں باطل کی اہانت اور حق کی نصرت ہے، لیکن صاحب حکمت شارع کی نگاہ اسی قریبی مقصد تک محدود نہیں رہی، بلکہ آئندہ میں اس جائز عمل کے جو غیر مستحسن نتائج سامنے آتے وہاں تک پہنچی، اس لیے مشرکین کے معبودان باطلہ کو گالی دینے کا حکم صادر کیا تاکہ وہ انتقاماً اللہ کی شان میں گستاخی نہ کریں، بلاشبہ ان کے معبودوں کی اہانت کی اچھائی، اللہ تعالیٰ کی شان میں ان کے گستاخی کرنے کی خرابی کے مقابلے میں کمتر ہے اور جب خرابی اچھائی سے بڑی ہو تو خرابی کو دور کرنا اچھائی کے حصول پر مقدم ہوگا۔ ❶

۲۔ بہت بلند آواز سے یا بالکل پست قراءت سے ممانعت:

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ (الاسراء: ۱۱۰)

''اور نہ تو تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پست آواز سے بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر لے۔''

اللہ تعالیٰ نے انجام کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے نبی کو نماز میں بہت بلند آواز میں قراءت کرنے سے روک دیا، اس لیے کہ مشرکین جب آپ کی قراءت سنیں گے تو یہ چیز انہیں اللہ کی شان میں گستاخی، اس کی کتاب اور دین کو برا بھلا کہنے پر ابھارے گی۔ ❷

---

❶ اعتبار المآلات ومراعاة نتائج التصرفات، ص ۲٤

❷ اعتبار المآلات ومراعاة نتائج التصرفات، ص ۱۲۵

اس آیت کے نزول کے سبب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت خفیہ تھی کفارِ مکہ جب تلاوتِ قرآن سنتے تھے تو قرآن، اس کے نازل کرنے والے، اور اس کے لانے والے (یعنی جبریل علیہ السلام) کو برا بھلا کہتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کو حکم دیا: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ یعنی نماز میں آپ اپنی تلاوت بہت بلند آواز میں نہ کریں تاکہ اسے سن کر مشرکین قرآن کو برا بھلا کہیں، ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ اور نہ بہت ہی پست آواز میں کریں کہ آپ کے صحابہ نہ سن سکیں، ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝﴾ ❶ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کر لیں۔

۳۔ خضر علیہ السلام کا کشتی میں سوراخ کرنا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝ ﴾ (الکہف: ۷۹)

''کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح سالم) کشتی کو جبراً چھین لیتا تھا۔''

کسی دوسرے کی ملکیت میں ناحق تصرف کرنا شرعاً قطعی طور پر ممنوع ہے، لیکن خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر دیا جو بظاہر عیب اور کشتی کے مالکوں کو نقصان پہنچانا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس فعل پر اعتراض کیا، اور اہل سفینہ کو ان کی اجازت کے بغیر اجرت سوار کیا تھا تو انہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ اس چھوٹی خرابی کا ارتکاب ایک بڑی خرابی کو دور کرنے کے لیے کیا گیا ہے، اور وہ بڑی خرابی کشتی کا زبردستی چھین جانا تھا، اس لیے کہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فوری طور سے کسی چھوٹے نقصان کا ارتکاب مستقبل کی کسی بڑی خرابی کو روک دے تو یہ قابل تعریف چیز ہے۔ شریعت نے نتائج کی رعایت کرتے ہوئے متوقع بڑی خرابیوں کو روکنے کا اہتمام کیا ہے، چاہے انھیں فوری طور پر چھوٹی خرابیوں کے ارتکاب سے روکا جائے، کشتی میں سوراخ کرنے اور اسے عیب دار کرنے کی خرابی کو اس کی اصلاح کر کے ٹھیک کیا جا سکتا تھا، جب کہ کشتی ہاتھ سے چلے جانے کے بعد اس کی واپسی کی کوئی امید نہیں رہ جاتی۔ ❷

---

❶ أسباب النزول للواحدي ص ۲۲۳، ۲۲٤

❷ اعتبار المآلات و مراعاة نتائج التصرفات ص ۱۲٦

۴۔احادیث نبویہ میں نتائج کے اعتبار کے مظاہر اور دلائل میں سے بڑی خرابی کو چھوٹی خرابی سے دور کرنا ہے:

اسی کے قبیل سے منافقوں کے قتل سے رک جانا ہے، چنانچہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم ایک جنگ میں تھے، ایک مہاجر نے دوسرے انصاری کو لات سے مار دیا، پھر تو انصاری انصار کو اور مہاجر مہاجرین کو اپنی مدد کے لیے پکارنے لگا، اسے سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا: ایک مہاجر نے دوسرے انصاری کو لات ماردی، جس پر انصاری، انصار کو اور مہاجر مہاجرین کو اپنی مدد کے لیے پکار رہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دعوها فانها منتنة" اس جاہلی عصبیت کو چھوڑ دو، یہ بدبودار چیز ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو انصار زیادہ تھے، بعد میں مہاجرین بھی زیادہ ہو گئے، عبداللہ بن ابی نے (فتنے کی غرض سے) کہا: انھوں نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم مدینہ پہنچ کر عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا، اس پر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت دے دیں کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ .)) ❶

''اسے چھوڑ دو تاکہ وہ لوگوں سے یہ بتاتا نہ پھرے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں۔''

بلاشبہ منافقین کے قتل اور ان کی بیخ کنی میں مسلمانوں کی ظاہری مصلحت تھی، اس سے ان کا معاشرہ فسادی عناصر سے پاک وصاف ہو جاتا، لیکن ایسا کرنے سے مسلمانوں پر لوگوں کا اعتماد متزلزل ہو جاتا، ان سے متعلق لوگوں میں یہ بری بات پھیل جاتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذہب اسلام میں داخل ہونے والوں کا قتل کراتے ہیں، اس بناء پر ان کے قتل سے چشم پوشی، ان کی بیخ کنی کی مصلحتوں سے زیادہ اہم اور اعلیٰ مصلحت ٹھہری، منافقین کے باقی رہنے میں بہت ساری خرابیاں تھیں، جن کا کوئی بھی عاقل انکار نہیں کرسکتا تھا، لیکن انھیں ختم کرنے میں ان سے بھی بڑی خرابی تھی، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکیمانہ نظریہ یہ تھا کہ بڑی خرابی کو چھوٹی خرابی سے دور کیا جائے۔ ❷

نتائج وانجام کی رعایت اور اعتبار کے قبیل سے قواعد ابراہیم علیہ السلام پر تجدید کعبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترک کر دینا تھا، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث نبوی میں ہے کہتی ہیں:

((لَوْلَا حَدَاثَةُ عَهْدِ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ وَلَجَعَلْتُهَا عَلَى أَسَاسِ

❶ صحيح البخاري كتاب التفسير حديث نمبر ٤٩٠٥

❷ اعتبار المآلات ومرعاة نتائج التصرفات ص ١٣٨، ١٣٩

إِبْرَاهِيمَ، فَإِنَّ قُرَيْشًا حِينَ بَنَتِ الْبَيْتَ اسْتَقْصَرَتْ، وَ لَجَعَلْتُ لَهَا خَلْفًا)) ❶

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: اگر لوگ تازہ تازہ کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل نہ ہوئے ہوتے تو میں خانہ کعبہ کو گرا کر ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا، قریش جب خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو پوری تعمیر سے قاصر رہ گئے اور اس کا ایک حصہ چھوڑ دیا، اس میں ایک دروازہ اور اسی دروازے کے مقابل رکھتا۔''

کعبۂ مشرفہ چوں کہ مومنوں کے دلوں کی پرکشش جگہ اور انبیائے سابقین کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، اس لیے اصل یہی ہے کہ وہ اسی حالت پر باقی رہے، جس پر انبیائے سابقین نے اسے چھوڑا تھا، لیکن زمانۂ جاہلیت میں جب قریش نے اس کی تجدید کرنی چاہی تو ان کے پاس اتنا حلال مال نہیں تھا جو اصلی حالت پر اس کی تعمیر جدید کے لیے کافی ہوتا، چنانچہ اس کی تعمیر ویسی ہی کر سکے جیسی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت تھی کہ قریش جس حصے کی تعمیر نہیں کر سکے تھے اسے پورا کر دیں، لیکن قواعدِ ابراہیم پر خانۂ کعبہ کی تعمیر جدید میں جو مصلحت تھی اسے اس ڈر سے ترک کر دیا کہ خانۂ کعبہ کا احترام دلوں سے جاتا رہے گا، اور اس بات کا بھی خوف تھا کہ لوگ یہ سوچ کر کہ یہ خانۂ کعبہ کے خلاف جرأت اور اس کی حرمت کی پامالی ہے اسلام سے متنفر نہ ہو جائیں۔ ❷

انجام ونتائج کی رعایت سے متعلق حسن رضی اللہ عنہ کو جو گہرا تفقہ حاصل تھا وہ کتاب وسنت کی روشنی میں آپ کی تربیت کا طبعی نتیجہ تھا، آپ شریعت کے مقاصد سے پوری طرح واقف، شرعی حکم اور امرِ واقع کے مابین تطبیق پر قادر تھے، سیاست شرعیہ میں آپ کے اجتہادات انوکھے تھے جس نے امت کے اتحاد واتفاق اور دبدبہ، نیز اس کے تہذیبی وتمدنی کردار کی واپسی کے سلسلے میں وسیع آفاق کھول دیے تھے، ہمیں شدید ضرورت ہے کہ ہم اپنی موجودہ زندگی میں اس گہرے تفقہ کو سمجھیں اور اسی کے مطابق عمل کریں، حسن رضی اللہ عنہ نے ہمیں اتحاد واجتماعیت یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے اور اختلاف نہ کرنے کی تعلیم دی ہے، جو اسلام کے عظیم ترین اصولوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی سخت تاکید کی ہے، اس کو ترک کرنے والے اہل کتاب وغیرہ کی شدید مذمت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت سارے عام وخاص موقعوں پر اس کی تاکید کی ہے۔ ❸

حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اختلاف وگروہ بندی کی سخت مخالفت کی ہے اور اتحاد امت سے متعلق قرآنی تعلیمات

---

❶ صحیح البخاری کتاب الحج حدیث نمبر ۱۵۸۵

❷ اعتبار المآلات ومرعاۃ نتائج التصرفات، ص ۱۴۸۔ ۱۴۹

❸ رسالۃ الألفۃ بین المسلمین لابن تیمیۃ ص ۲۷

پر عمل کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ (آل عمران: ۱۰۳-۱۰۶)

''اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے قریب پہنچ چکے تھے اس نے تمھیں بچا لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ، تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں، تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انھی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے جس دن بعض چہرے روشن ہوں گے اور بعض سیاہ۔''

خامساً:...... امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا قتل:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو صلح پر آمادہ کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب وہ گھبراہٹ تھی جو والد کے قتل سے آپ کو لاحق ہوئی، اس سے عراقی خیمے میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا، اس قتل کے باعث حسن رضی اللہ عنہ شدید رنج و غم میں مبتلا ہو گئے، اس عظیم خلیفہ کا ناحق قتل ہوا، خوارج نے اسلام میں آپ کی سبقت نیز دیگر عظیم فضائل اور اسلام کی گراں قدر خدمات کا لحاظ نہیں کیا، آپ کی زندگی اچھے خصائل اور مختلف کارناموں سے بھری پڑی ہے، آپ قومی اور حکومتی سطح پر شرعی احکام کے نفاذ کے لیے زندگی بھر کام کرتے رہے، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ کی وفات سے مسلمان متاثر ہوں اور آپ کی وجہ سے جو خلا پیدا ہوا تھا اس کا احساس کریں، آپ کے قتل کا مسلمانوں پر بڑا اثر تھا، سب غم میں ڈوبے ہوئے تھے، آنکھیں اشکبار تھیں، زبانوں سے مدحیہ و دعائیہ کلمات جاری تھے، اسی قتل کے باعث حسن رضی اللہ عنہ کی دلچسپی ان عراقیوں سے باقی نہیں رہی، جن کے ساتھ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے بہت اچھا

سلوک کیا تھا، اور انھیں اپنی صحبت کا شرف بخشا تھا۔ انھیں فتنوں اور طمع نے گمراہ کر دیا، وہ صراط مستقیم سے منحرف ہو گئے، سوائے ان لوگوں کے جو اپنے دین اور جانے والے عظیم خلیفہ کے لیے سچے اور مخلص تھے، آپ کا قتل عہد خلافت راشدہ کے حق میں ایک کاری ضرب تھا، اور بعد میں اس کے اسباب زوال میں سے ایک سبب تھا۔

سادساً:...... معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ چالیس ہزار ایسے لوگ تھے جنھوں نے آپ کے لیے موت کی بیعت کی تھی، اس کے باوجود انھوں نے خلافت، معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی، اگر وہ اس کے اہل نہ ہوتے تو نواسۂ رسول ﷺ ان کے حوالے نہ کرتے، بلکہ ان سے جنگ کرتے۔ ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ بے بنیاد اہل شام کے قائد نہیں تھے، سوانح نگاروں نے اس صحابی کے بہت سارے فضائل ومناقب ذکر کیے ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

ا۔ قرآن کریم میں:

معاویہ رضی اللہ عنہ غزوۂ حنین میں شریک تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (التوبۃ: ۲٦)

"پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور اپنے وہ لشکر بھیجے جنھیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی، ان کفار کا یہی بدلہ تھا۔"

اور معاویہ رضی اللہ عنہ غزوۂ حنین میں شریک تھے، اور مومنوں میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ ساتھ ان پر بھی سکینت اتاری تھی۔ ❷

۲۔ حدیث نبوی میں:

رسول اللہ ﷺ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے درج ذیل دعائیں کی تھیں:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ .)) ❸

"اے اللہ انھیں ہادی (راہ دکھانے والا) مہدی (ہدایت یافتہ) بنا اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا۔"

((اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ .)) ❹

---

❶ الناهية عن طعن امير المومنين معاوية ص ۵۷

❷ مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبري، خالد الغيث ص ۲۳ ❸ صحيح سنن الترمذي للالباني ۳/ ۲۳٦

❺ موارد الظمآن ۷/ ۲۴۹۔ اس کی سند حسن ہے۔

''اے اللہ! معاویہ کو قرآن مجید اور حساب و کتاب سکھا اور انھیں عذاب سے بچا۔''

نیز ارشاد نبوی ہے:

((أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوْا، قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَا فِيْهِمْ؟ قَالَ: أَنْتِ فِيْهِمْ. ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَهُمْ فَقُلْتُ: -أَيْ أُمَّ حَرَامٍ- أَنَا فِيْهِمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لَا .)) ❶

''میری امت کی پہلی فوج جو سمندری راستے سے لشکر کشی کرے گی ان کے لیے جنت واجب ہے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ان میں رہوں گی؟ تو آپ نے فرمایا: تم ان میں رہو گی۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر لشکر کشی کرے گی مغفور لہ ہوگی۔ میں (یعنی ام حرام) نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ان میں رہوں گی؟ کہا: نہیں۔''

مہلب کہتے ہیں: اس حدیث میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت ہے، اس لیے کہ انھوں نے ہی پہلے سمندری راستے سے لشکر کشی کی تھی۔ ❷

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہل علم کے نقطہ ہائے نظر:

أ۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تعریف:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: کیا آپ کو امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے دلچسپی ہے وہ ہمیشہ ایک ہی رکعت وتر پڑھتے ہیں، انھوں نے کہا: بلاشبہ وہ فقیہ ہیں۔ ❸

ب۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے عبداللہ بن مبارک کی تعریف:

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ ہمارے نزدیک آزمائش کی ایک کسوٹی ہیں، جسے ہم نے ان کی جانب ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پایا، اسے ہم نے قوم یعنی صحابہ کرام میں متہم سمجھا۔ ❹

ج۔ امام احمد بن حنبل کی تعریف:

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہ کہے کہ میں اس کا قائل

---

❶ صحیح البخاری: حدیث نمبر ۲۹۲۴

❷ فتح الباری ۶/ ۱۲۰

❸ فتح الباری ۷/ ۱۳۰ ❹ مرویات خلافة معاویة ص ۲۸

نہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے اور نہ ہی اس کا کہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ تھے، انھوں نے خلافت زبردستی بزور شمشیر حاصل کی تھی، ابوعبداللہ احمد بن حنبل نے جواب دیا: یہ نہایت غلط اور برا قول ہے، ایسے لوگوں سے بچو، ان کے ساتھ نہ اٹھو بیٹھو، ہم لوگوں کے لیے ان کا معاملہ واضح کر رہے ہیں۔ ❶

د. معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے قاضی ابن العربی کی تعریف:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصائل کو ابن العربی نے بیان کرتے ہوئے درج ذیل خصلتوں کو بیان کیا ہے: اسلامی ناموس کا بچاؤ، سرحدوں کی حفاظت، فوجوں کی اصلاح، دشمنوں پر غلبہ، اور مخلوق کی سیاست۔ ❷

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے محب الدین خطیب کہتے ہیں:

''اس سلسلے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمت اور توجہ اس حد تک تھی کہ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ بادشاہِ روم بہت بڑا لشکر لے کر اسلامی حدود کے قریب آ رہا ہے تو صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ برسرپیکار ہونے کے باوجود بادشاہ روم کے پاس دھمکی بھرا پیغام بھیجا۔'' ❸

اس سلسلے میں ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''بادشاہِ روم کو معاویہ رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کر دینے کا لالچ ہوا، باوجودیکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اسے خوفزدہ، ذلیل اور اس کی فوج کو مغلوب اور رسوا کر چکے تھے، بادشاہ روم نے جب دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں مشغول ہیں تو بہت بڑی فوج لے کر بعض اسلامی علاقوں کے قریب آ گیا اور ان پر چڑھائی کر دینے کا اسے لالچ پیدا ہوا، اس وقت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو لکھا: اللہ کی قسم اے ملعون! اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے علاقوں میں واپس نہ گیا تو تیرے خلاف میں اپنے چچیرے بھائی (علی رضی اللہ عنہ) سے صلح کر لوں گا، اور تجھے تیرے تمام علاقوں سے بے دخل کر دوں گا اور وسعت کے باوجود زمین کو تجھ پر تنگ کر دوں گا، یہ سن کر بادشاہِ روم ڈر گیا اور مصالحت کا پیغام بھیجا۔'' ❹

۴۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تعریف:

آپ کے بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

❶ السنة للخلال تحقیق عطیة الزهرانی ۲/ ۴۳۴

❷ العواصم من القواصم ص ۲۱۰، ۲۱۱

❸ مرویات خلافة معاویة ص ۳۱

❹ البداية والنهاية ٨/ ١١٩

''معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہ تواتر ثابت ہے کہ دوسروں کی طرح انھیں بھی نبی کریم ﷺ نے گورنر مقرر کیا، آپ ﷺ کے ساتھ وہ جہاد میں شریک ہوئے، آپ کاتب وحی تھے، کتابت وحی میں نبی کریم ﷺ کے نزدیک متہم نہیں تھے، آپ کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی گورنر مقرر کیا، جو بہت ہی مردم شناس تھے، من جانب اللہ آپ کی زبان حق گو اور دل حق سے معمور تھا، گورنری میں آپ عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک متہم نہیں تھے۔'' ❶

و۔ معاويه رضي الله عنه كے ليے ابن كثير كي تعريف:

آپ کے بارے میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''۴۱ھ میں تمام رعایا نے آپ کی بیعت پر اجماع کر لیا تھا، اس وقت سے وفات کے سال تک آپ ہی تنہا خلیفہ رہے، دشمنوں کے علاقوں میں جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ سربلند رہا، ہر طرف سے اموال غنیمت آ رہے تھے، آپ کے ساتھ مسلمانوں کو آرام و راحت، عدل و انصاف اور عفو و درگزر حاصل تھا۔''

مزید فرماتے ہیں:

''آپ بردبار، باوقار، سربراہ، لوگوں کے سردار، شریف، عادل اور نہایت دلیر و حوصلہ مند تھے۔'' ❷

نیز آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

''آپ اچھی سیرت و کردار کے حامل، اچھی طرح درگزر کرنے، معاف کرنے اور پردہ پوشی کرنے والے تھے۔'' ❸

۴۔ آپ کا حدیث کی روایت کرنا:

معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ سے احادیث کی روایت کا شرف حاصل ہے، اس کا سبب یہ تھا کہ چونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی اور سسرالی رشتہ دار تھے، اس لیے فتح مکہ کے بعد آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہتے تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک سو تریسٹھ حدیثیں روایت کی ہیں، ان میں سے چار حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے اور ان میں سے چار حدیثوں کو تنہا امام بخاری اور پانچ حدیثوں کو تنہا امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ❹

---

❶ مجموع الفتاوى [illegible] ٤٧٢، سير أعلام النبلاء [illegible] ١٢٩
❷ البداية والنهاية [illegible] ١١٨
❸ البداية والنهاية ٨/ ١٢٦

❹ مرویات خلافة معاوية فى تاريخ الطبرى ص ۲۳

گورنری کے زمانہ میں رعایا کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار دوسرے گورنروں سے بہتر تھا، جس کے باعث لوگ آپ سے محبت کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں وارد ہے آپ فرماتے ہیں:

((خِيَارُ أَئِمَّتِكُمْ - حُكَّامِكُمْ- الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَ يُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ، وَ شُرُّ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَ يُبْغِضُوْنَكُمْ، تَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ .)) ❶

''تمھارے اچھے حکام وہ ہیں جنھیں تم پسند کرو اور وہ تمھیں پسند کریں، تم ان کے لیے دعا کرو اور وہ تمھارے لیے دعائے خیر کریں اور تمھارے برے حکام وہ ہیں جنھیں تم ناپسند کرو اور وہ تمھیں ناپسند کریں، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔''

۵۔ آپ کی حکومت سے متعلق امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا قول:

سفیان بن لیلیٰ سے مروی ہے کہتے ہیں حسن بن علی رضی اللہ عنہما جب مدینہ سے کوفہ آئے تو انھیں مخاطب کرتے ہوئے میں نے ''یا مذل المؤمنین'' (اے مومنوں کو رسوا کرنے والے) کہا، انھوں نے کہا: ایسا نہ کہو، میں نے اپنے والد کو کہتے سنا ہے: کچھ ہی دنوں کے بعد معاویہ حکومت کریں گے، اس پر مجھے یقین ہوگیا کہ اللہ کا فیصلہ نافذ ہونے والا ہے، اس لیے مجھے ناپسند تھا کہ میرے اور ان کے مابین مسلمانوں کا خون بہے۔ ❷

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے:

''تم معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو ناپسند نہ کرنا، اللہ کی قسم ان کے نہ رہنے پر حنظل کے مانند سرتنوں سے جدا ہوں گے۔'' ❸

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ میں حکومت کی صلاحیت و طاقت تھی، نیز یہ کہ حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح سے متعلق ان کی تدبیر و منصوبہ اور تعامل میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے اچھے اسلوب کے نتیجے میں مصالحت کی مشترکہ مصلحتیں حاصل ہوئیں۔ صلح کے منصوبے کے بالفعل منصوبہ ساز حسن رضی اللہ عنہ تھے، لیکن صلح کی کامیابی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت، ان کی سیاست، ان کے حلم اور اسلوب کی نرمی کا بہت بڑا دخل رہا۔

آپ حسن رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے محبت رکھتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے اور اہل بیت کے فضائل بیان کرتے تھے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ الٰہی قضا و قدر کے مطابق ان کے مابین جو بھی جھگڑے اور لڑائیاں ہو چکی تھیں اس کے باوجود

❶ صحيح مسلم كتاب الإمارة حديث نمبر ٦٥

❷ تاريخ دمشق ۱۲/ ۱۰۵

❸ تاريخ دمشق ۱۲/ ۱۰۵

وہ حق بات (اہل بیت کے احترام) کو ترجیح دیتے تھے۔ ❶ امام احمد بن حنبل نے مسند میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو نقل کیا ہے، کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن رضی اللہ عنہ کی زبان اور ہونٹوں کو اپنی زبان سے چوستے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسی زبان اور ہونٹ کو عذاب میں ہرگز مبتلا نہیں کرے گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے چوسا ہو۔'' ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں بہت صراحت پسند، اپنے گناہوں کے معترف، رب کی مغفرت کے طالب اور اس کی رحمت کے امیدوار تھے، چنانچہ ابن شہاب سے مروی ہے وہ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ مسور رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے انھوں نے کہا: اے مسور! حکام کو تمھارے لعن طعن کرنے کا کیا نتیجہ نکلا؟ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا: چھوڑیے اس بات کو، جس بات کے لیے میں آیا ہوں اس پر اچھی طرح دھیان دیں، معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ میں جتنے عیوب تم پاتے ہو، انھیں تم بذات خود مجھ سے ذکر کرو، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے تمام عیوب بیان کر دیے، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں برائیوں سے مبرا نہیں، لیکن کیا تم عام لوگوں کے ساتھ میری بھلائیوں کو شمار نہیں کرتے، بلکہ انھیں چھوڑ کر صرف برائیوں کو شمار کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، انھوں نے کہا: اللہ کے واسطے میں ہر برائی کا اقرار کرتا ہوں، لیکن کیا تمھارے اندر برائیاں نہیں، جنھیں تم نے خاص لوگوں کے ساتھ انجام دیا ہو اور تمھیں ان کا خوف لاحق ہو؟ چنانچہ انھوں نے اس کا اعتراف کیا، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کون سی چیز تمھیں مغفرت کا مجھ سے زیادہ حق دار بناتی ہے؟ اللہ کی قسم میری بھلائیاں تمھاری بھلائیوں سے زیادہ ہیں، میں اللہ اور اس کے ماسوا میں سے صرف اللہ کا انتخاب کرتا ہوں، میں اس دین کا قائل ہوں جس میں اعمال قبول کیے جاتے ہیں اور نیکیوں کا بدلہ دیا جاتا ہے، مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے مکمل احساس ہو گیا کہ انھوں نے مجھے مغلوب کر دیا، عروہ کہتے ہیں: اس کے بعد مسور رضی اللہ عنہ نے جب بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا تو ان کے لیے بھلائی کی دعا کی۔ ❸

اگر اللہ تعالیٰ نے قوت بخشی اور اسباب مہیا کیے تو خلافت بنی امیہ سے متعلق لکھوں گا اور وہاں معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کروں گا، لیکن اس نیت کے باوجود کوئی مانع نہیں کہ اس واقعے کا ذکر کروں، جو آپ کے خوف وخشیت الٰہی کا پتہ دیتا ہے، آپ کی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی

❶ الناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية ص ٥٧

❷ المسند حديث نمبر ١٦٨٤٨، اس کی سند صحیح ہے۔

❸ سير أعلام النبلاء ٣/ ٣٩٢

اس حدیث کا جب بھی ذکر کیا گیا جس میں ہے کہ قیامت کے دن امتِ محمدیہ کے جن لوگوں کو پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا وہ ریاکار، قرآن کا قاری، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کا ذکر کرکے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

((يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أُولٰئِكَ الثَّلَاثَةُ أَوَّلُ خَلْقِ اللّٰهِ تُسْعَرُبِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .)) ❶

''اے ابوہریرہ یہی تینوں پہلے لوگ ہوں گے جنھیں قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا۔''

تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سن کر فرمایا: جب اتنے بڑے بڑے کام کیے لوگوں کا یہ حال ہوگا تو بقیہ لوگوں کا حال کیا ہوگا؟ راوی کہتے ہیں: اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے یہاں تک کہ ہمیں خدشہ لاحق ہوگیا کہ آپ ہلاک نہ ہوجائیں، پھر آپ کی حالت سدھری، چہرے کو صاف کیا اور فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ ❷ (هود: ١٥، ١٦)

''جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوا چاہتا ہو ہم ایسوں کے سارے اعمال (کا بدلہ) یہیں بھرپور دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی، ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ انھوں نے یہاں کیا ہوگا وہاں سب اکارت ہے، اور جو کچھ ان کے اعمال تھے، سب برباد ہونے والے ہیں۔''

بلاشبہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور خدمتِ اسلام میں ان کے تاریخی کارناموں کا صلح کی کامیابی میں اہم کردار رہا، ہمارے خیال میں وہ ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طبقہ میں سے نہیں تھے، لیکن وہ عادل بادشاہوں میں سے تھے، آپ کی سیرت اجتماعی، اقتصادی، فوجی، اداری اور سیاسی تفقہ سے بھرپور تھی، ضرورت ہے کہ آپ کے کارناموں کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے اور لکھا جائے، اللہ سے اس کی توفیق کے ہم طالب ہیں۔

سابعاً:......عراقی فوج اور اہل کوفہ کا اضطراب:

خوارج کے نکل جانے سے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی فوج کمزور ہوگئی تھی، نیز جمل، صفین اور نہروان جیسی

❶ صحیح سنن الترمذی للالبانی حدیث نمبر ۱۷۱۳، اس کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

❷ النهاية فی الفتن، والملاحم ۲/ ۵۲

جنگوں کے باعث اہل عراق جنگ سے اکتا چکے تھے اور متنفر ہو چکے تھے، بالخصوص مقام صفین میں اہل شام سے جنگ، ان سے یہ جنگ معمولی جنگ نہیں تھی، صفین کا یہ خون ریز معرکہ ان کے ذہنوں سے اوجھل نہیں ہوا تھا، اس میں مقصد بھی حاصل نہیں ہوا اور بہت سارے بچے یتیم ہو گئے، بہت ساری عورتیں بیوہ ہو گئیں، اگر صلح نہ ہو جاتی یا اس تحکیم کا معاملہ نہ ہوتا جس کا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے بہت سارے ساتھیوں نے استقبال کیا تھا تو یہ معرکہ عالم اسلام کے لیے اتنی بڑی مصیبت ہوتا جس کے برے نتائج کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے دوبارہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام پر لشکر کشی سے کترانا کچھ لوگوں کو زیادہ پسند تھا اگرچہ وہ جانتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں۔ ❶

جن مشکلات کے باعث امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے خیمے میں کمزوری آئی ان میں سے یہ چیز بھی تھی کہ خوارج علی رضی اللہ عنہ سے براءت کا اظہار اور انھیں کافر قرار دیتے تھے، ردعمل کے طور پر ایسا فرقہ وجود میں آ گیا جو علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم میں غلو کرنے لگا اور انھیں مقام الوہیت تک پہنچا دیا۔ ❷ ان کے مقاصد برے تھے کہ دین کو تباہ و برباد کرنے کے لیے مسلمانوں میں غلط عقائد داخل کر دیں اور صرف علی رضی اللہ عنہ کی فوج کو نہیں بلکہ پورے مسلمانوں کو کمزور کر دیں۔ ❸ علی رضی اللہ عنہ نے پوری شدت اور قوت سے ان کا مقابلہ کیا۔

بلاشبہ خوارج کے نکل جانے اور ان کے قتل کے سبب علی رضی اللہ عنہ کا خیمہ کافی کمزور ہو گیا، اس کے بعد باہمی اختلافات بڑھتے رہے، چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے اہواز پر مقرر گورنر خریت بن راشد (دوسری روایت کے مطابق اس کا نام حارث بن راشد) نے اپنی قوم کے ساتھ بغاوت کر دی، لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کی دعوت دی، بہت سارے لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا، چنانچہ اس علاقے پر اس نے قبضہ کر لیا اور ٹیکس وصول کرنے لگا، اس لیے علی رضی اللہ عنہ نے معقل بن قیس ریاحی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اس کی جانب فوج بھیجی جس نے اسے شکست دی اور قتل کر دیا۔ ❹

علی رضی اللہ عنہ کے خیمے میں خراج دینے والوں کو خراج نہ دینے کا لالچ پیدا ہو گیا، اہل اہواز الگ تھلگ ہو گئے اس کے باعث علی رضی اللہ عنہ کو بہت ساری فوجی و مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں شعبی کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے:

> ''جب علی رضی اللہ عنہ نے اہل نہروان سے جنگ کی تو بہت سارے لوگوں نے آپ کی مخالفت کی، اطراف واکناف کے لوگ آپ سے الگ ہو گئے، بنو ناجیہ نے آپ کی مخالفت کی۔ ابن حضرمی بصرہ چلے

---

❶ خلافة علی بن أبی طالب، عبدالحمید علی ص ٣٤٥

❷ نظام الخلافة فی الفکر الإسلامی مصطفی حلمی ص ١٥، ١٦

❸ خلافة علی بن ابی طالب، عبدالحمید علی ص ٣٥٠

❹ تاریخ الطبری ٦/ ٢٧۔ ٤٧

آئے، اہل اہواز آپ سے الگ ہو گئے، خراج دینے والوں میں نہ دینے کا لالچ پیدا ہو گیا، اور ان لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے گورنر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو فارس سے نکال دیا۔'' ❶

حسن رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو عراقی فوج میں اضطراب تھا، اہل کوفہ اپنے معاملہ میں متردد تھے، ابن درید کی ''المجتبی'' میں وارد ہے:

''حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے انتقال کے بعد کھڑے ہو کر تقریر کی: اللہ کی قسم! ہم نے اہل شام سے اس لیے منہ نہیں موڑا کہ ہم شک و ندامت میں مبتلا تھے، ہم صبر و سلامتی کے ساتھ ان کی مزاحمت کرتے تھے، پھر سلامتی میں دشمنی اور صبر میں بے صبری کی ملاوٹ ہو گئی، جب تم جنگ صفین میں گئے تھے تو تمھارا دین دنیا پر مقدم تھا، آج تمھاری حالت بدل گئی ہے، تمھاری دنیا دین پر مقدم ہے، تمھارے ساتھ ہمارا جو معاملہ تھا وہی ہے، لیکن ہمارے ساتھ تمھارا معاملہ بدل چکا ہے، تم دو طرح کے مقتولین کے مابین منقسم ہو، صفین کے مقتولین جن پر تم رو رہے ہو، نہروان کے مقتولین جن کے بدلے کا تم مطالبہ کر رہے ہو، بقیہ لوگ جنگ سے کترانے والے ہیں، مقتولین پر رونے والے بغاوت کرنے والے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایسی بات کی دعوت دی ہے جس میں نہ عزت ہے نہ انصاف، اگر تم جنگ میں موت کے لیے تیار ہو تو ان کی دعوت ہم ٹھکرا دیں، اور اگر جنگ نہ کر کے زندہ رہنا چاہتے ہو تو ان کی دعوت قبول کر لیں، ہر طرف سے لوگوں کی آواز آئی: ''جنگ سے بچو'' جنگ سے بچو، جب لوگوں نے انھیں تنہا کر دیا تو آپ نے صلح کر لی۔'' ❷

مجھے اگرچہ اس تقریر کی نسبت میں شک ہے، لیکن وہ حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کی اس نفسیات کی تصویر کشی کرتی ہے جس کے باعث اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صلح میں آپ نے جلدی کی۔ ❸

اہل عراق نے حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ کیا، اور جو برا اور اہانت آمیز سلوک کیا اس کا اظہار کرتے ہوئے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کی قسم! میری رائے میں معاویہ رضی اللہ عنہ میرے لیے ان لوگوں سے بہتر ہیں جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ میرے معاونین ہیں، انھوں نے مجھے قتل کرنا چاہا، میرے مال و اسباب کو لوٹ لیا، اللہ کی قسم میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایسا عہد لے لوں جس سے میں اپنی جان بچا لوں اور اپنے اہل وعیال میں امن و امان سے رہوں، یہ بہتر ہے اس سے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں، پھر میرے

❶ تاریخ الطبری ٦/ ٥٣ ❷ سیر أعلام النبلاء ٣/ ٢٦٩

❸ الدوحة النبویة الشریفة ص ٩٣

اہل بیت اور اہل وعیال برباد ہو جائیں، اللہ کی قسم! اگر میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کروں گا تو یہ لوگ میری گردن ان کے حوالے کر کے صلح کر لیں گے، اللہ کی قسم اگر میں باعزت ان سے صلح کرلوں یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ مجھے بحالت قید قتل کر دیں، یا مجھ پر احسان کرتے ہوئے چھوڑ دیں، تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنو ہاشم پر احسان ہوگا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ نیز ان کی آنے والی نسل ہمارے زندوں اور مردوں پر اس کا احسان جتاتی رہے گی۔'' ❶

نیز فرمایا:

''میں اہل کوفہ کو پہچان چکا ہوں اور انھیں آزما چکا ہوں، ان میں سے جو خراب تھے وہ میرے لیے اچھے نہیں ہو جائیں گے، وہ وفادار نہیں ہیں، ان کے قول وعمل کا کوئی بھروسا نہیں ہے، یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ان کے دل ہمارے ساتھ ہیں جب کہ وہ ہم سے اختلاف رکھنے والے ہیں، اور ان کی تلواریں ہمارے خلاف ہی اٹھنے والی ہیں۔'' ❷

اہل عراق نے حسن رضی اللہ عنہ کے والد کو قتل کر دیا، خود ان کو قتل کرنے کی کوشش کی، ان کا مال واسباب لوٹ لیا، اس کے بعد حسن رضی اللہ عنہ ان پر کوئی بھروسا نہیں کرتے تھے۔ اس چیز کو اپنی تقریر میں بیان کرتے ہوئے کہا:

''اے اہل عراق! تمھاری تین غلطیاں میرے ذہن سے اوجھل نہیں ہوتیں ورنہ میں تمھاری غلطیوں کو بھول جاتا، تمھارا میرے والد کو قتل کر دینا، میری ران کی جڑ پر وار کر کے زخمی کر دینا، میرے مال واسباب کو لوٹ لینا، دوسری روایت کے مطابق میری چادر کو میرے کندھے سے کھینچ لینا۔'' ❸

حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ایسا کرنے پر آپ کو کس چیز نے آمادہ کیا؟ تو جواب دیا: مجھے دنیا ناپسند تھی، مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ کوفیوں پر جو بھی بھروسا کرے گا مغلوب ہو جائے گا، ان میں سے کوئی کسی معاملے اور رائے میں دوسرے کی موافقت نہیں کرتا، بھلائی یا برائی کی کوئی پختہ نیت ان کے پاس نہیں ہوتی، جب چاہتے ہیں اختلاف کر بیٹھتے ہیں، میرے والد نے ان کے بہت سے عظیم معاملات کو جھیلا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ میرے بعد یہ لوگ کس کے لیے اچھے ہوں گے۔ ❹ یہ بات علی الاطلاق نہیں تھی، حسن رضی اللہ عنہ کی فوج کو قوی قرار دیا جا سکتا ہے، اور اس کے کچھ دستے جنگ کے لیے تیار تھے، ان میں پیش پیش قیس بن سعد خزرجی رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ دوسرے قائدین تھے۔

---

❶ الشیعة و اهل البیت ص ۳۷۹، نقلا عن الاحتجاج للطبرسی ص ۱٤۸

❷ الشیعة و أهل البیت ص ۳۷٦، نقلا عن الاحتجاج للطبرسی ص ۱٤۸

❸ الطبقات، تحقیق السلمی ۱/ ۳۲٤، اس کی سند حسن ہے۔

❹ الكامل فی التاریخ ۲/ ٤٤۸

ثامناً:..... معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوجی قوت:

دوسری طرف علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے مخالف خیمہ کو مضبوط کرنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ خفیہ اور کھلم کھلا ہر طرح کے وسائل استعمال کرتے رہتے تھے، چنانچہ سوئی فوج میں موجود اختلاف و انتشار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مصر پر حملہ کرا دیا، نتیجتاً اس پر قبضہ کر کے اسے اپنے علاقوں میں شامل کرلیا، اس سلسلے میں چند عوامل معاون ثابت ہوئے، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا خوارج کے ساتھ مشغول رہنا۔

۲۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر کے لیے مقرر گورنر محمد بن ابوبکر پہلے گورنر قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انصاری کی طرح زیرک نہیں تھے، اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ طلب کرنے والوں کے ساتھ پہلے گورنر کی طرح سیاست سے کام نہیں لیا بلکہ ان کے ساتھ جنگ چھیڑ دی، نتیجتاً ان لوگوں نے انھیں شکست دے دی۔

۳۔ مصر میں خون عثمان کے بدلہ کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اتفاق کرلیا، یہ چیز اس پر قبضہ کرنے میں معاون ثابت ہوئی۔ ❶

۴۔ مصر کا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے مرکز عراق سے دور ہونا اور شام سے قریب ہونا۔

۵۔ مصر کی جغرافیائی صورت حال، چنانچہ وہ جزیرہ نما سینا کے راستے براہ شام سے ملا ہوا ہے، اور اس کا طبعی پھیلاؤ معلوم ہوتا ہے، مصر نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی اقتصادی و افرادی قوت میں زبردست اضافہ کردیا، امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے قبضہ کرنے والوں کے معارضہ کے لیے لشکر بھیجا تھا۔ ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبائل کے بڑے لوگوں نیز علی رضی اللہ عنہ کے گورنروں کو اپنی جانب مائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے مصر کے لیے مقرر گورنر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے، لیکن انھیں اتنی کامیابی مل گئی کہ علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب حل وعقد اور مشورہ دینے والوں کو ان کے بارے میں مشکوک کردیا اس لیے وہ معزول کر دیے گئے۔ ❸ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی معزولی معاویہ رضی اللہ عنہ کی بڑی کامیابی تھی۔ اسی طرح فارس کے لیے علی رضی اللہ عنہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیان کو اپنی جانب مائل کرنا چاہا، لیکن ناکام رہے۔ ❹ بعض بڑے لوگ اور گورنر یہ دیکھ کر کہ علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ کمزور ہے اور معاویہ رضی اللہ عنہ

---

❶ الطبقات لابن سعد (۳/ ۸۳۹)، خلافة علي بن أبي طالب، عبد الحميد علي ص ۱۵۳، اس کی سند حسن ہے۔

❷ تاريخ خليفة ص ۱۹۱ ❸ الاستيعاب ۳/ ۵۲۵، ۵۲۶

❹ ولاة مصر ص ۴۵-۴۶

کا معاملہ قوی ہے، اور یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ انھیں لالچ دلا رہے ہیں وہ سب ان سے متاثر ہوگئے، یہاں تک کہ حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک تقریر میں کہا:

''بلاشبہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بسر (رضی اللہ عنہ) فوجوں کو لے کر چڑھائی کر چکے ہیں، میری رائے میں وہ تم پر غالب آ جائیں گے، اس لیے کہ وہ باطل پر ہونے کے باوجود متحد ہیں، تم حق پر ہونے کے باوجود منتشر ہو، وہ اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں، تم نافرمانی کرتے ہو، وہ امین ہیں تم خائن ہو، میں نے فلاں کو گورنر بنایا، اس نے دھوکہ دیا اور مال لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا، فلاں کو گورنر بنایا، اس نے بھی خیانت کی، دھوکہ دیا اور مال لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا، تا آنکہ اگر میں نے ان میں سے کسی کو ایک پیالے کا امین بنایا تو مجھے اس کے دستے تک کا ڈر لگا رہا، اے اللہ! میں ان سے نفرت کرتا ہوں اور یہ مجھ سے، اس لیے انھیں مجھ سے اور مجھے ان سے چھٹکارا دے دے۔'' [1]

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد بھی عراق کے بڑے لوگوں اور لیڈروں سے معاویہ رضی اللہ عنہ مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بہت سے اسباب فراہم ہوگئے جو ان کے خیمے کے قوی ہونے میں معاون ثابت ہوئے۔ ان میں سے چند اسباب یہ ہیں: فوج ان کی مطیع و فرماں بردار تھی، ان پر اہلِ شام متفق تھے، شام میں ان کو انتظامی تجربہ حاصل تھا، ان کے مالی وسائل مضبوط تھے، امت کی مصلحتوں پر مشتمل مقاصد کے حصول میں مال بے دریغ خرچ کرتے تھے۔

صلح کی شرائط

تاریخی کتابوں نیز نئے مصادر و مراجع نے صلح اور طرفین کی جانب سے طے شدہ شرائط سے متعلق گفتگو کی ہے، وہ شرطیں مورخین کے پاس منتشر تھیں، بعض علما نے ان کے جمع و ترتیب کی کوشش کی ہے، ان کی کوشش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی سمجھ کے مطابق میں نے بھی ان کی ترتیب کی کوشش کی ہے، اور صلح کے بندوں میں سے ہر بند پر مناسب تبصرہ کیا ہے۔

اولاً:...... کتاب و سنت اور سیرت خلفائے راشدین پر عمل:

صحیح بخاری کی روایت میں مذکور ہے کہ آنے والے وفد (عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ) سے حسن رضی اللہ عنہ نے جس جس چیز کا مطالبہ کیا دونوں نے کہا: ہم اس کی ذمہ داری لیتے ہیں، جن حالات میں صلح کی تکمیل ہوئی ان میں عین مناسب تھا کہ کتاب و سنت اور سیرتِ خلفائے راشدین کے مطابق عمل کی یاد دہانی کرائی

[1] التاریخ الصغیر للبخاری ۱/ ۱۲۵ ، اس کی سند منقطع ہے اور اس کے شواہد ہیں۔

جائے، یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک طرح کی یاد دہانی تھی اور انھیں کتاب وسنت وسیرت خلفائے راشدین کی پیروی کے لیے پابند کرنا تھا، میرے استاد ڈاکٹر محمد بطاینہ سمیت ان مورخین سے میں اتفاق نہیں کرتا جن کی رائے میں اگر یہ شرط صلح کی شرائط میں سے مان لی جائے تو یہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک طرح کی تہمت طرازی ہوگی اور اس سلسلے میں ان پر کوتاہی کی تہمت لگائی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانبین سے صلح کی مقررہ شرائط میں سے یہ شرط نہیں تھی۔ ❶

اس شرط کو بہت سارے علما نے ذکر کیا ہے، انھی میں سے ابن حجر ہیثمی ہیں، انھوں نے معاویہ وحسن رضی اللہ عنہما کے مابین صلح کی صورتِ حال اس طرح بیان کی ہے:

> ''حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ خلافت ان کے حوالے کردیں گے، اور وہ لوگوں کے ساتھ کتاب وسنت اور سیرت خلفائے راشدین کی روشنی میں معاملہ کریں گے۔'' ❷

یہاں تک کہ بعض شیعی کتابوں میں اس شرط کا تذکرہ ہے، یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک ابوبکر، عمر، عثمان اور علی تمام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی عزت اس حد تک تھی کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے جو شرائط مقرر کیں، ان میں یہ شرط تھی کہ وہ کتاب وسنت اور سیرتِ خلفائے راشدین پر عمل کریں گے اور اسی کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ ❸ ایک دوسرے نسخے کے مطابق...... سیرت خلفائے صالحین کی پیروی کریں گے۔ ❹ اس شرط کے ذریعہ سے دستورِ زندگی اور بنیادی قانون کے سلسلے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو پابند کرنا تھا، اس شرط سے چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ عہد خلافت راشدہ میں شریعت کے مصادر:

أ:...... قرآن کریم:

ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴾ (النساء: ۱۰۵)

> ''یقیناً ہم نے تمھاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔''

---

❶ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ٦٨

❷ الصواعق المحرقة ۲/ ۳۹۹ ❸ الشیعة و أهل البیت ص ٥٤

❹ منتهی الآمال، ۲/ ۲۱۲۔ نقلا عن الشیعة و اهل البیت ص ٥٤

چنانچہ وہی مصدرِ اول ہے جو زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق شرعی احکام پر مشتمل ہے، اس میں تمام شعبہ ہائے حیات کی اصلاح کے قطعی احکام اور بنیادی اصول موجود ہیں، اس نے مسلمانوں کے لیے تمام بنیادی باتوں کو بیان کر دیا ہے۔

ب: ..... حدیث نبوی:

یہ مصدرِ ثانی ہے جس سے اسلامی قانون اپنے اصول و ضوابط حاصل کرتا ہے، اس سے قرآنی احکام کی تعیین کی شکلوں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔❶ اور اللہ تعالیٰ نے اطاعتِ رسول کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (آل عمران: ۳۲)

''کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے رسول کے حکم کی مخالفت کی خطرناکی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور: ۶۳)

''سنو جو لوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انھیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔''

نیز بتایا کہ رسول کے فیصلے کے بعد مومن کو کوئی اختیار نہیں رہ جاتا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۳۶)

''اور (دیکھو) کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔''

اختلافی صورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول ہی کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء: ۵۹)

''پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف۔''

اور اختلاف کے وقت رسول کی جانب لوٹانے کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کا تقاضا اور لازمہ قرار دیا ہے:

❶ فقه التمكين في القرآن الكريم للصلابي ص: ۴۳۲

﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النساء: ۵۹)

''اگر تمھیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت اچھا ہے۔''

مذکورہ باتوں کی روشنی میں یہ بات لازمی تھی کہ حدیث نبوی عہد خلافتِ راشدہ میں شریعت کے مصادر میں سے تھا۔

بلاشبہ خلافتِ راشدہ کی حکومت شریعت کی پابند تھی، اس میں اسلامی قانون و شریعت کو ہر قانون پر فوقیت حاصل تھی، وہ نہایت روشن و تابناک حکومت تھی، اپنے تمام شعبوں میں شرعی احکام کی پابند تھی، اس کا [illegible] ادارہ کلی حق سے پابندی کرتا تھا۔ ❶

دورِ خلافت راشدہ اور صحابہ کے معاشرے میں شریعت کو ہر چیز پر فوقیت حاصل تھی، حاکم و محکوم سب اس کے پابند تھے، اس لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امت سے جس اطاعت کا مطالبہ کیا اسے اللہ و رسول کی اطاعت سے مربوط کرتے ہوئے فرمایا:

((أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ فَإِنْ عَصَيْتُ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ)) ❷

''[illegible] کے رسول کی اطاعت کروں تم میری [illegible] اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی [illegible] تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں۔''

۲۔ خلفائے راشدین کی سنت کی اہمیت:

جیسا کہ گزر چکا ہے حسن رضی اللہ عنہ عہد خلافت راشدہ سے پوری طرح واقف تھے، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین اور اپنے والد علی رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت سے بہت سارے اسباق سیکھے اور تجربات حاصل کیے، عہد خلافت راشدہ کی اہمیت اس بات سے عیاں ہوتی ہے کہ وہ عہد نبوی سے ملا ہوا ہے اور اس سے قریب ہے، عہد خلافت راشدہ عہد نبوی ہی کا تسلسل تھا، اس میں عہد نبوی کی تمام باتوں پر مکمل عمل ہوتا تھا، انھیں مکمل طور پر عمل میں لایا جاتا تھا، حرف بحرف ان کی تنفیذ ہوتی تھی اور ان کا التزام کیا جاتا تھا، ساتھ ہی ساتھ عہد خلافت راشدہ میں شورائی اصولوں پر حکومت کو مضبوط کرنے اور نوع بنوع نئے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے

❶ نظام الحکم فی الاسلام ص ۲۲۷

❷ البدایۃ والنہایۃ ۶/ ۳۰۶

حکومت کے تمام شعبوں سے متعلق نئی ترتیبات وضع کی گئیں، مختلف مجالات میں نئے اجتہادات سامنے آئے، جن سے حکومت اور ملتِ اسلامیہ نے استفادہ کیا۔ تا قیامت مسلمان حکمرانوں کے لیے عہد خلافت راشدہ کی اہمیت کی سب سے بڑی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے:

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ .)) ❶

''تم میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔''

نیز آپ کا یہ قول بھی:

((اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ .)) ❷

''میرے بعد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرو۔''

٣۔ خلافت راشدہ کے نقوش وآثار:

ا: خلفائے راشدین اپنے فیصلوں، تصرفات، حکومتی معاملات کی دیکھ ریکھ، پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے میں اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی شورائیت پر عمل کرتے تھے۔

ب: ان میں سے کسی نے بھی خلافت اس طرح حاصل نہیں کی کہ انھوں نے اپنے کو، یا انھیں پیشرو خلیفہ نے مسلمانوں پر تھوپ دیا ہو، بلکہ خلیفہ بنائے جانے کا عمل مسلمانوں کی شورائیت سے پورا ہوتا تھا، لیکن اس شورائیت کی مختلف وقتوں میں مختلف شکلیں رہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کے انتخاب کے لیے اسلام نے کوئی خاص کیفیت متعین نہیں کی ہے۔

ج: شورائیت سے منتخب ہونے کے بعد کھلم کھلا خلیفہ کی بیعت مکمل ہوتی تھی، بعض لوگوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا تھا، امت کی اکثریت کی رائے کا اعتبار ہوتا تھا، بیعت ہو جانے کے بعد بغیر صریح کفر کے اسے توڑا نہیں جاسکتا تھا۔

د: مالی امور سے لے کر سیاسی امور تک تمام تصرفات میں خلیفہ کے احتساب کی ذمہ داری پوری امت کی ہوتی تھی، لیکن وہ احتساب اسلام کے مقرر کردہ نظام کے مطابق ہوتا اور ارباب حل وعقد کے ذریعہ سے اس کی تکمیل ہوتی تھی، یہ جائز نہیں تھا کہ پوری امت خلیفہ کے خلاف بھڑک اٹھے، اس لیے کہ اس سے فتنہ پیدا ہوتا اور افواہیں پھیلتیں جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے فتنہ میں ہوا۔ ❸

❶ سنن أبی داود ٤/ ٢٠١ ، سنن الترمذی ، سنن الترمذی ٥/ ٤٤ ، اس کی سند حسن ہے۔
❷ صحیح سنن الترمذی للالبانی ٣/ ٢٠٠
❸ الخلفاء الراشدون أعمال و أحداث د. امین القضاۃ ص ١٣

حاکم کے احتساب کے اصول اور اس کے مراقبہ سے متعلق امت کے حق کو خلفائے راشدین نے اپنے اقوال وافعال سے ثابت کیا ہے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُوْنِيْ وَ إِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُوْنِيْ .)) ❶

''اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو، اگر غلط کروں تو تم مجھے سیدھا کرو۔''

اور عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ مَنْ رَفَعَ إِلَيَّ عُيُوْبِيْ .)) ❷

''مجھے وہ شخص زیادہ پسندیدہ ہے جو مجھ تک میرے عیوب پہنچاتا ہے۔''

نیز فرمایا:

((إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ أُخْطِئَ فَلَايَرُدُّنِيْ أَحَدٌ مِّنْكُمْ تَهَيُّبًا .)) ❸

''میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو ڈر کے باعث تم میں سے کوئی مجھے نہ ٹوکے۔''

عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((إِنْ وَجَدْتُمْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ أَنْ تَضَعُوْا رِجْلِيْ فِى الْقَيْدِ فَضَعُوْا رِجْلِيْ فِي الْقَيْدِ .)) ❹

''اگر تم کتاب اللہ میں پاتے ہو کہ تم میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دو تو میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دو۔''

علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((إِنَّ هٰذَا أَمْرُكُمْ لَيْسَ لِأَحَدٍ فِيْهِ حَقٌّ إِلَّا مَنْ أَمَّرْتُمْ ، إِلَّا إِنَّهُ لَيْسَ لِيْ أَمْرٌ دُوْنَكُمْ)) ❺

''بلاشبہ یہ (خلافت) تمھارے حوالے ہے، وہی اس کا مستحق ہوگا تم جس کے حوالے کر دو، تمھارے بغیر مجھے خلافت کا کوئی حق نہیں۔''

---

❶ البداية والنهاية ٦/ ٣٠٥

❷ الشيخان ابوبكر و عمر و من رواية البلاذري ص ٢٣١

❸ الشيخان ابوبكر و عمر و من رواية البلاذري ص ٢٣١ ، نظام الحكم في عهد الخلفاء الراشدين ص ١٩٨ .

❹ مسند أحمد حديث نمبر ٥٢٤

❺ تاريخ الطبري ٥/ ٤٤٩-٤٥٧

عہد خلفائے راشدین میں حکام سے متعلق امت کے حق مراقبہ کو تسلیم کیا جاتا ہے، اس کا کسی نے انکار نہیں کیا ہے، جس سے اس پر اجماع کا پتہ چلتا ہے۔ ❶ عہد خلافت راشدہ میں صحابہ (چاہے حاکم ہوں یا محکوم) کے اجماع کے ایک ہی معنی تھے: کتاب اللہ کی صحیح سمجھ، سنت پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ۔ ❷

ہ: جن امور میں کتاب وسنت کی کوئی نص نہیں ہوتی ان میں باہمی مشورے اور مصالح مرسلہ کے تحت مصلحت عامہ کے حصول کے لیے جن تنظیمی کاروائیوں کو خلیفہ مناسب سمجھتا انجام دے سکتا تھا، جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن میں، عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے اطراف کی زمینوں اور دیگر تنظیمی امور (جیسے فوج اور خزانے کے دفاتر کے قیام) کے سلسلے میں، عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف کے نسخوں کو تیار کرانے اور مختلف علاقوں میں بھیجنے کے بارے میں کیا۔

و: امت کے اکابر اور علماء کا اختلاف [illegible] امر ہے لیکن امت کی مصلحت، باہمی خیر خواہی اور بھائی چارگی کے ماحول میں اصولوں سے [illegible] یہ [illegible] اختلاف وجود میں آتا ہے، جیسا کہ سقیفہ بنو ساعدہ، حروب ردہ، اور جمع قرآن میں ہوا، لیکن اس اختلاف کو امت کی گروہ بندی اور باہمی جھگڑے تک نہیں پہنچنا چاہیے، [illegible] کہ اس سے [illegible] دیکھنا پڑتا ہے، اور اس سلسلے میں اصل فیصل اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔ ❸

ز: خلافت راشدہ کے نقوش و آثار کا اختصار یوں کیا جا سکتا ہے کہ سیاسی نظام میں سب سے اعلیٰ دستوری حیثیت کتاب وسنت کو حاصل تھی، آسمانی شریعت کے احکام کی مکمل تنفیذ ہوتی تھی، حاکم منتخب ہوتا اور [illegible] بیعت [illegible] کے بجائے پوری امت کا ہوتا تھا، مکمل شورائی نظام تھا، اس کے کچھ منتظمین ہوتے جو معاشرے کے افراد کو راضی کرنے کا کام انجام دیتے تھے، پیش آمدہ مسائل میں امت کا عمل دخل ہوتا تھا۔

معاشرتی امور میں عہد خلافت راشدہ کو اجمالاً یہ امتیاز حاصل تھا کہ لوگوں کی ایمانی تربیت کی گئی تھی، لوگوں کے دلوں میں حرمات شرعیہ سے رکنے کی پوری صلاحیت تھی، نسلی تعصب کی بالکل اجازت نہیں تھی، لوگوں کو مکمل طور پر مسلمان بنایا گیا تھا، عموماً انسانی حقوق اور داخلی اتحاد و اتفاق پر زور دیا جاتا تھا، حکومت کی سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی، یہ تمدنی ذمہ داری سب کی تھی چاہے وہ حاکم ہوں یا محکوم۔

---

❶ [illegible] ص ۳۶۱

❷ علی بن أبی طالب [illegible] للصلابی ۱/ ۳۴۵

❸ علی بن أبی طالب للصلابی ۱/ ۳۴۵

اسلامی حکومت کے یہ بنیادی مناہج تھے جو ہر زمانے کے لیے آئیڈیل اور معیار بن گئے، مسلمانوں نے ان کی تعمیر خلافت راشدہ سے کی تاکہ وہ حکومت کی دوسری تمام شکلوں سے ممتاز رہے۔ ❶ اسی لیے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح میں کتاب وسنت اور سیرت خلفائے راشدین پر عمل کرنے کی شرط لگائی۔

ثانیاً:　اموال:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفد عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم بنوعبدالمطلب اتنا مال پا چکے ہیں تو کون اس کی ذمہ داری لے گا؟ دونوں نے کہا: ہم اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ ❷

حسن رضی اللہ عنہ ان اموال کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جنھیں وہ اور بنوعبدالمطلب کے دوسرے لوگ پا چکے تھے، ان کی مراد یہ تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ان کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں، ایسے اموال کا ذکر نہیں کر رہے تھے جن کی آئندہ سال سے ادائیگی کا وہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کرتے۔ ❸

ابن اعثم نے ذکر کیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: مال سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ مجھ پر مسلمانوں کے مال سے فے کی وصولی کی شرط نہیں لگائیں گے۔ ❹ ابوجعفر طبری نے عوانہ بن حکم کی روایت ذکر کی ہے کہ اہل بصرہ نے اپنے مال کے مطالبہ کرنے کے لیے حسن رضی اللہ عنہ اور ''دارابجرد'' کے خراج کے مابین رکاوٹ ڈال دی۔ ❺

اس میں شک نہیں کہ خراج وصول کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اس سلسلے میں حسن رضی اللہ عنہ اور اہل بصرہ کے مابین کوئی براہ راست ربط نہیں تھا، لیکن روایت اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ ''دارابجرد'' کا خراج ان اموال میں نہیں تھا۔ جو حسن رضی اللہ عنہ کو ملے تھے۔ ❻

بعض روایتوں میں ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھ پر بہت سا قرض ہے اور بہت سے لوگوں سے وعدہ کر رکھا ہے، چناں چہ انھیں بیت المال سے چار لاکھ سے زیادہ دلا دیا۔ ❼

ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ بیت المال سے انھیں دیا جاتا تھا جس سے وہ اپنے قرضوں کو ادا کرتے اور

---

❶ السيرة التاريخية للأمة د. قاسم محمد، ص ١٠
❷ صحيح البخاري، كتاب الصلح، حديث نمبر ٢٧٠٤
❸ دراسة في تاريخ الخلفاء الأمويين، ص ٦٤
❹ الفتوح ٣/ ٢٩٣
❺ تاريخ الطبري ٥/ ١٦٥
❻ دراسة في تاريخ الخلفاء الأمويين، ص ٦٤
❼ تاريخ الإسلام، عهد معاوية ص ٦

کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے تھے، اسی سے وہ خود اور ان کے ساتھ رہنے والے اپنے اہل وعیال اور اپنے والد کے اہل وعیال کی ذمہ داری نبھاتے تھے۔ ❶

بعض مورخین کی رائے ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے پچاس لاکھ درہم جنگوں میں ساتھ دینے والوں کے لیے روک لیے تھے۔ آپ اسی میں سے ان کو دیتے، اور وہی ان کے، نیز ان کے اہل بیت اور ساتھیوں کے اخراجات میں کام آتا تھا۔ ❷ اس میں شک نہیں کہ فوجیوں کو مال دینا کشیدگی کو کم کرنے میں معاون ہوتا ہے۔

لیکن صحیح بخاری کی روایت میں جو ہے میرے نزدیک وہی راجح ہے، معاملہ صرف ان اموال کو چھوڑ دینے کا مطالبہ کرنا تھا، جنھیں گزشتہ دنوں میں حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خاندان پا چکے تھے۔ ❸

ایسی روایتیں جن میں ان باتوں کا تذکرہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال حسن رضی اللہ عنہ کو دس لاکھ درہم اور ان کے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو بیس لاکھ درہم دیتے تھے، عطیات میں بنو ہاشم کو بنو عبد شمس پر فوقیت دیتے تھے، ❹ گویا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بیچ دیا تھا، تو اس طرح کی روایتیں اور ان کی تفسیر و تجزیہ میں جو کچھ کہا گیا ہے سب ناقابل قبول ہیں، ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ وہ اس بات کی تصویر کشی کرتی ہیں کہ اپنی خاص مصلحتوں کے بالمقابل امت کی مصلحتوں سے متعلق حسن رضی اللہ عنہ کا شعور و احساس بہت کمزور تھا۔ ❺ رہا معاملہ بیت المال سے عطیات کا تو اس میں حسن رضی اللہ عنہ تنہا نہیں تھے بلکہ سب مسلمان شریک تھے، یہ ہوسکتا ہے کہ اس میں ان کا حق دوسروں سے زیادہ رہا ہو، لیکن وہ روایتوں میں مذکور مقدار کا عشر عشیر بھی نہیں ہوسکتا۔ ❻

ثالثاً:.....خون:

دونوں فریقوں کے مابین صلح میں یہ بات شامل تھی کہ تمام لوگوں کو امن حاصل ہوگا، کسی سے بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفد سے کہا: یہ امت خون میں لت پت ہے، چنانچہ وفد نے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ذمہ داری لی کہ جن لوگوں نے خونریزی کی ہے سب کو معاف کردیا جائے گا۔ ❼

---

❶ تاریخ دمشق ۱٤/ ۹۰
❷ فی التاریخ الإسلامی، شوقی ابو خلیل ص ۲٦۸
❸ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ٦٤
❹ الأخبار الطوال ص ۲۱۸
❺ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ٦۳
❻ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ٦۳
❼ صحیح البخاری کتاب الصلح ۲/ ۹٦۳

لیکن زہری سے مروی روایت میں ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کے قائد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جب اس بات کا پتہ چل گیا جو حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے چاہتے تھے، تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیج کر امان طلب کر لی اور اپنے لیے ان مالوں کی شرط لگائی جنھیں وہ پا چکے تھے، پھر رات میں نکل کر ان سے جا ملے، اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما (جن کو انھوں نے اپنے بعد فوج کا ذمہ دار بنایا تھا) اور فوج نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کا عہد کیا تاکہ وہ شیعان علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کے اموال اور خونوں کی حفاظت کی شرط کو قبول کر لیں۔ ❶

مستشرق ولہاؤزن نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ یہ باطل تہمت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر لگا دے اور یہ ذکر کیا ہے کہ فوج کے قائد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے، اس سلسلے میں ولہاؤزن کی دلیل ہے کہ تاریخ طبری کے بعض مخطوط نسخوں میں وارد نام عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہے، اور عبداللہ و عبیداللہ میں مخطوطات کے اختلاف کا تعلق ناسخ سے نہیں ہے، بلکہ ان راویوں سے ہے جن کا ارادہ تھا کہ یہ تہمت و عار عباسیوں کے جد اعلیٰ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر نہ لگے، اور عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے بھائیوں نے ان کے عدم دفاع میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا۔ ❷

حالاں کہ تاریخی حقیقت یہ ثابت کرتی ہے کہ فوج کے قائد خود حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے، اور ان کے مقدمۃ الجیش کے قائد قیس بن سعد رضی اللہ عنہما تھے، اس سلسلے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر کہیں بھی نہیں ملتا❸ سوائے ضعیف روایتوں کے جو دلیل نہیں بن سکتیں۔ ابوحنیفہ دینوری نے "الأخبار الطوال"❹ اور ابن حجر نے "المطالب العالیة" ❺، اور ابن أعثم نے "الفتوح"❻ میں ذکر کیا ہے کہ فوج کے قائد حسن بن علی اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہم تھے۔ عبداللہ بن عباس اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ❼

ولہاؤزن کی اس بات کی تائید کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوج کے قائد تھے نہ کہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور اس پر اس کی مذکورہ دلیل کی مخالفت وہ روایت کرتی ہے جسے زیاد بن عبداللہ بکائی نے عوانہ بن حکم سے نقل کیا ہے، جن پر عباسیوں کی طرفداری کی تہمت نہیں تھی، وہ کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے یمن کے گورنر تھے، جب انھیں اپنی جانب بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی کا علم ہوا تو انھوں نے یمن میں اپنا نائب عبید اللہ بن عبدالمدان حارثی کو بنا دیا اور خود کوفہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے، ایسا ۴۰ھ میں ہوا، اور علی رضی اللہ عنہ نے بسر رضی اللہ عنہ کی فوج کے تعاقب کے لیے ایک فوج یمن کی جانب بھیج دی، اسی سال علی رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اور ایسا

❶ تاریخ الطبری ٥/ ١٦٣، ١٦٤
❷ تاریخ الدولة العربیة ص ١٠٣-١٠٦
❸ تاریخ الطبری ٥/ ١٥٩-١٦٠
❹ ص ٢١٧
❺ ٤/ ٣١٨، ٣١٩
❻ ٣/ ٢٨٩
❼ دراسة فی تاریخ الخلفاء الأمویین ص ٦٦

❺ البدایة والنهایة ١١/ ٢٠٦

سَعْدًا فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسُبَّ أَبَا تُرَابٍ؟ فَقَالَ: أَمَا مَا ذَكَرْتُ ثَلَاثًا قَالَهُنَّ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَنْ أَسُبَّهُ لَأَنْ تَكُوْنَ لِيْ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ .)) ❶

''عامر بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو گورنر بنایا تو ان سے پوچھا: کیا چیز ابوتراب علی (رضی اللہ عنہ) کو برا بھلا کہنے سے تمھیں روکتی ہے؟ جواب دیا: جن تین باتوں کا میں نے ذکر کیا ہے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں کہا ہے تو میں (ان کے باعث) انھیں ہرگز برا بھلا نہیں کہوں گا، ان میں سے ایک بات بھی میرے لیے ہوتی تو وہ میرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوتی۔''

امام نووی کہتے ہیں:

''معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں اس بات کی صراحت نہیں کہ انھوں نے سعد رضی اللہ عنہ کو انھیں برا بھلا کہنے کا حکم دیا تھا، بات صرف اتنی تھی کہ انھوں نے ان سے صرف اس سبب کے بارے میں سوال کیا جو انھیں برا بھلا کہنے سے روکنے والا تھا، گویا وہ کہہ رہے تھے کیا احتیاط کے سبب برا بھلا نہیں کہتے ہو یا خوف کے سبب یا کسی دوسری چیز کے سبب، اگر ایسا احتیاط اور اکرام واحترام کے سبب ہے تو تمھارا ایسا کرنا درست ہے، اور اگر کسی دوسرے سبب سے ہے تو اس کا دوسرا جواب ہوگا، شاید سعد رضی اللہ عنہ کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ تھے جو برا بھلا کہتے تھے، لیکن وہ برا بھلا کہنے میں ان کا ساتھ نہیں دیتے تھے، انھیں روکنے سے عاجز تھے، یا روکتے تھے، اس پر انھوں نے ان سے یہ سوال کیا تھا۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک دوسری تاویل کا احتمال ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں: کون سی چیز مانع ہے کہ تم ان کی رائے اور اجتہاد کو غلط قرار دو اور ہماری اچھی رائے اور اجتہاد کا اور ان کی غلطی کا لوگوں میں اعلان کرو۔'' ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ضرار صدائی نے علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کیے اور ان کی تعریف کی، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور ضرار کی باتوں کی تصدیق کی۔ اس پر صاحب ''المفہم'' ابوالعباس قرطبی تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت، قدر ومنزلت، ان کے عظیم

---

❶ صحيح مسلم كتاب فضائل الصحابة ٤/ ١٨٧١

❷ شرح صحيح مسلم ١٥/ ١٧٥

حق اور بلند مقام و مرتبہ کا اعتراف تھا، ایسی صورت میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے بعید تھا جب کہ ان میں عقل، دین، حلم اور اچھے اخلاق کے اوصاف تھے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجنے اور انھیں برا بھلا کہنے کے لیے صریح حکم دیتے، اس سلسلے میں ان سے جو کچھ مروی ہے اس کی اکثریت سراسر جھوٹ ہے، اس سلسلے میں صحیح ترین بات سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ان کا سوال کرنا ہے کہ ابوتراب علی (رضی اللہ عنہ) کو برا بھلا کہنے سے تمھیں کون سی چیز روک رہی ہے؟ یہ برا بھلا کہنے کا صریح حکم نہیں ہے، یہ تو صرف ان کے برا بھلا نہ کہنے کے سبب کے بارے میں سوال تھا، تاکہ اس سلسلے میں ان کی مثبت یا منفی رائے کو جان لیں، جیسا کہ ان کے جواب سے ظاہر ہے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے جب یہ جواب سنا تو مطمئن ہو گئے اور اسے قبول کرلیا، اور مستحق کے حق کا اعتراف کرلیا۔''❶

بہترین کتاب "الانتصار للصحب و الآل من افتراء ات السماوی الضال" کے مؤلف ڈاکٹر ابراہیم رحیلی کہتے ہیں:

''اس سلسلے میں، واللہ اعلم، جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کی چٹکی لیتے ہوئے ان سے سوال کیا تھا، اس سے آپ کا مقصد تھا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل کا اظہار کریں، بلاشبہ معاویہ رضی اللہ عنہ بہت ذہین اور ہوشیار تھے، لوگوں سے سوال و جواب کرنا اور اس کے ذریعہ سے ان کی رائے معلوم کرلینا پسند کرتے تھے، چنانچہ آپ نے چاہا کہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں سعد رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کرلیں، چنانچہ ان سے اس برانگیختہ کرنے والے اسلوب میں سوال کیا، ان کا یہ قول اس قول جیسا ہے جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا تھا: کیا آپ علی (رضی اللہ عنہ) کے طور طریقے پر ہیں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں جواب دیا: عثمان (رضی اللہ عنہ) کے طور طریقے پر بھی نہیں ہوں، میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے پر ہوں۔''❷

ظاہری بات ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چٹکی لیتے ہوئے کہی تھی، اسی طرح سعد رضی اللہ عنہ سے جو بات کہی تھی وہ بھی اسی قبیل سے تھی۔

شیعوں کا یہ دعویٰ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے برا بھلا کہنے کا حکم دیا تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس طرح کے حکم کا صادر ہونا بعید از قیاس ہے۔❸ اور اس طرح کے حکم کے صدور سے درج ذیل باتیں مانع ہیں:

---

❶ المفہم للقرطبی ۶/ ۲۷۸

❷ الإبانة لابن بطة ۱/ ۳۵۵، شرح أصول اعتقاد، اللالکائی ۱/ ۹۴

❸ الانتصار للصحب و الآل ص ۳۷۴

۱۔ معاویہ رضی اللہ عنہ بذات خود علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہیں کہتے تھے تو دوسرے کو اس کا حکم کیسے دیں گے، بلکہ وہ تو ان کی تعظیم کرتے تھے، ان کی فضیلت اور اسلام میں سبقت کا اعتراف کرتے تھے، جیسا کہ ان کے اقوال ان چیزوں پر دلالت کرتے ہیں۔

ا:......ابن کثیر کا قول ہے: کئی طرق سے یہ بات وارد ہے کہ ابو مسلم خولانی اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: آپ علی رضی اللہ عنہ سے لڑتے ہی ہیں یا آپ ان کے جیسے ہیں؟ جواب دیا: اللہ کی قسم میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے بہتر اور افضل ہیں، اور خلافت کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ ❶

ب:......نیز ابن کثیر رحمہ اللہ نے جریر بن عبدالحمید کی روایت نقل کی جسے وہ مغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو رونے لگے، اس پر ان کی بیوی نے کہا: آپ ان پر رو رہے ہیں جب کہ آپ نے ان سے جنگ کی ہے؟ کہا: تیرا ستیاناس ہو، تجھے معلوم نہیں کہ لوگوں نے کس فضل، فقہ اور علم کو کھو دیا ہے۔ ❷ تو کیا کوئی صاحبِ عقل و دین اس بات کو قبول کرے گا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہیں، بلکہ لوگوں کو اس پر ابھاریں جب کہ وہ ان کے بارے میں اس طرح کا اعتقاد رکھتے ہوں۔ ❸

۲۔ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو ان کی زندگی میں اور ان سے برسرِ پیکار رہتے ہوئے برا بھلا کہا ہو، تو کیا یہ بات معقول ہے کہ لڑائی ختم ہو جانے اور ان کی وفات پا جانے کے بعد ان کو برا بھلا کہیں گے، یہ عقلاء کے نزدیک بہت ناممکن ہے اور اس سے زیادہ ناممکن یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے سبّ وشتم پر ابھاریں۔

۳۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت ہوشیار اور عقلمندی اور زیرکی میں مشہور تھے۔ اگر وہ لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے پر ابھارنا ہی چاہتے تو کیا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے شخص سے اس کا مطالبہ کرتے جب کہ وہ نہایت بہادر، صاحب فضل اور پرہیزگار تھے، فتنے میں بالکل شامل ہی نہیں تھے، یہ تو معمولی عقل وخرد والا شخص بھی نہیں کرتا چہ جائے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کریں۔

۴۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی دست برداری کے بعد تنہا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پوری خلافت رہی، آپ کا اتفاق ہو گیا، تمام علاقوں پر انھی کی بادشاہت ہو گئی، تو علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے میں ان کا کیا فائدہ تھا، بلکہ حکمت اور حسن سیاست کا تقاضا تھا کہ ایسا نہ کیا جائے، اس لیے کہ اس سے لوگ پر سکون ہوں گے، معاملات سلجھیں گے، اس طرح کی باتیں معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے شخص پر مخفی نہیں رہ سکتیں، جن کے حسنِ سیاست وتدبر کی

❶ البدایة والنهایة ۸/ ۱۳۳ ❷ البدایة والنهایة ۸/ ۱۳۳

❸ الانتصار للصحب والآل ص ۳۷۵

امت گواہی دیتی ہے۔

۵۔ مستقل خلیفہ بن جانے کے بعد معاویہ اور علی رضی اللہ عنہما کی اولاد کے مابین الفت اور ایک دوسرے سے قربت تھی، جس کا تذکرہ تاریخ و سیر کی کتابوں میں مشہور و معروف ہے۔ ❶ اس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

حسن و حسین رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انھوں نے ان دونوں کو دو لاکھ دیے اور کہا: مجھ سے پہلے کسی نے اتنا نہیں دیا ہے۔ جواب میں حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: تو آپ نے ہم سے افضل کسی شخص کو نہیں دیا ہوگا۔ ❷

ایک مرتبہ حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انھوں نے کہا: اے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کا استقبال کرتے ہیں اور انھیں تین لاکھ دینے کا حکم دیا۔ ❸

اس طرح کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے پر لوگوں کو ابھارنے کی جو تہمت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگائی جاتی ہے وہ قطعی جھوٹ ہے، اس لیے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ان کے مابین اور ان کی اولاد کے مابین اس طرح کی الفت و محبت اور اکرام و احترام موجود ہو، اس سے اس مسئلے کی حقیقت اور سچائی واضح ہوجاتی ہے۔ ❹

اسی طرح اس وقت کے لوگ شرعی احکام کے پابند تھے، ان پر عمل کرنے کے حریص تھے، اس لیے وہ لعن طعن، فحش گوئی اور بدکلامی سے بہت دور رہتے تھے، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا بِالْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ .)) ❺

''مومن نہ تو طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے، نہ ہی لعنت و ملامت کرنے والا، اور نہ فحش گو ہوتا ہے اور نہ بدکلام۔''

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک مردوں کو برا بھلا کہنے سے روکا ہے تو اللہ کے اولیائے صالحین کو کیسے برا بھلا کہا جاسکتا ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے:

((لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلٰى مَا قَدَّمُوْا .)) ❻

''مردوں کو برا بھلا نہ کہو، وہ اپنے کیے ہوئے عمل تک پہنچ چکے۔''

---

❶ الانتصار للصحب و الآل ص ٣٧٦

❷ البداية والنهاية ٨/ ١٣٩ ❸ البداية والنهاية ٨/ ١٤٠

❹ الانتصار للصحب والآل ص ٣٧٧

❺ صحيح ابن حبان حديث نمبر ٤٧ ، الصحيحة للالباني حديث نمبر ٣٢٠

❻ صحيح البخاري حديث نمبر ٦٥١٦

سال میں نہیں۔ ❶

عقاد نے اپنی اس نکتہ چینی میں کوئی نئی چیز نہیں پیش کی ہے، بلکہ اس کی جانب بہت سارے اثنا عشریہ شیعہ مورخین نے سبقت کی ہے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کے فخر کے لیے یہ بات کافی تھی کہ ان کے عہد میں زندہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے بیعت کی تھی، چنانچہ ان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے بیعت کی۔ ❷

اس سلسلے میں ابن حزم کہتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ سے بیعت کی گئی، پھر خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی گئی، حالاں کہ موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے بھی صحابی تھے جو بالاتفاق ان دونوں سے افضل تھے، اور فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے اور جہاد کرنے والے تھے، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور انھیں خلیفہ تسلیم کیا۔ ❸

معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رویہ اور حسن رضی اللہ عنہ کے تفقہ سے پتہ چلتا ہے کہ اختلاف سے روکنے والی آیات وہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

''اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

صراط مستقیم سے مراد قرآن، اسلام اور وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، سبل سے مراد خواہشات نفس، فرقے اور بدعتیں ہیں۔ امام مجاہد کہتے ہیں: آیت کے اس ٹکڑے ﴿وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ میں سبل سے مراد بدعات، شبہات اور گمراہیاں ہیں۔ ❹

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس اختلاف و انتشار سے روکا ہے، جس کی شکار سابقہ قومیں اس کے بعد ہوئیں کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آ چکی تھیں اور اللہ نے ان کے لیے کتاب نازل کر دی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

---

❶ معاوية بن أبي سفيان، للعقاد ص ۱۲۵

❷ مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبري ص ۱٦۷

❸ الفصل ۵/ ٦

❹ تفسير مجاهد ص ۲۲۷

عَظِيْمٌ﴿١٠٥﴾ ﴾ (آل عمران : ۱۰۵)

''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انھی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ ان مشرکین میں سے ہو جائے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ در گروہ ہو گئے، چنانچہ فرمایا:

﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿٣٠﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴿٣٢﴾ ﴾ (الروم : ۳۰-۳۲)

''پس ایک ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کر دیں، اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے، (لوگو) اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو، اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ در گروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں سے بری ہیں جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ در گروہ ہو گئے۔ [1] چنانچہ فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴿١٥٩﴾ ﴾ (الانعام : ۱۵۹)

''بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ در گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، پس ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے، پھر ان کو ان کا کیا ہوا بتلا دیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ (آل عمران : ۱۰۳)

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔''

اللہ کے فضل پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے میں حسن رضی اللہ عنہ کی کامیابی سے شریعت کا ایک بہت بڑا

[1] دراسات فی الأهواء و الفرق و البدع، ناصر العقل ص ۴۹

مقصد مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق حاصل ہو گیا، اور یہ مقصد اللہ کے دین کے غلبہ کے اہم اسباب میں سے ہے۔

چوں کہ ہمیں باہمی طور پر حق بات اور صبر کی تلقین کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے آپس کے اختلافات کو بناوٹی نہیں بلکہ مکمل اور حقیقی طور پر ختم کرنے کے لیے طلبہ کرام، علمائے عظام، اسلامی تحریکات کے قائدین اور دعاۃ کی مشترکہ کوششیں ضروری ہیں، مسلمانوں کے مابین الفت قائم کرنے اور انھیں متحد کرنے سے متعلق جہاد پر شیخ عبدالرحمن سعدی رحمہ اللہ نے گفتگو کی ہے، مسلمانوں کے باہمی ربط اور اتحاد پر دلالت کرنے والی آیات و احادیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: جہاد کی عظیم ترین قسموں میں سے مسلمانوں کے مابین الفت پیدا کرنے، دین اور دینی و دنیاوی مصلحتوں پر انھیں اکٹھا کرنے کی کوشش ہے۔ [1]

بلاشبہ مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنے اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے وسائل کو اپنانا جہاد کی عظیم ترین قسموں میں سے ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کو معزز بنانے، ان کی حکومت کے قیام اور رب کی شریعت کے نفاذ کے لیے ایسا قدم اٹھانا بہت ضروری ہے، یہی خلفائے راشدین کا تنقہ تھا، اور اس کی نمایاں شکل امت کے اتحاد، خونریزی سے بچاؤ اور منجانب اللہ اجر و ثواب کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن رضی اللہ عنہ کا خلافت سے دست بردار ہو جانا ہے۔

ثانیاً:...... فتوحات کا پہلا دور لوٹ آیا:

لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دینا اسلام کے عظیم ترین مقاصد میں سے ہے، اور اس کے حصول کے لیے عہد خلفائے راشدین میں جن وسائل کا استعمال کیا گیا انھی میں سے اسلامی فتوحات کا مبارک سلسلہ تھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی تحریک ارتداد کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا فتنہ اسلامی دعوت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مانا جاتا ہے، اس لیے کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے باعث اسلامی جہاد کا سلسلہ رک گیا اور مسلمانوں کی تلواروں کا رخ باہم ایک دوسرے کی جانب ہو گیا، اور ایسا فتنہ پیدا ہوا جو قریب تھا کہ امت اسلامیہ کا صفایا کر دیتا اگر اللہ کی رحمت سے حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح ہو کر اس کا خاتمہ نہ ہو جاتا۔

مصادر و مراجع ایسے نصوص سے بھرے پڑے ہیں جو تحریک جہاد اسلامی کے رک جانے میں اس فتنے کی تاثیر کو واضح کرتے ہیں، [2] ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے سوچا کہ مدینہ جا کر وہیں قیام کر لوں، اور اس چیز کو معاویہ کے لیے چھوڑ دوں، فتنہ بہت طویل ہو چکا، اس میں بہت خونریزی ہو چکی، رشتہ داریاں منقطع ہو

[1] وجوب التعاون بین المسلمین ص ۵

[2] مرویات خلافۃ معاویۃ ص ۳۰۹

گئیں، راستے مسدود ہو گئے، سرحدیں بے حفاظت چھوڑ دی گئی ہیں۔ ❶

۲۔ وہ روایت جسے ابوزرعہ دمشقی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہتے ہیں: جب عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا اور ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو ان کا جہادی حملہ نہ تو گرمی میں ہوتا تھا نہ ہی اس کے علاوہ موسم میں، تا آنکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں امت متحد ہو گئی۔ ❷

۳۔ ابوبکر مالکی کا قول ہے: فتنہ پیدا ہوا، عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے، ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے تک افریقہ کے علاقے اپنی حالت پر باقی رہے۔ ❸

اس طرح صلح کے نتائج میں سے ایک نتیجہ یہ نکلا کہ فتوحات کا پہلا دور لوٹ آیا، اور عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں جہاد کے تین بنیادی محاذ کھل گئے جو درج ذیل ہیں:

۱۔روم کا محاذ:

روم کے طاقتور ہونے اور مسلمانوں کے پڑوس میں ہونے کے باعث یہ محاذ بہت اہم تھا، اس کے علاوہ ان کے پاس نہایت منظم اور تجربہ کار بری اور بحری فوجیں تھیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کو رومیوں کے ساتھ بری و بحری دونوں جنگیں لڑنی پڑیں۔

۲۔مغرب کا محاذ:

اس محاذ کا روم کے محاذ سے بہت قوی ربط تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ مغرب کے علاقوں میں رومی کالونیاں تھیں، اس کا اس علاقے میں اسلامی فتوحات کی رکاوٹ میں بڑا اثر تھا۔

۳۔سجستان، خراسان اور ماوراء النہر ❹ کا محاذ:

سجستان و خراسان پہلے وہ ممالک ہیں جنھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا۔ ❺

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جہادی سیاست کے واضح نقوش چھوڑے ہیں، انھیں خلیفہ بن خیاط اپنی تاریخ میں ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جس آخری چیز کی معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ رومیوں کا ناطقہ بند کیے رہو،

---

❶ الطبقات، تحقیق السلمی ۱/ ۳۳۱

❷ مرویات خلافة معاویة ص ۳۱۰ ❸ ریاض النفوس ۱/ ۲۷

❹ ماوراء النہر سے وہ علاقے مراد ہیں جو دریائے جیحون کے پرے واقع ہیں۔

❺ مرویات خلافة معاویة ص ۳٤

اس کے ذریعہ سے دوسری قوموں کو کنٹرول کیے رہو گے۔'' ❶

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس سیاست کو بروئے کار لانے کے لیے درج ذیل تدبیروں کو اپنایا:

ا: چند مقاصد کے حصول کے لیے گرمیوں اور سردیوں کے حملوں پر خاص توجہ دینا، ان میں سے چند مقاصد درج ذیل ہیں:

☆ رومی قوم کو کمزور کرنا۔

☆ رومیوں سے اقدامی صلاحیت چھین کر انھیں دفاعی حالت میں کر دینا۔

☆ رومیوں کو اپنی فوجی قوتوں کو منتشر کرنے پر مجبور کرنا تاکہ وہ اسلامی حکومت کے خلاف مؤثر اور فیصلہ کن حملے نہ کر سکیں۔

ب: رومیوں پر ان کے علاقوں میں حملہ کرنا اور ان کے دار السلطنت کا محاصرہ کر لینا، تاکہ ان کے حوصلوں کو پست اور ان کے دلوں میں رعب طاری کیا جا سکے۔

ج: شام کے سمندر میں واقع جزیروں کو فتح کر کے رومیوں کے بحری اثر و نفوذ کو کم کرنا، تاکہ رومیوں کے جہازوں کو بحری اڈوں سے محروم کر دیا جائے۔

مغرب کے محاذ سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست اس طرح تھی:

۱۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا مغرب کے محاذ پر خاص اہتمام تھا، اس کا رابطہ براہِ راست ان کی ذات سے تھا، اس محاذ کے قائدین ۴۷ھ تک براہِ راست معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہی رجوع کرتے تھے، اسی سال مغرب کا محاذ مصر کے گورنر کے حوالے کر دیا گیا۔

۲۔ قلب مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کی تقویت کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے شہر ''قیروان'' بسا کر ایک ترقی یافتہ جہادی اڈہ قائم کیا۔ ❷

سجستان، خراسان اور ماوراء النہر کے محاذ سے متعلق معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست اس طرح تھی:

۱۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سجستان وخراسان کے فاتح عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے تعاون حاصل کرنا اور دوبارہ ان علاقوں کو فتح کرنے کا ذمہ دار بنانا۔

۲۔ خراسان میں پچاس ہزار عربوں کو مع اہل وعیال آباد کر کے اس علاقے میں اسلامی دعوت کو پھیلانے اور

---

❶ تاریخ خلیفۃ ص ۲۳۰

❷ مرویات خلافۃ معاویۃ ص ۳۶۳

اسلامی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے کام کرنا۔ ❶

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا، پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلافت سے دست بردار نہ ہوتے تو اسلامی جہاد اور فتوحات کا پہلا دور نہ لوٹ آتا، چنانچہ صلح کا ایک نتیجہ اس عظیم شرعی مقصد کا حصول تھا۔

کتاب وسنت پر مبنی مسلمانوں کے اتحاد کے بہت سارے اچھے ثمرات ہوتے ہیں، اگر امت عموماً اور اس کے قائد خصوصاً اس مقصد کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنی زندگی میں اس کو نافذ کر لیں تو وہ ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں۔

ثالثاً:......خوارج کے مقابلے کے لیے حکومت کا فارغ ہو جانا:

صلح کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ خوارج کے مقابلے کے لیے اسلامی حکومت فارغ ہوگئی، چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی طاقت وقوت کم کرنے میں کامیاب رہے، اور فروہ بن نوفل اشجعی، مستورد بن علفہ تیمی، حیان بن ظبیان سلمی کی تحریکات کا معارضہ کیا، یہ تحریکات کوفہ میں ظہور پذیر ہوئیں۔ ❷ یزید باہلی، سہم تمیمی، قریب ازدی، زحاف طائی وغیرہم کی تحریکات بصرہ میں تھیں۔ ❸

خوارج اور اسلامی حکومت کے مابین اس کشمکش کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، لیکن ہمیں یہاں صلح کے ایک فطری نتیجہ کو واضح کرنا ہے اور وہ نتیجہ خوارج کا معارضہ اور ان کا ناطقہ بند کرنا ہے، اسی لیے عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں خوارج کی تحریک میں سوجھ بوجھ کی کمی اور تنظیم کا فقدان پایا جاتا ہے، جو کچھ وہ کرتے تھے وہ اجتماعی خودکشی کے مترادف تھا، اس لیے کہ وہ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں خروج کرتے تھے، جن کا جلد ہی خاتمہ کر دیا جاتا تھا، ان کا سوجھ بوجھ اور تجربہ رکھنے والا کوئی قائد نہیں تھا، جو مقاصد کے حصول کے لیے ان کی بہادری اور گھڑ سواری کا فائدہ اٹھا پاتا۔ اپنے ہی پچھلے لوگوں کی غلطیوں کا وہ اعادہ کرتے تھے، کوئی تحریک سابقہ تحریک کے تجربے سے فائدہ نہیں اٹھاتی تھی، اپنی دعوت میں مناظرہ اور سوال وجواب کا اسلوب نہیں اپناتے تھے، مسلم معاشرہ پر اپنی فکر کو زبردستی مسلط کرنا چاہتے تھے، ان کی تحریکات میں دینی محرکات (جس نے ان کے زعم باطل کے مطابق انھیں خروج پر آمادہ کیا) جاہلی عصبیت کے محرکات سے ملے ہوئے تھے، جس کا ثبوت یہ تھا کہ ان میں سے بعض نے اپنے بعض ساتھیوں کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے خروج کیا تھا، اسلامی معاشرے میں وہ اجنبیت محسوس کرتے، اور اس سے نفرت کرتے، وہ اس بات پر مطمئن تھے کہ اہل قبلہ سے جنگ کفار کی جنگ سے بہتر ہے، اپنی دعوت کو پھیلانے

❶ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ طبری ص ۳٦٤، ۳٦٥

❷ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۷۹-۱۹٦

❸ مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری ص ۱۹۷-۲۰۸

کے لیے کوئی نیا علاقہ نہیں تلاش کر رہے تھے، بلکہ عراق کے بعض شہروں خصوصاً کوفہ و بصرہ پر اکتفا کیے ہوئے تھے۔ ❶ اس طرح صلح کا ایک نتیجہ خوارج کی تحریک کا ناطقہ بند کرنا تھا۔

عہد خلافت راشدہ کا خاتمہ:

خلافت علی منہاج النبوۃ کا زمانہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری پر ختم ہوگیا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ، فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ أَنْ تَكُوْنَ ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهَ إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيًّا ، فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ .)) ❷

''جب تک اللہ چاہے گا نبوت رہے گی، پھر جب چاہے گا ختم کر دے گا، پھر جب تک چاہے گا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ رہے گی، پھر جب چاہے گا ختم کر دے گا، پھر جب تک چاہے گا ظالمانہ بادشاہت رہے گی، پھر جب چاہے گا ختم کر دے گا، پھر جب تک چاہے گا غاصبانہ بادشاہت رہے گی، پھر جب چاہے گا ختم کر دے گا، پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہوگی، پھر خاموش ہو گئے۔''

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کر دیا ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تیس سال تک رہے گی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا بادشاہت یا اپنی بادشاہت دے گا۔ ❸

اور ارشاد نبوی ہے:

((اَلْخِلَافَةُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ .)) ❹

''میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔''

حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تیس سال پورے ہوجاتے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں

---

❶ مرویات خلافۃ معاویۃ ص ۲۰۹، ۲۱۰

❷ مسند أحمد ٤/ ٣٧١، ٣٧٢، سلسلة الأحاديث الصحيحة

❸ صحيح سنن أبي داؤد للألباني ٣/ ٨٧٩، سنن أبي داود شرح عون المعبود ١٢/ ٢٥٩

❹ سنن الترمذی مع تحفة الأحوذی ٦/ ٣٩٥، ٣٩٧ یہ حدیث حسن ہے۔

خلافت سے دست بردار ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر اس وقت تک تیس سال پورے ہو جاتے ہیں اس لیے کہ آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تھی، اور یہ پیشین گوئی نبی کریم ﷺ کی نبوت کی ایک دلیل تھی۔ ❶

اس طرح ربیع الاول ۴۱ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری پر خلافت علی منہاج النبوۃ کا مرحلہ پورا ہو جاتا ہے۔ ❷ مذکورہ حدیث نبوی درج ذیل تاریخی مراحل کی جانب اشارہ کرتی ہے:

۱۔ عہد نبوت۔

۲۔ عہد خلافت راشدہ۔

۳۔ متشدد وظالم بادشاہ کا عہد۔

۴۔ غاصب بادشاہ کا عہد۔

۵۔ پھر خلافت علی منہاج النبوۃ کا عہد۔

رسول اللہ ﷺ نے واضح کر دیا ہے کہ علی منہاج النبوۃ خلافت و رحمت ہوگی، پھر بادشاہت و رحمت ہوگی۔ ❸

خلفائے راشدین کے بعد کے لوگوں کو بھی (اگرچہ انبیاء کے خلیفہ نہیں بلکہ بادشاہ ہیں) خلیفہ کہا جا سکتا ہے، اس کی دلیل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جسے امام بخاری و امام مسلم دونوں نے اپنے صحیح میں نقل کیا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((كَانَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ يَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَ إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ، وَ سَتَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ، قَالُوْا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: وَفُوْا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، ثُمَّ أَعْطُوْهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ.)) ❹

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے، جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو اس کا خلیفہ و جانشین دوسرا نبی ہوتا، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، خلیفہ ہوں گے جو بکثرت ہوں گے، لوگوں نے پوچھا: آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: اول پہ اول خلیفہ کی بیعت کو پورا کرنا، انھیں ان کا حق دینا، اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھ تاچھ کرنے والا ہے۔''

---

❶ البداية والنهاية ۸/ ۱٦ ❷ مرويات خلافة معاوية ص ۱٦٥

❸ سنن الدارمي ۲/ ۱۱٤، الاشربة (الفتاوى ۳٥/ ۱٤)

❹ صحيح البخاري حديث نمبر ۳٤٥٥

آپ کا قول "فتکثر" خلفائے راشدین کے علاوہ خلفاء کی دلیل ہے، اس لیے کہ خلفائے راشدین کثیر نہیں تھے، آپ کا قول "وفوا بیعة الأول فالأول" اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اختلاف کریں گے حالاں کہ خلفائے راشدین نے ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کیا تھا، آپ کا قول "فأعطوهم حقهم فإن الله سائلهم عما استرعاهم" حکام کو مال اور غنیمت میں ان کا حق دینے سے متعلق اہل سنت کے مذہب کی دلیل ہے۔ ❶

معاویہ رضی اللہ عنہ اس امت کے سب سے بہتر بادشاہ ہیں، جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ علی منہاج النبوۃ خلیفہ تھے، لیکن ان کی خلافت بادشاہت تھی، نیز ان کی بادشاہت بادشاہت اور رحمت تھی، آپ کی بادشاہت میں جو رحمت، حلم و بردباری، اور مسلمانوں کو نفع رسانی تھی وہ سب باتیں بتلاتی ہیں کہ وہ دوسرے بادشاہوں سے بہتر تھے۔ ❷

معاویہ رضی اللہ عنہ عالم، پرہیزگار، اور عادل تھے، لیکن وہ ان اوصاف میں خلفاء اربعہ سے کمتر تھے، جیسا کہ اولیاء بلکہ ملائکہ اور انبیاء کے مابین تفاوت پایا جاتا ہے، چنانچہ ان کی خلافت وحکومت اگرچہ اجماع صحابہ اور حسن رضی اللہ عنہ کے سونپ دینے کے باعث صحیح تھی، مگر ان سے پہلے خلفاء کی خلافت کے طرز پر نہیں تھی، انھوں نے بہت ساری ایسی مباح چیزوں میں وسعت دے دی جن سے خلفاء اربعہ بچ رہے تھے، نیز عبادات و معاملات میں خلفاء اربعہ کی فضیلت بالکل ظاہر و باہر ہے۔ ❸

ابن خلدون نے تبدیلیوں کو ذکر کرتے ہوئے اس بات کو ذکر کیا ہے کہ خلافت اگرچہ ملوکیت میں تبدیل ہوگئی تھی مگر خلافت کے مفاہیم باقی رہ گئے تھے، تبدیلی تصرفات کے بنیادی محرک میں ہوئی تھی، پہلے بنیادی محرک دین ہوا کرتا تھا، لیکن اس وقت عصبیت اور تلواریں بنیادی محرک بن گئی تھیں، مراد یہ کہ پہلے لوگوں کے تصرفات میں بنیادی محرک دین تھا، اور خلافت شورائی تھی، بعد میں حکومت کی بنیاد عصبیت اور قوت پر ہوگئی، لیکن خلافت کے اہداف و مقاصد باقی رہ گئے تھے، یعنی اس بادشاہت کے اغراض واہداف یہ تھے کہ وہ دین کے مقاصد کو پورا کرے، اسلامی شریعت کے مطابق عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے، ان واجبات کو بروئے کار لائے جن کا اسلام حکم دیتا ہے، یعنی بادشاہت وحکومت اسلامی وشرعی ہی باقی رہی۔ ❹

خلافت کے ادوار کی تلخیص کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

❶ مجموع الفتاوی ۳۵/ ۱۵ ❷ مذکورہ کتاب ٤/ ۲۹۲

❸ الناهية عن طعن امیر المومنین معاویة ص ۷۸

❹ النظریات السیاسیة للریس ص ۱۹٤ نقلا عن المقدمة ابن خلدون

''یہ بات واضح ہوگئی کہ پہلے بغیر بادشاہت کے خلافت تھی، پھر اس کے مفاہیم بادشاہت کے ساتھ مل گئے، پھر صرف بادشاہت رہ گئی، اس لیے کہ عصبیت خلافت سے بالکل علیحدہ شے ہے اور دن اور رات کی آمد و رفت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔'' ❶

چنانچہ پہلا دور جس کی جانب انھوں نے اشارہ کیا ہے وہ خلفائے راشدین کا زمانہ تھا اور وہ خالص خلافت کا زمانہ تھا اور دوسرا دور خلفائے امویین و عباسیین اور اسی طرح خلفائے عثمانیین کا زمانہ تھا، اور وہ ایسی خلافت کا زمانہ تھا جو بادشاہت کے ساتھ ملی ہوئی تھی، یا ایسی بادشاہت کا زمانہ تھا جو خلافت کے ساتھ ملی ہوئی تھی یعنی اس زمانہ میں خلافت کے مقاصد کو بروئے کار لایا جاتا تھا، اور تیسرا دور خالص بادشاہت کا تھا جس کا مقصد بادشاہ بننا اور دنیاوی مقاصد کو حاصل کرنا تھا، اور یہ دور خلافت کی حقیقت اور اس کے دینی مفاہیم سے بالکل عاری ہوگیا تھا، یہ فقیہ و مؤرخ ابن خلدون کی جانب سے ہونے والی تبدیلیوں اور ان ادوار کی تفسیر ہے جن سے خلافت گزری۔ ❷

بلاشبہ حقیقی خلافت یا خلافت علی منہاج النبوۃ تیس سال تک رہی اور یہ خلفائے راشدین کا زمانہ تھا، پھر بادشاہت آگئی، لیکن حقیقت کے اظہار کے لیے اس تحدید کی رعایت ضروری ہے کہ خلافت مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے مفاہیم و مقاصد باقی تھے، تبدیلی اس بنیاد میں ہوئی تھی جس پر اس کا قیام ہوتا تھا، لیکن اس کی حقیقت باقی تھی، اس طرح تبدیلی کلی نہیں، بلکہ جزوی تھی، یعنی پہلے دور کی خلافت کامل و مثالی تھی، پھر بعض وجوہ سے مثالی کے درجے سے گھٹ گئی، لیکن اس کے اکثر عناصر باقی رہ گئے تھے، اس طرح یہ کم درجے کی خلافت تھی، یا ایسی خلافت تھی جو بادشاہت سے ملی ہوئی تھی۔ ❸

اسلام میں عام لوگوں کے نزدیک مثالی و کامل اور علی منہاج النبوۃ خلافت ہی قابل عمل ہے، اس کی بنیاد شورائیت اور امت کے مکمل انتخاب پر ہوتی ہے، واقعی حالات و ظروف اور اجتماعی اسباب و عوامل کی بناء پر اگر یہ تبدیلی ہوجائے تو اسے وقتی طور پر یا ضرورت کے طور پر ہی برداشت اور قبول کیا جاسکتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ مثالی اور کامل خلافت کا تصور ہمیشہ لوگوں کے ذہنوں میں رہے، مذکورہ حالات و ظروف اور اسباب و عوامل کے ختم ہوتے ہی کامل و مثالی خلافت کی جانب لوٹ جانا واجب ہے، اسی لیے خالص اسلامی تحریریں مثالی و کامل خلافت کا التزام کرتی ہیں، اور اسی سے اصول و مبادی کا استنباط کرتی ہیں، نیز شرعی و حقیقی خلافت کے درمیان اور بالفعل پائی جانے والی اس خلافت کے درمیان تفریق کرتی ہیں جو حقیقت سے تھوڑا بہت دور ہوگئی تھی۔ ❹

---

❶ مقدمة ابن خلدون . النظريات السياسية ص ١٩٥

❷ مقدمة ابن خلدون . النظريات السياسية ص ١٩٥

❸ مقدمة ابن خلدون ص ١٩٦ ❹ مقدمة ابن خلدون ص ١٩٧

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ خلافت کا بادشاہوں، ان کے نائبین، گورنروں، قاضیوں اور حاکموں کے ہاتھوں میں ہو جانا صرف ان کے اندر کمی کے باعث نہیں تھا، بلکہ راعی اور رعیت دونوں کے اندر کمی کے باعث تھا، اور تم جیسے ہوگے اللہ تعالیٰ تم پر ویسے ہی آدمی کو مقرر کرے گا، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (الانعام: ۱۲۹) ❶

''اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بعض کے ساتھ ملا دیں گے۔''

خلفائے راشدین کی حکومت ختم ہوگئی، خلافت بادشاہت میں بدل گئی تو حاکموں میں اسی طرح علما اور دینداروں میں کمی و خامی واقع ہوگئی، خلفائے اربعہ کی خلافت کے خاتمے پر جمہور صحابہ کرام ختم ہو چکے تھے، تا آنکہ بدری صحابیوں میں بہت کم لوگ بچے تھے، اور جمہور تابعین زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالملک کی امارت میں ختم ہو چکے تھے اور جمہور تبع تابعین اموی حکومت کے اواخر اور عباسی حکومت کے اوائل میں ختم ہو چکے تھے۔ ❷

کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار بارہ خلیفوں میں ہوتا ہے؟

((عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ دَخَلْتُ مَعَ أَبِيْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَا يَنْقَضِيْ حَتّٰى يَمْضِيَ فِيْهِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً ، قَالَ: ثُمَّ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ خَفِيَ عَلَيَّ ، قَالَ: فَقُلْتُ لِأَبِيْ ، مَا قَالَ: قَالَ: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ .)) ❸

((و فی روایة أخری عن جابر: لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيْزًا إِلٰى اثْنَيْ عَشَرَةَ خَلِيْفَةً .... كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ .)) ❹

((و فی روایة أخری عنه: لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّيْنُ عَزِيْزًا مَنِيْعًا إِلٰى اثْنَيْ عَشَرَةَ خَلِيْفَةً .... كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ .)) ❺

((زَادَ أَبُوْدَاؤُد فی سننه بإسناده عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: فَلَمَّا رَجَعَ إِلٰى مَنْزِلِهٖ أَتَتْهُ قُرَيْشٌ فَقَالُوْا: ثُمَّ يَكُوْنُ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ يَكُوْنُ الْهَرْجُ .)) ❻

''جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں اپنے والد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس گیا تو آپ کو فرماتے ہوئے سنا: بلاشبہ یہ معاملہ (دین کی قوت) ختم نہیں ہوگا تا آنکہ بارہ خلیفہ گزر جائیں۔ کہتے ہیں کہ پھر آپ نے ایک بات کہی جو مجھ پر مخفی رہی۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا: آپ

❶ مجموع الفتاوی ۳۵ / ۱۵ ❷ مجموع الفتاوی ۱۰ / ۲۰۷

❸، ❹، ❺ صحیح مسلم مع شرح النووی ۱۲ / ۲۰۲، ۲۰۳

❻ صحیح سنن أبی داود للألبانی ۳ / ۸۰۷، سنن أبی داود مع شرحہا عون المعبود ۱۱ / ۲۴۹

نے کیا فرمایا؟ (جواب دیا) آپ نے فرمایا: سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

اور جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے: اسلام بارہ خلفاء تک غالب رہے گا، سب کے سب قریش کے ہوں گے۔

انھیں کی دوسری روایت ہے: بلاشبہ یہ دین غالب ومضبوط رہے گا بارہ خلفاء تک، وہ سب کے سب قریش کے ہوں گے۔

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اپنی سند سے جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کا اضافہ ذکر کیا ہے، راوی کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے گھر لوٹے تو آپ کے پاس قریش کے لوگ آئے اور پوچھا: پھر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: پھر ہرج یعنی فتنہ وفساد اور قتل و غارت گری ہوگی۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس حدیث کا معنی بارہ اتقیا خلفاء کے ہونے کی بشارت ہے جو لوگوں میں حق و عدل قائم کریں گے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اور ان کے زمانے مسلسل ہوں گے، بلکہ ان میں سے چار بالترتیب ہوئے اور وہ خلفائے اربعہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم ہیں، اور بلاشبہ ائمہ کرام کے نزدیک انھی میں سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور بنوعباس کے بعض خلفاء ہیں، ان کی خلافت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، ایسا لگتا ہے کہ انھی میں سے مہدی بھی ہیں جن کے آنے کی بشارت حدیثوں میں وارد ہے۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ہم ان میں خامس الخلفاء الراشدین امیر المومنین حسن رضی اللہ عنہ کا اضافہ کرتے ہیں اور میں نے اپنی کتاب ''أسمى المطالب في سيرة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب شخصيته و عصره'' میں مہدی منتظر سے متعلق اہل سنت وشیعہ امامیہ کے عقائد کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، جسے تفصیل مطلوب ہو اس کا مراجعہ کرے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو بات ذکر کی ہے اس کی بنیاد پر بارہ خلفاء کے مرحلہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی مدت دوسرے تمام مراحل کے بیچ بیچ میں آتی رہے گی، اور اس مرحلہ کے خلفاء کا ظہور بالترتیب اور الگ الگ وقتوں میں دونوں طرح ہوگا، یہ اس امت پر اللہ کی رحمت ہے، اور ان کے ظہور کی ابتداء، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے ہوئی اور اس مرحلہ کی انتہا بعد کے زمانہ میں ان میں سے آخری خلیفہ کے ظہور پر ہوگی، جس کی خلافت کے بعد فتنہ وفساد اور قتل و غارت گری کا دور ہوگا۔ [1]

[1] مرويات خلافة معاوية ص ۱٦٥

کیا حسن بن علی رضی اللہ عنہما قوت رکھتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے تھے یا کمزوری کی حالت میں؟

معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما قوت رکھتے ہوئے دست بردار ہوئے تھے، اس کے بہت سارے دلائل ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ وہ قانونی حیثیت جو حسن رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی:

آپ کی بیعت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رمضان ۴۰ھ میں انجام پائی، آپ کا انتخاب شورائی طریقہ پر ہوا، آپ حجاز، یمن، عراق، اور ان تمام علاقوں کے قانونی خلیفہ ہو گئے جو آپ کے والد کے تابع تھے، آپ چھ مہینے خلیفہ رہے، یہ مدت اس خلافت راشدہ میں شامل ہے، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس کی مدت تیس سال ہوگی، پھر بادشاہت ہوگی۔ امام ترمذی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((اَلْخِلَافَةُ فِيْ أُمَّتِي ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ .)) ❶

''میری امت میں خلافت تیس سال رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔''

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے: حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت کو لے کر تیس سال پورے ہوتے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی، وہاں سے لے کر یہاں تک تیس سال پورے ہوتے ہیں، اور یہ پیشین گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک نشانی ہے۔ ❷ اس طرح حسن بن علی رضی اللہ عنہما پانچویں خلیفۂ راشد ہوں گے۔ ❸

خلافتِ حسن رضی اللہ عنہ کی قانونی حیثیت کے بارے میں بہت سارے علمائے اہل سنت نے گفتگو کی ہے، انھی میں ابوبکر ابن العربی، ❹ قاضی عیاض، ❺ ابن کثیر ❻، شارح طحاویہ ❼، مناوی ❽، اور ابن حجر ہیتمی ❾ ہیں۔

اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ حسن رضی اللہ عنہ کو قانونی حیثیت حاصل تھی اگر وہ چاہتے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو پریشان

---

❶ سنن الترمذی مع تحفة الأحوذی ٦/ ٣٩٥-٣٩٧
❷ البداية والنهاية ١١/ ١٣٤
❸ مرويات خلافة معاويه ص ١٥٥
❹ أحكام القرآن لابن العربی ٤/ ١٧٢٠
❺ شرح النووی علی صحيح مسلم ١٢/ ٢٠١
❻ البداية والنهاية ١١/ ١٣٤
❼ شرح الطحاوية ص ٥٤٥
❽ فيض القدير ٢/ ٤٠٩
❾ الصواعق المحرقة ٢/ ٣٩٧

کر سکتے تھے، اور اہل شام کا اعتماد حاصل کرنے یا کم از کم ان کے مابین معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف کمزور کرنے کے لیے ان کے درمیان منظم طور پر اعلامی جنگ چھیڑ سکتے تھے، قانونی حیثیت حاصل ہونے اور نواسہ رسول ہونے کے باعث آپ کو معنوی طاقت وقوت اور روحانی اثر ونفوذ حاصل تھا۔

۲۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا موجودہ حالات اور اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا صحیح جائزہ:

نفیر بن حضرمی نے جب آپ سے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو خلافت کی خواہش ہے تو آپ نے فرمایا: عرب کے لوگ میری مٹھی میں تھے، جس سے میں صلح کرتا ان سے وہ بھی صلح کرتے، جس سے میں جنگ کرتا ان سے وہ بھی جنگ کرتے لیکن میں نے اللہ کی رضا کی خاطر اسے چھوڑ دیا ہے۔ ❶

یہ حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس بات کی شہادت ہے کہ وہ مضبوط حالت میں تھے، ان کے متبعین جنگ یا صلح جو آپ چاہتے اس کے لیے تیار تھے، ساتھ ہی ساتھ آپ شعلہ بیانی، طلاقت لسانی، جذبۂ صادق، قوت تاثیر اور قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مالک تھے، یہ چیزیں آپ کی قوت وطاقت میں اضافہ کر رہی تھیں، مذکورہ باتوں کی دلیل یہ ہے کہ آپ اپنے والد کا ساتھ دینے کے لیے اہل کوفہ کو آمادہ کرنے میں کامیاب رہے، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ انھیں خروج، جنگ اور فتنے سے روک رہے تھے، فتنے میں ملوث ہونے سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تحذیر وہ سن چکے تھے اسے لوگوں کو سنا رہے تھے۔ ❷

علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے پہلے محمد بن ابوبکر اور محمد بن جعفر کو بھیجا، دونوں اپنی مہم میں کامیاب نہیں ہوئے، اس کے بعد ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کو بھیجا، لیکن وہ بھی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ان پر اثر انداز ہونے کے باعث اپنی مہم میں ناکام رہے۔ ❸ ان کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا، ان کی دعوت پر بھی ٹال مٹول کر رہے تھے، ان کے بعد عمار بن یاسر اور حسن رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ ❹

حسن رضی اللہ عنہ کی بہت واضح تاثیر تھی، لوگوں میں کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: لوگو! اپنے امیر کی دعوت پر لبیک کہو، اپنے بھائیوں کی جانب چل پڑو، اس مقصد کے لیے کوچ کرنے والے مل جائیں گے، لیکن اللہ کی قسم اگر اس کام کو عقلمند لوگ انجام دیں، تو فوری طور پر اس کا اثر اچھا ہوگا اور انجام بہتر ہوگا، اس لیے ہماری دعوت پر لبیک کہو اور جس مصیبت میں ہم پھنسے ہیں اس میں ہماری مدد کرو۔ ❺

---

❶ البداية والنهاية ۱۱/ ۲۰۶

❷ تاريخ الطبري ٥/ ٥١٤ مصنف ابن أبي شيبة ١٥/ ١٢ ، اس کی سند حسن ہے۔

❸ خلافة علي بن أبي طالب ، عبدالحميد علي ص ١٤٤ ، سير أعلام النبلاء ٣/ ٤٨٦

❹ علي بن أبي طالب للصلابي ٢/ ٦٠ ، فتح الباري ١٣/ ٥٣

❺ تاريخ الطبري ٥/ ٥١٦

چنانچہ بہت سارے اہل کوفہ نے اس دعوت پر لبیک کہا اور عمار و حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ چھ سے سات ہزار تک علی رضی اللہ عنہ کی جانب نکل پڑے۔ ❶

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے، عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی سے وہ عراق کے محبوب قائدین میں سے تھے، علم و زہد میں آپ کا بڑا اونچا درجہ تھا، لوگوں کے نزدیک آپ کا مقام و مرتبہ نہایت اعلیٰ تھا، ان سب چیزوں کے باوجود حسن رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کو اپنی جانب مائل کرنے میں کامیاب رہے اور وہ سب کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔

۳۔حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اچھے قائدین تھے:

حسن رضی اللہ عنہ کی صف میں اچھے قائدین تھے، جیسے آپ کے بھائی حسین، آپ کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر، قیس بن سعد بن عبادہ (وہ عربوں کے زیرک ترین لوگ میں تھے) اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ اگر آپ کو خلافت کی چاہت ہوتی تو اپنے قائدین کو لوگوں کو تیار کرنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں کود پڑنے کی اجازت دیتے اور کم از کم ایک وقت تک اپنے علاقے کے خلیفہ ہوتے۔

۴۔آپ اہل عراق کے ساتھ تعامل اور ان کی نفسیات سے واقف تھے:

آپ کے پاس اہل عراق کے ساتھ تعامل اور ان کی نفسیات کی آگاہی کے بارے میں خاص صلاحیتیں تھیں، اس لیے آپ نے خلافت کی ابتداء ہی سے ان کے عطیات میں اضافہ کر دیا، اس طرح صلح کے منصوبے کو کامیاب بنانے میں آپ کی مہم معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ سے زیادہ مشکل تھی، اس کے باوجود آپ نے پیش آنے والی بہت ساری رکاوٹوں کو دور کر لیا، لوگوں نے آپ کے قتل کی کوشش کی، بعض لوگوں نے صلح کا انکار کر دیا، اس کے علاوہ بہت سی رکاوٹیں تھیں، مگر آپ ان سب کو دور کرنے میں کامیاب رہے، خونریزی کو روکنے، امت کے اتحاد، راستوں کا امن اور فتوحات کا دوبارہ لوٹ آنا، یہ اور اس طرح کے اہداف (جن کی آپ نے منصوبہ سازی کی تھی) کو پالیا، یہ آپ کی بے مثال قائدانہ صلاحیت کی دلیل ہے۔

۵۔عمرو بن عاص اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی جانب سے حسن رضی اللہ عنہ کی فوجوں کا جائزہ:

صحیح بخاری میں وارد ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا سامنا پہاڑ جیسے فوجی دستوں کے ساتھ کیا، اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے خیال میں یہ دستے اپنے متقابل فوجیوں کا کام تمام کر کے ہی واپس لوٹیں گے، اس پر معاویہ رضی اللہ عنہ (جو دونوں میں بہتر تھے) نے کہا: اے عمرو، اگر یہ لوگ قتل کر دیے گئے تو ان کے معاملات، ان کی عورتوں اور ان کی جاگیروں کا کون ذمہ دار ہوگا؟ چنانچہ انھوں نے ان (حسن رضی اللہ عنہ) کے پاس قریش کے دو

❶ مصنف عبدالرزاق ٥/ ٤٥٦، ٤٥٧

آدمیوں عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور کہا: تم دونوں ان کے پاس جاؤ، بات چیت کرو، کچھ ان کے مطالبات کو مان لینا اور اپنے کچھ مطالبات منوانے کی بات کرو۔ ❶

ا: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جیسا مشہور فوجی جرنیل، تجربہ کار سیاست دان اور لڑائیوں کا طویل تجربہ رکھنے والا کہہ رہا ہے: میرے خیال میں یہ فوجی دستے اپنے مقابل فوجیوں کا کام تمام کر کے ہی لوٹیں گے۔

ب: فوجی صورت حال کا جائزہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس طرح پیش کرتے ہیں: بغیر دونوں فریقوں کے زبردست نقصانات کے کسی فریق کو فتح اور فوجی بالادستی نہیں مل سکتی، معاویہ رضی اللہ عنہ ہی اگرچہ فتح مند ہوتے پھر بھی وہ اچھے مسلمانوں کے قتل، یتیموں، بیواؤں اور امت اسلامیہ کے لیے بڑی بڑی اخلاقی، اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی خرابیوں کی شکل میں جنگ کے نتائج کو برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔

ج: اسی لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی معاشرے میں اثر و رسوخ رکھنے والے اور حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک محترم صحابہ کرام میں سے دو عظیم شخصیتوں کا انتخاب فرمایا، دونوں قریش کے تھے۔

☆ ایک عبدالرحمن بن سمرہ بن حبیب بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف، ابوسعید قرشی رضی اللہ عنہ تھے، آپ فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ اشراف میں سے تھے، بصرہ میں قیام کیا، جنگ سجستان میں شریک ہوئے۔ ❷ وہی ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا:

((يَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا.)) ❸

''اے عبدالرحمن! امارت کا مطالبہ مت کرو، اگر بغیر مطالبے کے امارت تمھیں دی گئی تو الٰہی مدد تمھیں ملے گی اور اگر مطالبے پر ملی تو تنہا تمھارے حوالے کر دی جائے گی (یعنی الٰہی مدد نہیں ملے گی)۔''

مسند بقی بن مخلد میں ان کی روایت کردہ چودہ حدیثیں ہیں، ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیب، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، حیان بن عمیر، ابن سیرین، حسن، ان کے بھائی سعید بن ابوالحسن اور حمید بن ہلال وغیرہم نے روایت کی ہے۔

ایک روایت کے مطابق ان کا نام عبدکلال تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عبدالرحمن سے بدل دیا۔ ❹

آپ کی وفات بصرہ میں ۵۰ھ میں ہوئی، دوسری روایت کے مطابق ۵۱ھ میں۔ ❺

---

❶ صحیح البخاری کتاب الصلح حدیث نمبر ۲۷۰٤

❷ سیر أعلام النبلاء ۲/ ۵۷۱ ❸ صحیح مسلم کتاب الأیمان حدیث نمبر ۱٦٥۲

❹ سیر أعلام النبلاء ۲/ ۵۷۲ ❺ سیر أعلام النبلاء ۲/ ۵۷۲

عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ ایک مجاہد، جلیل القدر صحابی تھے، اس زمانے میں آپ کو اچھا مقام حاصل تھا، بہت ساری فتوحات میں آپ شریک رہے، عہدِ عثمانی میں فتح کرنے والی فوجوں کے امیر رہے، بجستان کو بغیر جنگ کے فتح کیا، اس کے بعد ''بست'' اور اس سے متصل علاقوں کو فتح کیا، کابل اور زابلستان تک پہنچ کر ان دونوں کو فتح کیا، اور بہت سارا مال غنیمت ابن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ ❶

❷ دوسرے عبداللہ بن عامر بن کریز بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی قرشی رضی اللہ عنہ تھے۔ ❷ عہد نبوی ۴ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ❸ رسول اللہ ﷺ جب ۷ھ میں عمرۃ القضاء ادا کرنے آئے اور مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے پاس عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو لایا گیا۔ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: آپ نے زبان نکالی اور جمائی لی تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کے منہ میں اپنا تھوک ڈال دیا اور پوچھا: یہ سلمیہ کے لڑکے ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: یہ ہمارے مشابہ ہے اور ان کے منہ میں آپ اپنا تھوک ڈالتے رہے اور ان کے لیے شیطان سے بچاؤ کی دعا کرتے رہے اور وہ نبی کریم ﷺ کے تھوک کو نگلتے رہے، آپ نے فرمایا: بلاشبہ یہ سیراب کیے ہوئے ہیں، چنانچہ جو زمین بھی آپ کھودتے وہاں سے پانی نکلنے لگتا۔ ❹

عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق اپنی کتاب میں عہد ذوالنورین میں گورنروں کے ادارے پر گفتگو کے وقت میں نے آپ کی سوانح حیات لکھی ہے۔ ❺

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ان کی نیکیاں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت معروف ہیں۔ ❻

ان کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں: آپ کا شمار عرب کے بڑے امراء، بہادروں اور شہسواروں میں ہوتا تھا، ان میں نرمی و بردباری تھی۔ ❼ جنگ جمل وصفین سے آپ بالکل الگ تھلگ رہے۔

مذکورہ دونوں شخصیتوں کا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بھیجا جانا اس بات کی دلیل تھی کہ وہ حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی قیمت پر بھی صلح کی کامیابی کے حریص تھے، اور معاملے کی باگ ڈور حسن رضی اللہ عنہ اور آپ کے مؤیدین کے ہاتھوں رہی۔ صحیح بخاری کی سابقہ روایت نیز دیگر روایات کے مطابق آپ کا فوجی محاذ نہایت مضبوط تھا، رہا معاملہ حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے اور قتل کرنے کی کوشش کا، تو اس کا تعلق جنگی حالات اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حقیقت میں

---

❶ تاريخ دمشق ٢٦/ ٢٨٩، ٢٩٠
❷ البداية والنهاية ٨/ ٩١
❸ تهذيب التهذيب ٥/ ٢٧٢
❹ تهذيب التهذيب ٥/ ٢٧٢
❺ عثمان بن عفان للصلابي ص ٣٠٢
❻ منهاج السنة ٣/ ١٨٩، ١٩٠
❼ سير أعلام النبلاء ٣/ ٢١

یا بطور افواہ صلح سے ہے، افواہ پھیلانے والے ناکام رہے، آپ پر حملہ کرنے والا قتل کر دیا گیا، اس کے بعد آپ آگے بڑھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے۔

اگر حسن رضی اللہ عنہ کی دھاک نہ ہوتی تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان سے گفتگو کرنے، ان کے مطالبات اور شرائط کو ماننے کی ضرورت نہ ہوتی، اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے حسن رضی اللہ عنہ کی کمزوری اور قوت کے انتشار کو جان لیتے، نیز کسی سے گفتگو کرنے اور ان کے مطالبات وشرائط کو ماننے کی زحمت اٹھائے بغیر کوفہ میں داخل ہو جاتے۔ ❶

اپنے اعوان وانصار کے ساتھ حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کر سکتے تھے، لیکن حسن رضی اللہ عنہ امن وسلامتی کو پسند کرتے تھے اور فتنہ وتفرقہ بازی کو ناپسند کرتے تھے، آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی باہمی پھوٹ کو ختم کر کے انھیں متحد کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ يُصْلِحُ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ .)) ❷

''میرا یہ لاڈلا سردار ہے، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔''

حسن رضی اللہ عنہ اور حکومت سے بے رغبتی:

دنیا کو چھوڑ کر جو کچھ اللہ کے پاس ہے اسے اور اجر وثواب کو طلب کرنے میں حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے اسوہ ونمونہ تھے، مناصب اور کرسیوں کو چھوڑنا انسانوں پر گراں گزرتا ہے، ان کے بارے میں بھائی، ساتھی اور رشتہ دار ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، پرانی تاریخ کو پلٹ کر دیکھنے پر عجیب وغریب باتیں دکھائی دیں گی۔

دنیا کے بہت کم لوگ ریاست وسرداری کو چھوڑتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو مال ودولت اور عورتوں وغیرہ کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن ریاست وسرداری اور مناصب کو چھوڑنے میں ناکام رہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ سرداری کی محبت آخری چیز ہوتی ہے جو صالحین کے دلوں سے نکلتی ہے، سفیان ثوری کے اس قول پر غور کریں، سب سے کم جس چیز سے آدمی بے رغبت ہوتا ہے وہ ریاست وسرداری ہے، آدمی کھانے، پینے، مال اور کپڑوں سے بے رغبت ہو جاتا ہے، لیکن ریاست وسرداری سے بے رغبت نہیں ہوتا، اگر کوئی اسے چھیننے لگے تو اس سے جنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس کا دشمن بن جاتا ہے، ریاست وسرداری کی محبت سے بچو اس لیے کہ یہ آدمی کو سونے اور چاندی سے زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے، وہ ایک گنجلک معاملہ ہے جسے پرکھ رکھنے والے باصیرت علماء ہی

---

❶ صحیح البخاری حدیث نمبر ۷۱۰۹

❷ سیر أعلام النبلاء، ۷/ ۲۶۲

جان پاتے ہیں، اپنے آپ کا جائزہ لو اور خالص نیت سے کام کرو، ایسا معاملہ لوگوں سے قریب ہو چکا ہے، جس کے لیے آدمی مرجانا چاہتا ہے۔ [1]

حسن رضی اللہ عنہ ہمیں سکھلا رہے ہیں کہ ہم کس طرح مناصب اور کرسیوں کو چھوڑ دیں اگر ایسا کرنے میں اللہ کی رضا، امت کی مصلحت، خونریزی سے رکاوٹ اور امت کا اتحاد مضمر ہو۔

دنیا سے بے رغبتی پر معاون چیزوں میں سے امیدوں کا اختصار، موت کی یاددہانی اور قبروں کی زیارت ہے، حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی انگوٹھی پر یہ شعر لکھا ہوا تھا:

قـدم لـنـفـسك مـا استـطـعـت من التقى

إن الـمـنـيـة نـازل بك يـا فـتـى

''تقویٰ کے کام جتنا کر سکے کر لے، اے نوجوان! تجھے موت سے دوچار ہونا ہی ہے۔''

أصبـحـت ذا فـرح كـأنك لا تـرى

أحبـاب قـلـبك فـي الـمـقـابر و البلى [2]

''تم بہت خوش ہو گویا تم اپنے جگری ساتھیوں کو نہیں دیکھ رہے ہو جو قبروں میں جا کر بوسیدہ ہو رہے ہیں۔''

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنے زمانے کے زاہدوں میں سے تھے، زہد میں آپ کو سبقت حاصل تھی، آپ نے دنیا اور اس کے ساز و سامان کو ترک کر دیا تھا، لوگوں کے نزدیک مقام و مرتبہ کی چاہت کو چھوڑ کر رضائے الٰہی کے کاموں میں مشغول تھے، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں آپ کو قدر و منزلت اور عزت و شرف سے نوازا تھا، جب کہ آپ کو اس کی چاہت نہیں تھی، بلکہ اس سے اس خوف سے بہت دور بھاگتے تھے کہ کہیں لوگوں کے سبب آپ کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے کمزور نہ ہو جائے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝﴾ (مریم: ۹٦)

''بے شک جو ایمان لائے، نیک کام کیے ان کے لیے اللہ رحمٰن محبت پیدا کر دے گا (یعنی لوگوں کے دلوں میں)۔''

اور حدیث میں وارد ہے:

((إن الله إذا أحب عبدا نادى يا جبريل إني أحب فلانا فيحبه جبريل ثم يحبه

---

[1] حلیۃ الاولیاء ٦/ ٣٧٦، فقه التمكين، عبدالله شعبان ص ١٤٢

[2] تاريخ دمشق ١٤/ ٨٦

أهل السماء ثم يوضع له القبول في الأرض .)) ❶

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اعلان کرتا ہے اے جبریل میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تو اس سے جبریل علیہ السلام محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر روئے زمین میں اس کو مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔''

بہر حال اخروی مقام و مرتبہ کی طلب پر بلا چاہت وطلب دنیاوی مقام و مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے، اس کے برعکس دنیاوی مقام و مرتبہ کی طلب پر اخروی مقام و مرتبہ نہیں حاصل ہوتا، سعادت مند وہ ہے جو باقی رہنے والی چیز کو فانی پر ترجیح دے۔ ابوالفتح بستی کا قول ہے:

أمــران مــفتــرقــان لســت تــراهــمــا
يتشــوقـــان لـخـلـطة و تــلاقــي

''دو الگ الگ چیزیں ہیں جنھیں تم اکٹھا ہوتے اور ملتے ہوئے نہیں دیکھو گے۔''

طــلــب الــمــعــاد مــع الــريــاسة و العلى
فــدع الــذي يــفــنــى لــمــا هو بــاقــي ❷

''دنیاوی سرداری و سربلندی کے ساتھ آخرت کی چاہت، اس لیے فانی کو باقی کی چاہت میں چھوڑ دو۔''

حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہمیں سکھلا رہے ہیں کہ رضائے الٰہی کی چاہت میں دنیاوی شہرت، حکومت، طاقت اور مقام و مرتبہ سے ہم کس طرح بے رغبت بنیں، دنیاوی معاملے سے دست برداری کے باعث حسن رضی اللہ عنہ کی سربلندی و سرداری میں اضافہ ہو گیا، آپ ذاتی مفاد سے اوپر اٹھنے اور دوسروں کے لیے ایثار کی علامت بن گئے، نیز امت کے اتحاد اور خونریزی سے بچاؤ کی مصلحت کو کسی اور مصلحت پر مقدم کرنے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امت کے واسطے قابل فخر نمونہ بن گئے۔ مقام و مرتبہ کی شدید خواہش بہت سارے لوگوں کے دلوں میں انتہا کو پہنچ چکی ہے، اور وہاں تک پہنچنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لیے بہت ساری طاقت اور اموال خرچ کرتے ہیں، دھوکہ بازی اور بہت سارے حیلوں کو اپناتے ہیں اور اسے مال کی چاہت پر درج ذیل اسباب کے باعث ترجیح دیتے ہیں:

۱۔ اس لیے کہ مقام و منصب کے ذریعہ سے مال کے حصول تک پہنچنا بالمقابل مال کے ذریعہ سے مقام و

❶ صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۶۳۷

❷ أمراض النفس د. انس کرزون ص ۱۷

منصب تک پہنچنے سے زیادہ آسان ہے، چنانچہ عالم یا پرہیزگار جسے لوگوں کے دلوں میں مقام و مرتبہ حاصل ہو چکا ہو اگر وہ مالدار بننا چاہے تو لوگ اسے اپنے مال اور عملی تعاون سے ایسا بنا دیں گے۔

۲۔ مال ضائع یا ختم ہو سکتا ہے، اسے خطرات لاحق رہتے ہیں، لیکن مقام و مرتبہ جب دلوں میں داخل ہو جائے تو ان کا مالک ہو جاتا ہے اور مضبوطی سے ان میں جگہ بنا لیتا ہے، اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا الا یہ کہ کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے صاحب جاہ کے بارے میں لوگوں کا نظریہ بدل جائے۔

۳۔ دلوں کی حکومت بغیر پریشانی و مصیبت کے بڑھتی رہتی ہے، جب لوگوں کی نگاہ میں کوئی شخص جم جاتا ہے تو وہ لوگ بکثرت اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، اس کی تعریف کرتے ہیں، اور ان کے مابین اس کی شہرت پھیل جاتی ہے۔ ❶

حب ذات اور حب جاہ کی خواہشوں کے مابین شدید تداخل ہے، اس تداخل سے بہت سی نفسانی بیماریاں جنم لیتی ہیں، ان میں سے بعض بیماریاں یہ ہیں: ریاکاری، گھمنڈ، لوگوں سے اپنے آپ کو برتر سمجھنا، خود پسندی، لوگوں کے مابین اپنی تعریف کی خواہش، انانیت، بخل، حسد، غصہ کی کثرت، دوسروں کے سامنے جھک جانا اور چاپلوسی کرنا وغیرہ۔ یہ حقیقت میں دل سے متعلق حرام چیزیں ہیں جن کو چھوڑنے کے لیے کتاب وسنت کی روشنی، اخلاقی تربیت اور مجاہدے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح جو دنیا والوں کے نزدیک مقام و مرتبہ چاہتا ہے، اور یہی اس کی مصروفیت رہتی ہے تو وہ ان لوگوں کے لیے اپنے دین اور عزت نفس کو قربان کر دیتا ہے، تاکہ اپنا مقصد حاصل کر لے، اور ان کے سامنے جھک جاتا ہے تاکہ ان کی رضامندی حاصل کر لے۔ ❷ اس سلسلے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسی طرح روئے زمین میں ریاست و سرداری اور بلندی و سرفرازی کے طالب کا دل ان لوگوں کے لیے نرم ہوتا ہے جو اس کے اس سلسلے میں معاون و مددگار ہوتے ہیں، وہ اگرچہ بظاہر ان کا سربراہ اور فرمانروا ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ ان سے امید لگائے رہتا ہے، ان سے ڈرتا رہتا ہے، وہ بظاہر سردار اور فرمانروا ہے، لیکن حقیقت میں ان کا فرمانبردار و غلام ہوتا ہے۔'' ❸

یہ بہت اہم بات ہے، اسلامی قائدین کو اسے اچھی طرح سمجھنا چاہیے، اور لوگوں کے ایسے مطالبات کے سامنے رقت قلب اور نرمی کا مظاہرہ بالکل نہ کریں جو دین و شریعت سے متصادم ہوں۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہمیں نفس کی خفیہ خواہشوں پر مبادی و قیم کو ترجیح دینا سکھلاتے ہیں۔ آپ کے بعض

---

❶ أمراض النفس ص ۱۱ ❷ أمراض النفس ص ۷۱-۹۲

❸ العبودیة لابن تیمیة ص ۴۸-۴۹

ساتھیوں نے (جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح نہیں چاہتے تھے) صلح کی شدید مخالفت کی، لیکن آپ نے ان کو بہت اچھا جواب دیا، انہیں ذاتی خواہش سے اوپر اٹھانے کی کوشش کی، نیز معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کے لیے خونریزی سے بچاؤ، امت کا اتحاد، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس کی چاہت جیسے اسباب کو لوگوں کے سامنے بیان کیا ہے، اور اپنے عظیم منصوبے کو کامیاب بنانے کے لیے پوری امت کی قیادت میں آپ کامیاب رہے، قومی یا غیر قومی کسی طرح کے دباؤ کو قبول نہیں کیا، اور اللہ والے قائدین ایسا ہی کرتے ہیں۔

حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے میں حق بجانب، کامیاب، صحیح راہ پر اور قابل تعریف تھے، کسی طرح کے حرج، ملامت یا ندامت کا احساس نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ اس پر راضی اور خوش تھے۔ ❶

آپ اپنے اوپر تنقید کرنے والوں کو مضبوط دلیل اور ادب سے بھرپور جواب دیتے تھے۔ چنانچہ ابو عامر سفیان بن لیل نے جب آپ سے کہا: اے مومنوں کو رسوا کرنے والے تم پر سلامتی ہو تو ان سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو عامر ایسا نہ کہو، میں مومنوں کو رسوا کرنے والا نہیں ہوں، لیکن حکومت کے لیے ان سے جنگ کرنا مجھے پسند نہیں تھا۔ ❷

حسن رضی اللہ عنہ کے قول: "العار خیر من النار" ❸ (شرمندگی جہنم سے بہتر ہے) نے ہمارے لیے اللہ کی جانب متوجہ ہونے سے متعلق تفقہ کے وسیع دروازے کھولے ہیں، آپ اپنی زندگی میں اس پر عامل رہے، اور اس کے نتائج سے پوری طرح واقف تھے، اس بات کا ظہور آپ کی پسندیدہ چیزوں اور حرکات وسکنات سے ہوتا ہے۔

صلح کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی مدنی زندگی

معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری کے بعد حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ چھوڑ دیا، آپ کے ساتھ آپ کے جو ساتھی اور بنو ہاشم کے لوگ تھے ان کو لے کر آپ مدینہ چلے آئے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے، معاویہ رضی اللہ عنہ بنو ہاشم کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، حالاں کہ ان کے قائد حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے، اس وقت مدینہ میں بہت سے علماء صحابہ اور ایسے بہت سے تابعین قیام پذیر تھے جو علماء صحابہ کے شاگرد تھے اور انہی کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ یہ لوگ انصار ومہاجرین اور دوسرے لوگوں کا مجموعہ تھے۔ عبادت، لوگوں کی تعلیم اور یاد کردہ حدیثوں کی روایت ان کا اصل مقصد تھا، جو پوری امت کرتی تھی وہی یہ لوگ بھی کرتے تھے، کسی بھی جماعت سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے، انہی میں سے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم تھے، ❹ علمی زندگی کے لیے مدینہ کی فضا بہتر تھی، اس لیے کہ اس میں علم کے طالب روایتِ حدیث، تفسیر قرآن

---

❶ البدایة والنهایة ۱۲/ ۱٤۱ ❷ البدایة والنهایة ۱۲/ ۱٤۱

❸ البدایة والنهایة ۱۲/ ۲۰٤ ❹ تاریخ الطبری ٦/ ۸۱، المدینة فی العصر الاموی ص ۸٤، شرّاب

اور احکام فقہیہ کے استنباط کے لیے فارغ تھے، اس لیے علم کے لیے لوگ وہاں جاتے تھے، وہاں سکون واطمینان تھا جو علم وتحقیق کے لیے معاون ہوتا ہے۔ ❶

ا۔ صلح کے بعد معاویہ وحسن رضی اللہ عنہما کے مابین تعلقات:

معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حسن رضی اللہ عنہ ان کے پاس آیا کرتے تھے، ایک بار ان کے پاس آئے تو ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو ایسا عطیہ دے رہا ہوں جیسا نہ آپ سے پہلے کسی کو دیا ہے اور نہ آپ کے بعد کسی کو دوں گا، چنانچہ انھیں چار لاکھ درہم دیے اور انھوں نے قبول کر لیا۔ ❷

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہر سال معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے اور وہ انھیں ایک لاکھ درہم دیتے تھے، ایک سال نہیں گئے اور نہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس کچھ بھیجا، چنانچہ دوات منگوائی تاکہ ان کے پاس لکھیں، لکھنے سے پہلے آپ کو نیند آگئی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ کہتے ہوئے سنا:

((یا حسن أتكتب إلى مخلوق تسأله حاجتك و تدع أن تسال ربك؟ قال: فما أصنع يا رسول الله و قد كثر ديني؟ قال: قل: اللّٰهم إني أسألك من كل أمر ضعفت عنه قوتي و حيلتي و لم تنته إليه رغبتي ولم يخطر ببالي و لم يبلغه أمالي، و لم يجر على لساني من اليقين الذي أعطيته أحدا من المخلوقين الأولين و المهاجرين و الآخرين إلا خصصتني يا أرحم الراحمين.))

''اے حسن! کیا تم اپنی حاجت طلب کرنے کے لیے کسی مخلوق کو لکھ رہے ہو اور اپنے رب سے طلب نہیں کر رہے ہو؟ پوچھا: اے اللہ کے رسول کیا کروں میرا قرض زیادہ ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھو، اے اللہ میں تجھ سے ہر وہ چیز طلب کر رہا ہوں جو میری قوت و وسیلہ سے باہر ہے، اور ہر وہ چیز جس تک میری چاہت نہیں پہنچ سکتی ہے، نہ ہی وہ میرے دل میں کھٹکی، جہاں تک میری امید نہیں پہنچی اور نہ ہی وہ میری زبان پر آئی ہے، جو یقین تو نے کسی بھی مخلوق کو دیا ہے چاہے وہ پہلے لوگوں میں سے ہو یا مہاجرین یا دوسرے لوگوں میں سے، اے ارحم الراحمین مجھے بھی وہ عطا کر۔''

حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بیدار ہوا تو مجھے دعا یاد ہو چکی تھی، میں یہ دعا پڑھتا رہا، معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلد ہی میری یاد آئی، ان سے کہا گیا کہ وہ ایک سال نہیں آئے ہیں تو ان کے لیے دو لاکھ درہم کا حکم دیا۔ ❸

---

❶ المدينة في العصر الأموي ص ٦٢ شراب

❷ سير أعلام النبلاء ٣/ ٢٦٩

❸ تاريخ دمشق ١٤/ ٨

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو دعا رسول اللہ ﷺ نے خواب میں حسن رضی اللہ عنہ کو سکھلائی تھی وہ یہ تھی:

((اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِيْ قَلْبِيْ رَجَاءَكَ ، وَاقْطَعْ رَجَائِيْ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰى لَا أَرْجُوْ أَحَدًا غَيْرَكَ ، اَللّٰهُمَّ وَمَا ضَعُفَتْ عَنْهُ قُوَّتِيْ وَقَصُرَ عَنْهُ عَمَلِيْ ، وَلَمْ تَنْتَهِ إِلَيْهِ رَغْبَتِيْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْأَلَتِيْ وَلَمْ يَجْرِ عَلٰى لِسَانِيْ مِمَّا أَعْطَيْتَ أَحَدًا مِنَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ مِنَ الْيَقِيْنِ فَخُصَّنِيْ بِهٖ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ .))

''اے اللہ! تو میرے دل میں اپنی امید بٹھا دے اور اپنے علاوہ سے میری امید ختم کردے تاکہ میں تیرے علاوہ کسی سے امید نہ باندھوں، اے اللہ! جو یقین میرے قوت وعمل سے باہر ہو، جن تک میری چاہت نہ پہنچی ہو اور نہ ہی میں اس کا سوال کر سکا ہوں اور نہ ہی وہ میری زبان پر جاری ہوا ہو، اور تو نے اولین وآخرین میں سے کسی کو دیا ہو تو اے رب العالمین مجھے بھی وہ یقین عطا کرے''

کہتے ہیں: اللہ کی قسم ایک ہفتہ ہی میں نے یہ دعا پڑھی تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے میرے پاس پندرہ لاکھ بھیج دیئے، میں نے کہا: تمام تعریف اس اللہ کے لیے جو اپنے یاد کرنے والے کو نہیں بھولتا ہے، اور جو اس سے دعا کرتا ہے اس کی دعا کو رائیگاں نہیں کرتا، پھر میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا: اے حسن تم کیسے ہو؟ میں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول میں خیریت سے ہوں، اور آپ کو میں نے اپنی بات بتائی تو آپ نے فرمایا: اے لاڈلے! یہی حالت اس شخص کی ہوتی ہے جو مخلوق کو چھوڑ کر خالق سے امید باندھتا ہے۔ [1]

۲۔ حسن، حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے روابط:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے ایک لاکھ کا حکم دیا، آپ تک پہنچایا گیا تو اپنے پاس موجود لوگوں سے آپ نے کہا: تم میں سے جو جتنا لے لے وہ اس کا ہے، اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے ایک لاکھ کا حکم دیا، آپ تک پہنچایا گیا تو آپ نے اپنے پاس موجود دس آدمیوں پر دس دس ہزار تقسیم کر دیے، اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے لیے بھی ایک لاکھ کا حکم دیا۔ [2]

معاویہ رضی اللہ عنہ جب بھی حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ملتے تو ان کا پرتپاک استقبال کرتے ہوئے کہتے: نواسۂ رسول ﷺ کو خوش آمدید ہو اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے ملتے تو ان کا بھی اچھی طرح استقبال کرتے ہوئے کہتے: رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کو خوش آمدید ہو، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے تین لاکھ، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے لیے ایک لاکھ کا حکم دیا۔ [3]

---

[1] تاریخ دمشق ۱۴/ ۸
[2] تاریخ دمشق ۶۲/ ۱۳۳
[3] تاریخ دمشق ۶۲/ ۱۳۳

حسن سند سے مروی بعض روایات میں وارد ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ سے مسلسل رابطے میں رہتے تھے، ان کی ضروریات اور مطالبات کو فوراً پورا کرتے اور کافی مقدار میں انھیں عطیات دیتے تھے، ❶ شیعہ حضرات نے خود حسن، حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کے عطیات کا اعتراف کیا ہے۔ ❷

قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسین رضی اللہ عنہ کے روابط اچھے تھے، طرفین کے تعلقات عزت واحترام پر مبنی تھے، کوفہ سے نکل کر مدینہ میں قیام کرنے کے بعد حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ اہل کوفہ کے تعلقات منقطع نہیں ہوئے تھے، بلکہ طرفین کے تعلقات ان خطوط کے توسط سے باقی تھے جنھیں اہل کوفہ بھیجتے رہتے تھے، وہ خطوط موجودہ حکومت کی مخالفت کی دعوت اور خلافت کے لیے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے زیادہ حق دار ہونے اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنے پر مشتمل ہوا کرتے تھے، یہ خطوط حسن رضی اللہ عنہ کو متاثر نہ کر سکے، بلکہ انھیں کوفہ کے شیعوں کے بارے میں واضح تصور اور تاثر دیا، اور آگاہ کیا کہ وہ فتنہ وفساد والے ہیں، امت کا اتحاد و اتفاق نہیں چاہتے۔ ❸

یزید بن اصم کہتے ہیں: حسن رضی اللہ عنہ کے پاس خطوط کا ایک بنڈل پہنچ چکا تھا تو آپ نے کہا: اے لونڈی لگن لے کر آ، وہ لے کر آئی اور پانی ڈال دیا، اور آپ نے ان تمام خطوط کو اس پانی میں ڈال دیا، اس میں سے ایک خط بھی نہیں کھولا اور نہ ہی اسے پڑھا، میں نے پوچھا: اے ابومحمد! یہ خطوط کن کے پاس سے آئے تھے؟ کہا: اہل عراق کے پاس سے، ایسی قوم کے پاس سے جو باطل سے باز آ کر حق کی جانب رجوع کرنے والی نہیں ہے، میں ان سے اپنے بارے میں نہیں لیکن ان کے بارے میں ڈرتا ہوں، اور حسین رضی اللہ عنہ کی جانب اشارہ کیا۔ ❹

حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شیعہ سلیمان بن صرد کے مکان پر اکٹھے ہوئے اور حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر حسین رضی اللہ عنہ کے پاس تعزیت کا خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جانے والے کے بالمقابل عظیم ترین اخلاق سے نوازا ہے، ہم آپ کے شیعہ (ہم نوا) ہیں، آپ کی مصیبت ہماری مصیبت، آپ کا غم ہمارا غم، آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے، ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ ❺

---

❶ مصنف ابن أبی شیبة ١١/ ٩٤، اس کی سند حسن ہے۔ مواقف المعارضة فی خلافة یزید بن معاویة حول الحسین ص ١٧٧

❷ جلاء العیون للمجلسی ص ٣٧٦، والکافی فی الفروع کتاب الحقیقة باب الأسماء و الکنی ٦/ ١٩، الأمالی للطوسی ٢٢/ ٣٣٤، شرح ابن أبی الحدید ٢/ ٨٢٣، اور ڈاکٹر محمد شیبانی نے اپنی کتاب: مواقف المعارضة فی خلافة یزید حول الحسین ص ١٧٧ میں اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

❸ مواقف المعارضة فی خلافة یزید بن معاویة حول الحسین ص ١٧٨

❹ المعرفة و التاریخ ٢/ ٧٥٦، اس کی سند حسن ہے، معجم الکبیر للطبرانی و قال المجمع الزوائد ٦/ ٢٤٣

❺ أنساب الاشراف ٣/ ١٥٢، الأخبار الطوال ص ٢٢١، ٢٢٢

حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے خط کا جواب دیا: مجھے امید ہے کہ خلافت سے علیحدگی کے بارے میں میرے بھائی کی رائے اور ظالموں سے جہاد کے بارے میں میری رائے درست ہے، جب تک ابن ہند (معاویہ رضی اللہ عنہ) زندہ ہیں، زمین دوز ہوکر روپوش ہوجاؤ، اپنی خواہش کو چھپائے رکھو، زمین کی کشادگیوں میں رہ کر محتاط رہو، اگر ان کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور میں زندہ رہتا ہوں تو ان شاء اللہ تم تک میری رائے پہنچے گی۔ ❶

حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے نزدیک حسین رضی اللہ عنہ کا اہم مقام تھا، لوگوں کا یہ خیال کافی مضبوط تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت کے تنہا امیدوار حسین رضی اللہ عنہ ہیں، کبار اہل حجاز اور زعمائے کوفہ آپ سے ملنے آیا کرتے تھے، انھیں یقین تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد وہی خلیفہ ہوں گے۔ ❷

کوفیوں نے اپنی کوشش میں صرف حسین رضی اللہ عنہ کو بلانے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے محمد بن حنفیہ کو بھی اپنے پاس آنے کی دعوت دی، لیکن وہ اپنے اور آلِ علی سے متعلق اہل کوفہ کی خطرناکی کو تاڑ گئے، چنانچہ ان کے پیچھے بھاگنے اور ان کے باطل خیالات کی تصدیق سے حسین رضی اللہ عنہ کو آگاہ کرنے لگے، انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے ہی ذریعہ سے اپنی روزی روٹی چلائیں اور ہمارا ہی خون بہائیں۔ ❸

حسین رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ کے مابین خط و کتابت سے مدینہ میں بنوامیہ کو اندیشے لاحق ہوگئے، چنانچہ انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشورہ طلب کرنے کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا، جواباً انھوں نے ان لوگوں کو لکھا کہ ان سے بالکل کوئی تعرض نہ کرو۔ ❹

وہ خطوط، نیز حسین رضی اللہ عنہ اور کوفیوں کے مابین مضبوط تعلقات معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخفی رہیں ایسا ممکن نہیں تھا، اسی لیے معاویہ رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کرتے تھے کہ وہ اللہ سے ڈریں، مسلمانوں میں اختلاف نہ پیدا کریں، اور مسلمانوں کے معاملے میں اللہ کا حوالہ دے کر انھیں نصیحت کرتے تھے۔ ❺ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اپنے عہد میں مخلص تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دونوں اپنی بیعت پر قائم رہے، حسین رضی اللہ عنہ کی رائے میں حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کی زندگی میں، اسی طرح بھائی کی وفات کے بعد صلح ان پر لازم و ضروری ہے۔

کیا معاویہ رضی اللہ عنہ پر حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کی تہمت لگانا صحیح ہے؟

بعض روایتوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات انھیں دیے گئے زہر سے ہوئی، تہمت کی

---

❶ الأنساب الاشراف (۳/ ۱۵۲)، الأخبار الطوال ص ۲۲۱، ۲۲۲، مواقف المعارضة ص ۱۷۹

❷ أنساب الأشراف ۳/ ۱۵۲ نقلا عن مواقف الصحابة في خلافة يزيد ص ۱۷۹

❸ الطبقات لابن سعد ۵/ ۳۵٦

❹ أنساب الأشراف ۳/ ۱۵۲ مواقف المعارضة ص ۱۸۰

❺ أنساب الأشراف ۳/ ۱۵۲ مواقف المعارضة ص ۱۸۰

و: ڈاکٹر جمیل مصری اس معاملے پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

''پھر معاویہ رضی اللہ عنہ یا یزید کی جانب سے حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلانے کی کہانی گھڑی گئی..... بظاہر اس کہانی کے گھڑنے کا معاملہ اس وقت مشہور نہیں تھا، اس لیے کہ ہم حسین رضی اللہ عنہ کے اٹھ کھڑے ہونے میں اس کا کوئی اثر نہیں پاتے، یا ہم یہ بھی نہیں پاتے کہ اس سلسلے میں حسین رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے ناراضی کا اظہار کیا ہو۔'' ❶

اپنی کتاب "مرویات خلافة معاویة فی تاریخ الطبری" میں ڈاکٹر خالد الغیث نے وفاتِ حسن رضی اللہ عنہ سے متعلق روایتوں میں موجود طبی پہلو کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے، اس مسئلے کے طبی پہلو سے متعلق نصوص درج ذیل ہیں:

ابن سعد نے اپنی سند سے روایت نقل کی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ اپنے بیت الخلاء میں داخل ہوئے، پھر نکل کر فرمایا: اللہ کی قسم! ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے کلیجے کا ایک ٹکڑا گرا ہے، اپنے ساتھ موجود چھڑی سے میں نے اسے الٹا پلٹا ہے، مجھے کئی بار زہر دیا گیا، لیکن اس طرح کا زہر نہیں دیا گیا۔ ❷

نیز ابن سعد نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے کئی بار زہر دیا گیا، لیکن اس طرح کا زہر نہیں دیا گیا، میرا کلیجہ کٹ کٹ کر گر رہا ہے۔ ❸

نیز ابن سعد نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو کئی بار زہر دیا گیا، ہر مرتبہ بچ گئے، تا آنکہ آخری مرتبہ دیا گیا جس میں آپ کی وفات ہوگئی، اس کی تکلیف سے آپ کا کلیجہ کٹ کٹ کر پاخانے کے راستے سے نکل رہا تھا۔ ❹

(ڈاکٹر خالد الغیث کہتے ہیں:) میں نے اس مسئلہ کے طبی پہلو سے متعلق نصوص کو ڈاکٹر کمال الدین حسین طاہر کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس طرح جواب دیا:

''مریض کو ناک اور منہ وغیرہ سے سیال خون کے بہنے کی شکایت نہیں ہوئی، یہ چیز اس بات کو راجح قرار دیتی ہے کہ انھیں کوئی ایسا کیمیائی یا زہریلا مادہ نہیں دیا گیا جس میں خون کے گاڑھا ہونے یا جمنے میں مؤثر چیزوں کی تاثیر کو روک دینے کی قدرت ہوتی ہے، یہ بات معروف ہے کہ بعض کیمیائی

---

❶ أثر أهل الكتاب في الفتن والحروب الأهلية ص ٤٨٢، مرويات خلافة معاوية ص ٣٩٥

❷ الطبقات تحقيق السلمي ١/ ١٣٥۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

❸ الطبقات تحقيق السلمي ١/ ٣٣٨، اس کی سند ضعیف ہے۔

❹ الطبقات تحقيق السلمي ١/ ٣٣٩، اس کی سند ضعیف ہے۔

زہریلے مادے ناک و منہ وغیرہ سے خون بہنے کا سبب بن جاتے ہیں، اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ان مادوں میں خون کے گاڑھا ہونے یا جمنے میں بعض مؤثر چیزوں کی تاثیر کو روکنے کی قدرت ہوتی ہے، اس لیے اس طرح کے بعض مادوں کے استعمال سے جسم کے بہت سارے اعضاء مثلاً آنکھ، ناک، منہ اور معدے سے خون نکلنے لگتا ہے، سیال خون پاخانے کے راستے سے صرف خون کی شکل میں یا پاخانے کے ساتھ مل کر نکلتا ہے، جمے ہوئے یا خون کی تخت یا اسفنجی شکل کے لوتھڑے کی صورت میں یا کلیجہ کے ٹکڑوں کی صورت میں نہیں نکلتا ہے، اس لیے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اس مریض (حسن رضی اللہ عنہ) کو کوئی ایسا کیمیائی یا زہریلا مادہ دیا گیا ہو جس سے خون بہنے لگتا ہے۔'' ❶

جمے ہوئے خون کے ان ٹکڑوں (جن کا روایتوں میں ذکر ہے کہ وہ کلیجے کے ٹکڑے تھے) کی کیفیت کے بارے میں ڈاکٹر کمال الدین حسین طاہر کہتے ہیں:

''کینسر یا معدے کے ورم کی بعض قسمیں (جو ایک جگہ رہتی ہیں یا آنتوں کے ذریعہ سے منتقل ہوتی رہتی ہے) یا بلغمی کینسر کی بعض قسمیں ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے جما ہوا خون پاخانے کے راستے سے نکلنے لگتا ہے، جس میں بعض خلیات اور معدے کے اندر کی بعض چیزیں ملی ہوتی ہیں، کبھی وہ چیزیں کلیجہ کے ٹکڑوں کی شکل میں نکلتی ہیں، جیسا کہ روایات میں مذکور ہے، اس لیے میں اس بات کو راجح قرار دیتا ہوں کہ مریض (حسن رضی اللہ عنہ) کو آنتوں کے ورم یا ایک طرح کے کینسر کی بیماری لاحق تھی۔'' ❷

اس طبی تحلیل و تجزیہ کا تعلق ضعیف روایتوں سے ہے، اس لیے جس نتیجہ پر وہ پہنچے ہیں اسے تسلیم کرنا مشکل ہے، رہا معاملہ حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کا تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے، جب یہ بات ثابت ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی ہے تو یہ آپ کے لیے شہادت و کرامت کی بات ہے۔ ❸

معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے بیٹے کو متہم کرنا نہ تو سند کے اعتبار سے ثابت ہے (جیسا کہ گزرا) اور نہ متن کے اعتبار سے، کیا جعدہ بنت اشعث بن قیس کو کسی شرف یا مال کی ضرورت تھی (جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے) کہ وہ یزید کی اس چاہت کو جلدی سے نافذ کر کے اس کی بیوی بن جائیں؟ کیا جعدہ پورے قبیلۂ کندہ کے سردار اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیٹی نہیں تھیں؟ پھر کیا ان کے شوہر حسن بن علی رضی اللہ عنہما نہیں تھے جو بالاتفاق عزو شرف اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے افضل تھے؟ آپ کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور یہ

---

❶ مرویات خلافۃ معاویۃ ص ۳۹۶
❷ مرویات خلافۃ معاویۃ ص ۳۹۷
❸ منہاج السنۃ ۴/ ۴۲

بات آپ کے لیے فخر کے لیے کافی تھی، آپ کے والد علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے جو ان خوش نصیب صحابہ میں سے ایک ہیں جنھیں اللہ کے رسول ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی ہے، اور چوتھے خلیفۂ راشد ہیں، ایسی صورت میں ایسا خطرناک کام انجام دے کر جعدہ کیا حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ❶

بہت سارے لوگ اسلامی اتحاد کے دشمن تھے، حسن رضی اللہ عنہ کے کارنامہ نے ان کی دشمنی اور غصے میں اور اضافہ کر دیا، اس بات پر ان کا یقین قوی تھا کہ آپ کا زندہ رہنا امت کے امن وامان کی ضمانت ہے، آپ امت کے اتحاد واتفاق کے امام تھے، اس لیے حالات کے خراب ہونے اور پہلے کی طرح فتنوں کے واپس آ جانے کے لیے ان کا خاتمہ اور صفایا کر دینا ضروری تھا، اس لیے میری نظر میں اولاً متہم عبداللہ بن سبا کے متبعین ہیں جنھیں حسن رضی اللہ عنہ نے بہت سخت طمانچہ رسید کیا تھا، جب معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے اور باہمی لڑائی کو روک دیا...... دوسرے نمبر پر وہ خوارج ہیں جنھوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا، اور یہ وہی ہیں جنھوں نے آپ (حسن رضی اللہ عنہ) کی ران پر حملہ کر کے زخمی کر دیا تھا، ہوسکتا ہے کہ نہروان وغیرہ میں اپنے مقتولین کا بدلہ لینا چاہا ہو۔ ❷

۴۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا خواب اور ان کی وفات کا قریب ہونا:

عمران بن عبداللہ بن طلحہ سے مروی ہے کہتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خواب دیکھا گویا ان کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اس سے وہ اور ان کے گھر والے خوش ہو گئے اور اس معاملے کو سعید بن مسیب سے بیان کیا تو انھوں نے کہا: اگر ان کا خواب سچا ہے تو ان کی زندگی بہت کم باقی ہے، چنانچہ وہ چند دن ہی زندہ رہے۔ ❸

۵۔ حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام:

مدینہ کی زندگی میں انھیں کئی بار زہر دیا گیا، جب آخری بار زہر دیا گیا تو طبیب آیا اور کہا: زہر نے آپ کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ ❹ عمیر بن اسحاق کہتے ہیں: میں اور قریش کا ایک آدمی دونوں حسن رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، آپ اٹھے اور بیت الخلاء میں داخل ہوئے، پھر نکل کر کہا: میرے کلیجہ کا ایک ٹکڑا گرا ہے، جسے میں اس چھڑی سے الٹ پلٹ رہا تھا، مجھے کئی بار زہر دیا گیا، اس مرتبہ کا زہر سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ عمیر بن اسحاق کہتے

---

❶ مواقف المعارضة فی خلافة یزید بن معاویة ص ۱۲۳

❷ مواقف المعارضة، فی خلافة یزید بن معاویة ص ۱۲٤

❸ الطبقات تحقیق السلمی ۱/ ۳۳٤، اس کی سند منقطع ہے۔

❹ الدوحة النبویة الشریفة ص ۹۷۔ ۹۸

ہیں: اس قریشی آدمی سے آپ کہنے لگے: مجھ سے مانگ لو قبل اس کے کہ مانگنے کا موقع نہ رہ جائے، اس نے کہا: اللہ آپ کو اچھا کر دے میں آپ سے کچھ نہیں مانگ رہا ہوں، عمیر بن اسحاق کہتے ہیں: ہم آپ کے پاس سے چلے آئے، دوسرے دن آپ کے پاس گئے تو آپ جاں کنی کی حالت میں تھے، حسین رضی اللہ عنہ آئے اور سر کے پاس بیٹھ گئے اور پوچھا: بھائی جان! آپ کو زہر دینے والا کون ہے؟ پوچھا: تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو؟ کہا: ہاں، انھوں نے کہا: اگر مجھے زہر دینے والا وہی ہے جسے میں سوچ رہا ہوں تو بلاشبہ میرے لیے بدلہ لینے میں اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سخت ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو مجھے پسند نہیں کہ میری وجہ سے کسی بری شخص کو قتل کر دو۔ [1]

ا:...... حسین رضی اللہ عنہ کے لیے حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت:

ابن عبدالبر کہتے ہیں: کئی طرق سے ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات جب قریب ہوئی تو اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: اے بھائی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہمارے والد کی نگاہ اس خلافت پر تھی، انھیں امید تھی کہ وہی صاحب خلافت ہوں گے، لیکن من جانب اللہ انھیں خلافت نہ مل سکی، خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوئے، جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات قریب ہوئی تب بھی ان کی نگاہ اس پر تھی، لیکن ان کے بجائے عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی، جب عمر رضی اللہ عنہ جاں کنی کے عالم میں ہوئے انھوں نے خلافت چھ رکنی شوریٰ کے حوالے کر دی جس کے ایک ممبر وہ بھی تھے، انھیں یقین تھا کہ خلافت انھی کو ملے گی، لیکن ان کے بجائے عثمان رضی اللہ عنہ کو دی گئی، جب عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ کے لیے خلافت کی بیعت کی گئی، پھر خلافت ان سے چھینی جانے لگی تو تلوار نکال لی اور اسے طلب کرنے لگے، اس کے بعد نزاع سے پاک وصاف آپ کی خلافت نہیں رہی، اللہ کی قسم میرے رائے میں ہم اہل بیت میں اللہ تعالیٰ نبوت وخلافت کو جمع نہیں کرے گا، تمھارے حق میں بے وقوف کوفیوں کا تمھیں بھڑکانے اور خروج پر آمادہ کرنے کو میں برداشت نہیں کروں گا۔ [2]

ابن عبدالبر نے اپنی روایت کی سندوں کو ذکر نہیں کیا اور حدیث کے متن میں نکارت ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ حدیث خلافت میں علی رضی اللہ عنہ کے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو مقدم کرنے کی ثابت شدہ حقیقت کے منافی ہے، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سیرت سے متعلق اپنی دونوں کتابوں میں میں نے اس چیز کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ب:...... حسن رضی اللہ عنہ کا آسمان کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا اور اپنی جان کے جانے پر اللہ کے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کرنا:

جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کا وقت قریب آیا تو کہا: مجھے صحن میں کر دو، تاکہ میں آسمان کی نشانیوں میں

[1] الطبقات، تحقیق السلمی ۱/ ۳۳۵، اس کی سند ضعیف ہے۔
[2] الاستیعاب ۱/ ۳۹۱

غور وفکر کروں، چنانچہ انھیں وہاں کر دیا گیا، آپ نے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا: میں اپنی جان کے جانے پر اے اللہ! تیرے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کر رہا ہوں، بلاشبہ میری جان مجھے سب سے عزیز ہے، اللہ کا ان کے ساتھ احسان یہ تھا کہ انھوں نے اپنی جان کے جانے پر اللہ کے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کیا۔ ❶

ایک دوسری روایت میں ہے: اے اللہ! میں اپنی جان کے جانے پر تیرے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کر رہا ہوں، رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر اس جیسی مصیبت مجھے لاحق نہیں ہوئی۔ ❷

اس خوفناک منظر اور عظیم موقف سے پتہ چلتا ہے کہ سچے دل سے حسن رضی اللہ عنہ صرف اللہ کی جانب متوجہ تھے جو اپنی کبریائی، عظمت و طاقت میں منفرد ہے، ان عبارتوں سے اللہ کے لیے خشوع و خضوع، اسی سے مکمل امید باندھنے اور صرف اللہ سے دل لگانے کے معانی کے چشمے پھوٹتے ہیں اس لیے ہمیں غیر اللہ سے اپنے دلوں کو نہیں لگانا چاہیے۔ اسی طرح وہ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں تب بھی آسمانوں کی مخلوقات اور ان کی نشانیوں میں غور وفکر کرنے کی عبادت کو نہیں بھول رہے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَٰبِ﴾

(آل عمران: ۱۹۰)

''آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

پھر اپنی جان پر غور کیا جو رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھی، اس کے جانے پر اللہ کے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کیا:

﴿وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ (الذاریات: ۲۱)

''اور خود تمھاری ذات میں بھی تو (نشانیاں ہیں) کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔''

بلاشبہ کائنات و ذات میں اور نظر آنے والی اللہ کی نشانیوں میں غور وفکر کرنا، ایمان کا نہایت مضبوط و قوی ذریعہ ہے، اس لیے کہ ان چیزوں میں پیدا کرنے والے اللہ کی ایسی عظمت ہوتی ہے جو ان کے خالق کی قدرت و عظمت کا پتہ دیتی ہے، اور اس لیے بھی کہ ان میں عقلوں کو حیران کر دینے والی خوبصورتی، ترتیب اور مضبوطی ہوتی ہے، جس سے اللہ کے علم کی وسعت اور اس کی حکمت کی شمولیت کا پتہ چلتا ہے، اور اس لیے بھی کہ ان میں انواع و اقسام کے منافع اور بے شمار نعمتیں ہیں جو اللہ کی رحمت، اس کی سخاوت اور اس کے احسان کی وسعت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ سب چیزیں ان کے خالق کی تعظیم کرنے، اس کا شکر یہ ادا کرنے، اس کے ذکر میں مشغول رہنے، دین

❶ البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۲۰۹ ❷ صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۷۶۲

کو اسی کے لیے خاص کرنے کی جانب دعوت دیتی ہیں اور یہی ایمان کی روح اور اصل ہے۔ ❶

جب ہم اللہ کی تمام مخلوقات پر غور کرتے ہیں تو ہر طرح سے انھیں اپنے رب کا محتاج پاتے ہیں، پلک جھپکنے تک وہ اللہ سے مستغنی نہیں ہو سکتیں، خاص طور سے محتاج ہونے کی جن دلیلوں کا مشاہدہ تم اپنی ذات میں کرتے ہو یہ چیز بندے پر واجب کر دیتی ہے کہ دینی و دنیاوی نقصانات کو روکنے اور دینی و دنیاوی منافع کو حاصل کرنے میں وہ اللہ کے لیے مکمل خشوع و خضوع کا اظہار کرے، بکثرت اسی سے دعا کرے اور اسی کے سامنے روئے گڑگڑائے، نیز بندے پر یہ بھی واجب کر دیتی ہے کہ اپنے رب پر مضبوط بھروسا رکھے، اس کے وعدہ پر مکمل اعتماد کرے، اس کی بھلائی اور احسان کی شدید امید رکھے، اس سے ایمان کے تقاضے پورے ہوتے ہیں اور عبودیت مضبوط ہوتی ہے، اس لیے کہ دعا عبادت کا مغز اور اصل ہے۔ ❷

حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی دنیاوی زندگی کے آخری لمحات میں غور و فکر کی عبادت کو اچھی طرح انجام دیا ہے، اور عبادت کے وسیع مفہوم کے عظیم معانی ہمیں سکھلائے ہیں۔

آپ نے اپنی جان کے جانے پر اپنے رب کے پاس ثواب کی توقع کے ساتھ صبر کیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی طرح اللہ کے پاس ثواب کی توقع کے معانی کو سمجھتے تھے، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے معاذ! تم قرآن کی تلاوت کیسے کرتے ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا: میں رات کے پہلے پہر سو جاتا ہوں پھر اپنی نیند کا ایک حصہ پورا کر کے قیام اللیل کرتا ہوں، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ میسر کرتا ہے تلاوت کرتا ہوں اور اپنے سونے پر بھی عند اللہ ویسے ہی ثواب کی توقع رکھتا ہوں جیسے قیام اللیل پر۔ ❸ اسی طرح کھانے اور اپنی بیوی سے ہم بستری میں جب کوئی مسلمان اللہ سے ثواب کی توقع کرتا ہے تو من جانب اللہ اسے اجر و ثواب ملتا ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہما اپنی جان کے جانے پر عند اللہ ثواب کی توقع کرتے ہیں اور مصیبتوں کے وقت احتساب، تفکر کی عبادت انجام دیتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، وہ لسان حال سے گویا یہ آیت تلاوت کر رہے تھے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝﴾ (الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)

"آپ فرما دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص

---

❶ التوضیح و البیان لشجرة الإیمان للسعدی ص ۴۹، الوسطیة فی القرآن الکریم للصلابی ص ۲۳۹

❷ التوضیح و البیان لشجرة الإیمان ص ۵۱، الوسطیة للصلابی ص ۲۳۹

❸ صحیح البخاری کتاب المغازی حدیث نمبر ۴۳۴۲

اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔"

ج: اے بھائی میرا سابقہ من جانب اللہ ایک ایسے معاملے سے پڑ رہا ہے جس طرح کے معاملے سے اس سے پہلے نہیں پڑا تھا اور اللہ کی ایسی مخلوق دیکھ رہا ہوں جیسی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی ❶:

ابونعیم کہتے ہیں جب حسن رضی اللہ عنہ کی تکلیف شدید ہوئی تو وہ بے تاب ہو گئے، ان کے پاس ایک آدمی گئے اور کہا: اے ابومحمد! یہ بے تابی کیسی؟ معاملہ صرف اتنا ہے کہ آپ کی روح جسد خاکی سے الگ ہوگی اور آپ اپنے والدین علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما، اپنے نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی نانی خدیجہ رضی اللہ عنہا، اپنے چچا حمزہ و جعفر رضی اللہ عنہما، اپنے ماموں قاسم، طیب، طاہر، اپنی خالہ رقیہ، ام کلثوم، زینب رضی اللہ عنہن کے پاس چلے جائیں گے، یہ سن کر آپ کی بے تابی ختم ہوئی۔ ❷

دوسری روایت کے مطابق مذکورہ بات کے قائل حسین رضی اللہ عنہ تھے اور یہ کہ حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے بھائی میرا سابقہ من جانب اللہ ایسے معاملے سے پڑ رہا ہے جس طرح کے معاملے سے اس سے پہلے نہیں پڑا تھا، اور اللہ کی ایسی مخلوق دیکھ رہا ہوں جیسی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، تو حسین رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ ❸

((و فی روایة: یا أخی إنی أقدم علی أمر عظیم و هول لم أقدم علی مثله قط)) ❹

کتاب و سنت میں انسان کی روح نکلنے سے لے کر جنتیوں کے جنت اور جہنمیوں کے جہنم میں داخل ہونے کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اسی لیے سلف صالحین سوء خاتمہ سے ڈرتے تھے، کوئی نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کیسا ہوگا، اعمال کا دارومدار تو خاتموں پر ہوتا ہے، اور مومنین قدم قدم پر سوء خاتمہ سے ڈرتے ہیں، انھیں کا اللہ تعالیٰ وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ (المومنون: ٦٠)

"اور ان کے دل لرزیدہ رہتے ہیں۔"

یہ سکرات الموت، قبض روح اور انجام کی آگہی سے ڈرتے رہتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

---

❶ البدایة والنهایة ١١/ ٢١٠
❷ البدایة والنهایة ١١/ ٢١٠
❸ تاریخ دمشق ١٤/ ١٠٩
❹ تهذیب الکمال ٦/ ٢٥٤، سکب العبرات ١/ ١٤٨

((اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيَّ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ .)) ❶

''اے اللہ! تو میرے لیے سکرات الموت کو آسان کر دینا۔''

سکرات الموت کے خوف کے ساتھ ملک الموت کی شکل کی ہیبت نیز اس کا ڈر اور خوف دل میں رہتا ہے۔ ❷

امام قرطبی کہتے ہیں: ملک الموت کا مشاہدہ اور اس سے دل پر جو خوف و دہشت طاری ہوتی ہے اپنی ہولناکی کے باعث بیان سے باہر ہے اور اس حقیقت کو وہی جانتا ہے جس کے سامنے ملک الموت ظاہر ہوتے ہیں اور وہ ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ❸

سکرات الموت و ملک الموت کا خوف ہمیشہ ہمیں لاحق رہنا چاہیے، ایک دوسرا خطرناک معاملہ ہے جو ہمارے اس خوف میں اضافہ کر دیتا ہے، وہ ہے اس وقت دنیاوی زندگی کے امتحان کے نتیجہ کا ظاہر ہونا، تو کیا ہم ان لوگوں میں سے ہوں گے جن سے فرشتے کہیں گے:

﴿ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ (فصلت: ۳۰)

''تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو۔''

﴿ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴾ (الانفال: ۵۰)

''کاش تو دیکھتا جب کہ فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں ان کے منہ پر اور پیٹھوں پر مارتے ہیں (اور کہتے ہیں) تم جلنے کا عذاب چکھو۔''

ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ، وَ مَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ، فَقَالَ: لَيْسَ ذَاكِ وَ لٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ مِنَ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهٗ، فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ، وَ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ، وَ إِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَ عُقُوْبَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهٗ فَكَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ.)) ❹

---

❶ سنن الترمذی کتاب الجنائز حدیث نمبر ۹۷۸

❷ الإيمان أولا ص ۹٤ ❸ التذكرة ۱/ ۱۱۳

❹ صحيح البخاری حدیث نمبر ٦٥٠٧

''جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنا پسند کرتے ہیں اور جو اللہ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنا ناپسند کرتے ہیں اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمیں موت ناپسند ہے تو آپ نے فرمایا: یہ مراد نہیں، بلکہ مومن کی جب موت آتی ہے تو اسے اللہ کی رضا اور اس کی تکریم کی بشارت دی جاتی ہے، اس وقت اسے سامنے والی چیز ہی سب سے زیادہ پسند ہوتی ہے اور وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے اور جب کافر کی موت آتی ہے تو اسے اللہ کے عذاب وعقاب کی بشارت دی جاتی ہے اس وقت سامنے والی چیز اسے سب سے زیادہ ناپسند ہوتی ہے، اور وہ اللہ سے ملنے کو ناپسند کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے۔''

((وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَرَجَتْ رُوْحُ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِ بِهَا -فَذَكَرَ مِنْ طِيْبِ رِيْحِهَا- وَ يَقُوْلُ أَهْلُ السَّمَاءِ: رُوْحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ، وَ عَلٰى جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِيْنَهُ فَيَنْطَلِقُ بِهِ إِلٰى رَبِّهِ ثُمَّ يَقُوْلُ: اِنْطَلِقُوْا بِهِ إِلٰى آخِرِ الْأَجَلِ، وَ إِنَّ الْكَافِرَ إِذَا خَرَجَتْ رُوْحُهُ - فَذَكَرَ مِنْ نَتْنِهَا- وَ يَقُوْلُ أَهْلُ السَّمَاءِ: رُوْحٌ خَبِيْثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ فَيُقَالُ: اِنْطَلِقُوْا بِهِ إِلٰى آخِرِ الْأَجَلِ.)) [1]

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن بندے کی روح جب نکلتی ہے تو اسے دو فرشتے لے کر اوپر جاتے ہیں -اس وقت اس کی بہترین خوشبو کو ذکر کیا- اور آسمان والے کہتے ہیں: زمین سے آنے والی تو بہت اچھی روح ہے، اللہ تعالیٰ تم پر اور اس جسم پر جس میں تو تھی رحمت نازل کرے۔ پھر اسے اس کے رب کے پاس لے جایا جاتا ہے، پھر رب کہتا ہے: اسے اس کے مقررہ ٹھکانے تک لے جاؤ۔ اور کافر کی روح جب نکلتی ہے- اس وقت اس کی بدبو کا ذکر کیا- اور آسمان والے کہتے ہیں تم زمین سے آنے والی خبیث روح ہو، پھر کہا جائے گا: اسے اس کے مقررہ ٹھکانے تک لے جاؤ۔''

قبر صاحب قبر کو دبوچے گی جس سے کوئی نہیں بچے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِلْقَبْرِ ضَغْطَةً لَوْ نَجَا أَحَدٌ مِنْهَا لَنَجَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ.)) [2]

''قبر دبوچے گی، اگر کوئی اس سے بچتا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بچتے۔''

---

[1] صحيح الجامع حديث نمبر ٥٠٤

[2] مسند أحمد ٦/ ٥٥

اور قبر جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا، یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' ❶

ور ہمارے سامنے دوبارہ اٹھایا جانا اور قیامت کا قائم ہونا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴾ (الحج: ۱)

''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے۔''

وہ بہت ہولناک دن ہوگا:

﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (المطففین: ٦)

''جس دن سب لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے اٹھ کھڑے ہوں گے۔''

ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کے آخری انسان سب کو زندہ کر کے اکٹھا کیا جائے گا: ❷

﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴾ (هود: ۱۰۳)

''وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ دن ہے جس میں سب حاضر کیے جائیں گے۔''

قیامت کی ہولناکیوں کو کتاب وسنت نے بیان کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۙ وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ وَ جِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۭ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴾

(الفجر: ۲۱-۲٤)

''یقیناً جس وقت زمین کوٹ کوٹ کر برابر کردی جائے گا اور تیرا رب (خود) آجائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر (آجائیں گے) اور جس دن جہنم بھی لائی جائے گی، اس دن انسان کی سمجھ میں آئے گا، مگر آج اس کے سمجھنے کا فائدہ کہاں؟ وہ کہے گا کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا۔''

ارشاد نبوی ہے: ''جہنم کو لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار رسیاں ہوں گی، ہر رسی کو ستر ہزار فرشتے تھامے کھینچ رہے ہوں گے۔'' ❸

چنانچہ وہ بہت ہی ہولناک منظر ہوگا جس سے دل پھٹ رہے ہوں گے۔ ❹ اس لیے حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے کہا تھا:

❶ سنن الترمذی حدیث نمبر ۲۵۷۸ ❷ الایمان أولا فکیف نبدأ به ص ۹٦

❸ صحیح المسلم، کتاب صفة النار، صحیح الجامع حدیث نمبر ۸۰۰۱

❹ رحلة إلی الدار الآخرة ص ۳۹۰

"اَلْعَارُ خَيْرٌ مِنَ النَّارِ"

"باعث شرم بات جہنم سے بہتر ہے۔" ❶

اور اسی بناء پر اپنے بارے میں ڈر گئے کہ کہیں قیامت کے دن اللہ کے سامنے ان کا محاسبہ نہ ہو جب کہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں۔

((أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ .)) ❷

"قیامت کے دن لوگوں کے مابین سب سے پہلے خون سے متعلق فیصلے کیے جائیں گے۔"

قیامت کے خوفناک منظر کو یہ حدیث پیش کرتی ہے:

((يَجِيْءُ الْمَقْتُوْلُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاصِيَتُهُ بِيَدِهِ وَ أَوْدَاجُهُ تَشْخَبُ دَمًا فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ سَلْ هٰذَا فِيْمَا قَتَلَنِيْ؟ حَتّٰى يُدْنِيَهُ مِنَ الْعَرْشِ .)) ❸

"قیامت کے دن مقتول قاتل کو لے کر آئے گا، اس کی پیشانی اس کے ہاتھ میں ہوگی، اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا وہ کہے گا: اے میرے پروردگار اس سے پوچھئے کس وجہ سے اس نے مجھے قتل کیا تھا؟ یہاں تک کہ اسے عرش سے قریب کر دے گا۔"

یہ ہولناکیاں ہوں گی جن سے سب کو دوچار ہونا پڑے گا، جب جنتی جوانوں کے سردار موت و مابعد الموت سے ڈرتے ہیں، تو قارئین کرام ہماری اور آپ کی حیثیت کیا ہے؟ ہمیں عبرت حاصل کرنا اور اس سخت ترین مرحلے کے لیے عمل کرنا چاہیے، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر رحم فرمائے اور ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے، بلاشبہ وہ مہربان، بردبار، ودود و رحیم ہے۔

بقیع قبرستان میں آپ کی تدفین:

حسن بن علی رضی اللہ عنہما جب جاں کنی کی حالت میں ہوگئے تو حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس دفنانا، ہاں اگر خونریزی کا خوف ہوگا تو میرے بارے میں خون مت بہانا، مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا، جب وفات ہوگئی تو حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام ہم نوا مسلح ہوگئے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: میں آپ کو آپ کے بھائی کی وصیت اور اللہ کا واسطہ دے رہا ہوں، آپ جو چاہ رہے ہیں اسے قوم بغیر خونریزی کے ہونے نہیں دے گی۔ نبی کریم ﷺ کے جوار میں آپ کی تدفین کی مخالفت کرتے ہوئے مروان بن حکم نے کہا: یہاں کسی صورت میں ان کو دفن نہیں کیا جائے گا، چنانچہ ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ، ابن عمر، عبداللہ بن جعفر اور مسور

---

❶ البداية و النهاية ۱۲/ ۲۰٤ ❷ صحيح الجامع حديث نمبر ۲۵۷۷

❸ صحيح الجامع حديث نمبر ۸۰۳۱

بن مخرمہ وغیرہم رضی اللہ عنہم حسین کو اپنی رائے سے رجوع پر آمادہ کرتے رہے تا آنکہ انھوں نے رجوع کرلیا، پھر لوگوں نے آپ کو بقیع الغرقد قبرستان میں آپ کی والدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے جوار میں دفنا دیا۔ ❶

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے دفن سے متعلق ضعیف روایتیں گڈ مڈ ہوگئیں اور اس سے گمراہ لوگوں کو جھوٹ اور من گھڑت باتوں کو ملانے کا موقع مل گیا، انھی میں سے بعض کا زعم باطل ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے جوار میں ان کی تدفین کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا: یہاں کبھی کوئی چوتھا شخص نہیں ہوگا، یہ میرا گھر ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں مجھے دے دیا تھا، لیکن یہ بات درست نہیں، اس کی سند تاریک یعنی غیر معروف ہے۔ ❷

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں اپنے حجرے میں دفن کرنے کی اجازت دے دی تھی، لیکن دوسرے لوگوں نے اسے ناپسند کیا، ان کا خیال تھا کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ کی تدفین اس میں نہیں ہوئی تو کوئی دوسرا اس میں دفن نہیں کیا جائے گا، اور قریب تھا کہ فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ ❸

تاریخی کتابوں میں جو یہ بات مذکور ہے کہ ابان بن عثمان بن عفان نے کہا: یہ بڑی تعجب خیز ہے کہ قاتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن کیا جائے اور مظلوم و شہید امیر المومنین کو بقیع الغرقد میں دفن کیا جائے، ❹ تو اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے، اس کی متن میں نکارت ہے۔ ❺

نبی کریم ﷺ کے جوار میں حسن رضی اللہ عنہ کے دفن پر مروان بن حکم کے اعتراض کو بعض روایتوں میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن ان کی سندیں ضعیف ہیں، انھیں ڈاکٹر محمد صامل سلمی نے کتاب الطبقات کی تحقیق میں ذکر کیا ہے۔ ❻

اس سلسلے کی صحیح روایت وہ ہے جسے ابوحازم روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: جب حسن رضی اللہ عنہ جاں کنی کے عالم میں ہوئے تو حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے نبی کریم ﷺ کے پاس دفن کرنا، لیکن اگر تمھیں خونریزی کا خوف ہو تو میرے بارے میں کوئی خون مت بہانا، مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن دینا، جب آپ کی وفات ہوگئی تو حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے تمام ہم نوا مسلح ہوگئے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آپ کو آپ کے بھائی کی وصیت اور اللہ کا واسطہ دے رہا ہوں، آپ جو چاہ رہے ہیں اسے قوم بغیر خونریزی کے ہونے نہیں دے گی، چنانچہ وہ آپ کو اپنی رائے سے رجوع پر آمادہ کرتے رہے تا آنکہ آپ نے رجوع کرلیا۔ کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے آپ کو بقیع الغرقد قبرستان میں دفن کردیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھاری کیا رائے ہے اگر موسیٰ علیہ السلام کے بیٹے کو لاکر باپ کے

---

❶ الدوحة النبوية الشريفة ص ٩٨

❷ سير أعلام النبلاء ٣/ ٢٧٦

❸ مجموع الفتاوى ٢٧/ ٢٢٢

❹ الطبقات تحقيق السلمي ١/ ٣٥٥، اس کی سند بہت ہی ضعیف ہے۔

❺ الطبقات تحقيق السلمي ١/ ٣٥٥

❻ الطبقات تحقيق السلمي ١/ ٣٥٦، ٣٥٧، ٣٦٤، ان کی سندوں کے ضعف و بیان کیا ہے۔

پاس دفنایا جاتا، پھر لوگوں کی جانب سے منع کر دیا جاتا، تو کیا ان کا منع کرنا ان پر ظلم ہوتا؟ راوی کہتے ہیں: لوگوں نے کہا: ہاں، پھر انھوں نے (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کہا: یہ اللہ کے نبی کے نواسے ہیں، انھیں لایا گیا ہے تاکہ اپنے نانا کے پاس انھیں دفنایا جائے۔ ❶

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ پڑھاتے ہوئے رو رہے تھے، آپ کے مرض الموت کی مدت چالیس دن تھی۔ ❷ حسین رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بڑھایا اس لیے کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ کے گورنر تھے، وہ فتنے سے دور تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ کر جنگ بھی نہیں کی تھی، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے گورنر رہے، انھی کے بارے میں فرزدق نے کہا تھا:

تـرى الـغُـرَّ الـجُـحَـاجِـحَ من قـريـش

إذا مـا الامـر ذو الـحـدثـان عـالا

''جب کہ کوئی پریشانی والا معاملہ پیش آتا ہے تو قریش کے معزز گورے سرداروں کو دیکھو گے''

قـيـامـا يـنـظـرون إلـى سـعـيـد

كـأنـهـم يـرون بـه هـلالا ❸

''کہ وہ کھڑے ہو کر سعید بن عاص کو اس طرح دیکھتے ہیں گویا وہ انھیں ہلالِ عید (خوشی کا باعث) سمجھتے ہوں۔''

سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی فصاحت اور اس لیے بھی کہ ان کا لہجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ کے مشابہ تھا انھیں بھی عثمان رضی اللہ عنہ نے کتابت مصحف کا مکلف بنایا تھا۔ ❹

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے پاس کھڑے ہو کر رو رہے تھے، اور بآواز بلند اعلان کر رہے تھے، لوگو! آج کے دن اس شخصیت نے وفات پائی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی محبت کرتے تھے، اس لیے تمھیں رونا چاہیے۔ ❺ آپ کے جنازے میں لوگ اس طرح جمع ہو گئے کہ بھیڑ کے باعث بقیع میں کسی اور کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ ❻ اگر کوئی سوئی بھی پھینک دی جاتی تو کسی انسان کے سر پر ہی رہ جاتی۔ ❼

---

❶ الطبقات تحقيق السلمي ١/ ٣٤٠، اس کی سند صحیح ہے۔
❷ المستدرك على الصحيحين ٣/ ١٩٠
❸ سير أعلام النبلاء ٣/ ٤٤٥
❹ سير أعلام النبلاء ٣/ ٤٤٨، ٤٤٩
❺ البداية والنهاية ١٢/ ٢١١، الدوحة النبوية الشريفة ص ٩٨
❻ البداية والنهاية ١٢/ ٢١١
❼ الطبقات، تحقيق السلمي ١/ ٣٥١، اس کی سند ضعیف ہے۔

حسن رضی اللہ عنہ بردبار، تقویٰ شعار اور صاحبِ فضیلت تھے، تقویٰ شعاری ہی نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس کی چاہت میں انھیں خلافت اور دنیا کو ترک کر دینے کی دعوت دی تھی، آپ کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ امام سردار، خوبصورت، عقلمند، باوقار، سخی، لائق تعریف، دین وتقویٰ شعاری میں بہتر، وضع دار اور بڑی شان والے تھے۔ ❶ اللہ کی رحمت اور خوشنودی ہو اس جلیل القدر سردار پر، ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ رکھے، آپ کی سیرت میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ علامہ اقبال پر رحم فرمائے انھوں نے کہا ہے:

فـي روض فـاطـمة نـمـا غـصنان لم
يـنـجبهـا فـي الـنيـرات سـواهـا
فـامـيـر قـافـلة الـجـهـاد و قـطـب دا
ئـرة الـوئـام و الاتـحـاد ابـنـاهـا
حسـن الـذى صـان الـجـمـاعة بعد مـا
أمسـى تـفـرقهـا يـحـل عـراهـا
تـرك الإمـامة ثـم أصبـح فـي الـديـا
ر إمـام الـفـتـهـا و حسـنُ عَـلاهـا ❷

آپ کی عمر اور سن وفات کی تحقیق:

اکثر مورخین کی رائے کے مطابق حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی۔ ❸ ایک اور روایت کے مطابق ۵۰ھ، ❹ ایک دوسری روایت کے مطابق ۵۱ھ ❺ میں ہوئی۔ ڈاکٹر خالد الغیث نے راجح قرار دیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی ❻ اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ❼ میرا بھی رجحان اسی طرف ہے۔ جعفر صادق کا قول ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ ۴۷ سال زندہ رہے۔ ❽ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ذہبی کہتے ہیں:

---

❶ سير أعلام النبلاء ۳/ ۲۵۳ ❷ الدوحة النبوية الشريفة ص ۹۹
❸ تاريخ خليفة ص ۲۰۹، تهذيب الكمال ۶/ ۲۵۶، أنساب الأشراف ۳/ ٦٤
❹ فتح الباري ۷/ ۱۲۰
❺ مرويات خلافة معوية في تاريخ الطبري ص ۴۰۲
❻ مرويات خلافة معاوية في تاريخ الطبري ص ۴۰۲
❼ سير أعلام النبلاء ۳/ ۲۷۷
❽ سير أعلام النبلاء ۳/ ۲۷۷

''وہ لوگ غلطی پر ہیں جو جعفر سے یہ بات نقل کرتے ہیں کہ آپ (حسن رضی اللہ عنہ) کی عمر ۴۸ سال تھی۔''❶

ڈاکٹر خالد الغیث کہتے ہیں:

''آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر ۴۸ سال تھی۔ ❷

اور اپنی رائے کی تائید ابن عبدالبر کے قول سے کی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت نصف رمضان ۳ھ میں ہوئی، اس سلسلے میں یہ سب سے صحیح بات کہی گئی ہے، ❸ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ ❹ اس طرح حسن رضی اللہ عنہ کی عمر وفات کے وقت ۴۸ سال ہوگی اور آپ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ ❺

اس طرح حسن رضی اللہ عنہ دنیا سے غداروں اور خائنوں کے ہاتھ شہید ہو کر رخصت ہوئے، آپ نے اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا کام انجام دیا اور ایسا بے مثال مصالحتی منصوبہ پیش کیا جس نے امت کے اتحاد میں زبردست کردار ادا کیا، اور چہار دانگ عالم میں اللہ کے دین کی نشر و اشاعت میں اس کے تہذیبی کردار کو لوٹا دیا، امت اسلامیہ اس جلیل القدر سردار کی قرض دار رہے گی جس نے وحدت و الفت، خونریزی سے روکنے اور لوگوں کے مابین صلح کرانے میں زبردست کردار ادا کیا ہے، اپنے عمدہ جہاد اور صبر جمیل کے ذریعہ ایسی مثال قائم کی ہے جس کی ہمیشہ اقتداء کی جائے گی، آپ کے زبردست کارنامے اور دنیا سے بے رغبتی کو تاریخ نے ہمارے لیے محفوظ کر دیا ہے، مرور زمانہ اور صدیوں کے فاصلے انھیں ہم سے جدا نہیں کر سکتے۔

میں اس کتاب کی تالیف سے ۲۱ صفر ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰۰۴/۴/۱۱ء پونے دس بجے رات فارغ ہوا۔ فضل ہمیشہ اللہ کا ہوتا ہے، میں اسی سے طلب کر رہا ہوں کہ وہ میرے اس معمولی عمل کو شرف قبولیت سے نوازے، اور اپنے کرم و احسان سے اس سے استفادہ کے لیے لوگوں کے سینوں کو کھول دے اور اس میں برکت عطا کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (فاطر: ۲)

''اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔''

---

❶ سیر أعلام النبلاء ۳/ ۲۷۷
❷ مرویات خلافة معاویة ص ٤٠٢
❸ الاستیعاب ۱/ ۳۸٤
❹ الإصابة ۲/ ٦٨
❺ مرویات خلافة معاویة ص ٤٠٢

اس کتاب کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، فضل وکرم، سخاوت وتوفیق ارزانی کا اعتراف کرتے ہوئے دلی خشوع وخضوع کے ساتھ اس کی جناب میں گڑگڑاتے اور اس کے اسماء وصفات کے توسط سے اس سے یہ دعا کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ میرے اس کام کو صرف اپنے لیے خالص اور اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے، میرے لکھے ہوئے ہر حرف پر مجھے ثواب دے، اور اسے میری نیکیوں کے پلڑے میں رکھے اور میرے ان بھائیوں کو بھی ثواب دے جنھوں نے اس کتاب کے اتمام میں ہر طرح سے میری مدد کی، میں ہر اس مسلمان سے امید کرتا ہوں جو اس کتاب کو پڑھے کہ وہ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَىٰهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾ (النمل: ۱۹)

''اے پروردگار! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں، اور میرے ماں باپ پر اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جس سے تو خوش رہے، مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔''

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

الفقير إلى عفو ربه و مغفرته و رحمته و رضوانه

علی محمد محمد الصلابی

۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ

مراجع ومصادر

١ ـ سیر أعلام النبلاء، شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی، الطبعة الثانية، مؤسسة الرسالة بيروت ١٤٠٢هـ.

٢ ـ نسب قريش: أبو عبدالله مصعب بن عبدالله الزبيرى دار المعارف القاهرة.

٣ ـ الدوحة النبوية الشريفة، د. فاروق حمادة، دارالقلم، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ ـ ٢٠٠٠م.

٤ ـ الذرية الطاهرة النبوية، لمحمد بن أحمد بن حماد الدولابی وأخرج أحاديثه سعد المبارك الحسن، نشر الدار السلفية، الكويت الطبعة الأولى ١٤٠٧هـ، ١٩٨٦م.

٥ ـ الطبقات الكبرى، محمد سعد بن منيع الزهرى، دار صادر، بيروت، بدون تاريخ.

٦ ـ مسند أحمد، المكتبة الاسلامية، بيروت، لبنان.

٧ ـ صحيح ابن حبان، أبو حاتم بن حبان البستى، تحقيق شعيب الأرناؤوط، وحسين الأسد، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ١٤٠٤هـ.

٨ ـ المستدرك على الصحيحين، لأبی عبدالله محمد بن عبدالله النيسابوری، دارالكتب العلمية، بيروت ـ لبنان، الطبعة الأولى ١٤١١هـ.

٩ ـ معجم الطبرانی الكبير، لأبی القاسم، سليمان بن أحمد الطبرانی، مكتبة العلوم والحكم، الطبعة الثانية ١٤٠٦هـ ـ ١٩٨٥م.

١٠ ـ منهج التربية النبوية للطفل، محمد نور بن عبدالحفيظ سويد، مؤسسة الريان، بيروت لبنان، مكتبة المنار الاسلامية، الطبعة الخامسة ١٤١٤هـ ـ ١٩٩٤م.

١١ ـ الحسن بن علی ودوره السياسی، فتيخان كردی، رسالة ماجستير لم تطبع بعد.

١٢ ـ صحيح البخاری، لأبی عبدالله محمد بن اسماعيل البخاری، دارالفكر، الطبعة الأولى، ١٤١١هـ ـ ١٩٩١م.

١٣ ـ تسمية المولود، بكر عبدالله أبو زيد، دارالعاصمة، الطبعة الثالثة ١٤١٦هـ ـ ١٩٩٥م.

١٤ ـ تحفة المودود بأحكام المولود، المكتبة العصرية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ ـ ٢٠٠١م.

١٥ ـ موسوعة تربية الأجيال، نصر الصنقری، دارالايمان، الطبعة الأولى.

١٦ ـ صحيح مسلم، تحقيق، محمد فؤاد عبدالباقی، دارا احياء التراث العربی، بيروت ـ لبنان الطبعة الثانية ١٩٧٢م.

١٧۔ سنن الترمذی ، أبو عیسی ، محمد بن عیسی الترمذی ، دار الفکر ١٣٩٨ ھـ ۔
١٨۔ ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی ، لأبی العباس أحمد بن محمد الطبری المکی ، مکتبة الصحابة الامارات العربیة ۔
١٩۔ المعجم الصغیر للطبرانی ، لأبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی ۔
٢٠۔ موسوعة عظماء حول الرسول ، خالد العك ۔
٢١۔ سیرة آل بیت النبی الأطهار ، مجدی فتحی السید ، المکتبة التوفیقیة ۔
٢٢۔ الاصابة فی تمییز الصحابة ، أحمد بن علی بن حجر ، دار الکتب العلمیة ، بیروت ، الطبعة الأولی ١٤١٥ھـ ۔ ١٩٩٥م ۔
٢٣۔ الاستیعاب فی معرفة الأصحاب ، لأبی عمر یوسف بن عبداللّٰه بن عبدالبر ، دارالجیل ، بیروت ، الطبعة الأولی ١٤١٢ھـ ۔ ١٩٩٢م ۔
٢٤۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال ، محمد بن عثمان الذهبی تحقیق: علی البجاوی ، دار احیاء الکتب العربیة ، القاهرة الطبعة الأولی ۔
٢٥۔ لسان المیزان ، أحمد بن علی بن حجر ، حیدر آباد الدکن ، مطبعة دائرة المعارف العثمانیة ١٣٣١ھـ ۔ ١٩١٢م ۔
٢٦۔ لبدایة والنهایة ، أبو الفداء الحافظ ابن کثیر الدمشقی دار الریان ، الطبعة الأولی ١٤٠٨ھـ ۔ ١٩٨٨م ۔
٢٧۔ تقریب التهذیب لابن حجر ۔
٢٨۔ دائرة المعارف البریطانیة ۔
٢٩۔ جمهرة أنساب العرب ، علی بن أحمد بن الأندلسی ، تحقیق: عبدالسلام هارون ، القاهرة ١٣٨٢ھـ ۔
٣٠۔ فضائل الصحابة ، لأبی عبداللّٰه أحمد بن محمد بن حنبل ، دار بن الجوزی ، السعودیة ، الطبعة الثانیة ١٤٢٠ھـ ۔ ١٩٩٩م ۔
٣١۔ تحفة الأحوذی لشرح سنن الترمذی ، محمد عبدالرحمن المبارکفوری ، تصحیح عبدالرحمن محمد عثمان ، مطبعة الاعتماد ، نشر محمد عبدالمحسن الکتبی ۔
٣٢۔ منهاج السنة لابن تیمیة ، تحقیق: محمد رشاد سالم ، مؤسسة قرطبة ۔
٣٣۔ التبیین فی أنساب القرشیین ، موفق الدین أبی محمد عبداللّٰه بن أحمد بن قدامة المقدسی ، حققه محمد نایف الدلیمی ، عالم الکتب ، الطبعة الثانیة ۔
٣٤۔ الشیعة وأهل البیت ، احسان الٰهی ظهیر ، الناشر ادارة ترجمان السنة ، توزیع دارالسلام

الرياض، الطبعة العاشرة.
٣٥- نساء أهل البيت منصور عبدالحكيم، التوفيقية.
٣٦- المرتضى أبو الحسن على بن أبى طالب، لأبى الحسن الندوى، دارالقلم.
٣٧- السيرة النبوية لابن هشام، دار احياء التراث، الطبعة الثالثة ١٤١٧هـ - ١٩٩٧م.
٣٨- تاريخ الاسلام للذهبى، محمد أحمد بن عثمان الذهبى، دارالكتاب العربى، الطبعة الأولى ١٤٠٧هـ - ١٩٨٧م.
٣٩- دلائل النبوة للبيهقى.
٤٠- مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، نور الدين على بن أبى الهيثمى دارالكتاب العربى، بيروت الطبعة الثالثة ١٤٠٢هـ.
٤١- سنن ابن ماجه، الحافظ أبو عبدالله محمد بن زيد القزوينى، دارالفكر.
٤٢- أسد الغابة فى معرفة الصحابة، لعز الدين بن الأثير، أبى الحسن بن على بن محمد الجزرى، دار احياء التراث العربى، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ - ١٩٩٦م.
٤٣- حلية الأولياء، وطبقات الأصفياء، لأبى نعيم أحمد بن عبدالله الأصفهانى، دارالكتب العلمية، بيروت.
٤٤- صحيح السيرة النبوية، ابراهيم العلى، دارا النفائس الطبعة الثالث، ١٤٠٨هـ.
٤٥- صفة الصفوة الامام أبى الفرج بن الجوزى، دارالمعرفة، بيروت.
٤٦- التاريخ الاسلامى مواقف وعبر، د. عبدالعزيز عبدالله الحميدى، دار الدعوة، الاسكندرية، دارالأندلس الخضراء، جدة، الطبعة الأولى ١٤٠٨هـ.
٤٧- من معين السيرة، صالح أحمد الشامى، المكتب الاسلامى، الطبعة الثانية ١٤١٢هـ - ١٩٩٢م.
٤٨- السيرة النبوية، لعلى محمد الصلابى، دار التوزيع والنشر الاسلامية.
٤٩- صحيح سنن أبى داود، محمد نصر الدين الألبانى، مكتبة التربية العربى لدول الخليج، الرياض الطبعة الأولى ١٤٠٥هـ.
٥٠- أسمى المطالب فى سيرة أمير المؤمنين على بن أبى طالب، د. على محمد الصلابى، دار التوزيع والنشر الاسلامية.
٥١- العقيدة فى أهل البيت بين الافراط والتفريط د. سليمان بن سالم بن رجاء السحيمى، مكتبة الامام البخارى، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ - ٢٠٠٠م.
٥٢- السنن الكبرى للبيهقى، للحافظ أحمد بن الحسين البيهقى، طبع دارالمعارف، بيروت، لبنان، توزيع مكتبة المعارف الرياض.

٥٣ـ الانتصار لصحب والآل من افتراءات السماوی الضال ، الدکتور ابراهیم الرحیلی ، مکتبة الغرباء الأثریة ، الطبعة الأولی ١٤١٨ھـ ـ ١٩٩٧م .

٥٤ـ دیوان محمد اقبال ، الأعمال الکاملة ، سید عبدالماجد غوری ، دار ابن کثیر ، الطبعة الأولی ٢٠٠٣م .

٥٥ـ أحادیث بشأن السبطین ، عثمان الخمیس ، رسالة ما جستیر لم تطبع حتی الآن .

٥٦ـ الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان ، لأبی الحسین الأمیر علاء الدین علی ابن بلبان ، قدم له وضبط نصه کمال یوسف الحوت ، دارالکتب العلمیة ، بیروت الطبعة الأولی ١٩٨٧م .

٥٧ـ الشریعة للآجری ، دراسة وتحقیق د . عبدالله الدمیجی ، دار الوطن ، الطبعة الأولی ١٤١٨ھـ ـ ١٩٩٧م .

٥٨ـ النهایة فی غریب الحدیث ، لابن الأثیر ، تحقیق طاهر أحمد الزاوی ، ومحمود محمد الطناحی .

٥٩ـ فتح الباری ، لابن حجر العسقلانی ، دار المعرفة بیروت ـ لبنان .

٦٠ـ تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف للمزی ، جمال الدین أبو الحجاج یوسف بن الزکی عبدالرحمن المزی ، الدار القیمة .

٦١ـ شرح النووی علی صحیح مسلم للامام أبو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف ، المتوفی ٦٧٦ھـ ـ ١٣٤٩م .

٦٢ـ شرح فتح القدیر لکمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الهمام مطبعة دارلفکر ، بیروت الطبعة الثانیة ١٣٩٧ھـ .

٦٣ـ الانصاف فی معرفة الراجح من الخلاف علی مذهب الامام أحمد: لعلاء الدین أبی الحسن علی بن سلیمان المرداوی ، دار احیاء التراث العربی .

٦٤ـ معالم السنن للخطابی لأبی سلیمان بن محمد الخطابی المکتبة العلمیة ، بیروت ، الطبعة الثانیة ١٤٠١ھـ مصور عن الطبعة الأولی ١٣٥٢ھـ .

٦٥ـ الأم للشافعی ، لمحمد بن ادریس الشافعی ، تصحیح محمد زهری النجار ، نشر دار المعرفة ، بیروت .

٦٦ـ المجموع شرح المهذب للنوی ، الناشر دار الفکر .

٦٧ـ حاشیة رد المحتار علی الدر المختار المعروف بحاشیة ابن عابدین ، لمحمد أمین عمر الدمشقی الشهیر بابن عابدین الطبعة الثانیة ، مطبعة البابی الحلبی ، مصر .

٦٨ـ بلغة السالك لأقرب المسالك الی مذهب الامام مالك ، أحمد بن محمد الصاوی المالکی ، دار المعرفة ، بیروت ١٣٩١ھـ .

٦٩۔ حاشية الدسوقی علی الشرح الكبير، لمحمد أحمد بن عرفة الدسوقی، نشر دارالفكر.
٧٠۔ شذرات الذهب فی أخبار من ذهب، لأبی الفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی، دار احياء التراث العربی، بيروت.
٧١۔ المنتقی: شرح مؤطا مالك، لأبی الوليد سليمان بن خلف الباجی، دارالكتاب العربی الطبعة الرابعة ١٤٠٤هـ، مصور عن الأولی ١٣٢٢هـ.
٧٢۔ الاختيارات الفقهية من فتاوی شيخ الاسلام، ابن تيمية: لعلاء الدين أبی الحسن علی بن محمد البعلی تحقيق محمد حامد الفقی، دارالمعرفة بيروت.
٧٣۔ اعلام الموقعين لابن القيم، دارالجيل، بيروت لبنان.
٧٤۔ مختارات من أدب العرب للندوی، دار ابن كثير، دمشق.
٧٥۔ حقبة من التاريخ، عثمان الخميس، دارالايمان الاسكندرية.
٧٦۔ ثم أبصرت الحقيقة، محمد سالم الحضر، دارالايمان الاسكندرية طبعة ٢٠٠٣م.
٧٧۔ دراسات فی الفرق د. أحمد جلی، شركة الطباعة العربية السعودية، الطبعة الأولی ١٣٠٦هـ.
٧٨۔ الامامة والنص، فيصل نور، كتاب لم يطبع حتی الآن.
٧٩۔ وسطية أهل السنة بين الفرق، د. محمد باكريم محمد با عبدالله، دارالراية، الرياض، السعودية، الطبعة الأولی ١٤١٥هـ۔ ١٩٩٤م.
٨٠۔ زاد المعاد فی هدی خير العباد، أبو عبدالله محمد بن أبی بكر المعروف بابن القيم، الطبعة الأولی ١٣٩٩هـ، دارالرسالة.
٨١۔ السيرة النبوية فی ضوء القرآن والسنة، محمد أبو شهبة، دارالقلم، دمشق، الطبعة الثالثة ١٤١٧هـ۔ ١٩٩٦م.
٨٢۔ مقدمة ابن خلدون.
٨٣۔ الامام الزهری، محمد شراب، دارالقلم دمشق.
٨٤۔ استخلاف أبی بكر الصديق، د. جمال عبدالهادی، د. وفاء محمد رفعت جمعة، دارالوفاء، المنصورة، الطبعة الأولی ١٤٠٦هـ۔ ١٩٨٦م.
٨٥۔ أبوبكر رجل الدولة، مجدی حمدی، دار طيبة الرياض، الطبعة الأولی ١٤١٥هـ.
٨٦۔ عصر الخلافة الراشدة د. أكرم ضياء العمری مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، الطبعة الأولی ١٤١٤هـ۔ ١٩٩٤م.
٨٧۔ الأنصار فی العصر الراشدی، حامد محمد الخليفة، دارالصحابة ٢٠٠٣م.
٨٨۔ الانشراح ورفع الضيق بسيرة أبی بكر الصديق، علی محمد الصلابی، دارالتوزيع

والنشر الاسلامية.

٨٩ـ الاسلام وأصول الحكم، محمد عمارة.

٩٠ـ عقيدة أهل السنة في الصحابة الكرام، د. ناصر بن علي عائض حسن الشيخ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى ١٤١٣هـ ـ ١٩٩٣م.

٩١ـ أباطيل يجب أن تمحى من التاريخ. د. ابراهيم علي شعوط المكتب الاسلامي، الطبعة السادسة، ١٤٠٨هـ ـ ١٩٨٨م.

٩٢ـ تاريخ بغداد، الخطيب البغدادي، دارالغرب الاسلامي، بيروت لبنان.

٩٣ـ الابانة عن أصول الديانة، لأبي الحسن علي بن اسماعيل الأشعري، الطبعة الثانية، الجامعة الاسلامية ١٤٠٥هـ.

٩٤ـ الانصاف فيما يجوز اعتقاده ولا يجوز الجهل به، لأبي بكر بن الطيب الباقلاني، تحقيق عماد الدين أحمد حيدر، نشر عالم الكتب، بيروت الطبعة الأولى ١٩٨٦م.

٩٥ـ الخلافة والخلفاء الراشدون بين الشورى والديمقراطية، سالم بهنساوي، مكتبة المنار الاسلامية، الكويت، الطبعة الثانية ١٤١٨هـ ـ ١٩٩٧م.

٩٦ـ دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة د. عبدالرحمن الشجاع، دارالفكر المعاصر، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ ـ ١٩٩٩م.

٩٧ـ صحيح سنن ابن ماجه، لمحمد ناصر الدين الألباني، منشورات المكتب الاسلامي.

٩٨ـ تاريخ الأمم والملوك لأبي جعفر الطبري، دارالفكر، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٧هـ ـ ١٩٨٧م.

٩٩ـ معجم الطبراني الأوسط لأبي القاسم سليمان بن أحمد الطبراني.

١٠٠ـ أصول مذهب الشيعة الامامية الاثني عشرية، د. ناصر القفاري، دارالرضا بمصر الطبعة الثالثة.

١٠١ـ الارشاد الى قواطع الأدلة في أصول الاعتقاد، أبو المعالي الجويني، تحقيق: محمد يوسف موسى ـ علي عبدالمنعم ـ بمكتبة الخانجي، مصر.

١٠٢ـ خلافة علي بن أبي طالب و ترتيب وتهذيب كتاب البداية والنهاية، محمد صامل السلمي، دارالوطن، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ ـ ٢٠٠٢م.

١٠٣ـ تاريخ اليعقوبي، دار بيروت للطباعة والنشر، طبعة ١٤٠٠هـ ـ ١٩٨٠م.

١٠٤ـ الكامل في التاريخ، أبو الحسن علي بن أبي المكارم الشيباني المعروف بابن الأثر، تحقيق: علي شيري، دار احياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى.

١٠٥ـ الشورى بين الأصالة والمعاصرة، عز الدين التميمي، دار البشير، الطبعة الأولى ١٤٠٥هـ ـ ١٩٨٥م.

١٠٦ـ تاريخ خليفة بن خياط، أبو عمر خليفة بن خياط بن أبي هبيرة الليثي. تحقيق: أكرم ضياء العمري، الطبعة الثانية، مؤسسة الرسالة، ودار القلم، طبعة ١٣٩٧هـ.

١٠٧ـ قصة بعث أبي بكر جيش أسامة، د. فضل الهي، دار بن حزم، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٠هـ ـ ٢٠٠٠م.

١٠٨ـ تاريخ الدعوة الى الاسلام في زمن الرسول ﷺ والخلفاء الراشدين، د. جميل عبدالله المصري، مكتبة الدار بالمدينة المنورة، الطبعة الأولى ١٤٠٧هـ ـ ١٩٨٧م.

١٠٩ـ عبقرية الصديق، عباس محمود العقاد، المكتبة العصرية، بيروت.

١١٠ـ الصديق أبوبكر، محمد حسين هيكل، دارالمعارف بمصر، الطبعة ١٩٧١م.

١١١ـ حركة الردة د. علي العتوم، مكتبة الرسالة الحديثة عمّان، الطبعة الثانية ١٩٩٧م.

١١٢ـ مشكاة المصابيح، تحقيق ناصر الدين الألباني، المكتب الاسلامي.

١١٣ـ فقه التمكين في القرآن الكريم د. علي محمد الصلابي، دارالوفاء المنصورة، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ ـ ٢٠٠١م.

١١٤ـ تفسير الطبري، لأبي جعفر الطبري.

١١٥ـ تاريخ دمشق الكبير، لأبي القاسم علي بن الحسن بن هبة الله الشافعي، دار احياء التراث العربي، الطبعة الأولى ١٤١٢هـ ـ ٢٠٠١م.

١١٦ـ الخراج لأبي يوسف، منشورات مكتبة الرياض الحديثة، بدون تاريخ الطبع.

١١٧ـ مصنف في الأحاديث والآثار لأبي شيبة، دار التاج، بيروت، البنان.

١١٨ـ عقائد الثلاثة والسبعين فرقة لأبي محمد اليمني تحقيق ودراسة: محمد عبدالله زربان الغامدي، مكتبة دارالعلوم، الطبعة الأولى ١٤١٤هـ.

١١٩ـ تهذيب التهذيب، أحمد بن علي بن حجر، دار صادر، بيروت، لبنان.

١٢٠ـ مختصر التحفة الاثنى عشرية، لمحمود شكري الألوسي؛ تحقيق: محب الدين الخطيب، المطبعة السلفية، القاهرة ١٣٧٣هـ.

١٢١ـ علي بن أبي طالب مستشار أمين للخلفاء الراشدين، د. محمد عمر الحاجي، دارالحافظ بدمشق، الطبعة الأولى ١٩٩٨م.

١٢٢ـ فقه السيرة للبوطي، محمد سعيد رمضان البوطي، الطبعة الحادية عشرة، ١٩٩١م، دارالفكر، دمشق.

١٢٣ـ المختصر من كتاب الموافقة بين أهل البيت والصحابة للزمخشري، تحقيق سيد ابراهيم صادق، دار الحديث، أمام جامعة الأزهر.

١٢٤ـ النهي عن سب الأصحاب وما فيه من الاثم والعقاب لمحمد عبدالواحد المقدسي، تحقيق: عبدالرحمن التركي، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى.

١٢٥ـ النضرة في مناقب العشرة لأبي جعفر أحمد الشهير بالمحب الطبري، المكتبة القيمة القاهرة.

١٢٦ـ أضواء البيان في تاريخ القرآن، صابر حسن محمد أبو سليمان، دار عالم الكتب، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ ـ ٢٠٠٠م.

١٢٧ـ تيسير الكريم المنّان في سيرة عثمان بن عفان، د. علي محمد الصلابي، دار التوزيع والنشر الاسلامية، الطبعة الأولى ١٤٢٣هـ ـ ٢٠٠٢م.

١٢٨ـ الخليفة الفاروق عمر بن الخطاب، عبدالرحمن عبدالكريم العاني، د. حسن فاضل زعين، دار الشؤون الثقافية العامة بغداد طبعة ١٩٨٩م.

١٢٩ـ أوليات الفاروق للقرشي، د. غلب عبدالكافي القرشي، المكتب الاسلامي بيروت، مكتبة الحرمين الرياض، الطبعة الأولى ١٤٠٣هـ ١٩٨٣م.

١٣٠ـ الخلفاء الراشدون للخالدي، دار القلم دمشق.

١٣١ـ الخلافة والخلفاء الراشدون بين الشورى، والديمقراطية، سالم البهنساوي، مكتبة المنار الاسلامية، الكويت، الطبعة الثانية ١٤١٨هـ ـ ١٩٩٧م.

١٣٢ـ أشهر مشاهير الاسلام في الحرب والسياسة، رفيق العظم، دار الرائد العربي، بيروت، لبنان، الطبعة السادسة ١٤٠٢هـ ـ ١٩٨٣م.

١٣٣ـ مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري، يحيى ابراهيم اليحيى، دار العاصمة، الرياض، الطبعة الأولى ١٤١٠هـ.

١٣٤ـ المدينة النبوية، فجر الاسلام والعصر الراشدي، محمد حسن شراب، دار القلم، دمشق، الدار الشامية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٥هـ ـ ١٩٩٤م.

١٣٥ـ نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الاسلامي، ظافر القاسمي، دار النفائس ـ بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٠٧هـ ـ ١٩٨٧م.

١٣٦ـ عثمان بن عفان، لصادق عرجون، الدار السعودية الطبعة الثالثة ١٤١٠هـ ـ ١٩٩٠م.

١٣٧ـ شهيد الدار، عثمان بن عفان، أحمد الخروف، دار البيارق، دار عمار الطبعة الأولى ١٤١٨هـ ـ ١٩٩٧م.

١٣٨ـ التمهيد والبيان في مقتل الشهيد عثمان، محمد بن يحيى بن أبي بكر المالقي الأندلسي د.

محمود يوسف زايد، دارالدوحة، الطبعة الأولى ١٤٠٥هـ ـ ١٩٨٥م.

١٣٩ـ مجلة البحوث الاسلامية، العدد (١٠).

١٤٠ـ أثر التشيع على الروايات التاريخية، د. عبدالعزيز نور ولى، دارالخضرى، المدينة الطبعة الأولى ١٤١٧هـ ـ ١٩٩٦م.

١٤١ـ عقيدة السلف وأصحاب الحديث، ضمن الرسائل المنبرية، للبهيج اسماعيل الصابونى، نشر محمد أمين رمج ١٩٧٠م.

١٤٢ـ رياض النفوس، للمالكى، أبوبكر عبدالله بن محمد المالكى، دارالغرب الاسلامى، بيروت، لبنان، طبعة عام ١٤٠٣هـ ـ ١٩٨٣م.

١٤٣ـ الجهاد والقتال فى السياسة الشرعية، محمد خير هيكل، الطبعة الأولى ١٤١٤هـ ـ ١٩٩٣م.

١٤٤ـ ليبيا من الفتح العربى حتى انتقال الخلافة الفاطميه للدكتور صالح مصطفى مفتاح المزينى، منشورات جامعة قاريونس، بنغازى، الطبعة الثالثة ١٩٩٤م.

١٤٥ـ الشرف والتسامى بحركة الفتح الاسلامى، د. على محمد الصلابى، مكتبة الصحابة، الشارقة، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ ـ ٢٠٠١م.

١٤٦ـ فتنة مقتل عثمان د. محمد عبدالله الغبان، مكتبة العبيكان، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ ـ ١٩٩٩م.

١٤٧ـ تحقيق مواقف الصحابة فى الفتنة من روايات الطبرى، والمحدثين، تأليف د. محمد أمحزون، دار طيبة، مكتبة الكوثر، الرياض الطبعة الأولى ١٤١٥هـ.

١٤٨ـ عثمان بن عفان الخليفة الشاكر الصابر، عبدالستار الشيخ، الطبعة الأولى ١٤١٢هـ ـ ١٩٩١م.

١٤٩ـ تاريخ المدينة، أبو زيد عمر بن شبة النميرى البصرى، تحقيق: محمود شلتوت، نشر السيد حبيب محمود أحمد، المدينة ١٣٩٣م.

١٥٠ـ منهاج القاصدين فى فضل الخلفاء الراشدين، مخطوط فى مكتبة عارف حكمت بالمدينة رقم ٢٥٣.

١٥١ـ مقالات الاسلاميين واختلاف المصلين، لأبى الحسن الأشعرى، مكتبة النهضة المصرية.

١٥٢ـ لوامع الأنوار البهية للسفارينى، المكتب الاسلامى.

١٥٣ـ الوصية الكبرى، لشيخ الاسلام ابن تيمية، طبع دارالمطبعة السلفية ومكتبتها، نشر قصى محب الدين الخطيب، الطبعة الثالثة ١٤٠١هـ.

١٥٤ـ الثقات لابن حبان، محمد بن حبان، مكتبة العلم، مكة المكرمة، الطبعة الأولى، ١٣٩٣م.

١٥٥ـ استشهاد عثمان ووقعة الجمل فى مرويات سيف بن عمر فى تاريخ الطبرى دراسة نقدية، د. خالد بن محمد الغيث، دار الأندلس الخضراء جدّة.

١٥٦ـ أحكام القرآن لابن العربی ، دارالمعرفة ، بیروت لبنان .
١٥٧ـ شرح الطحاوية ، للعلامة محمد بن علی بن محمد الأذرعی ، المكتب الاسلامی ، بیروت .
١٥٨ـ التاريخ الصغير للبخاری .
١٥٩ـ عبدالله بن سبأ وأثره فی أحداث الفتنة فی صدر الاسلام ، سلمان بن حمد العودة ، دار طيبة ، الرياض ، الطبعة الثالثة ١٤١٢هـ .
١٦٠ـ العواصم من القواصم ، القاضی أبوبكر بن العربی ، تحقيق محب الدين الخطيب ، دارالثقافة ، قطر الدوحة ـ الطبعة الثانية ١٩٨٩ م .
١٦١ـ تثبيت دلائل النبوة للهمدانی .
١٦٢ـ الفصل فی الملل والنحل ، لأبی محمد بن حزم الظاهری ، مكتبة الخانجی ، مصر .
١٦٣ـ دول الاسلام ، للذهبی .
١٦٤ـ الوافی بالوفيات للصدفی .
١٦٥ـ مروج الذهب ومعادن الجوهر لأبی الحسن علی بن الحسين بن علی المسعودی ، دارالكتاب اللبنانی ، بيروت ، لبنان ، الطبعة الأولى ١٤٠٢هـ .
١٦٦ـ سنن سعيد بن منصور ، دارالصميعی ، الرياض ، الطبعة الثانية ، ١٤٢٠هـ .
١٦٧ـ كتاب أهل البغی من الحاوی الكبير للماوردی .
١٦٨ـ المنتقی من منهاج الاعتدال ، للحافظ أبی عبدالله محمد بن عثمان الذهبی ، دار البيان ، وحققه وعلق علی حواشيه محب الدين الخطيب .
١٦٩ـ الفتن لنعيم بن حماد .
١٧٠ـ أحداث وأحاديث فتنة الهرج ، د . عبدالعزيز دخان ، مكتبة الصحابة ، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ ـ ٢٠٠٣م .
١٧١ـ تهذيب ابن عساكر ، دار احياء التراث العربی ، بيروت ، الطبعة الثالثة ١٤٠٧هـ ـ ١٩٨٧م .
١٧٢ـ عقيدة الامام ابن قتيبة ، علی العليانی ، مكتبة الصديق ، الطبعة الأولى ١٤١٢ هـ ـ ١٩٩١م السعودية .
١٧٣ـ الامامة والسياسة المنسوب لابن قتيبة ، مؤسسة الحلبی ، القاهرة .
١٧٤ـ الصواعق المحرقة علی أهل الرفض والضلال والزندقة لأبی العباس أحمد ابن محمد بن علی بن حجر الهيثمی ، مؤسسة الرسالة ، بيروت ، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ ـ ١٩٩٧م .
١٧٥ـ تفسير القرطبی ، لأبی عبدالله محمد بن أحمد الأنصاری القرطبی ، دار احياء التراث العربی ، بيروت لبنان .

۱۷٦ـ وقعة صفين لابن مزاحم، تحقيق عبدالسلام هارون ـ الطبعة الثانية ـ القاهرة ۱۳۸۲هـ.
۱۷۷ـ تنزيه خال المؤمنين معاوية بن أبي سفيان من الظلم والفسق في مطالبته بدم أمير المؤمنين عثمان لأبي يعلى محمد الفراء، تحقيق دارالنبلاء، عمان. الطبعة الأولى ۱٤۲۲هـ.
۱۷۸ـ دراسة في تاريخ الخلفاء الأمويين، د. محمد ضيف الله بطاينة، دارالفرقان، الأردن عمان.
۱۷۹ـ الأخبار الطوال، لأبي حنيفة أحمد بن داود، تحقيق عبدالمنعم عامر، مراجعة د. جمال الدين الشيال، مكتبة المتنبي بغداد.
۱۸۰ـ نهج البلاغة، شرح محمد عبده، دارالبلاغة لبنان.
۱۸۱ـ معاوية بن أبي سفيان، صحابي كبير، وملك مجاهد، منير محمد الغضبان، دارالقلم دمشق، الطبعة الثالثة ۱٤۱۷هـ ـ ۱۹۹٦م.
۱۸۲ـ مجموع فتاوى ابن تيمية، جمع وترتيب عبدالرحمن بن قاسم، الطبعة الأولى ۱۳۹۸هـ.
۱۸۳ـ الأساس في السنة، سعيد حوى، دارالسلام، القاهرة.
۱۸٤ـ الاعتقاد على مذهب السلف أهل السنة والجماعة لأبي بكر أحمد بن الحسين البيهقي، الناشر، حديث أكاديمي، نشاط آباد فيصل آباد.
۱۸٥ـ المحن لابن أبي العرب.
۱۸٦ـ بذل المجهود في اثبات مشابهة الرافضة لليهود، عبدالله الجميلي، مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة المنورة الطبعة الثانية، ۱٤۱٤هـ ـ ۱۹۹٤م.
۱۸۷ـ الامامة والرد على الرافضة، تحقيق علي ناصر فقيهي.
۱۸۸ـ تطور الفكر السياسي الشيعي من الشورى الى ولاية الفقيه، أحمد الكاتب.
۱۸۹ـ الحكومة الاسلامية للخميني.
۱۹۰ـ مقاتل الطالبيين لأبي الفرج الأصفهاني.
۱۹۱ـ الأغاني لأبي الفرج الأصفهاني.
۱۹۲ـ المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، لأبي الفرج عبدالرحمن بن علي الجوزي، دارالكتب العلمية، بيروت.
۱۹۳ـ كتب حذر منها العلماء، لأبي عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان دار الصميعي السعودية، الطبعة الأولى ۱٤۱٥هـ ـ ۱۹۹٥م.
۱۹٤ـ السيف اليماني في نحر الأصفهاني، وليد الأعظمي، الطبعة الثانية. ۱٤۱۰هـ ـ ۱۹۸۹م، دارالوفاء، مصر.

١٩٥ـ معجم الأدباء، ياقوت الحموي، دار صادر.

١٩٦ـ الأدب في الاسلام، نايف معروف، دارالنفائس، الطبعة الأولى، ١٤١٠هـ ـ ١٩٩٠م.

١٩٧ـ وفيات الأعيان وأنباء وأبناء الزمان لابن خلكان. أبو العباس شمس الدين أحمد، تحقيق احسان عباس، دار صادر بيروت.

١٩٨ـ منهج الرسول في غرس الروح الجهادية في نفوس أصحابه، السيد محمد نوح، الطبعة الأولى ١٤١١هـ ـ ١٩٩٠م جامعة الامارات العربية المتحدة.

١٩٩ـ التفسير المنير، د. وهبة الزحيلي، دارالفكر المعاصر بيروت، دار الفكر دمشق ١٤١١هـ ـ ١٩٩١ الطبعة الأولى.

٢٠٠ـ الايمان أولاً فكيف نبدأ به، مجدى الهلالي، دارالتوزيع والنشر الاسلامية مصر.

٢٠١ـ عيون الأخبار، لأبي محمد عبدالله بن مسلم بن قتيبة، دارالكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤٠٦هـ ـ ١٩٨٦م.

٢٠٢ـ تهذيب مدارج السالكين، لابن القيم. هذبه عبدالمنعم صالح العلى العزى مؤسسة الرسالة، الطبعة الثالثة ١٤٠٩هـ ـ ١٩٨٩م.

٢٠٣ـ الرقائق، لمحمد أحمد الراشد، دارالبشير مصر.

٢٠٤ـ صحيح الجامع الصغير، محمد ناصر الدين الألباني، الطبعة الثالثة، ١٤٠٨هـ ـ ١٩٨٨م، المكتب الاسلامي بيروت ـ لبنان.

٢٠٥ـ السلسلة الصحيحة، للألباني، المكتبة الاسلامية.

٢٠٦ـ رهبان الليل، د. سيد بن حسين العفاني، مكتبة معاذ بن جبل، مصر.

٢٠٧ـ ماذئبان جائعان لابن رجب، تحقيق محمد صبحي حلاق، مؤسسة الريان، الطبعة الأولى ١٤١٣هـ ـ ١٩٩٢م.

٢٠٨ـ جواهر الأدب للهاشمي، السيد أحمد الهاشمي، مؤسسة المعارف، بيروت، لبنان.

٢٠٩ـ صحيح الترغيب والترهيب، للمنذري.

٢١٠ـ الأخلاق بين الطبع والتطبع، لابى عبدالله فيصل بن عبده الحاشدى، دارالايمان ـ الاسكندرية.

٢١١ـ صلاح الأمة في علو الهمة، د. سيد بن حسين العفاني، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ ـ ١٩٩٧م.

٢١٢ـ جهاد النفس، علي بن محمد الدهامي، دار طيبة، الرياض، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ ـ ٢٠٠٣م.

٢١٣ـ جامع العلوم والحكم، لابن رجب.

٢١٤۔ الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة، محمد رضا، المكتبة العصرية، لبنان، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ ۔ ٢٠٠١م.

٢١٥۔ علموا أولادكم حب آل بيت النبی، محمد عبده يمانی، دار القبلة للثقافة الاسلامية، جدة الطبعة الثانية ١٤١٨هـ ۔ ١٩٩٨م.

٢١٦۔ منهج الاسلام فی تزكية النفس، د. محمد خير فاطمة، دار الخير، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ ۔ ٢٠٠٣م.

٢١٧۔ مدارج السالكين، لابن القيم، تحقيق محمد حامد الفقی، دار الكتاب العربی، بيروت، ١٣٩٢هـ.

٢١٨۔ أمراض النفس، دراسة تربوية لأمراض النفوس ومعوقات تزكيتها وعلاج ذلك، د. أنس أحمد كرزون، دار ابن حزم، الطبعة الثالثة ١٤٢٤هـ.

٢١٩۔ الجواب الكافی، لابن القيم.

٢٢٠۔ جامع بيان العلم وفضله لأبی عمر يوسف بن عبدالبر، الطبعة الرابعة، ١٤١٩هـ ۔ ١٩٩٨م.

٢٢١۔ المحدث الفاصل للرامهرمزی.

٢٢٢۔ قواعد فی التعامل فی العلماء، عبدالرحمن بن معلا اللويحق، دار الوراق، الطبعة الأولى ١٤١٥هـ ۔ ١٩٩٤م.

٢٢٣۔ الداء والدواء لابن القيم.

٢٢٤۔ التعريفات للجرجانی.

٢٢٥۔ سنن النسائی، أحمد بن شعيب بن علی النسائی، دار الفكر بيروت.

٢٢٦۔ الزواجر لابن حجر الهيثمی.

٢٢٧۔ الشهب اللامعة فی السياسة النافعة لعبدالله بن يوسف بن رضوان المالقی، دار المدار الاسلامی، لبنان، الطبعة الأولى.

٢٢٨۔ أحكام القرآن، أحمد بن علی الرازی المعروف بالجصاص، دار الكتاب العربی، بيروت، لبنان.

٢٢٩۔ المحرر الوجيز فی تفسير الكتاب العزيز لابن عطية، أبی محمد عبدالحق ابن غالب الأندلسی، تحقيق المجلس العلمی بفاس، وزارة الأوقاف والشؤون الدينية بالمغرب.

٢٣٠۔ التحرير والتنوير، للشيخ محمد الطاهر بن عاشور، دار الكتب الشرقية تونس.

٢٣١۔ الفوائد لابن القيم، محمد بن أبی بكر بن قيم الجوزية، دار الريان للتراث، القاهرة مصر، الطبعة الأولى ١٤٠٧هـ ۔ ١٩٨٧م.

۲۳۲۔ تفسير ابن كثير، دارالفكر، ودار القلم، بيروت ۔ لبنان، الطبعة الثانية.

۲۳۳۔ تفسير السعدى. تيسير الكريم الرحمن فى تفسير كلام المنان لعبد الرحمن ناصر السعدى، المؤسسة السعدية بالرياض.

۲۳٤۔ معنى الزهد والمقالات وصفة الزاهدين للامام أبى سعيد أحمد بن محمد، دارالكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ ۔ ٢٠٠٣م.

۲۳٥۔ محاسن التأويل للقاسمى، محمد جمال الدين القاسمى دارالفكر، بيروت.

۲۳٦۔ نهاية الأرب فى فنون الأدب، شهاب الدين أحمد بن عبدالوهاب النويرى، مطبعة كوتسا توماسى بالقاهرة.

۲۳۷۔ صور وعبر من الجهاد النبوى فى المدينة، د. محمد فوزى فيض الله، دارالقلم، دمشق، الدار الشاميه، بيروت، الطبعة الأولى ١٤١٦هـ ۔ ١٩٩٦م.

۲۳۸۔ قيادة الرسول السياسية والعسكرية، أحمد راتب عرموش دارالنفائس، الطبعة الأولى ١٤٠١هـ ۔ ١٩٨١م.

۲۳۹۔ ولاة مصر، أبو يوسف محمد الكندى، تحقيق د. حسين نصار، دار صادر، بيروت، بدون تاريخ.

۲٤٠۔ النجوم الزاهرة فى ملوك مصر والقاهرة، جمال الدين أبو المحاسين يوسف ابن تغرى بردى، وزارة الثقافة والارشاد القومى، القاهرة بدون تاريخ.

۲٤۱۔ المجروحون من المحدثين، أبو حاتم محمد بن حبّان بن أحمد، تحقيق: ابراهيم محمود زايد، حلب، دارالوعى.

۲٤۲۔ تذكرة الحفاظ، شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمن الذهبى، بيروت، دار احياء التراث.

۲٤۳۔ الكامل فى ضعفاء الرجال، للامام الحافظ أبى أحمد عبدالله بن عدى الجرجانى، دارالفكر، بيروت لبنان، الطبعة الثانية، ١٤٠٥هـ.

۲٤٤۔ المعرفة والتاريخ، ليعقوب بن سفيان الفسوى، تحقيق أكرم ضياء العمرى، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية ١٤٠١هـ.

۲٤٥۔ فقه السيرة، منير الغضبان، معهد البحوث العلمية واحياء التراث مكة المكرمة.

۲٤٦۔ الصراع مع اليهود لأبى فارس، دار الفرقان، الطبعة الأولى ١٤١١هـ ۔ ١٩٩٠م.

۲٤۷۔ مرويات خلافة معاوية فى تاريخ الطبرى، خالد محمد الغيث، دارالأندلس الخضراء السعودية، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ ۔ ٢٠٠٠م.

۲٤۸۔ مجموعة الفتاوى، تقى الدين أحمد بن تيمية الحرانى، دارالوفاء، الطبعة الأولى

١٤١٧هـ ـ ١٩٩٧م.

٢٤٩ـ السنة لأبی بکر الخلال، تحقيق عطية الزهراني، دارالراية، الطبعة الأولى ١٤١٠هـ.

٢٥٠ـ المطالب العلية بزوائد المسانيد الثمانية، المطبعة العصرية، ١٣٩٠هـ ـ ١٩٧٠م.

٢٥١ـ أخلاق النبی ﷺ فی القرآن والسنة، د. أحمد بن عبدالعزيز قاسم الحداد، دار الغرب الاسلامی، لبنان، الطبعة الثانية ١٩٩٩م.

٢٥٢ـ جامع الأصول من أحاديث الرسول، للامام مبارك بن الجزری، تحقيق حامد الفقی، ادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد ـ الرياض ١٣٧٠هـ.

٢٥٣ـ مقاصد الشريعة الاسلامية وعلاقتها بالأدلة الشرعية، محمد سعد اليوبی، دارالهجرة.

٢٥٤ـ اعتبار المآلات ومراعاة نتائج التصرفات، د. عبدالرحمن بن معمر السنوسی، دار بن الجوزی، الطبعة الأولى رجب ١٤٢٤هـ ـ السعودية.

٢٥٥ـ أسباب النزول للواحدی، علی بن أحمد الواحدی، دارالفكر، بيروت، لبنان.

٢٥٦ـ رسالة الألفة بين المسلمين، لابن تيمية.

٢٥٧ـ الناهية عن طعن أمير المؤمنين معاوية، عبدالعزيز بن أحمد بن حامد، غرّاس للتوزيع، الكويت، الطبعة الأولى.

٢٥٨ـ نظام الخلافة فی الفكر الاسلامی، مصطفی حلمی، دارالدعوة الاسكندرية.

٢٥٩ـ الشيخان أبوبكر و عمر رواية البلاذری فی أنساب الأشراف، تحقيق د. احسان صدقی العمد، المؤتمن للنشر، السعودية، الطبعة الثالثة ١٤١٨هـ ـ ١٩٩٧م.

٢٦٠ـ الدولة والسيادة فی الفقه الاسلامی، فتحی عبدالكريم، مكتبة وهبة، الطبعة الثانية ١٤٠٤هـ ـ ١٩٨٤م.

٢٦١ـ الذاكرة التاريخية للأمة، د. قاسم محمد.

٢٦٢ـ الدور السياسی للصفوة فی صدر الاسلام، السيد عمر، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ ـ ١٩٩٦م.

٢٦٣ـ أثر العلماء فی الحياة السياسة فی الدولة الأموية د. عبدالله عبدالرحمن الخرعان مكتبة الرشد، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ.

٢٦٤ـ دراسات فی الأهواء والفرق والبدع، وموقف السلف منها د. ناصر بن عبدالكريم العقل، مركز دار أشبيليا، الطبعة الأولى ١٤١٨هـ ـ ١٩٩٧م.

٢٦٥ـ وجوب التعاون بين المسلمين، لعبدالرحمن السعدی، دارالمعارف، الرياض، طبعة ١٤٠٢هـ.

٢٦٦ـ سنن الدارمی، لأبی عبدالله بن عبدالرحمن بن الفضل بن بهرام الدارمی، دار الكتب

العلمية، بيروت لبنان.

٢٦٧ـ النظريات السياسية محمد ضياء الريس.

٢٦٨ـ قضاء الحوائج لأبي بكر بن أبي الدنيا، دار بن حزم، تحقيق محمد خير رمضان يوسف.

٢٦٩ـ فيض القدير شرح الجامع الصغير، عبدالرؤف المناوي، دار الفكر للطباعة والنشر، الطبعة الثانية ١٣٩١هـ ـ ١٩٧٢م.

٢٧٠ـ مآثر الأنافة في معالم الخلافة للقلقشندي، تحقيق عبدالستار أحمد الفرج، عالم الكتب، بيروت.

٢٧١ـ العبودية لابن تيمية.

٢٧٢ـ المدينة في العصر الأموي، محمد محمد شراب، مؤسسة علوم القرآن دمشق.

٢٧٣ـ مواقف المعارضة في خلافة يزيد، محمد الشيباني، دارالبيارق، عمان، الأردن.

٢٧٤ـ تهذيب الكمال في أسماء الرجال، للمزي، تحقيق: بشار عواد معروف، مؤسسة الرسالة بيروت.

٢٧٥ـ أثر أهل الكتاب في الفتن والحروب الأهلية في القرن الأول الهجري، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ ـ ٢٠٠١م.

٢٧٦ـ الوسيطة في القران الكريم، علي الصّلابي، دارالصحابة، الامارات، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ ـ ٢٠٠١م.

٢٧٧ـ التوضيح والبيان لشجرة الايمان، عبدالرحمن السعدي.

٢٧٨ـ المرتضى سيرة أمير المؤمنين أبي الحسن علي بن أبي طالب لأبي الحسن الندوي، دارالقلم، دمشق، الطبعة الثانية ١٤١٩هـ ـ ١٩٩٨م.

٢٧٩ـ تاريخ العراق في ظل الحكم الأموي د. علي حسن الخربوطلي، دار المعارف بمصر.

٢٨٠ـ المفهم لما أشكل من تلخيص مسلم، لأبي العباس أحمد عمر القرطبي، تحقيق: محي الدين مستو، يوسف بدوي، دار ابن كثير، الطبعة الأولى ١٤١٧هـ.